ماہنامہ

کرن

JUNE 2010

www.pkdigest.com

اس شمارے کے ساتھ
کرن کا تحفہ
کرن کیلنڈر

حمد — نعمان فاروقی — ۱۱
نعت — ناصر کاظمی — ۱۱

انٹرویو

ثروت گیلانی — شاہین رشید — ۱۲
دوکا پہاڑہ — فائق خان — ۲۴
پیا کا گھر — فائزہ حسن — ۱۸
بول کہ لب — ریحانہ علی احمد — ۲۹

ناول

خواب خواہش — رابعہ رزاق — ۱۲۸
دستِ کوزہ گر — فوزیہ یاسمین — ۳۲

مکمل ناول

طلوعِ سحر ہے — نایاب جیلانی — ۱۸۲
بھنور میں — کومل صبا — ۵۸

ناولٹ

گوشۂ عافیت — شگفتہ بھٹی — ۱۶۳
لمحۂ ہدایت — سنبل — ۱۰۴

افسانے

زرد کوارٹ — شاہین ملک — ۴۷
پارس — غزالہ عزیز — ۹۸
کہانی زندگی کی — رضیہ مہدی — ۱۵۳
مینسج — سیام شہزادی — ۲۵۲

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 500 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ------ 4000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 5000 روپے

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو — شعاع عمیر — ۲۶۲
یادوں کے دریچے — بشریٰ محمود — ۲۶۶
مجھے یہ شعر پسند ہے — شگفتہ سلیمان — ۲۶۸
مسکراتی کرنیں — ریحانہ علی احمد — ۲۷۴
نہلے پہ دہلا — ذوالقرنین — ۲۸۲
کرن کا دسترخوان — خالدہ جیلانی — ۲۷۲
حسن و صحت — ادارہ — ۲۷۸
نامے میرے نام — مدیرہ کرن — ۲۸۵

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37 اردو بازار کراچی

جون 2010
جلد 33 شمارہ 3
قیمت 40 روپے

پبلشر آزر ریاض نے ایس حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقامِ اشاعت: بی 91 بلاک W نارتھ ناظم آباد، کراچی
Ph.: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 32766872 Email: khawateendigest@hotmail.com

www.pkdigest.com

مدیرہ

اداریہ

جون کا کرن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

پاکستان کو وجود میں آئے آدھی صدی سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ قوموں کی زندگی میں یہ عرصہ کوئی زیادہ نہیں۔ مگر یہ ایسی قلیل مدت بھی نہیں کہ اس عرصے میں صحیح سمت کا تعین ہی نہ ہو سکے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے معاملے میں یہی صورت حال ہے۔ آزادی کے ان ترسٹھ سالوں میں ہر آنے والی حکومت پچھلی حکومت کو معتوب ٹھہرا کر اپنا وقت گزارتی رہی۔ اور ناکردہ گناہوں کی سزا غریب عوام کو دیتی رہی۔

آدھا ملک گنوا دینے کے بعد بھی ہمیں ہوش نہیں آیا۔ حالانکہ اتنے بڑے سانحے کے بعد سیاسی اور فوجی قیادت کو مل کر آنے والی نسلوں کے لیے ایک بہتر مستقبل کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے تھی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ایک طرف ہر آنے والی حکومت پچھلی حکومت کے لیے قرضوں کا زور و شور سے واویلا کرتے ہوئے عوام کو دو چار سال سختی سے گزارنے کی درخواست کرتے ہوئے انہیں خوش حال مستقبل کی نوید سناتی ہے تو دوسری طرف قرض دینے والوں کی کڑی شرائط مانتے ہوئے قرضہ لے کر بنیادی ضروریات کی اشیاء بھی پہنچ سے دور کر دی جاتی ہیں۔

پاکستان کا مطلب کیا "لا الٰہ الا اللہ" کا نعرہ لگا کر ہمارے آباؤ اجداد نے اپنی جان و مال کو اس لیے تو نہیں گنوایا تھا کہ ناانصافی، بے روزگاری، مہنگائی، دہشت گردی اور لسانی و مذہبی عصبیتوں سے بھرپور معاشرہ ہماری آنے والی نسلوں کا مقدر بنے۔

اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں وسائل کی کمی نہیں مگر مسئلہ دیانت دار قیادت اور وسائل کے صحیح استعمال کا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اربابِ اقتدار و اختیار کو درست پالیسیاں مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ایک صحت مند معاشرہ تشکیل پا سکے۔ (آمین)

اس شمارے میں،

- اداکارہ "ثروت گیلانی" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکار "فائق خان" دوکے بہاڑے کے ساتھ،
- "پیا کا گھر پیارا لگے" میں "فائزہ حسن" کے گھر کی باتیں،
- قارئین کے لیے دلچسپ سلسلہ "جو دل کو لگے آزاد ہیں تیرے"،
- "دستِ کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سسپنس دار ناول،
- "خواب، خواہش اور زندگی" رابعہ مذاق کا سلسلے وار ناول اختتامی مراحل میں،
- "طلوعِ سحر سے شامِ محبت" نایاب جیلانی کے طویل مکمل ناول کا آخری حصہ،
- "بھنور میں" کومل صبا کا مکمل ناول،
- شگفتہ بھٹی اور سنبل کے دلچسپ ناولٹ،
- شاہین ملک، رضیہ مہدی، نیلم شہزادی اور عزالہ عزیز کے افسانے اور مستقل سلسلے۔

مفت،

کرن کتاب "کرن پکوان" ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔ استفادہ کریں۔

حمدِ باری تعالیٰ

ترا حکم اس میں اگر نہ ہو
کسی رات کی بھی سحر نہ ہو

جو متاعِ علم و یقیں دے
مرا مدعا کبھی زر نہ ہو

مجھے آشنائے جمال کر
غمِ دو جہاں کی خبر نہ ہو

جو کبھی ہو تجھ سے گریز پا
کوئی تیرا ایسا بشر نہ ہو

یہ نہیں کہ تجھ کو پکاروں جب
تو مری دعا میں اثر نہ ہو

تری حمد کے ہو بغیر جو
کوئی ساعت ایسی بسر نہ ہو

ترے ذکر سے ہے یوں نمالی دل
کہ صدف میں جیسے گہر نہ ہو

نعمان فاروقی

نعتِ رسول مقبول ﷺ

شجر حجر تمہیں جھک کر سلام کرتے ہیں
یہ بے زباں تمہیں سے کلام کرتے ہیں

زمیں کو عرشِ معلیٰ ہے تیرا گنبدِ سبز
تری گلی میں فرشتے قیام کرتے ہیں

مسافروں کو ترا در ہے منزلِ آخر
یہیں سب اپنی مسافت تمام کرتے ہیں

جنہیں جہاں میں کہیں بھی اماں نہیں ملتی
وہ قافلے یہاں آ کر قیام کرتے ہیں

نظر میں پھرتے ہیں تیرے دیار کے منظر
اسی نواح میں ہم صبح و شام کرتے ہیں

سکونِ دل کی انہی سے امید ہے ناصر
جو اپنا فیض غریبوں پہ عام کرتے ہیں

ناصر کاظمی

www.pkdigest.com

ثروت گیلانی سے ملاقات

شاہین رشید

جب ہم نے ثروت گیلانی کو پہلی مرتبہ ڈرامہ سیریل "تیرے جانے کے بعد" میں دیکھا تو قطعی یہ امید نہیں تھی کہ یہ لڑکی ایک دن ڈراموں کی دنیا کی معروف ترین اداکارہ بن جائے گی' انتہائی دبلی پتلی' گھنگھریالے بال اور کم عمر بھی' لیکن کہتے ہیں کہ کام کی لگن اور اچھے کردار انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔

ثروت گیلانی کی یہ خوش قسمتی رہی ہے کہ انہیں ابتدا سے ہی پاور فل کردار ملے جسے انہوں نے اپنی محنت سے خوب نبھایا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ڈائریکٹر نے ان کی صلاحیتوں کو پرکھا اور یہ ثابت کیا کہ ثروت گیلانی میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں ہے۔ ڈرامہ سیریل "میرے پاس پاس" میں ان کی پرفارمنس نہایت عمدہ تھی اور اس سیریل کے بعد ہی ان کے لیے ترقی کے راستے کھلتے چلے گئے اور اب آپ دیکھیں کہ ثروت آپ کو ہر دو چار سیریل کے بعد نظر آئیں گی۔ آج کل آپ انہیں "میری ذات ذرہ بے نشاں" اور "حلی زے" میں دیکھ رہے ہیں۔

✦ "کیسی ہیں ثروت' ماشاء اللہ بہت نکھار آگیا ہے آپ کی اداکاری میں؟"

✦ "میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں' آپ کیسی ہیں۔ آج بہت دنوں کے بعد آپ سے بات ہو رہی ہے اور آپ کو تو میں پہلے دن سے ہی اچھی لگتی ہوں' اسی لیے آپ میری تعریف کرتی ہیں۔"

✦ "نہیں ایسی بات نہیں۔ آپ واقعی ایک اچھی پرفارمر ہیں۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ آپ اداکاری کو خیرباد کہہ رہی ہیں؟"

✦ "ہاں' سوچا تھا کہ بہت کام کرلیا۔ لوگ کیا کہیں گے کہ ہر دوسری سیریل میں یہی چہرہ نظر آرہا ہے مگر آپ کو پتا ہے کہ فنکار کی اپنی — نہیں چلتی' اس لیے فیصلے پر نظرثانی کرنی پڑی۔"

✦ "گڈ — تو پھر کیا کیا پروجیکٹ ہیں؟"

✦ "یہ تو نہیں بتا سکتی کیونکہ کافی ڈائریکٹرز میرے پیچھے ہیں کہ ہمیں ٹائم دو۔ کچھ کو دیا ہے' کچھ کے لیے سوچ رہی ہوں۔"

✦ "ڈائریکٹر کی آفر سے متاثر ہوتی ہیں یا پھر اسکرپٹ دیکھتی ہیں؟"

✦ "اگر ڈائریکٹرز کی آفرز سے متاثر ہوتی تو آج آپ کو ہر ڈرامے میں نظر آرہی ہوتی مگر ایسا نہیں ہے۔ میں

سب سے پہلے اسکرپٹ دیکھتی ہوں۔ کہانی کا مطالعہ کرتی ہوں پھر جو مجھے کردار آفر ہوتا ہے' وہ دیکھتی ہوں۔ اگر کردار جاندار ہوتا ہے تو "یس" ورنہ "نو" کہہ دیتی ہوں۔"

✦ "چاہے ڈائریکٹر اور فنکار کوئی بھی ہو؟"

✦ "نہیں نہیں' ڈائریکٹر کا اچھا ہونا تو بہت ضروری ہے کیونکہ ڈائریکٹر ہی تو ایسی شخصیت ہے جو کمزور کہانی اور کمزور فنکار کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ تو ڈائریکٹر پہلے پھر کہانی' پھر اپنا کردار اور پھر ساتھی فنکار۔"

✦ "یہ آپ پر اللہ کا خاص کرم ہے کہ آپ کے سارے ہی سیریل ہٹ جاتے ہیں یا آپ اس کو اپنی محنت کا نتیجہ کہتی ہیں؟"

✦ "اللہ کے کرم کے بعد ہی تو ہم کچھ کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ہماری محنت بھی اسی وقت رنگ لاتی ہے جب اللہ کی رضا ہمارے ساتھ ہوتی ہے۔ تو میری محنت کا دخل تو ہے ہی لیکن پہلے اللہ کی مہربانی کیونکہ وہ ہی مجھ سے محنت کرواتا ہے۔"

✦ "لوگ آپ سے ملتے ہیں تو کیا کہتے ہیں' کیسا رسپانس دیتے ہیں؟"

✦ "بہت اچھا رسپانس ملتا ہے' بہت چاہتے ہیں لوگ مجھے۔ خواہ وہ نوجوان ہوں یا بزرگ خواتین و حضرات۔ سب میری بہت عزت کرتے ہیں' کبھی کسی نے مجھ سے بدتمیزی نہیں کی اور بزرگ خواتین تو جب ملتی ہیں تو بڑے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتی ہیں۔ "بیٹا! اتنا رلایا نہ کرو۔ تم اپنی معصوم شکل سے روتی ہو تو ہمیں بھی رونا آجاتا ہے۔" تو یہ سب سن کر مجھے اس لیے بھی بہت اچھا لگتا ہے کہ مجھے یہ پروف مل جاتا ہے کہ میں اچھی اداکاری کرتی ہوں۔"

✦ "زیادہ تر آپ نے مظلوم لڑکی کے رول کیے ہیں' کیوں؟"

✦ "میری شکل بہت معصوم ہے۔ (قہقہہ)۔ ایسی بات نہیں' میں ایک مزاحیہ سیریل بھی کرچکی ہوں

لیکن ہاں آپ سچ کہہ رہی ہیں کہ میں ہر سیریل میں روتی ہوئی ہی نظر آتی ہوں۔ بس اتفاق ہے کہ میرے چہرے کی بناوٹ کچھ ایسی ہے کہ لوگ مجھے زیادہ تر مظلوم کرداروں میں ہی بک کرتے ہیں اور شاید میں پرفارم بھی اچھا کرتی ہوں اور اس لیے تو لوگ کہتے ہیں کہ آپ رُلاتی بہت اچھا ہیں۔"

✦ "مظلوم ہی کرداروں میں اب کوئی ایسا کردار رہ گیا ہے جو آپ کرنا چاہتی ہیں؟"

✦ "ہاں جی' بالکل ہے۔ میری خواہش ہے کہ مجھے کبھی کوئی بہری لڑکی کا رول کرنے کو ملے کیونکہ اس رول میں میرا خیال ہے کہ پرفارمنس کی بہت گنجائش ہوگی کیونکہ اس میں سارا کام ایکسپریشن کا ہوگا۔"

✦ "آذر کی آئے گی بارات" میں آپ کا رول بہت اچھا تھا اور آپ اس میں کافی چینج نظر آرہی تھیں؟"

✦ "واقعی وہ رول تو میرے مزاج جیسا ہلکا پھلکا تھا اور اس کو پرفارم کرکے مجھے مزا بھی بہت آیا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ میں اداکاری کررہی ہوں۔ ماحول بھی خوبصورت اور سب سینئر اداکار۔ سچ بہت اچھا لگا اور اس میں میں آپ کو اس لیے چینج نظر آئی کہ میں نے

www.pkdigest.com

اپنے بالوں کو اسٹریٹ کروالیا تھا' تو سب نے میرے اس اسٹائل کو بہت پسند کیا لیکن پھر بھی میرے اپنے قدرتی بالوں کی بات ہی کچھ اور ہے۔"

✦ "یہ گھنگھریالے بالوں کی کیا کہانی ہے؟"

✦ "ان بالوں کی کہانی یہ ہے کہ ہم لوگ پٹھان ہیں اور میرے امی ابو دونوں کے بال ایسے ہیں جیسے آپ میرے دیکھتی ہیں تو جب والدین کے بال ایسے ہوں گے تو ظاہر ہے کہ میرے بال بھی ایسے ہی ہوں گے۔"

✦ "والدین خوش ہوئے' آپ کی اس فیلڈ پر آمد سے؟"

✦ "ابا' اماں تو زیادہ ناراض نہیں ہوئے لیکن نانی بہت زیادہ ناراض ہوئیں کہ سید خاندان کی لڑکی اور ٹی وی ڈراموں میں نظر آرہی ہے مگر میں نے نانی کو سمجھایا کہ یہ محض ایک کام ہے' ایک جاب ہے' اس میں کچھ بھی غلط نہیں ہے' ہم اپنا کام کرتے ہیں اور گھر آجاتے ہیں۔ پھر ایک دن اتفاق سے میرا ڈرامہ ٹی وی پر آرہا تھا' میں نے اپنی نانی کو اپنے پاس بٹھا کر ڈرامہ دکھایا اور کہا کہ بتائیں' میں نے کیا غلط کیا ہے۔ وہ اس وقت کچھ نہیں بولیں لیکن اس کے بعد انہوں نے مجھے کام کرنے سے منع بھی نہیں کیا اور میرے والد نے بس مجھے ایک ہی بات کی جو کہ میں نے اپنی گرہ میں باندھ لی کہ تمہیں اپنی فیملی کے نام کی حفاظت کرنی ہے۔"

✦ "ایک وقت تھا کہ کسی بھی کردار کے لیے بہت ریسرچ ہوا کرتی تھی' بہت ہوم ورک ہوا کرتا تھا مگر اب تو سنا ہے کہ سیٹ پہ ہی اسکرپٹ ملتا ہے' آپ لوگ پڑھتے ہیں اور پرفارم کرلیتے ہیں۔ کیا ایسا ہی ہے؟"

✦ "ہاں کرتے ہوں گے لوگ ایسا لیکن میں ایسا کچھ نہیں کرتی' میں اپنے ہر کردار کو بہت اہمیت دیتی ہوں اور ڈائریکٹر کو کہتی ہوں کہ آپ کم سے کم دو تین ہفتے پہلے (ریکارڈنگ سے) مجھے اسکرپٹ دے دیا کریں تاکہ میں اپنے رول کا مطالعہ کرکے اس کو سمجھ سکوں' اس کے لیے کچھ ہوم ورک' کچھ ریسرچ کرسکوں۔ دیکھیں میں سمجھتی ہوں کہ وہ کوئی بہت ہی باکمال لوگ ہوں گے جو سیٹ پہ اسکرپٹ لیتے ہیں' پڑھتے ہیں اور پرفارم کردیتے ہیں۔ میں ابھی اپنے آپ کو اتنا پرفیکٹ نہیں سمجھتی اور نہ ہی کبھی سمجھوں گی اور ایک سچی بات اور بتاؤں کہ اس معاملے میں' میں اپنے ڈائریکٹر کو بہت پریشان کرتی ہوں۔"

✦ "اس فیلڈ کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں' بہت سے اسکینڈلز مشہور ہیں' کس طرح اپنے آپ کو بچا کر رکھتی ہیں۔ بری نظروں کا سامنا تو رہتا ہی ہوگا؟"

✦ "ہمارا تعلق چونکہ شوبز سے ہے اور لوگوں کو اس فیلڈ سے دلچسپی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے' اس لیے اس فیلڈ میں ہونے والی ہر بات پریس میں اور میڈیا میں آجاتی ہے' ورنہ آپ دیکھیں تو ہر فیلڈ میں ہی کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہوتی ہے۔ جس طرح دوسری فیلڈ میں انسان کام کرتے ہیں' اس طرح شوبز میں بھی انسان ہی کام کرتے ہیں اور بے چاری لڑکیوں کو تو ہر فیلڈ میں بری نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بس پھر یہاں پر لڑکیوں کا یہ امتحان ہوتا ہے کہ آپ کی تربیت کتنی اچھی ہے اور آپ کا کردار کتنا اسٹرونگ ہے۔ اچھی لڑکیاں کہیں بھی چلی جائیں' وہ نہیں بگڑتی اور نہ ہی غلط راستے پر چل سکتی ہیں۔"

✦ "اس فیلڈ میں آمد پلاننگ کے ساتھ ہوئی یا اتفاقی؟"

✦ "اگر میں اتفاقاً کہوں تو غلط نہ ہوگا۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں انڈس ویلی یونیورسٹی میں پڑھتی تھی' میرا مضمون فلم میکنگ تھا اور اس مضمون کے لیے اکثر ڈائریکٹر لیکچر دینے آتے رہتے تھے تو جب میں اس مضمون کو پڑھ رہی تھی تو معروف اداکار و ڈائریکٹر اظفر علی اور ان کی مسز سلمیٰ اظفر لیکچر دینے آئے تھے تو بس ان کی نظر مجھ پر پڑی' آفر ہوئی' میں نے کام کیا اور اسٹار بن گئی۔"

✦ "ایسے کیسے نظر پڑ گئی اتنے طالب علموں میں؟"

✦ "بھئی ہوا یہ کہ میں عام لائف میں بہت زیادہ بولتی ہوں اور سوال کرنے کی بھی مجھ میں بہت عادت ہے اور جب میں بولتی ہوں تو ایکشن دے کر اور آنکھوں کو حرکتیں دے کر بول رہی ہوتی ہوں تو شاید یہی بات ان دونوں کو پسند آئی اور انہوں نے مجھے ایک ڈرامہ سیریل کے لیے آفر دی اور یوں میں اس فیلڈ میں آگئی۔"

✦ "کتنے سال ہوگئے اس بات کو اور پہلا سیریل کون سا تھا؟"

✦ "ستمبر 2004ء میں اس فیلڈ میں آئی تھی اور میرا پہلا ڈرامہ سیریل "جو بات گھر میں ہے" تھی اور اس کے بعد سلسلہ چلا تو پھر سلطانہ صدیقی صاحبہ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے "سکس ڈگریز" میں بک کیا۔ اس ڈرامے کے بعد سلطانہ صدیقی آپا نے مجھے بلایا اور میری بہت تعریف کی اور کہا کہ تم بہت آگے تک جاؤ گی کیونکہ تم میں بہت صلاحیت ہے اور ساتھ ہی یہ جملے بھی کہے کہ تم میں مہینہ خان اور ثانیہ سعید والی صلاحیتیں ہیں۔ یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات تھی کہ ملک کی نامور پروڈیوسر و ڈائریکٹر میرے بارے میں ایسا کہیں لوگ تعریف کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اور انہوں نے کھل کر میری تعریف کی۔"

✦ "اب تک تو کافی کام کرچکی ہو؟"

✦ "جی اللہ کا شکر ہے کافی کام کرچکی ہوں۔ "حلی زے" اور "میری ذات ذرہ بے نشاں" آن ایر ہیں۔ "آذر کی آئے گی بارات" عید کے دنوں میں پیش کیا گیا تھا اور بے حد پسند کیا گیا تھا۔ "میرے پاس پاس" محبت تم سے ہے' تیرے جانے کے بعد' ابھی ابھی' کیسی ہیں یہ دوریاں" اور بہت کچھ اس وقت یاد بھی نہیں آرہا۔"

✦ "شہرت کس نے دی؟"

✦ "مجھے اس بات پر بڑا فخر ہے کہ میرے سارے ہی سیریلز بہت زیادہ پاپولر ہوئے اور یہ بھی اللہ کا مجھ پر بڑا کرم ہے کہ سب ہی سیریلز میں میرا کردار خاصا پاور فل تھا۔ اگرچہ رونے دھونے والے ہی تھے لیکن سب لیڈنگ رولز تھے اور سب نے مجھے پسند کیا تو میں کسی ایک ڈرامے کا نام تو نہیں لے سکتی۔ ہاں میری

www.pkdigest.com

شناخت "تیرے جانے کے بعد" بنا اور اس کے بعد ہی مجھے دیگر ڈائریکٹرز نے سائن کیا۔"

✦ "آپ خود بھی محسوس کرتی ہیں کہ آپ رونے والے کردار اچھی طرح سے کر لیتی ہیں اور ناظرین بھی آپ کو ایسے کرداروں میں پسند کرتے ہیں۔ رونے کے سین کیا ریئل ہوتے ہیں؟"

✦ "بالکل ریئل ہوتے ہیں' میں قطعی کچھ بھی آنکھوں کے لیے استعمال نہیں کرتی۔ یہ سب کچھ ایسے ہوتا ہے کہ جب میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر میرے ساتھ سچ مچ ایسے ہو رہا ہوتا تو کتنا برا ہوتا۔ تو یقین جانیے کہ میرے آنسو خود بہ خود نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ میرا دل کتنا چھوٹا ہے۔"

✦ "ڈراموں کے لیے آپ کے کپڑے کس ڈیزائنر کے ہوتے ہیں یا کس بوتیک کے ہوتے ہیں؟"

✦ "آپ شاید اس بات پر یقین نہیں کریں گی کہ ڈراموں میں جو کپڑے میں پہنتی ہوں' وہ زیادہ تر میرے اپنے ڈیزائن کیے ہوئے اور میری مرضی کے سلے ہوئے ہوتے ہیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں کسی کے کپڑے پہننے کا کیونکہ میرا اپنا اسٹائل ہے۔"

✦ "پھر آپ کا پورا بجٹ تو کپڑوں پر ہی خرچ ہو جاتا ہوگا؟"

✦ "نہیں' ایسی بات نہیں۔ مجھے ڈرامے کے ڈائریکٹر بتا دیتے ہیں کہ اس بجٹ میں آپ کو کپڑے بنانے ہیں' لہٰذا میں اس بجٹ میں بناتی ہوں اور ڈریسنگ اپنی مرضی سے کرتی ہوں اور اس بات کا خاص خیال رکھتی ہوں کہ میرے کپڑے کردار کے مطابق ہوں' ڈیسنٹ ہوں اور ڈھکے ہوئے ہوں۔"

✦ "آپ ایک پیدائشی فنکارہ ہیں پھر بھی خواہش ہے کہ کسی انسٹیٹیوٹ کو جوائن کر کے مزید اداکاری سیکھیں؟"

✦ "سیانے اور بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ سیکھنے کا عمل ہر وقت جاری رہنا چاہیے' اس لیے میری بھی خواہش ہے کہ میں کسی انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لوں اور اس کے لیے میں چاہتی ہوں کہ انڈیا کے ایکٹنگ اسکول میں داخلہ لوں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس کام کے لیے فی الحال ٹائم ہی نہیں ہے۔"

✦ "مگر جو ہمارے سینئرز فنکار ہیں وہ بھی تو کسی اسکول سے کم نہیں ہیں؟"

✦ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اور انہی سے تو میں نے زیادہ تر سیکھا ہے اور یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ہمارے سینئرز ہمیں سکھاتے ہیں' بتاتے ہیں اور زمانے کی اونچ نیچ سے بھی آگاہ کرتے ہیں' تب ہی تو ہم کچھ کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔"

✦ "ہر وقت کیمرے کے سامنے رہنا' میک اپ' جیولری۔ ان باتوں سے دل گھبراتا ہے یا اچھا لگتا ہے؟"

✦ "بالکل گھبراتا ہے' اس لیے میں آپ کو عام زندگی میں بہت سادی نظر آؤں گی۔ بہت ہی ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتی ہوں۔ میک اپ اور جیولری بھی استعمال نہیں کرتی۔ ہاں اچھے اچھے کپڑے پہننے کا مجھے بہت شوق ہے اور وہ میں خاصی تعداد میں بنواتی ہوں۔"

✦ "ڈھیر ساری باتیں ہو گئیں' اب اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

✦ "اوکے۔ میں 22 دسمبر 1982ء میں کراچی میں پیدا ہوئی۔ میرے والدین سید پٹھان ہیں' پشاور سے تعلق ہے۔ والد صاحب آج کل ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم صرف دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔"

✦ "بہن بھائی کا تعلق کیا اس فیلڈ سے ہے؟"

✦ "نہیں نہیں۔ میں ہی اس فیلڈ میں ہوں اور کسی کا تعلق اس فیلڈ سے نہیں ہے۔ بہن اور بھائیوں میں میرا نمبر آخری ہے۔ بڑے بھائی امریکہ میں رہتے ہیں' دوسرا بھائی یہاں کراچی میں ہی ہے اور بہن بھی بڑی ہیں' وہ اسٹاک ٹریڈرز ہیں اور میری بہن

"سارہ" ہی میرے لیے سب کچھ ہے' مجھے اس سے بہت زیادہ پیار ہے۔ میری امی ہاؤس وائف ہیں۔"

✦ "آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی؟"

✦ "میں کمیونیکیشن ڈیزائنر ہوں۔ انڈس ویلی یونیورسٹی سے میں نے گریجویشن کیا ہے۔ میں فرنیچر ڈیزائنر بھی ہوں اور پینٹر بھی ہوں۔ پینٹنگ کا شوق سب سے زیادہ ہے۔"

✦ "فرنیچر ڈیزائنر' کمیونیکیشن ڈیزائنر پھر پینٹنگ' اداکاری کی مصروفیات میں یہ سب شوق پورا کرنے کا موقع کہاں ملتا ہوگا؟"

✦ "آپ سو فیصد ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اداکاری' ماڈلنگ کی وجہ سے اپنے ان شوق کو پورا نہیں کر سکتی۔ ماڈلنگ زیادہ نہیں کی اور کم ہائٹ کی وجہ سے کیٹ واک بھی زیادہ نہیں کی۔ بس اپنی اس چھوٹی سی دنیا میں بہت خوش ہوں اور بہت اچھی زندگی گزار رہی ہوں۔"

✦ "ہر وقت کام کی وجہ سے بندے کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے' اپنے بارے میں بتائیں کیا کیفیت ہے؟"

✦ "الحمدللہ۔ میں نے اپنے غصے پہ کافی حد تک قابو پا لیا ہے۔ میرا غصہ پٹھانوں والا تھا۔ جلدی آ جاتا تھا۔ بے شک جلدی اتر بھی جاتا تھا لیکن لڑکیوں کو اتنا غصہ آئے یہ کوئی اچھی علامت تو نہیں ہے۔"

✦ "لوگوں کی غلطیاں یاد رکھتی ہیں یا بھول جاتی ہیں؟"

✦ "بھول جاتی ہوں اور غلطیوں کو بھول جانا ہی اچھی بات ہے۔ انسان میں درگزر کی عادت ضرور ہونی چاہیے۔ کیا لے جانا ہے دنیا سے اچھی عادتیں اور اچھی باتیں ہی یاد رہ جاتی ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی ثروت گیلانی سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

قہقہوں سے گندھی ہوئی تحریر۔
اداس اور غمگین قارئین کے لیے
ایک غم گسار کہانی

وہ غائب ہونا چاہتا تو حاضر ہو جاتا
حاضر ہونا چاہتا تو غائب ہو جاتا
ایک مرد بدحواس کی داستان حیرت
شگوفے، پھلجھڑیاں اور بتاشے

حاضر غائب
اظہر کلیم ایم اے

قیمت: -/300 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.pkdigest.com

پیا کا گھر پیارا لگے

فائزہ مبشر حسن

شاہین رشید

کچھ فنکار بہت زیادہ کام کرکے اپنی جگہ بناتے ہیں اور کچھ فنکار بہت کم مگر اچھا کام کرکے اپنی جگہ بناتے ہیں۔ فائزہ حسن نے بہت زیادہ ٹی وی ڈراموں میں کام نہیں کیا لیکن جتنا بھی کیا' باکمال کیا۔ ان کی اداکاری میں جو بے ساختہ پن ہے' وہ بہت کم فنکاروں میں ہوتا ہے۔

فائزہ حسن کا طویل دورانیے کا کھیل "برنس روڈ کی نیلوفر" کو کبھی کوئی بھول ہی نہیں سکتا جس میں ان کی اداکاری اپنے عروج پر تھی اور اس ڈرامے میں "متاثل پذیر" بھی متعارف ہوئی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر کردار فارمر ہیں۔

فائزہ حسن کی شادی کو تین سال ہوئے ہیں اور ماشاءاللہ یہ ایک عدد بیٹی کی ماں بھی بن گئی ہیں۔ گھرداری کے ساتھ ساتھ پروڈکشن میں بھی مصروف عمل رہتی ہیں۔

✦ "کیسی ہیں فائزہ اور پروڈکشن میں آنا مبارک ہو۔ کیا کیا کر چکی ہیں پروڈکشن میں اور کیا نام ہے آپ کے پروڈکشن ہاؤس کا؟"

◆ "ٹھیک ہوں' شکریہ اور ابھی تو ایک ڈرامہ پروڈیوس کیا ہے جو کہ ہم چینل کے ڈرامہ فیسٹیول میں چلے گا۔ مزید پروڈکشن کے لیے اسکرپٹ پہ کام ہو رہا ہے اور میرے نام سے ہی پروڈکشن ہاؤس ہے۔"

✦ "ڈائریکشن کا بھی ارادہ ہے؟"

◆ "نہیں بھئی' ڈائریکشن کی طرف آنے کا تو ابھی

سوچ بھی نہیں سکتی' اس کے لیے کافی ٹائم چاہیے ہوتا ہے اور چونکہ میری بیٹی ہے اور بہت چھوٹی ہے تو میں وہی کام کرنا چاہوں گی جو کہ میرے لیے آسان ہو۔"

✦ "اداکاری کو خیرباد کہہ گئیں؟"

◆ "نہیں' بالکل نہیں۔ بس کام ذرا کم کروں گی کیونکہ سب کام ایک ساتھ کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔"

✦ "گویا پیا کا گھر پیارا کرنے کے لیے آپ نے اداکاری کو کم کیا اور پروڈکشن کی طرف آگئیں تاکہ سب کو وقت دے سکیں؟"

◆ "جی ہاں کیونکہ صرف اداکاری کو ٹائم دینا ممکن نہیں تھا' اس لیے کہ اداکاری میں ٹائم بہت دینا پڑتا ہے۔ شادی سے پہلے بندے پر کوئی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں' اس لیے سب کام بہت آسانی سے ہو جاتے ہیں لیکن شادی کے بعد ممکن نہیں ہوتا۔"

✦ "لوگ تو اپنے عروج کے زمانے میں شادی نہیں کرتے کہ کچھ کرلیں' کچھ کمالیں مگر آپ نے شادی کو ترجیح دی' کیوں؟"

◆ "یہ تو انسان کی اپنی سوچ ہوتی ہے کہ وہ کس بات کو زیادہ اہمیت دیتا ہے' کس کو کس پر ترجیح دیتا ہے۔ جو لوگ کیریئر کو اہمیت دیتے ہیں' وہ بھی غلط نہیں کرتے کیونکہ ان کی نظر میں کیریئر اہم ہوتا ہے۔ میری نظر میں اداکاری اتنی اہم نہیں تھی۔ میری نظر میں میری ذاتی زندگی' میرا گھر' میرا شوہر اور بچے زیادہ اہمیت رکھتے تھے' اس لیے میں نے کیریئر کی بجائے شادی کو ترجیح دی اور شادی کرلی اور ایک نارمل زندگی کے لیے شادی بہت ضروری ہوتی ہے اور جلد یا دیر شادی کرنی ہی پڑتی ہے۔ بس جس کا جب وقت آجاتا ہے وہ شادی کرلیتا ہے۔ یہ تو سب نصیبوں کی بات ہے۔"

✦ "کتنے سال ہوگئے شادی کو اور مبشر ہمایوں کیا کرتے ہیں اور آپ کی بیٹی کا کیا نام ہے؟"

◆ "جون میں ہماری شادی کو تین سال ہو جائیں گے اور ماشاءاللہ سے ایک بیٹی ہے' جس کا نام جہاں آرا ہے۔ اور اس نام کو سن کر عموماً "لوگ کہتے ہیں کہ اتنا پرانا نام کیوں رکھا تو بات یہ ہے کہ چھوٹے موٹے نام مجھے اور میرے شوہر کو پسند نہیں ہیں جیسے ٹینا مینا وغیرہ اور مزے کی بات یہ کہ میرے بعض دوست تو اسے کہتے ہیں "میڈم جہاں آرا" میں اور میرے میاں ایک سیٹلائٹ ٹی وی کے "اونر" ہیں۔"

✦ "شادی پسند کی ہے تو کہاں ملاقات ہوئی تھی آپ دونوں کی؟"

◆ "میں ان کو تقریباً" دس سال سے جانتی تھی اور ہماری پہلی ملاقات کراچی یونیورسٹی میں ہوئی تھی اور یہ اس وقت یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ میڈیا سے ان کا تعلق ہے تو میڈیا میں ہی ملاقات ہوئی ہوگی' جبکہ ایسا نہیں ہے VI چینل تو 2005ء میں یا 2006ء میں کھلا ہے اور میری ان سے ملاقات 2001ء میں ہوئی تھی۔ اور نا صرف میں بلکہ میرے کزنز وغیرہ بھی انہیں جانتے تھے تو اکثر

www.pkdigest.com

اوقات ان سے ملاقات ہو جاتی تھی اور رسمی سی دعا سلام تھی۔ اور باقاعدگی پسندیدگی 2004ء میں شروع ہوئی اور پھر بات آگے بڑھتی گئی اور شادی ہو گئی۔"

✦ "مبشر بھابیوں کا تعلق کہاں سے ہے اور آپس میں آپ کا کوئی ریلیشن ہے کیا؟"

✦ "نہیں ویسے ہمارا کوئی ریلیشن نہیں ہے۔ مبشر کشمیری ہیں جو پنجابیوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ بہت شائستہ مزاج ہوتے ہیں اور پنجابیوں کی طرح لاؤڈ نہیں ہوتے۔ بلکہ بڑے نفیس قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ مبشر نے انجینئرنگ پڑھی ہے اور ایم بی اے امریکہ سے کیا ہے اور ان کی دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ جبکہ میں لکھنؤ سے تعلق رکھتی ہوں' کیونکہ میرے والدین کا تعلق لکھنؤ سے ہے۔"

✦ "دو مختلف قومیں۔ رسم و رواج میں بھی فرق ہو گا؟"

✦ "ہاں ہوتا ہے۔ لیکن کون اتنی چیزیں فالو کرتا ہے اور چونکہ شادی کا فیصلہ ہمارا اپنا تھا تو ہم نے ان چیزوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اور میں آپ کو بتاؤں کہ ہماری شادی بہت ہی سادگی کے ساتھ ہوئی تھی اور لوگ دیکھ کر حیران ہوئے تھے کہ اتنی سادگی۔ ہماری ایک تقریب نکاح کی ہوئی تھی کہ بہت سادگی سے ہوئی تھی اور پھر ولیمہ ہوا تھا۔"

✦ "لڑکیوں کے تو بڑے ارمان ہوتے ہیں کہ مایوں ہو' مہندی ہو وغیرہ وغیرہ؟"

✦ "سچی بات تو یہ ہے کہ میں ان خرافات پہ بالکل یقین نہیں رکھتی اور میری نظر میں یہ انتہائی پاگل پن کی باتیں ہیں' اس لیے ہمارے مشورے سے انتہائی سادگی سے مسجد میں نکاح ہوا۔ پھر کھانا ہوا اور اس کے بعد ولیمہ ہو گیا۔"

✦ "گھر کے ماحول میں اور سسرال میں کیا فرق لگا۔ اور کیا جوائنٹ فیملی میں آئیں؟"

✦ "سسرال بہت اچھا ہے۔ سب بالکل ٹھیک ہے' اگر آپ خود ٹھیک ہوں گے تو باقی سب ٹھیک ہوں گے۔ اور کوئی خاص فرق نہیں ہے ماحول میں۔ اور میں جوائنٹ فیملی میں ہی رہتی ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے' اور میری ساس تو بہت ہی سوئٹ خاتون ہیں۔ میری نندیں کراچی میں نہیں ہوتیں' لیکن ان سے جب بھی ملاقات ہوتی ہے بہت مزا آتا ہے۔ سسرال میں سب بہت اچھے ہیں۔"

"محبت کی شادی میں عموماً" لڑکیوں کو بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ آپ نے دیں؟"

"نہیں اللہ کا شکر ہے کہ مجھے کوئی قربانی نہیں دینی پڑی بعض لوگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ اس کو اداکاری سے بریک لینا پڑی اور اس نے اداکاری کم کر دی ہے۔ اور دو سال اسکرین پہ نظر نہیں آئی۔ تو اس کو میں قربانی نہیں کہوں گی' کیونکہ یہ میرا اپنا فیصلہ تھا۔ اس لیے کہ شادی کے بعد مجھے کام کو کم ہی کرنا تھا اور پھر بیٹی بھی ہو گئی تو کام تو کم کرنا ہی تھا یہ میری اپنی خوشی تھی۔ کسی نے فورس نہیں کیا۔"

✦ "مبشر صاحب مزاج کے کیسے ہیں۔ شادی سے پہلے کیسے تھے اور شادی کے بعد کیسے ہیں؟"

✦ "بڑے اچھے ہیں۔ اس لیے تو میں نے شادی کی' ورنہ کیوں کرتی۔ اور شادی کے بعد کسی قسم کی کوئی مایوسی نہیں ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم کافی عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ اور بہت سوچ بچار کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں شادی کر لینی چاہیے' اس لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔"

✦ "آپ دونوں پڑھے لکھے ہو۔ لڑائی کس انداز میں ہوتی ہے؟"

✦ "ہماری لڑائی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اختلاف ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ میں ہی زیادہ لاؤڈ ہو جاتی ہوں۔ میاں صاحب تو بہت ہی نرم مزاج کے انسان ہیں۔ اس لیے لڑائی نہیں ہوتی۔ اور پھر ایک آدھ دن میں دونوں ٹھیک ہو جاتے ہیں' یہ نہیں کہ میں صلح میں پہل کروں یا وہ پہل کریں۔"

✦ "آپ کی اداکاری کو پسند کرتے ہیں؟"

✦ "نہیں بالکل نہیں' کہتے ہیں کہ تم اچھی اداکاری نہیں کرتیں۔" قہقہہ

✦ "سو حضرات کی نیچر کا کچھ پتا نہیں چلتا' کب کوئی دوسری لڑکی پسند آجائے اور کب۔ چار شادیوں کی اجازت کی وجہ سے دوسری شادی کر لیں۔ اگر مبشر صاحب نے ایسا کیا تو؟"

✦ "میں کہوں گی کہ ٹھیک ہے آپ مجھے اللہ حافظ کہہ دیں۔ اور اس کے ساتھ رہیں اور یہ ایک ایسی بات ہو گی کہ جو میں برداشت نہیں کر سکوں گی۔"

✦ "تین سال ہو گئے شادی کو' سالگرہ مناتی ہیں اور تحفے تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے؟"

✦ "بالکل جی۔ سالگرہیں بھی مناتے ہیں اور تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا ہے اور مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے کہ کوئی مجھے تحفے دے اور میرے میاں مجھے تحفے دیتے ہیں۔ جبکہ مجھے اپنے میاں کے لیے تحفہ خریدنا بہت مشکل کام لگتا ہے۔ کیونکہ وہ بہت سلیکٹو ہیں۔ پھر مردوں کے لیے یہ بھی مسئلہ ہوتا ہے کہ ہم انہیں دیں کیا۔ کیونکہ ان کی اتنی چیزیں بھی کہاں ہوتی ہیں۔ میں اپنے میاں کو تحفہ دیتی ہوں' مگر بہت ہی دیکھ بھال کر۔"

✦ "منہ دکھائی میں کیا ملا تھا؟ اور ہنی مون کہاں منایا تھا؟"

✦ قہقہہ "منہ دکھائی میں کچھ نہیں ملا تھا۔ شاید دس سال سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے سوچا ہو گا کہ اب کوئی نیا منہ تو دیکھ نہیں رہا۔ اس لیے کچھ نہیں دیا۔"

✦ "بھئی دس سال سے تو سادا سادا سا منہ دیکھ رہے تھے' شادی کے دن تو بیوٹی پارلر سے سجا منہ دیکھا ہو گا؟"

✦ "سچ بتاؤں۔ میں کسی بیوٹی پارلر سے سجنے کے لیے نہیں گئی تھی' بلکہ اس دن بھی میں نے اپنا میک اپ خود ہی کیا تھا۔ کیونکہ مجھے کوئی شوق نہیں بیوٹی پارلر جانے کا' مجھے اپنا ٹائم بچانا تھا۔ مہندی بھی میری ایک دوست نے گھر آکر لگا دی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ منہ دکھائی میں کچھ نہیں دیں گے تو کہنے لگے کہ مجھے تو اس رسم کے بارے میں کچھ پتا ہی نہیں ہے۔

www.pkdigest.com

ہاں ہنی مون منایا تھا اور یہ رسم انہیں معلوم تھی۔ اور اگر نہ معلوم ہوتی تو میں بہت اچھی طرح بتادیتی۔ اور ہم ہنی مون منانے یورپ گئے تھے۔ ان میں اٹلی، پرتگال اور فرانس شامل تھا۔ اور پندرہ دن کے لیے گئے تھے۔ اور وہاں جاکر سارا سفر پائے روڈ کیا تھا۔ کیونکہ ہم دونوں کو گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے۔ اور گھومنے پھرنے کے لیے بھی جہاز میں سفر کرنا پسند نہیں یا تو ڈرائیو کرتے ہیں یا پھر پیدل چلتے ہیں۔"

✦ "شادی کے فائدے ہیں یا نقصانات ہیں؟"

✦ "دونوں باتیں ہیں۔ سنگل رہنے کے بعد بہت سے فائدے ہیں۔ بہت سے نقصانات بھی ہیں اور شادی میں بھی۔ ہر چیز میں اچھائی برائی کا پہلو ہوتا ہے۔ اس لیے آپ کہہ نہیں سکتے کہ فائدے زیادہ ہیں یا نقصانات زیادہ ہیں۔ اگر آپ نے شادی سوچ سمجھ کر کی ہے اور سامنے والے کو بھی آپ سمجھتے ہیں اور وہ بھی آپ کو سمجھتا ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہوتا ہے۔ ورنہ پھر مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔"

✦ "مبشر صاحب کی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں اور کھانے پینے کے معاملے میں کیسے ہیں؟"

✦ "اچھی اور بری عادتوں کے بارے میں بتانا ذرا مشکل ہوتا ہے اور کھانے کے معاملے میں بہت سادا ہیں۔ ورنہ مجھے چٹورے آدمی بہت برے لگتے ہیں کہ فرمائش کردی کہ آج بریانی بنادو، آج نہاری بنادو، اللہ کا شکر ہے کہ یہ ایسے نہیں ہیں۔ تو اسے اچھی عادت کہہ سکتے ہیں کہ کھانے کے معاملے میں تنگ نہیں کرتے اور کوئی بری عادت نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے مجھے گھبراہٹ ہو۔"

✦ "آپ دونوں شاپنگ کے لیے اور گھومنے پھرنے کے لیے ساتھ جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کو لوگ پہچان لیتے ہوں گے، آپ کے میاں صاحب گھبراتے تو نہیں؟"

✦ "ایک بات تو بتادوں کہ شاپنگ کے لیے کبھی میرے ساتھ نہیں جاتے، یہ بہت گھبراتے ہیں شاپنگ پر جاتے ہوئے۔ اس لیے میں انہیں مجبور بھی نہیں کرتی۔ ہاں جب گھر سے ہم دونوں ساتھ نکلتے ہیں اور لوگ مجھے پہچان لیتے ہیں اور میری تعریف کرنے لگیں تو مجھے شرم آنے لگتی ہے۔ لیکن میرے میاں نہیں گھبراتے، بلکہ اگر کسی فیملی کے پاس کیمرہ ہو تو میرے میاں کہتے ہیں کہ لائیے میں آپ کی تصاویر بنادیتا ہوں۔"

✦ "شادی کے لیے لڑکی اور لڑکے کا خوب صورت ہونا کتنا ضروری ہے۔ عمروں کا فرق کتنا ہونا چاہیے اور کس عمر میں شادی کرنی چاہیے؟"

✦ "خوب صورت ہونا نہ ہونا آپ پر منحصر ہے کہ آپ کو بیوی یا شوہر کی شکل میں کس قسم کا بندہ پابندی پسند ہے۔ ہر ایک کا الگ معیار حسن ہوتا ہے۔ کسی کی نظر میں، میں بہت خوب صورت ہوں گی اور کسی کی نظر میں بالکل نہیں۔ بس پسند کی بات ہوتی ہے۔ خوب صورتی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور عمروں کی بات کروں تو مجھے اپنی عمر کے لڑکے کبھی بھی اچھے نہیں لگتے تھے۔ بلکہ انتہائی امیچور لگتے تھے۔ اس لیے میں نے میچور آدمی سے شادی کی۔ اور شادی کے لیے لڑکی کی عمر ستائیس اٹھائیس سال ہونی چاہیے، جبکہ لڑکے کی اکتیس یا بتیس اور شادی اس وقت کریں جب تعلیم مکمل کرکے اسٹیبلش ہوگئے ہوں۔"

"شادی سے پہلے محبت زیادہ ہوتی ہے یا شادی کے بعد؟"

"میرا خیال ہے کہ زیادہ کم کی بات نہیں ہوتی، بلکہ انداز بدل جاتا ہے محبت کا۔ جب افیئر چل رہا ہوتا ہے تو آپ پرفیکٹلی نہیں سوچ رہے ہوتے، کیونکہ آپ ایک ساتھ نہیں رہ رہے ہوتے۔ اور تھوڑی دیر میں آپ نے بہت ساری محبت جتادینی ہوتی ہے۔ اور جب ساتھ ہوتے ہیں تو محبت جتانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، آپ پرفیکٹلی محبت کا اظہار کررہے ہوتے ہیں۔"

✦ "گھر کو سجانے سنوارنے کا شوق کس کو ہے؟"

✦ "مجھے ہی ہے۔ اور ہمارا گھر کافی مہینوں بعد ٹھیک ہوا کیونکہ میں چاہتی تھی کہ گھر کی سجاوٹ میں میرے میاں بھی میرا ساتھ دیں۔ لیکن وہ کسی طور پر تیار نہیں ہوتے تھے۔ پھر میری اور ان کی پسند میں بہت فرق ہے اور اس چکر میں گھر کو نہیں سجا سکی۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ ایسا کب تک ہوگا۔ لہٰذا میں نے خود ہی گھر کی تزئین و آرائش کردی۔"

✦ "میاں کے دل میں گھر کرنے کے لیے کیا ضروری ہے۔ اچھا کھانا، ساس، سسر کی خدمت یا میاں کی خدمت؟"

✦ "یہ جو پرانی کہاوت ہے کہ "معدے کے راستے سے دل میں اترنا۔" بالکل صحیح کہاوت ہے۔ اور Moderate طریقے سے ہر کام کرنا چاہیے، کسی بھی چیز کو بہت Extreme تک نہیں لے جانا چاہیے۔ آپ کو اچھا کھانا پکانا آتا ہے تو آپ اچھا کھانا پکاکر کھلائیں، مگر یہ تاثر بھی نہ دیں کہ تم رات کو پارہ بجے بھی کہو گے تو میں تمہارے آگے سیخ کباب بناکر رکھ دوں گی۔ اکثر لڑکیاں شروع میں ایسا کرتی ہیں اور پھر بعد میں پچھتاتی ہیں۔ اور سسرال والوں کی عزت کریں، ان کا خیال رکھیں، لیکن پاؤں بھی نہیں پڑ جانا چاہیے اور بدتمیزی تو بالکل بھی نہ کریں اور ان کا ادب کریں۔"

✦ "اور جناب آخری سوال کہ گھونگھٹ اٹھاکر مبشر صاحب نے پہلا جملہ کیا بولا تھا؟"

✦ "ارے گھونگھٹ ہوتا ہی کہاں ہے۔ لیکن کمرے میں اگر کوئی خاص بات تو انہوں نے نہیں کی تھی۔ اور میں آپ کو بتاؤں کہ ڈراموں میں کام کرکے انسان اتنا بور ہوجاتا ہے ان باتوں سے کہ مجھے کوئی ایسی خواہش نہیں تھی کہ ڈولی آئے اور میاں گھوڑے پہ آئیں، مہندی ہو، مایوں ہو، اور کوئی ڈانسلاگ ہوں، مجھے یہ باتیں بالکل بکواس لگتی ہیں اور شاید اس لیے کبھی میرا کسی شوبز کے آدمی پہ دل بھی نہیں آیا۔ کیونکہ مجھے یہ سب باتیں بہت جعلی قسم کی لگتی ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے فائزہ حسن سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

سانحہ ارتحال

"گزشتہ دنوں ہماری پیاری مصنفہ شگفتہ بھٹی کے والد طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئے۔"

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

یہ سانحہ شگفتہ بھٹی کے لیے بہت بڑا ہے۔ دکھ کی اس گھڑی میں ادارہ کرن شگفتہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کے گناہوں کو معاف فرماکر انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اور اہل خانہ کو اس دکھ کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

www.paksociety.com

فائق جان

شاہین رشید

(1)→ "آپ کے دو پسندیدہ نام؟"

"حمزہ اور شہ طاش۔ یہ داستان امیر حمزہ کا مشہور گھوڑا تھا۔"

(2)→ "آپ کے دو لکی نمبر؟"

"مجھے پتا نہیں ہے لیکن میں تکا مار دیتا ہوں۔ تین اور سات۔"

(3)→ "آپ کی بری عادتیں؟"

"میں سوال بہت کرتا ہوں اور چیزوں کے بارے میں سوچتا بہت ہوں۔"

(4)→ "گزری ہوئی دو صدیاں جن میں آپ جانا چاہتے ہیں؟"

"مغلیہ دور اچھا تھا اور وہ دور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اسلام پھیلانے کی تگ و دو میں تھے۔ اس دور میں اگر ہم ہوتے تو کم سے کم جنت میں تو ہوتے۔"

(5)→ "دو جھوٹ جنہیں بول کر آپ پٹائی سے بچ گئے ہوں؟"

"ایک مرتبہ میں فیل ہو گیا تھا اور گھر آکر میں نے کہا کہ میں پاس ہو گیا ہوں تاکہ کوئی مجھے کچھ کہے نہ اور ایک مرتبہ مجھے گھر والوں نے کوئی چیز لانے کے لیے پیسے دیے اور میں نے جھوٹ بولا کہ پیسے تو کہیں گر گئے ہیں اور ان پیسوں سے میں نے کچھ کھا پی لیا تھا۔"

(6)→ "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر آپ کو غصہ آتا ہے؟"

"ایک تو یہ کہ سامنے والا سمجھتا ہے کہ میں اچھا انسان ہوں اور وہ پھر بھی میری برائی کرے۔ حالانکہ اس کے ساتھ میں نے اچھائی کی ہوتی ہے تب مجھے بہت غصہ آتا ہے اور اگر کوئی کہے کہ تم تو کسی کام کے ہی نہیں ہو۔"

(7)→ "دو قابل بھروسہ دوست؟"

"جنید اور یونس۔ ابھی بھی اس دور میں ایسے لوگ ہیں کہ جن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔"

(8)→ "دنیا کی دو ایسی شخصیات جن کی قسمت پر آپ کو رشک آتا ہے؟"

"بل گیٹس اور نپولین بونا پارٹ۔"

(9)→ "دو تہوار جو آپ اہتمام سے مناتے ہیں؟"

"عید اور جشن آزادی۔"

(10)→ "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

"رات کا اور شام۔"

(11)→ "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتے ہیں؟"

"ہاں بھائی جان کیا حال ہیں" اور "کیا ہو رہا ہے۔"

(12)→ "دو کھانے جنہیں کھا کر آپ کبھی بور نہیں ہوتے؟"

"نہاری اور مچھلی۔"

(13)→ "دو افراد جن سے معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں کرتے؟"

"امی اور پاپا۔"

(14)→ "دو چیزیں جو آپ چوری کرنا چاہتے ہیں؟"

"اسٹیٹ بینک میں رکھا ہوا پیسہ اور کوئی بہت ہی اچھے ماڈل کی گاڑی۔"

(15)→ "دو پسندیدہ کھلاڑی جن کی وجہ سے آپ کرکٹ دیکھتے ہیں؟"

"شاہد آفریدی اور عمران نذیر۔"

(16)→ "زندگی کے دو خوبصورت دن جن کے آپ منتظر ہیں؟"

www.pkdigest.com

"مجھے "ورلڈ ٹور" پہ جانے کا شوق ہے تو اس لیے اس دن کا منتظر ہوں اور پرانے دنوں میں جب کلاس 5th میں جب میں فرسٹ آیا تھا۔"

(17)۔ "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتے؟"

"دو نہیں ہیں، بہت ساری چیزیں ہیں۔ میرا والٹ، میری گھڑی اور دونوں موبائل فون۔ ان کے بغیر گھر سے نہیں نکلتا۔"

(18)۔ "دو الفاظ جو آپ بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں؟"

"کیا مسئلہ ہے بھئی" اور "اب نہیں کرو یار۔"

(19)۔ "دو پسندیدہ صحافی؟"

"کوئی نہیں ہے۔"

(20)۔ "سات دنوں میں سے کون سے دن اچھے لگتے ہیں؟"

"ہفتہ اور اتوار۔"

(21)۔ "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"

"اپنا روم اور اپنا واش روم۔"

(22)۔ "گھر کے لوگوں کی دو باتیں جو آپ کو پسند نہیں؟"

"بازار سے دہی لانا اور جب کمرے میں پوچا لگ رہا ہو اور مجھے کہا جائے کہ کمرے سے باہر جائیں۔"

(23)۔ "دو پسندیدہ پکنک پوائنٹ؟"

"مبارک ولیج" اور کوئی بھی "چائے کا ڈھابہ" جہاں میں دوستوں کے ساتھ چائے پیتا ہوں۔"

(24)۔ "کن دو شخصیات کو اغوا کرنا چاہیں گے اور تاوان میں کیا وصول کریں گے؟"

"اوباما کو اغوا کر کے اس سے سٹیزن مانگوں گا اور "ناسا" کمپنی کے کسی بڑی شخصیت کو اغوا کر کے کہوں گا کہ مجھے چاند پر لے جاؤ۔ مجھے وہاں رہنے کا بہت شوق ہے۔"

(25)۔ "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"

"ملائیشیا اور جاپان۔ خاص طور پر اس کے شہر ٹوکیو ہے۔"

(26)۔ "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

"بلیو اور ریڈ۔"

(27)۔ "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"

"کراچی اور اسلام آباد۔"

(28)۔ "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم پسند ہیں؟"

"گرمی میں بارش کا موسم اور سمجھ لیں کہ اس موسم سے مجھے بہت پیار ہے اور سردیاں۔"

(29)۔ "لڑکیوں کی دو ناپسندیدہ باتیں؟"

"سیاست کرنا اور دوسروں سے جلنا۔"

(30)۔ "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام سب سے پہلے کرتے ہیں؟"

"واش روم جانا اور پھر چائے پینا۔"

(31)۔ "زندگی کے دو بہترین سال؟"

"2005ء اور 2011ء ہوگا۔"

(32)۔ "دو بدترین سال آپ کی زندگی کے؟"

"1995ء اور 1999ء۔"

(33)۔ "دو خواتین جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا ہو؟"

"میری اماں بس اور کوئی نہیں ہے۔"

(34)۔ "آپ کی نظر میں دنیا کی دو خوبصورت خواتین۔"

"ایشوریا رائے، کیٹرین جیناجون۔"

(35)۔ "دو پسندیدہ پروفیشن؟"

"مجھے پائلٹ آفیسر بننا تھا بن نہ سکا۔ پاکستان ایئر فورس کا پروفیشن۔ اگر میں اس پروفیشن میں ہوتا تو "فائٹر پائلٹ" ہوتا اور دوسرا کوئی بھی بزنس کرنا ایک اچھا پروفیشن ہوگا۔ اگر "فوڈ بزنس" تو کیا ہی بات ہے۔"

(36)۔ "دنیا کے دو بہترین سیاست دان آپ کی نظر میں؟"

"شیخ رشید اور پرویز مشرف۔"

(37)۔ "والدین کی دو نصیحتیں جو آپ نے گرہ سے باندھ لی ہوں؟"

"میرے ابا نے کہا تھا کہ ہر حال میں اپڈیٹ کرنا چاہیے اور یہ کہ اپنی لائف کو ریفائن کرو ڈی فائن نہیں۔"

(38)۔ "کوئی دو پیشن گوئیاں جو آپ کے بارے میں سچ ثابت ہوئی ہوں؟"

"بہت سی سچ ثابت ہوئی ہیں۔ مجھے لوگوں نے کہا کہ آپ بہت آگے تک جاؤ گے، اس قسم کی پیشن گوئیاں تھیں۔"

(39)۔ "کن دو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں؟"

"کسی کے پھڈے کے بیچ میں پڑنا اور ادھار دینا۔"

(40)۔ "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے؟"

"آٹھویں کلاس کے بعد اسکول بدلنے کا فیصلہ اور ایئر فورس کے ٹیسٹ میں ناکام ہونے کے بعد بی کام میں داخلہ لینا۔ سائنس کے بعد بی کام پڑھنا میرے لیے مشکل ہو گیا تھا۔ سال بچانے کی خاطر بی کام میں داخلہ لیا۔"

(41)۔ "پانچ وقت کی نمازوں میں سے کون سی دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتے ہیں؟"

"الحمدللہ میں پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں اور نماز پڑھنے میں جو لطف و سکون ملتا ہے وہ فجر کی اور عصر کی نماز میں ملتا ہے۔"

(42)۔ "بیرون ملک شاپنگ میں کون سی دو چیزیں لازمی خریدتے ہیں؟"

"ٹی شرٹس اور جوتے۔"

(43)۔ "دو مشروبات جو آپ کو بے حد پسند ہیں؟"

"کولڈ ڈرنک اور لسی۔"

(44)۔ "آج کے دور کے دو گلوکار جنہیں آپ سننا پسند کرتے ہیں؟"

"عاطف اسلم اور راحت فتح علی۔"

(45)۔ "شادی کی دو رسمیں جو انجوائے کرتے ہیں؟"

"جوتا چھپائی اور دولہا کی گاڑی روکنے والی۔"

(46)۔ "خاندان کی دو شخصیات جن سے آپ اپنا

www.pkdigest.com

ہر مسئلہ شیئر کرتے ہیں؟"

- "کوئی نہیں ہے۔"

(47)- "وہ باتیں جو آپ کا موڈ خراب کردیتی ہیں؟"

- "ایک تو جب میں کسی سے ۔ توقعات وابستہ کرلوں اور وہ پوری نہ ہوں اور ایک جب میں کسی کے لیے کچھ کروں اور وہ احساس ہی نہ کرسکے کہ میں نے اس کے لیے کچھ کیا ہے۔"

(48)- "کن دو باتوں سے ڈرتے ہیں؟"

- "اپنے ساتھ کچھ غلط ہونے سے اور اپنی اداکاری میں بری پرفارمنس دینے سے۔"

(49)- "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں؟"

- "جو شرٹ میں پہن رہا ہوں وہ استری ٹھیک طرح سے ہے۔"

(50)- "مشہور شخصیت بننے کے بعد کون سے دو مسائل درپیش ہوئے؟"

- "پرائیویسی ختم ہوگئی اور لوگ منہ پر کچھ بول جائیں تو بڑے حوصلے سے سننا پڑتا ہے۔"

(51)- "معروف شخصیت بننے کے بعد آپ میں کون سی دو تبدیلیاں آئیں؟"

- "میں بہت زیادہ ڈاؤن ٹو ارتھ ہوگیا ہوں اور نمازیں باقاعدگی سے پڑھنے لگا ہوں۔"

(52)- "غیر شادی شدہ زندگی کی دو خوبیاں؟"

- "مست زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور آپ بہت ساری دوست بنا سکتے ہیں لیکن گرل فرینڈ نہیں بنا سکتے۔"

(53) "گھر کے کن دو افراد کے ساتھ دو شکایتیں ہیں؟"

- "چھوٹی بہن کو کوئی کام کرنے کے لیے دیتا ہوں تو بہت دیر لگادیتی ہے اور بڑی بہن کو کبھی کہوں کہ ذرا سر کا مساج کردو تو اسے فوراً نیند آنے لگتی ہے کہ میں تو سونے جارہی ہوں۔"

(54)- "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتے ہیں؟"

- "اپنے چھوٹے کزن کے ساتھ اور اپنے دوستوں کے ساتھ۔"

(55)- "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

- "کیڑوں سے ڈر نہیں لگتا۔"

(56)- "خواتین کے دو نخرے جو برداشت نہیں ہوتے؟"

- "موڈ خراب ہو تو کچھ بھی کرلو ٹھیک نہیں کرتا اور سستی بہت ہوتی ہے خواتین میں۔"

(57)- "دو ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانا پسند کرتے ہیں؟"

- "کے ایف سی اور نینڈوز۔"

(58)- "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے شاپنگ کرنا پسند ہیں؟"

- "پارک ٹاور اور ڈالمن مال۔"

(59)- "دو ٹی وی چینلز جو آپ شوق سے دیکھتے ہیں؟"

- "نیشنل جیوگرافک اور سپر موویز۔"

(60)- "دو تبدیلیاں جو آپ اپنی شخصیت میں لانا چاہتے ہیں؟"

- "غصہ ختم کرنا چاہتا ہوں اور چیزوں کے بارے میں بہت زیادہ سوچتا ہوں اس کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

(61)- "دو چیزیں جو آپ کے بیگ یا والٹ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

- "اے ٹی ایم کارڈ اور کریڈٹ کارڈ۔"

(62)- "کھانے کی ٹیبل پہ کیا دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

- "کھیرا اور کوئی بھی جوس۔"

☼ ☼

بول کہ لب آزاد ہیں

رحیلہ علی احمد

مکالمہ انسان کو زندگی کی دیگر شکلوں سے ممتاز کرتا ہے انسان و حیوان کے مابین ایک واضح حد کھینچتا ہے اور انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ نا صرف دوسرے انسانوں کے احساسات اور سوچوں کو جان سکے' بلکہ اپنے خیالات اور جذبات سے بھی آگہی حاصل کرسکے۔

زندگی کے ہر میدان اور شعبے میں ہر شخص باتوں کی بساط بچھا کر لفظوں کے مہرے آگے پیچھے کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ہر موضوع پر باتیں ہورہی ہیں' ہر زاویے پر لکھا جارہا ہے۔ نئے نکتے تلاش کرکے نئے سرے سے باتوں کے جال بچھائے جارہے ہیں لیکن اپنے کہے پر' اپنے مصوبوں پر عمل کوئی نہیں کررہا۔ ہر شخص دوسرے سے شکوہ کناں ہے۔

اگر آپ کو حالات سے' لوگوں کے رویوں سے' اردگرد کے ماحول سے کچھ شکایات ہیں تو ایسی ہی شکایات اوروں کو بھی آپ سے ہوں گی۔ متعلقہ افراد سے ان شکایات کے سلسلے میں تبادلہ خیالات کرکے ان شکایات کو دور کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں کی ایسی تمام باتیں' حرکتیں جو تکلیف دہ محسوس ہوں انہیں کہہ دیں۔ اگر اسے آپ نے اپنے ذہن میں جمع کیا تو وہ فضول احساسات کا کباڑ خانہ بن جائے گا اور اس میں کسی اچھے جذبے' احساس' خیال یا تصور کے لیے جگہ نہیں رہے گی۔

اپنے خیالات کو لفظوں کا روپ دے کر ہمیں بھیجیں۔ مگر تنقید برائے اصلاح ہو نہ کہ تنقید برائے تنقید۔ آپ کی تنقید ہوسکتا ہے کہ کچھ سدھار لانے میں معاون ثابت ہو۔

اسی حوالے سے ہم نے قارئین کے لیے ایک سلسلہ "بول کہ لب آزاد ہیں تیرے" کے نام سے شروع کیا ہے۔ جس کے ذریعے آپ کے خیالات دوسروں تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں اور یہی ذریعہ معاشرے میں سدھار لاسکتا ہے تو اپنی رائے کا اظہار کھل کر کریں۔

صبا امتیاز ..... کراچی

ہم مسلمان آج کل اک لاحاصل بحث میں الجھے نظر آتے ہیں ہمارے پرائیویٹ چینلز کا شاید ہی کوئی ایسا "ٹاک شو" ہو جس میں تعلیم یافتہ حضرات بحث کرتے نظر نہ آتے ہوں۔ بجائے اس کے کہ پاکستان کو درپیش مسائل کا مل کر مقابلہ کیا جائے ہم "بحث بازی" میں مقابلہ جیتنے کے درپے نظر آتے ہیں اور مزے کی بات یہ کہ دوسرے کی دلیلیں و نظریات بدرجہ کمی سے رد کرتے ہیں اور اپنی دلیل "یہی ٹھیک ہے" پر سختی سے عمل پیرا بھی رہتے ہیں۔ کیا ہمیں اتنی سی بات بھی سوچنے کی مہلت نہیں ہے کہ جب ہماری دلیل میں وزن ہے اور بات بھی قابل قبول ہے تو ہمارا مخالف (خود ساختہ) ہماری بات کو مان کیوں نہیں رہا اس کا جواب انتہائی سادہ ہے کہ کمی "قول" میں نہیں "فعل" میں ہے۔ جی ہاں! اخلاقیات کی کمی۔ جب قول و فعل میں ہی تضاد ہو تو ہماری اچھی بات بھی دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوسکتی کیونکہ ہمارے قریبی احباب بھی ہمیں اتنا نہیں جانتے ہوں گے جتنا کہ ہمارے مخالف ہمیں جانتے ہیں۔

اخلاقیات کا مکمل پیکر صرف ایک ہی ذات کامل ہے۔

ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مخالفین سے بحث کی اور نہ ہی اللہ پاک کے ایک ہونے کی دلیلیں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن اخلاق سے یہ ثابت کیا کہ اللہ پاک ایک ہے اور اسلام ہی دین حق ہے۔ دشمن بھی یہ بات

www.pkdigest.com

ماننے پر مجبور تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔
جب ہم ایک اچھی بات کر سکتے ہیں تو اس پر عمل کرنے میں کیا قباحت ہے؟ اللہ پاک ہمارے پیارے وطن کے حکمرانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے کہ آپس میں لڑنے کی بجائے اگر خلوص سے اس ارض پاک کے مسائل حل کر لیے جائیں تو یہ اجڑا چمن پھر سے سرسبز و شاداب ہو جائے۔ (آمین)

سونیا ربانی ..... قاضیاں محلہ بالا

اب بولنے کے لیے کس کو آزادی کی ضرورت ہے؟ یہاں تو ہر کوئی بول رہا ہے۔ بات چھوٹی ہو یا پھر بڑی۔ مسئلہ گھر کا ہو یا پھر باہر کا بجلی کا پانی' سیاست' گرمی' ٹریفک یا پھر شعیب کی شادی ہمارے ہاں صرف موقع ہاتھ آنا چاہیے۔ لوگ پھر مڑ کر نہیں دیکھتے مگر یہ اور ہی طرف بات نکل جائے گی۔ اصل میں مجھے دو شکایتیں ہیں۔ ایک کا ذکر آج کرنا ہے دوسری کا پھر کبھی جو زندگی نے اجازت دی تو۔ جو اصل مسئلہ ہے پھر بھی آج تو کوشش کر رہی ہوں کہ آپ کو میری بات سمجھ آجائے' مجھے شکایت اپنے بڑوں سے ہے۔
آپ نے دیکھا ہو گا آج کل ہر بچے کے ہاتھ میں موبائل فون ہے۔ ماں باپ بیٹے کی سالگرہ پہ اسے موبائل گفٹ کرتے ہیں اور سوچتے ہیں۔ انہوں نے بہت اچھا کام کیا۔ یہ خیال نہیں آتا کہ ان کا بیٹا موبائل کا غلط استعمال بھی کر سکتا ہے۔ ہر کوئی فون ہاتھ میں لیے ہر وقت کسی نہ کسی کو SMS کر رہا ہوتا ہے۔ آپ ہزار بار کوئی کام کہو مگر وہاں صرف ہوں' ہاں میں جواب آتا ہے۔ ہماری نوجوان نسل اپنا وقت برباد کر رہی ہے۔ کوئی کام وقت پہ نہیں کرتے اور تو اور کھانا کھا رہے ہوں گے تب بھی موبائل ہاتھ میں نظر آئے گا۔
چلو یہ بھی شاید ضرورت بن چکا ہے۔ مگر وہ سب کیا ہے؟ جو لڑکے کسی بھی نمبر پہ کال کر کے دوسرے کو بے وجہ پریشان کرتے ہیں۔ کیا مل جاتا ہے ان کو یہ سب کر کے۔ وہ امیر گھروں کے لڑکے۔ کسی بھی انجان نمبر پہ کال کر کے ٹائم پاس کرتے ہیں۔ میں نے کتنے گھروں کو خراب ہوتے دیکھا ہے وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کا ٹائم پاس کسی کی زندگی کو خراب کر سکتا ہے۔ کچھ لوگوں کی ضرورت ہوتا ہے فون' گھر والوں کو اپنی لڑکیوں پہ کتنا اعتبار ہوتا ہے۔ مگر کئی بار میں نے دیکھا اور سنا ہے کہ صرف ایک انجان نمبر کی وجہ لڑکی کے گھر والوں نے اس کو گھر بٹھا لیا۔ اس کا کالج چھوٹ گیا یا پھر نوکری گئی۔
اس لڑکے کا کیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں ہمارے بڑوں کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے۔ یہاں بڑوں کی زیادہ غلطی ہے۔ کم سے کم اپنے بچوں پہ تھوڑی سی نظر تو رکھیں نا۔
پتا نہیں یہ لڑکیاں معصوم ہوتی ہیں یا پھر بے وقوف جو اپنی زندگی یوں خراب کر لیتی ہیں یہ بھی نہیں سوچتیں کہ وہ لڑکے ادھر ان سے بات ختم کرتے ہیں اور ادھر کسی دوسری لڑکی کو بے وقوف بنانا شروع کر دیتے ہیں۔
پتا نہیں ان لڑکوں کو اپنے گھر کی لڑکیوں کا خیال کیوں نہیں آتا؟ پلیز اگر آپ کے بچوں کے پاس موبائل ہے۔ تو تھوڑا سا خیال کر لیں کہیں وہ بھی کسی غلط راستے پہ نہ چل پڑیں۔
خیر تو ہم سب کے ساتھ ہی مسئلہ ہے۔ انسان نمبر بدل بدل کر تھک جاتا ہے۔ اگر جگہ ملی تو پھر میں یہ مسئلہ لے کر آؤں گی جو ہم سب کے ہی ساتھ ہے یا پھر یوں کہہ لیں کہ ایک سوال ہے۔ جس کا جواب چاہیے۔

انعم گل ..... ڈی آئی خان

میں بہت شکر گزار ہوں اللہ پاک کی اور اس انسان کی جنہوں نے "شمارہ کرن" میں اتنا خوشگوار اور اچھا سلسلہ شروع کیا واقعی ہمیں اپنے احساسات دوسروں تک پہنچانا چاہئیں۔ میرے خیالات کے مطابق سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ جس دل میں جذبات اجاگر ہوں اس دل کے لیے نازک احساسات پیدا ہونا اچھی بات ہے ہر جذبہ دل کی گہرائیوں سے جنم لیتا ہے کتنی عجیب بات ہے نا ہمارے دل میں بسنے والا ایک انوکھا سا احساس ہماری سوچ' ہماری زندگی حتی کہ ہماری سانسوں پر بھی مغلوب ہو جاتا ہے جیسا کہ زندگی کے خوب صورت رشتے' ان ہی میں سے ایک "دل کا رشتہ" کسی بھی رشتے کی پہچان پیار سے ہوتی ہے۔
محبت کا ہماری زندگی میں بہت عمل دخل ہے زندگی کے تمام رشتوں کا مرکز محبت ہے مگر نہ جانے کیوں کچھ لوگ زندگی میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں پر ہی زندگی گزارنے کو

ترجیح دیتے ہیں ایسے لوگ سورج کی کرنوں سے تو محبت رکھتے ہیں مگر سورج سے نظریں ملانے کا حوصلہ نہیں رکھتے' محبت تو انمول اور قیمتی رشتہ ہے' ہم کبھی یہ نہیں سمجھتے کہ زندگی میں ہمیں بے پناہ دکھ ان لوگوں کی طرف سے ملتا ہے جن سے ہمیں بہت لگاؤ ہوتا ہے' جن کی ایک مسکراہٹ پر ہم اپنی زندگی کی اہمیت کو ہی بھول جائیں جن کی خوشی پر ہم اپنی تمام خوشیاں نچھاور کر دیں' مجھے ان لوگوں سے شکایت ہے جو کسی کے معصوم دلوں کو توڑتے ہیں جو دوسروں پر یہ آشکار کرتے ہیں کہ کوئی ان کے لیے کتنی اہمیت رکھتا ہے' اگر ایسے لوگ بدلتے ہیں تو پلیز دوسروں کو اپنے سہارے کی عادت مت ڈالیں' احسان مندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کسی کو شکایت کا موقع نہ دے' آپ نے سنا تو ہو گا ہی کہ جب دل ٹوٹتا ہے تو آواز نہیں آتی مگر درد بے پناہ ہوتا ہے اور درد آنسوؤں کے لیے آنکھوں کا راستہ تلاش کر لیتا ہے فروری کے شمارہ میں' میں نے شہناز صدیق کے ناول میں پڑھا کہ آنسوؤں اور درد کا رشتہ بہت پرانا ہے۔
میں کتنی دیر ان الفاظ کی گہرائی میں کھوئی رہی' بعض الفاظ ہماری زندگی پر بہت گہرا اثر چھوڑ جاتے ہیں' ان لفظوں کی تاثیر ہمارے دلوں پر ثبت ہو جاتی ہے پھر وقت کا بہاؤ بھی ان الفاظ کے احساس کو فنا نہیں کر سکتا' اور الفاظ لہجے میں درد کا احساس پیدا کرتے ہیں' میری گزارش ہے آپ سب سے اپنی زندگی میں موجود تمام رشتوں سے محبت کرنا سیکھیں اور مجھے ان لوگوں سے ہمیشہ شکایت رہی ہے جو رشتوں پر مادی چیزوں کو اہم سمجھتے ہیں' رشتے کسی اعزاز سے کم نہیں ان سے پیار کیجیے چاہے وہ رشتہ کوئی بھی ہو' ماں باپ' بہن بھائی' رشتہ دار' یا پھر سچے اور مخلص دوست' دوستی اچھی ہے اور دوست بہت پیارے لگتے ہیں زندگی کی مصروفیات میں کھو جانے والوں سے میری عاجزانہ التجا ہے دوسروں کے لیے بھی وقت نکالیں خوشی کا ایک لمحہ ہوتا ہے تو ہزاروں غم بھول جاتے ہیں بس امید کا ساتھ مت چھوڑیں امید کے ساتھ حوصلہ ضروری ہے اگر امید ٹوٹ جائے تو کوئی حرج نہیں بس حوصلہ نہیں ٹوٹنا چاہیے امید کا رشتہ انسانوں سے نہیں بلکہ اس ہستی سے جوڑنا چاہیے جو تڑپتے دلوں کی دعاؤں کو قبولیت کے دامن میں سمیٹ لیتا ہے جو انسان کو اس کی برداشت سے بڑھ کر نہیں آزماتا' میرے خیال میں تمام مسلمان یہ بات جانتے ہیں ایک بات اور اپنی جذبوں کو سلامت رکھیں محبت خود بخود زندہ رہے گی۔
اس شعر کے ساتھ اجازت

میرے آنسوؤں سے جلتا ہے میری امیدوں کا دیا
میرا حوصلہ میری آنکھوں میں پناہ ڈھونڈتا ہے

آمنہ احسان ..... پاڈشمان

میں ہمیشہ سے اس بات کی قائل تھی کہ
میری خاموشیوں پہ دنیا مجھ کو طعن دیتی ہے
یہ کیا جانے کہ چپ رہ کر بھی کی جاتی ہیں تقریریں

مگر جب آزادی اظہار کی پیشکش خواتین کی محفل سے ہوئی تو چپ رہنا ممکن نہ رہا۔
آزادی اظہار بھی کیا خوب شے ہے انسان اپنے دل میں مقید بہت سے شکووں کو بیان کر جاتا ہے۔ عرصہ دراز سے میرے دل میں بھی اک شکوہ مقید ہے جس کا اظہار کرنے جا رہی ہوں۔
"قوم کے معماروں" اساتذہ اکرام کے متعلق ہمارے معاشرے کا طرز عمل انتہائی دل شکن ہے' ڈاکٹر' انجینئر' وکیل اور منسٹر بنانے والے اساتذہ کو ہمارا معاشرہ ان کے شایان شان عزت و مرتبہ نہیں دے پا رہا۔ سینکڑوں شاگردوں میں سے بمشکل چند شاگرد معاشرے میں نام پیدا کرنے کے بعد بھی اپنے محسن کو یاد رکھتے ہیں۔
ہمارے طرز عمل نے معلمی جیسے پیغمبرانہ پیشہ کہا جاتا ہے اس کے مقام و مرتبہ سے کم کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا نوجوان معلمی کو اپنے آخری آپشن کے طور پہ رکھتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کا ارشاد ہے۔
"جس نے مجھے ایک لفظ بھی سکھایا اس نے مجھے اپنا غلام بنا لیا۔"
مگر صد افسوس کہ ہم اساتذہ کے اپنے اوپر عائد فرائض کو یکسر فراموش کر رہے ہیں۔ ہم بھول رہے ہیں کہ اساتذہ کو روحانی والدین کا درجہ دیا گیا ہے

www.pkdigest.com

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی۔۔۔ جبکہ زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے ـــــ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔۔۔ زوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔۔۔ وہ روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لنچ کی دعوت دیتی ہے۔۔۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم 'وکی' سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔۔۔

(اب آگے پڑھیے)

www.pkdigest.com

رومیلہ کے بتائے راستے پر چلتے ہوئے سنبل، نمل جس کلاس کے دروازے پر پہنچیں وہاں اسٹوڈنٹس کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ کمرہ کافی بڑا تھا مگر اتنے بڑے کمرے کی طوالت کا لحاظ کیے بغیر صرف دو پنکھے لگے ہوئے تھے اور ان پنکھوں سے کوئی بالشت نہیں لٹک رہی تھی۔

ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دیکھتی چلی گئیں۔ آخر نمل ہی بولی۔

"اب سوچ کیا رہی ہو، چلو اندر۔"

اس نے صرف کہا ہی نہیں بلکہ اندر کی جانب قدم بھی بڑھا دیے جبکہ وہ دونوں ایسے ہی دروازے کے پاس کھڑی رہیں جیسے کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی ہوں۔

نمل نے بیٹھنے کے لیے ڈیکس کا جائزہ لیتے ہوئے دو تین بار مڑ کر انہیں دیکھا۔ آخر رومیلہ نے ہی پہلے ہمت کی اور دروازے سے اندر داخل ہو گئی تب چار و ناچار سنبل کو بھی آنا پڑا۔

مگر جس طرح وہ چاروں طرف سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے سینت سینت کر آگے بڑھ رہی تھیں اس پر نمل خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

لیکن جب وہ نمل کی منتخب کردہ ڈیکس پر اس کے برابر میں آکر بیٹھی تب ڈیکس کے نیچے حفظ ماتقدم کے طور پر اسے جھانکتا دیکھ کر نمل سے ضبط نہ ہوا۔ وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"اس نے ڈیکس کے نیچے کسی چھپکلی کی موجودگی کی اطلاع نہیں دی ہے۔"

"میں... میں تو دیکھ رہی تھی فرش کیسا ہے۔" سنبل نے منمنا کر کہا۔

"صاف بات ہے مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔" رومیلہ نے چاروں اور دیکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

وہ تینوں ایک ہی ڈیکس پر بیٹھی تھیں، نمل کے ایک جانب سنبل تھی اور دوسری جانب رومیلہ۔

نمل رومیلہ کی بات پر گردن گھما کر اسے دیکھنے لگی بلکہ گھورنے لگی جس کی رومیلہ نے بالکل پروا نہ کی اور بدستور کلاس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو چاروں طرف چھپکلیاں ہی چھپکلیاں نظر آ رہی ہیں۔"

انہیں گھور گھور کر نمل کی آنکھیں دکھ گئی تھیں، چنانچہ اس نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے اپنی نظریں سامنے دیوار پر مرکوز کر دیں، جہاں بلیک بورڈ لگا ہوا تھا۔

کچھ ہی دیر میں کلاس معمول کے مطابق شروع ہو گئی۔ پروفیسر کلاس میں آئے، اپنا تعارف کرایا، اسٹوڈنٹس کا تعارف حاصل کیا، تھوڑی بہت سبجیکٹ کے متعلق بات کی اور پیریڈ اوور ہو گیا تو چلے گئے۔

ان کی گفتگو کے دوران نمل کا دھیان اچھا خاصا بٹ گیا تھا مگر رومیلہ اور سنبل ایسے ہی الرٹ بیٹھی رہیں۔ ایک مکھی سنبل کے ہاتھ پر آکر بیٹھی تو سنبل بری طرح اچھل گئی۔ اس کے اچھلنے پر رومیلہ چونک اٹھی۔

نمل کو پہلے تو اس کا چونکنا دیکھ کر غصہ آیا مگر اسے خجل ہوتا دیکھ کر وہ مسکرانے پر مجبور ہو گئی، خود رومیلہ بھی اپنے ہڑبڑانے پر شرمندہ ہو گئی تھی۔

دوسرے پیریڈ میں جا کر وہ دونوں بھی قدرے پرسکون ہو گئیں بلکہ پیریڈ کے دوران ہی انہوں نے آہستہ آواز میں طے کر لیا کہ اس پیریڈ کے ختم ہونے پر کینٹین میں جا کر کچھ کھائیں گی، انہیں امید تھی اگلا پیریڈ ضرور فری ہو گا مگر بیل ہوتے ہی ایک نئے لیکچرار کو کلاس میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ تینوں ہی بدمزا ہو گئیں۔

بلکہ وہی کیا دوسرے طلبہ و طالبات بھی کلاس ختم ہونے پر ایسے اٹھنے لگے تھے جیسے اب مزید پڑھائی کا کسی کا موڈ نہ ہو۔ نئے لیکچرار کلاس میں داخل ہوتے ہی سب کو کھڑا دیکھ کر اپنی جگہ ٹھٹک گئے۔

"لگتا ہے میں غلط وقت پر آ گیا ہوں، آپ سب شاید اب مزید کوئی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔" نووارد نے بڑے دوستانہ انداز میں سب پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم سمجھے شاید اب فری پیریڈ ہو گا۔" ایک لڑکے نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

"اس پیریڈ کے بعد آپ کے دو لگاتار فری پیریڈ ہیں، چنانچہ کچھ دیر مجھے برداشت کر لیں۔" ان کے مسکراتے ہوئے کہنے پر تمام طالب علم اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

"مجھے معلوم ہے اس وقت آپ سب دل ہی دل میں مجھے گالیاں دے رہے ہوں گے کیونکہ ایک بار جب کینٹین جانے کا موڈ بن جائے تو ہر پروفیسر اور ہر لیکچرار برداشت سے باہر ہو جاتا ہے، کانوں میں لیکچر کی جگہ آنتوں کے قل پڑھنے کی آوازیں گونج رہی ہوتی ہیں۔" ان کی بات پر تقریباً سب ہی طالب علموں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

سارے اسٹوڈنٹس جو اتنی دیر سے فارمل انداز میں لیے دیے بیٹھے تھے، قدرے مطمئن ہو کر باقاعدہ ان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئے۔

ان لیکچرار کے پڑھانے کا انداز گزشتہ دونوں پروفیسرز سے بہت مختلف تھا۔ پڑھایا ان دونوں نے بھی کچھ خاص نہیں تھا مگر انہوں نے صرف کتاب کا تعارف ہی اتنے دلچسپ انداز میں دیا تھا کہ کچھ موقعوں پر تو کلاس محفل زعفران بن گئی۔

وہ تینوں بھی سب کچھ بھول بھال کر بڑے انہماک سے ان کی مثالیں اور فارمولے سن رہی تھیں، جب اچانک انہوں نے ایک بڑا سا ڈبا کلاس میں منگوا لیا۔

ایک لڑکا ان کے فون کرنے پر دروازے سے ہی ایک ڈبا انہیں تھما گیا۔

"سر! یہ کیا ہے؟" ایک لڑکے نے بڑے تجسس سے سب کے دلوں میں موجود سوال کو زبان دی تو وہ بڑے پراسرار سے انداز میں مسکرا دیے۔

"یہ ایک سرپرائز ہے لیکن یہ میں ابھی نہیں کھولوں گا بلکہ پیریڈ اوور ہونے پر آپ لوگوں کو دوں گا۔"

"سر! اتنا انتظار۔" کسی نے پیچھے سے بڑے بے تابانہ انداز میں کہا تو دوسرے طالب علم بھی شور مچانے لگے مگر انہوں نے دھیان دیے بغیر اپنا لیکچر جاری رکھا تو اسٹوڈنٹس کو بھی خاموش ہونا پڑا مگر تب ہی سر کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ انہوں نے موبائل جیب سے نکالا، اسکرین پر جانے کس کا نمبر تھا کہ جسے دیکھتے ہی ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ بے زاری سے کہتے کلاس سے باہر نکل گئے اور کلاس کا دروازہ بھی بند کر دیا۔

"لگتا ہے سر کی بیوی کی کال ہے۔" کسی نے بانک لگائی تو سب ہی ہنس دیے۔

"حالانکہ ڈیوٹنگ ایکسٹرا موبائل الاؤ نہیں ہوتا۔" کوئی اور بھی بولا۔

"چلو اچھا ہی ہے کم از کم ان سر کی موجودگی میں ہم بھی اپنے موبائل آن رکھ سکتے ہیں۔" کسی نے خوشی خوشی کہا۔

ان سر کا لیکچر اور انداز ایسا تھا کہ کلاس میں پہلے ہی دن بڑا بے تکلفانہ ماحول بن گیا تھا۔ سب ایسے دوستانہ انداز میں بات کر رہے تھے جیسے ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہوں۔

تب ہی اس ساری گفتگو کے بیچ میں کوئی چونکتے ہوئے بولا۔

"ارے کیوں نہ سر کے آنے سے پہلے اس باکس کو کھول کر دیکھیں۔" اس آواز کے ابھرتے ہی سب ہی اس شخص کی حمایت کرنے لگے۔

www.pkdigest.com

وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں' انہیں یہ حرکت کچھ مناسب نہیں لگ رہی تھی مگر انہیں یہ بھی علم تھا کہ ان کے کہنے کا ان لڑکوں پر کچھ خاص اثر نہیں ہوگا' تب ہی خاموش ہی بیٹھی رہیں۔ البتہ ان کی نظریں اس بڑے سے ڈبے پر جم گئیں جو اسٹیل کا تھا اور بڑی سختی سے بند کیا گیا تھا۔

تب ہی اسے کھولنے کے لیے دو لڑکوں کو مل کر جان لگانی پڑی تھی' تب ڈھکنا کھلا اور کھلتے ہی کوئی چیز اچھل کر باہر آئی تھی کہ دونوں لڑکے بدک کر پیچھے ہٹ گئے تھے' ڈھکنا ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا تھا اور کلاس میں بیک وقت تمام لڑکیوں (اور کچھ لڑکوں) کی بھی چیخیں نکل گئیں۔

اس ڈبے سے برآمد ہونے والی چیز کوئی چیز نہیں بلکہ چوہے تھے۔ تین چار چوہے اچھل کر باہر آئے تھے جبکہ پورا ڈبا چوہوں سے اتنی بری طرح بھرا ہوا تھا کہ وہ اندر ہی اندر ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے۔ ڈبا بھی جانے کب سے بند تھا' لہٰذا جیسے ہی ڈھکنا کھلا ڈبے میں اتنی کھلبلی مچی کہ ڈبا ہلتے ہوئے میز پر لڑھک گیا۔

پھر تو پوری کلاس میں چوہوں کی ایک پوری فوج دوڑنے لگی۔

ایک عجیب سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ دو چار لوگوں نے کلاس کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کی تو پتا چلا کلاس باہر سے بند کر دی گئی ہے پھر کیا تھا کوئی ٹیبل پر چڑھ گیا تھا تو کوئی ڈیسک پر مگر جس طرح لوگ اتنے چوہوں کو دیکھ کر گھبرا گئے تھے' اسی طرح چوہے بھی اتنے لوگوں کو دیکھ کر ادھر سے ادھر بولائے بولائے پھر رہے تھے اور جتنا وہ پھر رہے تھے' اتنا ہی لوگ بولا رہے تھے۔

ٹنبل' نمل سے لپٹی اتنی بری طرح چیخ رہی تھی کہ نمل کو لگ رہا تھا اس کے کان کے پردے پھٹ جائیں گے' اس نے صرف پاؤں ڈیسک کے اوپر کر لیے تھے پھر بھی اسے لگ رہا تھا سارے چوہے اسی پر چڑھ گئے ہوں۔

رومیلہ تو باقاعدہ ڈیسک کے اوپر چڑھ گئی تھی اور ادھر سے ادھر دوڑتے لوگوں اور چوہوں کو ہراساں انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر جائے گی مگر اس نوبت آنے سے پہلے ہی کلاس کا دروازہ کھل گیا۔

اتنی چیخوں کی آواز پر سب ہی لوگ دوڑے چلے آئے تھے۔

دروازہ کھلنے پر چیخوں کی آواز میں مزید اضافہ ہو گیا۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ چوہوں کو بھی راہ فرار مل گئی تھی۔ باہر کھڑے ہجوم کے پاؤں کے پاس اور پاؤں کے اوپر چڑھتے وہ سرپٹ دوڑے تھے۔

کوئی پندرہ منٹ بعد میدان صاف ہوا تھا اور اس ہنگامے کا زور ٹوٹا تھا۔

لڑکیاں باقاعدہ بیٹھی رو رہی تھیں تو لڑکے اس بے ہودہ مذاق پر پروفیسرز کے سامنے بری طرح بگڑ رہے تھے۔

ایسی طوفان بدتمیزی پر پروفیسرز کا اپنا جلال نکتہ عروج پر پہنچا ہوا تھا۔

"سینئرز ہمیشہ نیو ایڈمیشن کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ خود ہمارے زمانے میں بھی یہ ہوا کرتا تھا مگر تب سب کچھ تمیز کے دائرے میں رہ کر ہوتا تھا مگر آج کل تمیز نامی چڑیا کو تو کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔" میڈم زاہدہ کا خون کھول رہا تھا۔

لڑکوں نے تو جوتے پہن رکھے تھے' اس لیے ان کے پاؤں بچ گئے تھے جبکہ لڑکیوں کے سینڈلز اور چپل کی وجہ سے چوہوں کے پنجوں کا نشان واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔

"میڈم! کوئی سینئر اسٹوڈنٹ لیکچرار بن کر آیا تھا اور وہی یہ ڈبا کلاس میں رکھ کر گیا تھا اور کلاس باہر سے لاک کر دی تھی۔"

"ساری یونیورسٹی کو لائن سے کھڑا کر دیں تاکہ یہ شناخت کر کے بتا سکیں۔" میڈم زاہدہ واقعی اتنے غصے میں تھیں کہ ان کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔

"خیر یہ تو ممکن نہیں اور اس کا فائدہ بھی نہیں۔" ایک دوسرے پروفیسر نے رسانیت سے کہا۔

"جی بالکل' وہ اپنا حلیہ اتنا بدل کر آیا ہوگا کہ یہ اسے پہچان بھی نہیں سکتے بلکہ وہ اس ڈیپارٹمنٹ کا ہوگا ہی نہیں۔ ساری پلاننگ چاہے اس ڈیپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹس کی ہو لیکن آگے انہوں نے کسی دوسرے ڈیپارٹمنٹ کے لڑکے کو ہی کھڑا کیا ہوگا۔"

"اس موضوع پر بحث صرف وقت کا زیاں ہے' میرے خیال سے سب اپنی اپنی کلاسز میں واپس جائیں۔ میں نے ماسیوں سے اچھی طرح صفائی کرا دی ہے۔" ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تو لڑکا بری طرح تلملا گیا۔

"تو سر اس کا مطلب ہے آپ ان کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیں گے۔"

"تو پتا بھی تو چلے یہ سب کیا کس نے ہے۔ میں کیا ہوا میں ایکشن لوں۔" ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ بھی اس لڑکے کے انداز پر تپ گئے تھے۔

"لیکن سر! آپ کچھ پتا کرنے کی کوشش تو کریں۔" ایک اور اسٹوڈنٹ نے بھی زبان کھولی۔

"ہم اپنے طور پر پتا کریں گے' ہاں اگر آپ کو کوئی ہنٹ ملتا ہے تو آپ بتا دیجیے گا مگر فی الحال سب اپنی اپنی کلاسز میں جائیں۔" انہوں نے دو ٹوک حتمی انداز میں کہا۔

"سر! اس سب کے پیچھے خرم نامی اسٹوڈنٹ کا ہاتھ ہے۔" نمل نے اچانک بول کر وہاں موجود حاضرین کو کیا' سنبل اور رومیلہ تک کو چونکا دیا۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھے گئیں جو اتنی نظروں کی زد میں ہو کر بھی مطمئن کھڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مطمئن تو اب میں کبھی نہیں ہو سکتی' میرا چین تو اسی دن ختم ہو گیا تھا جب پہلی بار زوبیہ نے مجھے گھر میں نظر آنے والے کسی سایہ کا ذکر کیا تھا۔

تب سے آج تک کتنے علاج کر چکی ہوں مگر میں جن چیزوں اور باتوں پر بھی یقین نہیں کرتی تھی' زوبیہ کی بہتری کے لیے وہ بھی کر ڈالیں۔

اس کی دادی نے ایسے ایسے پیر فقیر کو گھر بلا کر اس کا علاج کرایا ہے کہ جن کی شکل تک میں دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔

مگر زوبیہ کے لیے میں نے چپ چاپ سب کچھ برداشت کر لیا مگر کیا فائدہ ہوا' وہ ٹھیک ہونے کی بجائے دن بہ دن اور۔۔۔"

"مسز بلال اختر! اگر آپ اس طرح ہمت ہار جائیں گی تو زوبیہ کو کون سنبھالے گا۔ میں آپ سے کہہ رہی ہوں نا آپ ریلیکس ہو جائیں' بالکل ریلیکس۔

زوبیہ کو کچھ نہیں ہوا ہے' وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اگر اس نے دوائیں بند کر دی ہیں تو اسے فورس فلی دوائیں مت کھلائیں۔" شہر کی سب سے بڑی سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر شکیلہ نے اپنے مخصوص نرم اور ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

عائشہ اختر جب سے ان کے پاس آئی تھیں' روہانسے لہجے میں اسی طرح مایوسی بھری باتیں کر رہی تھیں۔

"تو کیا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی رہوں اور دیکھوں کہ اس کا پاگل پن کس اسٹیج پر پہنچ کر رکتا ہے۔" عائشہ اختر اتنی حساس ہو رہی تھیں کہ ڈاکٹر شکیلہ کے مشورے پر حیرت اور غصے سے گویا ہوئیں تو ڈاکٹر شکیلہ ہلکے سے ہنس دیں۔

ایک طویل عرصے سے وہ زوبیہ کا علاج کر رہی تھیں۔ وہ زوبیہ تو کیا عائشہ اختر کی نفسیات کو بھی بہت اچھی طرح

www.pkdigest.com

سمجھتی تھیں تب ہی پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔
"اللہ نہ کرے جو زوبیہ کی حالت ایسی ہو' وہ پاگل نہیں ہے۔ پہلے تو آپ اپنے دل سے یہ بات نکالیں جس ذہنی طور پر بیمار ہے۔"
"ذہنی طور پر بیمار لوگ کیا دوسروں پر حملہ کر دیتے ہیں۔" عائشہ اختر نے گلاس ایک طرف رکھ دیا۔
ڈاکٹر شکیلہ بھی کچھ خاموش سی ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئیں۔
"یہ واقعی تشویش کی بات ہے' آج اگر اس نے اپنی دوست پر حملہ کیا ہے تو کل کو وہ گھر والوں کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے اور ہو سکتا ہے خود کو بھی۔" ڈاکٹر شکیلہ خود کلامی کے انداز میں بولیں تو عائشہ اختر پریشانی سے انہیں دیکھنے لگیں۔
"ڈاکٹر پلیز کچھ کریں' میں اسے آپ کے پاس لانا چاہتی تھی مگر وہ میری سنتی ہی نہیں۔ آپ۔۔۔ آپ میرے ساتھ چلیں اور اسے سمجھائیں دوائیں اس کے لیے کتنی ضروری ہیں۔"
"دوائیں اس کے لیے ضروری ہیں مگر وہ اسے سمجھا کر کھلانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو اس طرح کی دوا دوں گی کہ آپ آرام سے اسے کھانے یا چائے میں ملا کر اسے دے سکیں گی۔ اسے بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ ہم اسے دوا دے رہے ہیں۔" ڈاکٹر شکیلہ اب بھی کسی سوچ میں غرق تھیں۔
"میں اس لڑکی سے ملنا چاہوں گی جس پر زوبیہ نے حملہ کیا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولیں تو عائشہ اختر چونک اٹھیں۔
"وہ لڑکی تو اتنی خوفزدہ ہو گئی ہے کہ میرے خیال سے اس سے ملنا ٹھیک نہیں۔ پتا نہیں وہ کالج بھی آئے گی یا نہیں۔" عائشہ اختر کے کہنے پر ڈاکٹر شکیلہ صرف انہیں دیکھ کر رہ گئیں' خود انہیں بھی اس لڑکی سے ملنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔
"میں تو دونوں طرف سے پھنسی ہوئی ہوں۔ زوبیہ کی حالت دیکھی نہیں جاتی' اوپر سے بلال بھی زوبیہ کے سامنے ہی اسے ایسی ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جانے کیا گزرتی ہو گی اس کے دل پر۔"
"اللہ نے ایک ہی اولاد دی اور وہ بھی۔" عائشہ اختر نے سرد آہ کھینچتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
"مسز عائشہ اس طرح کی باتیں کرنے کا بھلا کیا فائدہ ہے اور اپنے ہزبنڈ کو کسی دن میرے پاس لے کر آیئے گا' میں انہیں سمجھاؤں گی۔
زوبیہ کے سامنے انہیں بہت سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے' وہ بچپن سے شعور و لاشعور کے بیچ میں جی رہی ہے۔
وہ وہی دیکھتی ہے جو وہ دیکھنا چاہتی ہے۔
ایک عام انسان خواب میں یا فلم میں کوئی منظر دیکھتا ہے تو جاگنے یا فلم ختم ہونے کے بعد اس منظر سے باہر آ جاتا ہے لیکن زوبیہ کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔
وہ خواب میں بھی کوئی منظر دیکھتی ہے تو جاگنے کے بعد بھی وہ منظر' وہ سین اس کی آنکھوں کے سامنے ایسے موجود رہتا ہے جیسے وہ اب بھی اس کے سامنے ہو۔
اور جس سایہ کا وہ ذکر کرتی ہے' وہ تو اب اس کے اعصاب پر اتنا سوار ہو گیا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اسے وہی وہ نظر آتا ہے۔
لیکن اب اس کی بیماری تبدیل ہو کر Disassociative identity disorder کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔
اب وہ صرف اس سائے کو دیکھتی نہیں ہے بلکہ وہ خود اس سائے میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اس کی ذات' اس کی

شخصیت کہیں لاشعور میں چھپ جاتی ہے اور وہ خود شائستہ بن جاتی ہے۔
انسان کے دماغ کے تین حصے ہوتے ہیں۔
(1) Conscious
(2) Subconscious
(3) Unconscious
ایک نارمل انسان تصور میں اور حقیقت میں فرق کر سکتا ہے مگر زوبیہ کی یہ حس بہت کمزور ہے۔ جس سائے کی وہ بات کرتی ہے جانے وہ سایہ اس نے کہاں دیکھا تھا کہ اس کے ذہن میں وہ تصویر فکس ہو گئی۔ اب وہ تصویر بھلے ہی اس کے سامنے نہ ہو مگر وہ عکس اس کے Sub Conscious میں موجود ہے۔ اگر وہ سامنے کھڑکی کی طرف دیکھے گی تو اس کھڑکی کے ساتھ ساتھ تحت الشعور میں چھپا وہ عکس بھی اسے اس کھڑکی کے ساتھ کھڑا نظر آئے گا۔
لیکن اب وہ illusion اس کی ذات پر حاوی ہو رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے شائستہ کی روح کو رخسار کی بات اچھی نہیں لگی' اس لیے اس روح نے رخسار کو زخمی کر دیا۔
جبکہ سچ یہ ہے کہ زوبیہ کو اس کی بات ناگوار گزری اور وہ خود رخسار پر حملہ آور ہو گئی۔" ڈاکٹر شکیلہ کہتی چلی گئیں۔ عائشہ اختر دم بہ خود انہیں سنتی رہیں۔ وہ جب پہلی بار ڈاکٹر شکیلہ سے ملی تھیں' انہوں نے زوبیہ کو دیکھتے ہی بتا دیا تھا کہ وہ شائستہ نامی ایک illusion کے ساتھ رہتی ہے۔
مگر اب جس طرح وہ زوبیہ کی حالت کا ذکر کر رہی تھیں' اسے سن کر ان کی تشویش سوا ہو گئی تھی۔ اگر زوبیہ رخسار کی بات پر برا مان کر اس پر حملہ آور ہو سکتی ہے تو کل کو ان سے خائف ہو کر انہیں یا بلال اختر کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔
"پھر آپ ہی بتائیں' میں کیا کروں۔" انہوں نے عاجزی سے پوچھا۔ "آپ اس کا ماحول چینج کرنے کی کوشش کریں' اسے کہیں گھمانے پھرانے لے جائیں۔"
"کیسے لے جاؤں' اس کے فادر کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا اور وہ اسے میرے ساتھ اکیلے جانے نہیں دیتے اور اب جو اس نے رخسار کے ساتھ کیا ہے' اسے دیکھنے کے بعد تو وہ کبھی بھی مجھے اس کے ساتھ اکیلے جانے نہیں دیں گے۔" عائشہ اختر بے چارگی سے بولیں تو ڈاکٹر شکیلہ بھی خاموش ہو گئیں۔
"حالانکہ دیکھنے میں کتنی نارمل لگتی ہے وہ' پڑھائی وغیرہ میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر بہت اچھا نہیں پڑھتی تو پڑھائی میں بری بھی نہیں ہے۔ اسکول سے کبھی شکایت نہیں آئی' سوائے اس کے کہ بہت شائے (شرمیلی) ہے۔ ٹیچر کے سوال کا جواب نہیں دیتی لیکن کبھی ٹیچرز نے یہ نہیں کہا کہ اسے جواب نہیں آتا یا یہ کہ کبھی اس نے کوئی مس بی ہیو کیا۔
اور خوبصورت اتنی ہے کہ کلاس نائن میں آئی تھی' تب سے اس کے رشتے آنے شروع ہو گئے تھے۔"
"تو آپ اس کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں؟" خاموشی سے ان کی بات سنتی ڈاکٹر شکیلہ بے ساختہ بولیں۔
"کیسی باتیں کر رہی ہیں ڈاکٹر! وہ گھر کی ذمہ داریاں کیسے اٹھائے گی اور کون سا مرد ہو گا جو اس کی یہ بے سروپا باتیں برداشت کرے گا۔ اس کا دل تو اتنا چھوٹا ہے کہ اس کے والد بھی اگر اسے کچھ کہہ دیتے ہیں تو اس کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ اس کا شوہر اسے' اور وہ شوہر کو کیسے برداشت کرے گی۔" عائشہ اختر کے ہاتھ پاؤں ایسے پھول گئے تھے جیسے بارات ان کے دروازے پر کھڑی ہو۔
"بات تو آپ کی بجا ہے مگر میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی' اگر اب اس کے لیے کوئی مناسب رشتہ آتا ہے تو آپ

www.pkdigest.com

انکار مت کیجیے گا۔ اس کا ماحول بدل جائے گا' گھر بدل جائے گا' زندگی بدل جائے گی۔ میرے خیال سے یہ تبدیلی اس کے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔"

"میں کیا انکار کروں گی' بلال ہی تیار نہیں ہوتے۔ ان کا کہنا ہے وہ دو دن میں واپس گھر آبیٹھے گی۔ شوہر نکال باہر کرے گا اسے اور اب تو اور بھی مشکل ہوتا جارہا ہے۔ وہ ٹھیک ہونے کی بجائے اور زیادہ پیچیدگیوں کا شکار ہو رہی ہے۔" عائشہ اختر بے چینی سے انگلیاں مروڑتے ہوئے بولیں۔

"آپ پھر بھی ایک بار ان سے بات ضرور کیجیے گا۔"

ڈاکٹر شکیلہ نے کہا تو عائشہ اختر خالی الذہنی کے عالم میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

زوبیہ خالی الذہنی کے عالم میں چلتی اپنی کلاس میں آبیٹھی۔ اس نے غور ہی نہیں کیا کہ اسے دیکھتے ہی ساری لڑکیاں چوکنی ہوگئی تھیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کرنے لگی تھیں۔

لیکن آخر کب تک' کچھ دیر گزرنے کے بعد اسے احساس ہو ہی گیا کہ لڑکیاں ——— اسے ہی دیکھ رہی ہیں۔

اسے عجیب تو لگا مگر وہ چپ چاپ کتاب نکال کر اس کے مطالعے میں غرق نظر آنے کا مظاہرہ کرنے لگی لیکن پانچ منٹ بعد کلاس کی سب سے مغرور اور نک چڑھی نتاشا اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"تمہیں معلوم ہے رخسار نے کالج چھوڑ دیا ہے۔"

زوبیہ کتاب پر سے سر اٹھا کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا تمہیں نہیں پتا' حالانکہ اس نے تمہاری وجہ سے ہی تو چھوڑا ہے۔" نتاشا نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

زوبیہ کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے گویا انہیں سب پتا چل گیا تھا' یقیناً وہ سب بھی اس کے ماں باپ کی طرح اسے ہی رخسار کی اس حالت کا ذمہ دار سمجھ رہے ہوں گے۔

"اس کے اتنی چھٹیاں کرنے پر میں نے اسے بہت ساری کالز کی تھیں مگر اس کی والدہ ہر بار اس سے بات کرانے کی بجائے کہہ دیتیں کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔

فائنلی کل اس نے میری کال اپنے موبائل پر اٹینڈ کرلی اور اس نے جو بتایا' مجھے تو سن کر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

تم تو اتنی سیدھی سادی بلکہ اتنی ڈرپوک اور بے وقوف سی ہو' تم بھلا کسی کو کیسے مار سکتی ہو۔" نتاشا کی بات زوبیہ کو کسی تیر کی طرح چبھی تھی۔

وہ دوپٹے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کن انکھیوں سے ارد گرد جمع ہوتی لڑکیوں کو دیکھنے لگی۔ وہ سب ایک دائرے کی صورت میں اس کے پاس کھڑی تھیں اور نتاشا کے ہر جملے کی ادائیگی کے ساتھ یہ دائرہ تنگ ہو رہا تھا۔

"اگر رخسار جھوٹ بول رہی ہے تو اسے اس جھوٹ کی ضرورت کیا ہے' کیوں کر رہی ہے وہ ایسا۔ اور اگر وہ سچ کہہ رہی ہے تو اس کا مطلب ہے تمہیں کوئی روح نظر آتی ہے جو جب چاہتی ہے کسی پر بھی وحشیانہ حملہ بھی کردیتی ہے۔" نتاشا جتنے عجیب و غریب انداز میں بول رہی تھی' اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

زوبیہ کا سر جھکتے جھکتے ٹھوڑی سینے سے جا ملی تھی۔ رخسار نے سب کچھ نتاشا کو بتا دیا تھا بلکہ اپنی مرضی سے بھی

جانے کیا کچھ کہہ دیا ہوگا۔

وہ زوبیہ کے خلاف پہلے ہی بھری ہوئی تھی۔ نتاشا کے فون نے تو گویا اندر پکتے لاوے کو باہر آنے کا موقع دے دیا ہوگا۔

زوبیہ کا دل چاہ رہا تھا' وہ یہاں سے اتنی دور بھاگ جائے جہاں یہ تمام لڑکیاں اور جسم کے آر پار ہوتی یہ نظریں موجود نہ ہوں۔

اس کے کانوں میں عائشہ اختر کی کہی باتیں گونجنے لگیں' واقعی انہوں نے ٹھیک کہا تھا' کسی کو بھی اگر اس نے اپنے راز میں شامل کیا تو وہ اسے پاگل ہی سمجھے گا۔ اس وقت بھی وہ لڑکیاں اسے خاموش دیکھ کر آپس میں چہ مگوئیاں کرنے لگی تھیں۔

"زوبیہ کے فادر نے رخسار کے گھر والوں کو بہت بڑی رقم دی ہے' تاکہ وہ پولیس میں نہ جائیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو نتاشا۔"

"ارے واقعی رخسار نے خود مجھے بتایا ہے کہ زوبیہ کی مدر اتنا رو رہی تھیں۔

اس کے والد بھی کہہ رہے تھے کہ زوبیہ پیدائشی ایب نارمل ہے' اس کا ذہن صحیح کام نہیں کرتا۔ اگر اس کے خلاف کیس بن گیا تو پولیس اسے پاگل خانے میں بھرتی کرادے گی۔"

"کیا واقعی۔۔۔" حالانکہ جس طرح وہ زوبیہ کے کلاس میں آنے پر اسے دیکھ رہے تھے' اس سے صاف ظاہر تھا نتاشا انہیں پہلے ہی یہ سب کچھ بتا چکی ہے پھر بھی نتاشا ایسے پراسرار انداز میں انہیں سنا رہی تھی اور وہ بھی ایسے تجسس سے سن رہے تھے جیسے یہ انکشاف ابھی ابھی ہوا ہو۔

زوبیہ کو یقین تھا نتاشا کی بات میں کوئی جھوٹ نہیں ہے' اس کے والدین نے رخسار کے گھر پر یہی سب کہا اور کیا ہوگا۔

"اوہ گاڈ۔۔۔ رخسار کے پیرنٹس کو اس پر کیس کردینا چاہیے' ایسے پاگل بھی بھلا کوئی ہمدردی کے قابل ہوتے ہیں۔"

"اور کیا اس کے ساتھ تو کلاس میں پڑھنے میں بھی خطرہ ہے۔ یہ تو کسی کی بھی جان لے سکتی ہے۔ اسے تو مینٹل ہسپتال میں ہی ہونا چاہیے۔"

ان سب کے جارحانہ تبصروں پر زوبیہ کا وجود ہولے ہولے کانپنے لگا' اس نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں جکڑ لیے تاکہ اس کی انگلیوں کی لرزش کسی پر ظاہر نہ ہو اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ابھی اور اسی وقت یہاں سے اٹھ کر چلی جائے۔

مگر وہ بچپن سے جس اعتماد کی کمی کا شکار تھی' اس کے باعث اس کے مزاج میں اتنی بزدلی اور بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی تھی کہ وہ کوشش اور خواہش کے باوجود اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔

"ارے رخسار کے والدین کو بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی رقم مل گئی' وہ بھلا کیس کیوں کریں گے۔ رخسار کی چوٹیں تو ٹھیک بھی ہوگئی ہیں' اس کا کالج بھی انہوں نے چینج کردیا ہے' وہ اس کے خلاف کیس کرکے اتنی بڑی رقم پر لات کیوں ماریں گے۔"

زوبیہ کو لگ رہا تھا جیسے کمرے میں آکسیجن کی سخت کمی ہوگئی ہو' اس کی آنکھوں کے سامنے عجیب عجیب دھبے ناچنے لگے۔

اس نے میز کو مضبوطی سے تھام لیا مگر بہت جلد اس کی گرفت کمزور پڑ گئی اور وہ بے ہوش ہو کر ٹیبل پر جھکتی چلی گئی۔

www.pkdigest.com

الیان نے چونک کر ٹیبل پر جھکا سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑی عورت کو دیکھا اور پھر میز پر پھینکی گئی اس فائل کو دیکھنے لگا جو اس نے الیان کے آفس میں بغیر اجازت داخل ہوتے ہی الیان کی جانب اچھال دی تھی اور جس سے میز پر سجا سامان بکھر گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" الیان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"یہ وہ کانٹریکٹ ہے جو میں نے تمہاری کمپنی کے ساتھ سائن کیا تھا اور جس میں صاف صاف لکھا تھا کہ میرے ڈیزائن کیے کپڑوں کو میرے تجویز کردہ کپڑوں پر اپلائی کیا جائے گا۔" سارا ماجرا پل بھر میں ہی الیان کی سمجھ میں آگیا۔

اس نے سنا تو تھا کہ جس عورت کو انہوں نے کپڑوں کی ڈیزائننگ کے لیے ہائر کیا تھا' وہ جتنی مشہور تھی' اتنی ہی مغرور اور بددماغ تھی۔

مگر اسے یہ امید نہیں تھی کہ اسے خواجہ فیبرکس مہیا نہ کرنے پر وہ اس کے آفس میں آکر اتنی بدتمیزی کا مظاہرہ کرے گی۔

الیان کا دل چاہا وہ یہ فائل اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارے مگر اس کی تربیت ایسے خطوط پر نہیں ہوئی تھی کہ وہ کسی کے ساتھ اس طرح پیش آتا اور سامنے کھڑی یہ عورت تو اس کی ماں کی عمر کی تھی۔

الیان کی عمر سے زیادہ اس کا تجربہ تھا' ان کے ردعمل کو کسی حد تک ان کا مزاج سمجھتے ہوئے الیان نے خون کی گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ہم وعدے کے مطابق آپ کی مرضی کا مٹیریل نہیں دے سکتے لیکن شہر میں خواجہ فیبرکس کے علاوہ بھی بہت بہترین مٹیریل ہیں۔ آپ کسی بھی فیبرک کا نام لے دیں' ہم آپ کے سامنے پیش کردیں گے۔"

"لیکن وہ کیوں نہیں جس کا میں نے انتخاب کیا ہے' میں کسی مٹیریل کا نام ایسے ہی نہیں لے دیتی اور جب ایک بار لے لیتی ہوں تو سوائے اس کے اور کسی کپڑے پر کام نہیں کرتی۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولیں۔

الیان نے میز پر سے فائل اٹھاتے ہوئے پین ہولڈر میں سے گرے پینز کو ٹھیک کرتے ہوئے ان سے زیادہ بے لچک لہجے میں لاپروائی سے بولا۔

"اگر ایسی بات ہے تو آپ ڈیل کینسل کردیں لیکن خواجہ فیبرکس کے ساتھ ہماری فیکٹری ہرگز کام نہیں کرے گی۔"

"برخوردار۔۔۔ ڈیل کینسل ہوئی تو میں ایڈوانس واپس نہیں کروں گی۔" انہوں نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔

"میں ایڈوانس واپس مانگ بھی نہیں رہا' وہ آپ اپنے پاس رکھیں اور جو ڈیزائن تیار کیے ہیں' وہ بھی لے جائیں۔" الیان کے اطمینان میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر ان کا غصہ حیرت میں تبدیل ہوگیا تھا۔

"تم جانتے ہو اس طرح تمہیں کتنا لاس ہوگا؟"

"آپ میرے لاس کی فکر مت کریں' آپ کا لاس نہیں ہوگا۔ آپ کے لیے اتنا کافی ہے۔" الیان اپنی میز کو واپس ترتیب دے چکا تھا' چنانچہ دوبارہ اس فائل پر جھک گیا جس پر وہ کام کر رہا تھا۔

سر جھکا ہونے کے باوجود اسے احساس تھا' وہ خاتون اسے ہی دیکھ رہی ہیں' ان کی نظروں میں اتنی بے یقینی تھی کہ الیان سر اٹھا کر وضاحت دینے پر مجبور ہوگیا۔

"آپ پلیز یہ مت پوچھیے گا کہ میں خواجہ فیبرکس کے ساتھ کام کرنے سے کیوں انکاری ہوں' یہ میرا پرسنل معاملہ ہے' ان کے میٹریل یا کوالٹی سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔" الیان کے کہنے پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں

آپ کا شکریہ کہ آپ نے کیا ہم پر اعتماد اور بھروسہ
پوچھے ہم سے وہ سوال جنہیں حاصل کرنے کے لئے آپ تھے پریشان۔
ہمارا فرض آپ کو پہنچانا صحیح معلومات مکمل رازداری کے ساتھ.....

تربیت یافتہ ڈاکٹرز سے مفت معلومات اور مشورے کے لئے 24 گھنٹے مفت کال کریں۔
وزٹ کریں www.srhmatters.org اور حاصل کریں اپنے ہر سوال کا جواب۔
قابل اعتماد اور درست، حقائق پر مبنی معلومات اور ماں اور بچے کی صحت و نگہداشت کی اعلیٰ اور معیاری مشاورت و خدمات
کے لئے آج ہی اپنے قریبی "بہتر زندگی سینٹر" تشریف لائیں۔

بہتر زندگی سینٹر، بہتر زندگی میں پہلا قدم

0800 22333

SRHmatters.org

AKS PROCESS

پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولیں۔

"مجھے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے' تم آج کل کے نوجوانوں کو میں اچھی طرح جانتی ہوں' ذرا سی کوئی بات تم لوگوں کے مزاج کے خلاف ہو جائے اور تم اسے انا کا مسئلہ بنا لیتے ہو۔" ان کے طنز کرنے پر الیان بے ساختہ مسکرا دیا۔

"یہ آپ نوجوانوں کی بات کر رہی ہیں یا اپنی' میرے خیال سے تو آپ خود بھی کچھ ایسی ہی ہیں۔" الیان کی صاف گوئی انہیں خاصی گراں گزری تھی' ان کی تیوری پر ان گنت بل پڑ گئے۔

انہوں نے میز پر پھیلی فائل اٹھائی اور تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔

"مجھے تمہارے ساتھ کام کرنے میں کوئی فائدہ نہیں' اس لیے میرا اس ڈیل کو چھوڑ دینا کوئی گھاٹے کا سودا نہیں لیکن تمہارا خواجہ فیبو کس کو منع کرنا سراسر حماقت پر مبنی فعل ہے' جس میں نقصان بھی دونوں طرف سے تمہارا ہی ہے۔"

وہ تو کہہ کر چلی گئیں' البتہ الیان کتنی ہی دیر خالی الذہنی کے عالم میں فائل کو دیکھتا رہا۔

اسے ان کی بات سے اختلاف نہیں تھا بلکہ وہ پوری طرح آگاہ تھا کہ ان کی بات سو فیصد درست ہے۔

اس کے باوجود وہ خواجہ فیبو کس کے ساتھ کام نہیں کر سکتا تھا' جب وجاہت یہاں موجود نہیں تھا' تب بھی اس کی کوشش تھی کہ اس کی فیکٹری ان کے ساتھ کام نہ کرے۔ شاید یہ اتفاق ہی تھا کہ ایسی بھی نوبت ہی نہیں آئی۔

اور اب موقع آیا بھی تھا تو کب' جب وجاہت خود بھی بزنس کی دنیا میں قدم رکھ چکا تھا۔

ہو سکتا تھا وجاہت کو اس بات کا خیال بھی نہ آتا کہ الیان کی فیکٹری ان کا مٹیریل استعمال کر رہی ہے۔ کیا پتا وہ سب کچھ بھول ہی چکا ہو۔ ویسے بھی ایسی کون سی بڑی بات تھی جو یاد رہ جاتی۔

مگر الیان کے لیے چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنا بھی آسان نہیں تھا' جب کوئی بات اس کی ضد بن جاتی تو پھر وہ کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تھا۔

یہ تو پھر ایک ڈیل تھی۔ بزنس کی دنیا کا ایک عام سا سودا۔ ☼ ☼ ☼

"وہ یونیورسٹی کا کوئی عام سا بندہ نہیں ہے' جس کا نام تم نے اتنی آسانی سے لے لیا۔" نمل' رومیلہ اور سنبل کے ساتھ جیسے ہی پرنسپل کے آفس سے باہر نکلی' ایک لڑکی کے پیچھے سے کہے جملے نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

نمل پلٹ کر اسے دیکھنے لگی جو دوسرے طلبہ و طالبات کی طرح آفس میں موجود تھی۔

نمل نے جب خرم کا نام لیا تو تمام عملہ چونک اٹھا۔

"کیا تم خرم حسن کی بات کر رہی ہو؟" میڈم زاہدہ نے تصدیق کرتے ہوئے پوچھا۔

"میڈم پورا نام تو مجھے معلوم نہیں لیکن آج صبح جب میں یونیورسٹی آئی تھی تو۔"

یہ کہہ کر نمل نے تمام بات مختصراً ان کے گوش گزار کر دی' البتہ اس نے پورا واقعہ ایسے سنایا تھا جس سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ خرم سے پہلے بھی کبھی مل چکی ہیں۔ اس نے بس اتنا کہا تھا کہ ان کے گاڑی ہٹانے پر اس نے انہیں کلاس نہ اٹینڈ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

"یہ ضرور خرم حسن کی ہی بات کر رہی ہیں۔" میڈم زاہدہ ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"مگر اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ڈبے میں چوہے نکل آئیں گے۔" انہوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا پھر فوراً ہی کہنے لگے۔

"خیر جو بھی ہو' میں خرم حسن سے بات کر لوں گا' آپ سب اب جائیں۔" ان کے حاکمانہ انداز پر سب ہی سر

جھکا کر باہر آ گئے' تب ہی کلاس کی طرف جاتی نمل کو وہ دو لڑکیاں مخاطب کر بیٹھیں۔

"خرم نے یہ سب کیا ہے یا نہیں' یونیورسٹی والے تو اس کا کچھ خاص نہیں بگاڑ سکیں گے مگر وہ تمہارا جینا ضرور دوبھر کر دے گا۔" اس لڑکی کے کہنے پر سنبل اور رومیلہ ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھنے لگیں۔

وہ تو پہلے ہی اس طرح نمل کے بول پڑنے پر تپی ہوئی تھیں' ان لڑکیوں کی بات سن کر تو انہیں اچھی خاصی فکر ہو گئی تھی۔

ایک پل کے لیے تو نمل بھی ٹھٹک گئی پھر اپنے انداز میں لاپروائی بھرتے ہوئے بولی۔

"میں نے جو صحیح سمجھا وہ کیا' کل کیا ہو گا' وہ کل ہی پتا چلے گا۔" نمل کہہ کر آگے بڑھنے لگی' وہ ان لڑکیوں کی بات زیادہ سننا نہیں چاہ رہی تھی' جانے کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا وہ محض اسے ہراساں کرنے کے لیے یہ سب کہنے آ گئی ہیں۔

کیا پتا یہ بھی خرم کی دوستیں ہوں اور زبردستی خرم کی دھاک بٹھانے کے لیے اس طرح بول رہی ہوں پھر بھلا وہ کیوں ان کے سامنے اپنی کوئی کمزوری ظاہر کرے۔ ویسے بھی جو ہو چکا تھا' وہ اب اسے بدل تو نہیں سکتی تھی۔

مگر وہ لڑکیاں بھی آسانی سے جان چھوڑنے والی نہیں تھیں' تب ہی اس کے پلٹنے کے باوجود پھر بول اٹھیں۔

"تم نے جو صحیح سمجھا' وہ بالکل غلط تھا۔ یہ خرم اور اس کے دوست یونیورسٹی میں کچھ زیادہ اچھی شہرت نہیں رکھتے' بڑے خطرناک قسم کے لڑکے ہیں۔ اگر سر خرم کی پہچان کرنے کے لیے بلوائیں تو دیکھ کر مکر جانا کہ یہ تو وہ لڑکا ہے ہی نہیں۔" اس کے کہنے پر نمل محض بات ختم کرنے کے لیے سر ہلا گئی۔

مگر رومیلہ اور سنبل کو پتا تھا نمل کو اگر شناخت کے لیے بلایا گیا تو ایسا جھوٹ بولنا اس کے لیے یقیناً ناگوار ہو گا جو صرف اس سے ڈر کر بولا جائے۔

حالانکہ وہ دونوں تو نمل کے پرائی آگ میں کودنے پر ہی معترض تھیں۔ اب خرم اور اس کے دوستوں کی شہرت کا سن کر تو مضطرب بھی ہو گئی تھیں' اسی لیے رومیلہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"ہو سکتا ہے واقعی وہ کوئی اور ہی لڑکا ہو۔" ایک طرح سے اگر اس نے خود کو تسلی دی تھی تو دوسری طرف نمل کے لیے ایک راستہ بھی کھلا رکھا تھا کہ اگر نمل بعد میں بیان بدلنا چاہے تو اس کی ضدی فطرت اسے ایسا کرنے ہرگز نہیں دے گی' اسے فوراً اپنی شکست کا احساس ستانے لگے گا۔ تب وہ اسے یہ کہہ کر ٹھنڈا کر دیں گی کہ "تم خرم پر بھی یہی ظاہر کرو کہ تم نے اسے پہچانا ہی نہیں۔"

رومیلہ کے پرسوچ انداز میں وہ لڑکی نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"اس نے جس پارکنگ کا ذکر کیا ہے' وہ خرم حسن کی ہی پارکنگ ہے اور ایسی حرکتیں وہی کرتا ہے' تب ہی تو میڈم زاہدہ سنتے ہی سمجھ گئیں۔ خیر تم نے اس کا نام لے کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر تمہیں یقین ہی تھا یہ سب اس نے کیا ہے تب بھی خاموش رہنا چاہیے تھا اور جبکہ تمہیں تو یقین بھی نہیں ہے۔

ہو سکتا ہے اسے اس پورے پلان کا علم ہو' یہ بھی پتا ہو کہ یہ سب کون کر رہا ہے' ایسے لوگ یونیورسٹی کی تمام خبریں رکھتے ہیں۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ان سب کے پیچھے خود اس کا ہاتھ بھی ہو۔" وہ لڑکی کہتی چلی گئی' اس بار ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں بولا۔ ان کے خاموش رہنے پر وہ دونوں بھی آگے بڑھ گئیں۔ البتہ رومیلہ اور سنبل نے فوراً ان ترانیاں شروع کر دیں۔ نمل خود بھی کچھ پریشان ہو گئی تھی' اس لیے کچھ نہیں بولی اور چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی۔ وہاں آفس میں بھی وہ بے ساختہ بول اٹھی تھی' پوری کلاس وہاں موجود تھی اور سب ہی غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ ان کا غصہ دیکھ کر اور خود اپنی درگت بننے پر وہ بے اختیار ہی بول پڑی تھی' اس لیے خاموشی سے ان دونوں کا بگڑنا سنتی رہی۔

www.pkdigest.com

شاہین ملک

بدگمانیوں کی زنجیر

وہ خاموشی سے ان کا بگڑنا سن لیتا ایسا بھلا کہاں ممکن تھا۔

آفس میں جب اسے بلا کر اس سے بازپرس کی گئی تو پہلے تو خرم کو یقین ہی نہیں آیا کہ کسی نے ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ اور پرنسپل کے سامنے اس کا نام لینے کی جسارت پلس حماقت کیسے کرلی۔

وہ صرف شکایت کرنے والے کا نام اگلوانے کے لیے گول مول انداز میں بات کرتا رہا مگر جب اسے اندازہ ہوا کہ وہ نام بتانے کے لیے تو تیار نہیں ہیں مگر ان کی باتوں سے لگ رہا ہے' یہ حرکت اس کے حریفوں نے نہیں بلکہ کسی نیو ایڈمیشن نے کی ہے' تب فوری طور پر اس کا دھیان نمل کی طرف ہی گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی نیو ایڈمیشن اسے جانتا ہی نہیں تھا تو اتنا بڑا الزام کیا لگاتا۔

یہ مذاق واقعی اس نے یا اس کے دوستوں نے نہیں کیا تھا مگر اس کے باوجود اسے پتا تھا کہ یونیورسٹی کے دوسرے اسٹوڈنٹس اس طرح کا مذاق کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یونیورسٹی میں اس کی بہت بار لڑائیاں ہوئی تھیں' زیادہ تر لڑکے اس سے ہارنے کے بعد چپ ہو کر بیٹھ جاتے تھے' ماسوائے سمیر اور اس کے دوستوں کے۔

ان کی لڑائیاں بڑی معمولی باتوں پر ہوتی تھیں مگر ایک دوسرے سے بدلہ لینے کی خواہش اور عادت نے انہیں ایک دوسرے کا اچھا خاصا دشمن بنا دیا تھا۔

خرم کو پتا چلا تھا' سمیر کے دوست آج کل مختلف ہاسٹلز سے گندے گندے کیڑے پکڑ کر ہاسٹل میں رہنے والوں کی ڈھیروں دعائیں کما رہے ہیں۔ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ہاسٹل صاف کرنے کی مہم پر لگے ہیں مگر خرم سنتے ہی سمجھ گیا تھا کہ ضرور اس کے پیچھے ان کی کوئی چال ہے۔

تھوڑی سی کوشش سے وہ جلد ہی اس راز کو پا گیا کہ یہ سب وہ نئے آنے والے طلبہ و طالبات کے استقبال کے لیے کر رہے ہیں۔

خرم کو بھلا یہ سب جان کر کیا فرق پڑنا تھا' سمیر وغیرہ جو جی میں آئے کریں خرم کی بلا سے۔ البتہ نمل کو دیکھ کر اس نے بالکل غیر ارادی طور پر اسے ان کے پلان کے متعلق بتا دیا اور یہ تو اسے اب پتا چلا تھا کہ اسے ملنے والی معلومات میں تھوڑا بہت ردوبدل ہو گیا ہے کہ چھپکلیوں بھری بالٹی کو پنکھے سے لٹکانا ایک مشکل امر تھا۔ بالٹی الٹنے سے پہلے ہی چھپکلیاں اس میں سے ٹپ ٹپ گرنی شروع ہو جاتیں۔

اور سب سے بڑھ کر اتنی بڑی بالٹی کو پنکھے سے لٹکا دیکھ کر تمام اسٹوڈنٹس اور پروفیسرز چونکنے ہو جاتے۔

سمیر واقعی اپنی کارستانی خاموشی سے کر کے نکل گیا اور الزام اس پر آ گیا۔ حالانکہ اس نے فوراً" سمیر اور اس کے دوستوں کا نام لے دیا مگر بھلا اس کی بات پر کون یقین کرتا۔

ایک تو اس کا پرانا تاثر کچھ خاص اچھا نہیں تھا۔ دوسرے جس کا وہ نام لے رہا تھا' اس شخص اور اس کے دوستوں سے خرم اور اس کے دوستوں کی دشمنی کے متعلق سب ہی جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خرم کی ایک نہ سنی اور سے بری طرح ڈانٹ کر رکھ دیا۔

ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ اور پرنسپل صاحب نے اس لڑکی کو بلا کر خرم کی شناخت کرانا ضروری نہیں سمجھا' انہیں خرم کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لینا تھا' بس اسے ڈانٹ کروا رن کر دینا تھا۔ اگر اس نے یہ سب نہیں بھی کیا تھا' تب بھی اس کی گزشتہ حرکتوں کو دیکھتے ہوئے اسے ایک ناحق ڈانٹ پڑ بھی جاتی ۔ تب بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ جبکہ اس لڑکی کو بلا کر پوچھنے میں خرم اس لڑکی کے لیے مسائل ضرور کھڑے کر سکتا تھا۔

اور واقعی خرم آفس سے بڑے غصے سے نکلا تھا اور بڑے جارحانہ انداز میں نمل کو پورے ڈپارٹمنٹ میں ڈھونڈنے لگا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

www.pkdigest.com

کوئی نہیں جانتا تھا' کوئی جان بھی کیسے سکتا تھا کہ رات کے پچھلے پہر بوڑھے برگد کے پچھواڑے یہ ساگوانی کا دروازہ کیوں کھلتا ہے۔ یہاں کون آتا ہے یا یہاں سے کوئی انیکسی کی طرف کیوں جاتا ہے۔ بچے بڑے ہوگئے تھے' اتنے بڑے کہ دونوں اپنے اپنے کمروں میں سونے لگے تھے۔ وہیں کمپیوٹر' ٹی وی' آئی پوڈز' سیل فونز اور سب سے بڑھ کر جب چاہا انٹرنیٹ کی دنیا میں چلے گئے' پھر نہ دنیا کی فکر نہ بھوک' نہ پیاس کا احساس! وہ نہیں جان پائے کہ امی' صباحت بیگم کئی بار لاؤنج میں رکھے کاؤچ پر سو جاتی ہیں تو کبھی انیکسی میں جا کر دم لیتی ہیں تو کیوں؟

وہ تو بچوں کو علی الصبح نہائی دھوئی ڈھائی گز کے دوپٹے کا بکل مارے ہوئے ملتی ہیں۔ چہرہ ہوتا ہے کہ نور کا ہالہ.... کچھ عرصہ سے انہوں نے بالوں کو رنگنا بھی کم کر دیا تھا' اب کنپٹیوں کے اطراف اور مانگ سے دوپٹہ سرکتا تو چاندی کے یہ تار ان کی اپنے وجود سے بے گانگی کی کہانی سنا دیتے۔ نہ گئی تو ایک عادت نہ گئی کالج جاتے ہوئے دونوں بچوں حنا اور طلحہ کو ناشتا کرنے پر مجبور کرنا۔ وہ دونوں بھوک نہیں ہے کا نعرہ بلند کرتے' کبھی ایک آدھ ٹکڑا انڈے کا چکھ لیا تو کبھی ایک قاش سیب کی اٹھالی اور آدھی پونی پیالی دودھ لے لیا' وہ اس پر صبر شکر کر لیتیں کہ کچھ تو کھا مان لیتے ہیں۔ ان کے گھر سے روانہ ہوتے ہی گھر کے دوسرے بکھیڑے نبٹانے لگتیں۔

سلطان صاحب نے ایک خانساماں رکھا ہوا تھا جو نیند کا ایسا — تھا کہ مجال ہے جو بچوں کو وقت پر ناشتا دے پاتا' یہ تو بعد میں پتا چلا کہ وہ رات رات بھر ایف ایم سنتا ہے۔ سیل فون پر پیغامات ادھر ادھر کرتے ہی رات اچھی خاصی بھیگ جاتی ہے۔ نیند پھر نہیں آتی تو کچن میں آکر بچا کھچا کھانا کھاتا ہے اور پھر جو گھوڑے بیچ کے سوتا ہے تو کب اذانیں ہوتی ہیں پتا ہی نہیں چلتا۔

سلطان صاحب ناشتے میں ایک ابلا انڈہ' چائے اور اس سے پہلے کارن فلیکس لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان اشیاء کی تیاری میں نہ صدیوں کا سگھڑاپا چاہیے نہ کوئی خاص مہارت ہی درکار ہو سکتی ہے۔ وہ بے وار بھی جلدی نہیں ہوتے تھے' اس لیے صباحت بیگم بڑے آرام سے ہنڈیا چڑھاتیں' خانساماں (سلامت بابا) کو ضروری ہدایتیں دے کر لاؤنج میں چلی جاتیں۔ اشراق کی نماز سے فارغ ہوتیں تو قرآن مجید باترجمہ پڑھتیں اور کچھ نہ کچھ سلائی کڑھائی کے لیے نکال لیتیں' اس کے بعد بھائیوں کی طرف چلی جاتیں گھروں میں کوئی ایک کام تو ہوتا نہیں' پھر وہ سلطان صاحب کے بلانے ہی پر ان کے کمرے میں جاتیں' نہ بلا ضرورت نہ بلا ارادہ اور انداز یہ ہوتا کہ دہلیز سے آگے بڑھتیں تو چوکھٹ سے ایک دم آگے نہ سرکتیں۔ وہیں کھڑے کھڑے ان کی باتیں سنتیں۔ کبھی جواب دے دیتیں تو کبھی چپ سادھ لیتیں' اور اگر وہ کوئی حکم دیتے تو اس کی تکمیل کے لیے آگے بڑھ جاتیں۔

اس وسیع و عریض بیڈ روم میں بستر کے بائیں جانب دو کرسیوں والی ایک خوشنما سی میز پر ناشتا رکھا جاتا تھا۔ بہت دن بعد سلامت بابا کو اتنا سلیقہ آیا کہ پہلے سے رکھے ہوئے اخبار' رسالے یا کتابیں ایک جانب سرکا کر ناشتے کی ٹرے رکھی جانے لگی۔ وہ دبے پاؤں ٹرے رکھ کر جاتے' تاکہ صاحب کی آنکھ نہ کھل جائے۔ ادھر اتنی ہی خاموشی سے صباحت بیگم میز پر بکھرے اخبارات کے پلندے کو اٹھا کر کہیں اور جگہ بناتیں اور ناشتا ڈھک کر سلطان صاحب کو بے دار ہونے کے لیے آواز دیتیں۔ پھر ایک روز یہ ہوا کہ انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آواز دینا چھوڑ دی۔ اب ناشتا بھی پہلے سے نہیں رکھا جاتا تھا' کیونکہ اب ہر روز کا مینو مختلف ہوتا تھا۔ کبھی کبھار وہ ناشتے کا تکلف بھی رہنے دیتے اور دفتر کی راہ لیتے۔

اس گھر میں بے پناہ خوشنمائی کبھی ضرور آئی ہوگی' ورنہ یہ انیکسی اور منی زو کیسے بنتا؟ اور بام و در کا رنگ و روغن چغلی کیسے کھاتا' فرنیچر پرانا ضرور تھا مگر ثقافت اور تہذیب کی داستان اسے بھی ازبر تھی۔ مالی اور چوکیدار اور نظریۂ ضرورت کے تحت اوپر کا اضافی کام

کرنے کے لیے سلامت بابا کا بیٹا روشن کام آتا تھا۔ سارا دن روشن' روشن کی آوازیں لگتیں اور وہ گھڑی کے پنڈولم کی طرح ادھر سے ادھر دوڑتا رہتا۔ مجال ہے جو کسی کیاری میں کوئی پودا سوکھا ملے یا لان کی گھاس زرد پڑے۔ کچن کا بھی یہی حال تھا' یہاں تو سلطنت ہی سلامت بابا کی تھی اور وہ صباحت بیگم کے ساتھ مل کر صفائی سے پکوان تیار کرنے تک ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔

سلطان صاحب کا کوئی لمبا چوڑا بزنس نہیں تھا۔ ان کے ادارے میں بھی ڈاؤن سائزنگ ہوئی۔ بعض خواتین اپنے شوہروں کی فائلیں لے کر گھر تک آگئیں' صباحت کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ آج بچے کو جنگ گئے تو انہوں نے سلطان صاحب کے کمرے کی صفائی کی۔ خالی سگریٹوں کی ڈبیا' بوتلیں' کوک کے ٹن پیکز اور گٹکے کے ریپرز کتنا ہی کچرا جمع ہو گیا تھا۔

"یہ آدمی نہیں سدھر سکتا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔ ویکیوم کلینر زکارپٹ پر کھلے پڑے تھے۔

"یہ دو دو مشینیں یہاں کیا کر رہی ہیں۔" وہ روشن پر چلائیں

"ماسی چھوڑ گئی ہے جی.... اور کوئی دیکھتا بھی تو نہیں۔" روشن نے دبے دبے لفظوں میں صباحت کی بے اعتنائی کا گلہ کیا' مگر وہ تو نوکر تھا۔ "اب میں روزانہ صفائی کر دیا کروں گی' کم از کم تھوڑی بہت تو ساتھ ہی ساتھ ہو جائے۔ عادتیں تو پرانی ہیں آسانی سے چھٹیں گی نہیں۔" وہ اپنے آپ کو سمجھاتے بجھاتے ہوئے جھاڑ پونچھ کروانے لگیں۔ آدھے گھنٹے میں کمرہ اپنی اصلی حالت میں آچکا تھا۔

"میں جانتی ہوں سلیقہ اور قرینہ تمہیں پسند تو نہیں' مگر میں دل اور ہاتھوں دونوں جگہوں سے مجبور ہوں' میں اسی لیے تو آدھی ادھوری ہوں۔" انہوں نے سیف سے ایک فوٹو البم نکالا اسے جھاڑا اور باہر لے جا کر رکھ دیا۔ کھڑکیاں بند کر کے کیڑے مار دوا کا اسپرے کیا اور کمرہ بند کر کے باہر نکل آئیں۔ البم کو جا کے انیکسی میں رکھا ہوگا' پتا نہیں گھر میں تو کہیں نظر نہیں آیا۔ نماز پڑھ کر وہ لاؤنج کا دروازہ بھیڑ کے صوفے پر دراز ہو گئیں۔ ٹھیک چھ بجے سلطان صاحب کو گاڑی لینے جاتی تھی اور مغرب کی نماز کے بعد وہ کھانا کھا لیتے۔ طلحہ خود ہی گھر لوٹتا' البتہ حنا کو لینے وہ خود ڈرائیور کے ساتھ جاتی تھیں' واپس پر گھر کا سودا سلف لیتی ہوئی آتیں۔ بچوں کو کھانا کھلا کے عشاء کی نماز سے فارغ ہوتیں' تھوڑی دیر سب سے گپ شپ کرتیں اور پھر انیکسی چلی جاتیں۔

چھوٹے رقبہ پر مشتمل گھر میں تیسرا بیڈ روم نہیں تھا' آرکیٹیکٹ نے ڈیزائن کچھ ایسا کیا تھا کہ برآمدے اور لاؤنج بڑے کر دیے۔ لان کشادہ کر دیا' ماسٹر بیڈ روم کے بعد بچوں کا کمرہ بھی بڑا کر دیا اور اسی لیے اب انیکسی کو گھر میں شامل کرنے کے لیے وسطی دیوار ڈھانے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے۔ صباحت بیگم کو نوجوان بھائی' بہنوں کا ایک کمرہ شیئر کرنا مناسب نہیں لگتا تھا۔ سلامت ہندوستان سے آئے تھے' اس لیے انہیں کچن کے اندر فرش پر سونے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس لیے بھی کچن کی دن رات دھلائی کرتے تھے' کہنے والے کہتے تھے' چاہے تو اس کچن کے فرش سے اٹھا کے کچھ بھی کھا لو' سلامت اتنا خیال رکھتے تھے صفائی کا' اور مجال ہے جو کوئی جوتا پہن کے کچن میں داخل ہو جائے' مالک ہو یا اپنے بچے' وہ کسی کو بخشتے نہیں تھے' رکھائی سے کہہ دیتے تھے۔

"کچن کا کوئی کام ہو مجھے بتا دیں' میں کر آتا ہوں' آپ بوٹ یا چپل لیے کچن میں نہ آئیں۔"

گھر کے ہر فرد کو ان ملازمین کی عادت ہو چکی تھی۔ ایک صرف سلطان صاحب ہی ایسے شخص تھے جو رات بھر جاگتے تو وقفہ وقفہ سے چائے' اسنیکس یا کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے انہیں درکار ہوتا اور شاباش تھی سلامت کی' ہر دستک پر دل و جان سے خدمت کرنے کے لیے تیار ہو جاتے' پھر بھی آنکھیں ملتے ہوئے کیوں نہیں اٹھتے' یہ صباحت بیگم کو کیا ہو جاتا ہے رات دو بجے کے بعد جاگنے کو کہو تو نیند کے مارے

www.pkdigest.com

ان کی آنکھیں بند ہوئی چلی جاتی ہیں اور ماتھے کی شکنیں الگ محسوس ہوتی ہیں' وہ نیند کی اس قدر پلکی کیوں ہیں؟ سلطان صاحب چاہتے تھے کہ خواہ ان کا موڈ کیسا ہی ہو وہ ناراض ہوں یا خوش صباحت بیگم ان کے لیے جاگتی رہیں اور پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ انہوں نے صباحت کا بستر بدل دیا اور حنا کر بدلا کہ۔

"یہ میں تمہیں سزا دے رہا ہوں۔" صباحت بیگم کو بھی کچھ حیرانی نہیں ہوئی۔ پچھلی رات کے جھگڑے کے بعد ان کا اشتعال میں آنا یقینی تھا۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ بڑی بوڑھیوں سے سنتی آرہی تھیں کہ غصے کو بحث اور تکرار ہوا دیتے ہیں اور پچھلی رات کو یہی تکرار اس سزا کی وجہ بنی۔

اگلے روز دن کے معمولات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔ سلطان صاحب نے ہلکا پھلکا ناشتا کیا تھا اور دفتر چلے گئے تھے۔ وہ ڈیپ فریزر سے مرغی کے گوشت کا شاپر نکال کر کچن میں رکھنے گئیں تو ان پر نظر پڑی۔ اس نظر میں حقارت چھپی ہوئی تھی' وہ فرش پر نظریں گاڑے آگے بڑھ گئیں۔

دوپہر تک دن کا معمول وہی عام سا تھا۔ بچے اسکول سے آئے' کھانا نکلا' فراغت ہوئی تو وہ نماز کے لیے کمرے میں چلی گئیں۔ بچے کمپیوٹر گیمز میں لگ گئے۔ ابو کا فون آیا' بچوں کے حال چال پوچھے گئے اور اس وقت حنا اور طلحہ نے رات کا کھانا باہر کھانے کی فرمائش کی۔ وہ ایسے تمام کام صباحت بیگم کے ذمہ لگا دیتے تھے' اس مرتبہ بھی انہوں نے یہی کیا۔

"اپنی ماں کو لے جاؤ بچو' مجھے تو دفتر میں دیر ہو جائے گی آج۔" اور حنا وہیں سے چلائی۔

"امی آپ ہی چلیں گی ہمیشہ کی طرح۔" بس کچھ جانے بغیر وہ سمجھ گئیں کہ سلطان صاحب انہیں کمپنی نہیں دینا چاہتے۔ بچوں کے سالانہ ٹیسٹ ختم ہوئے تھے اور ہمیشہ ایسے موقعوں پر وہ تفریح کے موڈ میں ہوتے تھے۔ دونوں اسی وقت اپنے اپنے دوستوں سے نئے ریستورانوں کا پتا کرنا شروع کر دیا۔ کوئی بوٹ بیسن کی ورائٹیز کا مشورہ دیتا تو کوئی دستگیر کی فوڈ اسٹریٹ یا برنس روڈ کی گہما گہمی کا مشورہ دیتا اور کچھ نہیں تو ہوم ڈلیوری کے فائدے اور نقصانات بتائے جانے لگے۔ صباحت بیگم نے لباس نکالے اور استری کے بکھیڑے نمٹائے اور پھر سلطان صاحب کا کمرہ سمیٹنے چل دیں۔ قدم رکھتے ہی انہیں احساس ہوا کہ جیسے یہاں کچھ ساعتوں قبل چور اچکے گھوم کر نکلے ہیں۔ پرانی گھڑیوں کے وہ انتخاب جو کبھی الماری کی سیف میں رکھے جاتے تھے' آج بستر پر ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ کئی کئی پتلونیں نکالی گئی تھیں اور شاید ان کی میچنگ کرتی قمیصوں میں سے نقص کچھ زیادہ ہی تھے' سب کی سب ہینگروں سے باہر تھیں۔

پہلے چند سیکنڈوں تک تو سمجھ سے باہر تھا کہ کہاں سے کام شروع کریں' پھر خود پر قابو پا کر انہوں نے سب سے پہلے گھڑیاں اکٹھی کیں اور انہیں سیف میں رکھا اور سیف لاک کی۔ پھر کپڑوں کے جوڑے بنانے لگیں۔ دھلنے والے الگ اور جن میں پرفیومز کی مہکاریں' پسینے کی ناگوار مہک پر غالب آئی ہوئی تھیں' انہیں الماری میں رکھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بستر پر جو چیز رکھی ہو کتاب' رسالہ یا جوتے اور پین کاغذ وہیں ٹھیک سے جما دیے جائیں اور انہیں وہاں سے ہٹایا نہ جائے۔ سو انہوں نے وہیں چیزیں سیٹ کر دیں' وہ پرانے کپڑے لے کر باہر نکلنے لگیں تو پورے زور سے دروازہ کھلا۔

"کیا ڈھونڈ رہی تھیں۔" سلطان صاحب گرجے۔

"کیا ڈھونڈنا تھا؟ کمرہ ٹھیک کیا ہے۔ پرانے کپڑے لے جا رہی ہو لانڈری کے لیے۔" وہ اطمینان سے بولیں۔

"اب تمہیں کوئی ثبوت یا نشان نہیں ملنے والا۔۔۔ سب ڈیٹا موبائل میں محفوظ ہے کیا سمجھیں؟" وہ سختی سے بولے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے باہر نکل گئیں۔ صباحت بیگم کا انہیں تنگ کر جواب نہ دینا شاید مشتعل کر گیا ہو گا کیونکہ تھوڑی دیر بعد وہ کچن میں تھے اور حنا کو چائے بنانے کی ہدایت دیتے ہوئے اونچی آواز میں بات کر رہے تھے۔

"یہ سلامت آپ کتنی دیر تک تیلولہ فرماتے ہیں؟" اب وہ کچن میں بھی چلے گئے' جہاں قدم رنجہ فرمانا کسر شان سمجھتے تھے اور اسے عورتوں اور نوکروں کا کمرہ کہا کرتے تھے۔ صباحت بیگم نے عافیت اسی میں سمجھی کہ جہاں ٹھہری ہیں وہیں رکی رہیں' کوئی فائدہ نہیں' پیچھے پیچھے جا کر کسی کی بھی وکالت کرنے کا۔ اصل میں طیش تو انہیں اس بات پر آیا تھا کہ صباحت ان کے کمرے میں کیوں گئی' صفائی کیوں کی' جو چیز جیسے اور جہاں بکھری تھی وہیں بکھری رہتی' لیکن گھر وہ شام گئے لوٹتے تو اسی درگت بنی ہوئی حالت کو دیکھ کر کتنا چراغ پا ہوتے' تب بھی شامت صباحت بیگم ہی کی آتی تھی۔ اب نوالہ تو کسی طرح منہ تک جانا ہی ٹھہرا تو جو ہو سو ہو۔ وہ یہی سوچتے ہوئے کچن کے پچھواڑے سروس گیلری کی طرف نکل گئیں' جہاں کل سہ پہر کو سلامت نے صافیاں دھو کر پھیلائی تھیں۔ ہوا کی تیزی نے انہیں کیاریوں تک بکھرا دیا تھا' وہ سمیٹنے لگیں۔ تو جالی کا دروازہ کھول کر حنا نے باہر جھانکا۔

"امی چائے تو آپ بنایا کرتی ہیں نا" اور وہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں پاس بلانے لگیں۔

"مگر آج تو آپ سے فرمائش کی گئی ہے بنائیے۔" اب تک وہ تمام صافیاں تہ لگا کر اندر جانے کو تیار تھیں۔

"چلیے ہاتھ بٹا دیتی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"لڑکیاں کام کاج کرتی ہوئی بھلی لگتی ہیں اور کون آپ سے دیکھیں اترواتا ہے' کبھی کبھار چائے یا ناشتا بنانے سے انسان پریکٹس میں تو رہتا ہے۔" وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھتے ہوئے بولیں۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے' مگر کوچنگ کے نیشنوں نے ہی الجھا رکھا ہے۔" اب تک سلامت دوسرے چولہے پر پارٹ سینک چکے تھے' ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا اور کام میں سرعت رفتاری کا مظاہرہ اسی وقت نظر آتا تھا جب کوئی بات خلاف معمول ہو جایا کرتی تھی۔ انہیں سلطان صاحب کا لہجہ اور رویہ یقیناً" نہیں بھائے تھے۔ صباحت بیگم بہت رکھ رکھاؤ والی خاتون تھیں۔ انہوں نے بہت اخلاق سے سلامت کو کچنار کی کلیوں کو علیحدہ کرنے کا کہا اور خود ان کے لیے ایک کپ میں چائے نکال دی۔ وہ بالائی والی چائے لیا کرتے تھے اور انہوں نے پتیلی سے کافی مقدار میں بالائی اتار کر ان کی چائے میں شامل کر دی اور احتیاطاً چمچہ نہیں چلایا' یونہی فریج میں پانی کی بوتل لینے کو مڑیں تو سلامت کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کو بھانپ گئیں' مصلحتاً" نظر بھر کر نہیں دیکھا اور کمرے کی طرف مڑ گئیں۔

لاؤنج میں سلطان صاحب بیٹھے ٹی وی کا پسندیدہ چینل ڈھونڈ رہے تھے۔ طلحہ پر سٹر پر مصروف تھا اور حنا موبائل پر کوئی ٹیکسٹ میسج پڑھ رہی تھی۔ صباحت بیگم نے چائے کی ٹرے وسطی میز پر جا کر رکھی تو برتنوں کی مدھم سی کھڑکھڑاہٹ ہوئی' وہ چونکے' ایسی تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ کسی نیوز چینل پر گھریلو تشدد کے خلاف کیے جانے والے سروے کی روداد پیش کی جا رہی تھی اور وکلاء کی تنظیم کی سربراہ خاتون این جی اوز تک رسائی حاصل کرنے کی ترغیب دے رہی تھی۔ بچے ادھر ادھر ہوئے تو وہ صباحت بیگم سے بولے۔

"پھر تم کب تک قانونی مدد لے رہی ہو؟" ان کے ہاتھ میں رعشہ نہیں اترا تھا' مگر ہاتھ کانپ کر رہ گئے اور گمان یہی ہوا جیسے بڑھاپے کا عارضہ لاحق ہوا ہو۔ وہ دھیرے سے اٹھیں اور بچوں کے کمرے میں چلی گئیں۔

"کیا پھیلاوا کیے رہتی ہو تم بھی حنا' لگتا ہی نہیں کہ لڑکی ہو۔" کس کا غبار کس پر اترا تھا۔ انہوں نے جواب کی پروا نہیں کی' اور اس کی الماری ٹھیک کرنے لگیں۔ گھر میں پہننے والے سوتی اور لان کے جوڑوں کو طریقے سے رکھنے لگیں' یوں دس منٹ صرف کر دیے

چند خاص جوتوں کو الماری کی نچلی جگہ پر جما کے رکھ دیا اور انہیں صاف کرنا بھول گئیں تو ایک مرتبہ پھر جوتے نکالے صاف

www.pkdigest.com

کرکے دوبارہ رکھ دیے۔ پانچ، سات منٹ اس طرح گزر گئے۔ حنا دیکھ رہی تھی کہ امی کچھ پریشان سی ہیں، مگر اب وہ چپ تھیں، کوئی آواز اگر نکل رہی تھی تو سانس کی۔۔۔ شاید دبی دبی سی کوئی سسکی، یا جیسے کوئی تکلیف چھپائے کراہتا ہے، عجیب گومگو کی کیفیت ہوتی ہے اس کی۔

حنا اس کمرے میں رائٹنگ ٹیبل پر نوٹس پڑھ رہی تھی، مگر ذہنی طور پر الجھی ہوئی تھی، سمجھ سے باہر تھا کہ کس مرحلے پر امی کی توجہ مبذول کرکے کوئی بات کی جاسکتی ہے، ان کے چہرے پر کبھی کبھی سختی بھی آجاتی تھی، شاید انہیں بیٹی کے متوجہ ہونے کا احساس ہوگیا تھا۔ جوان کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے تھے۔

"اب میں نہ دیکھوں تمہاری بے ترتیب سی الماری، لڑکی ہو تم، لڑکیوں میں سگھڑاپا ہی دیکھا جاتا ہے، پرانے موزے اور میلے کپڑے تک ٹھونسے رکھتی ہو، تمیز سیکھو کچھ۔۔۔" ابھی ان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وہ قطع کلامی کی معذرت کیے بغیر بولی۔

"مجھے دوسرے گھر جانا ہے لوگ کیا کہیں گے ماں نے کچھ سکھا کے نہیں بھیجا۔" اور حنا ہنس دی۔ صباحت بیگم کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ہاں۔۔۔ یہ تو ہے۔"

"امی۔۔۔ کیا بات ہے، طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔ میرا مطلب ہے ٹینشن کیوں؟" وہ آدھی بات کرکے پوری سمجھانے کی کوشش میں تھی "طبیعت تو ٹھیک ہے جب ہی تو گھر کی حالت بستر بنانے کی سوجھی خراب ہوتی تو بستر سے نہ لگی رہتی۔" اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئیں پھر پتا نہیں کس کس طرح انہوں نے سلطان صاحب کے سامنے آنے سے احتیاط برتی۔ اپنے گھر میں رہ کر اس طرح کوئی اجنبی مسافروں کی طرح آتا جاتا پایا رہتا ہے؟ کبھی لان میں مالی کے ساتھ کیاریوں کی دیکھ بھال تو کبھی ہفتہ بھر کی سبزی کاٹ چھانٹ کر اسٹور کرنے میں سرگرمی، کبھی مٹھاس تیار کرنے کے نئے انداز اختیار کرتا تو کبھی ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لے کر طرح طرح کے کوکنگ چینل دیکھنے لگتیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وقت گزارا جانا واحد مقصد رہ گیا ہو۔ تکلفاً" کھانا کھا کے وہ لاؤنج میں مصلا بچھا کے آخر شب کی مناجاتوں میں صبر کی دعا کا دامن تھامے بیٹھی رہتیں۔ بچے کبھی کبھی جلدی بھی سو جاتے تھے، یوں وہ موقع پاتے ہی انیکسی میں چلی جاتیں۔

گزرتی رات کی خاموشی میں سلطان ولا کی دہلیزوں سے کراہتی ہوئی ہوائیں شور مچا کے سوکھے پتوں سمیت اڑ گئیں۔ اگلے روز کے معمول میں ایک نیا پن یہ ہوا کہ سلطان صاحب نے حنا اور طلحہ کو کچھ پیسے دے کر نئے موسم کی خریداری کا مشورہ دیا، یعنی گرمیوں کے کپڑے، جوتے اور چند ضروری اشیاء لینے کے لیے چھ بجے کے بعد گاڑی اور ڈرائیور بھی اور یوں صباحت بیگم خوش ہوگئیں۔ انہوں نے اپنے ہزار روپے جو گھر کے خرچ کے ضمن میں بچا لیے تھے، اپنے خوبصورت سے بٹوے میں رکھ لیے۔ آج ان کے لیے عید کا دن تھا، آنکھوں میں خوشیوں کے جگنو دمکنے لگے تھے۔ وہ یہ خریدیں گی، وہ یہ خرید ہی لیں گی، سارے راستہ وہ منصوبے بناتی رہیں۔ طلحہ بے فکری سے ہیڈ فون لگا کے اپنا ایف ایم ریڈیو سنتے رہے، کبھی سیل فون بج اٹھتا تو ہائے ہیلو کرنے لگتے یا پھر پیغامات (ٹیکسٹ میسجز) کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اتنے میں مارکیٹ آگئی۔ طلحہ نے اپنے دوست کو بھی راستے سے پک کرلیا تھا۔ اب وہ دونوں مردانہ ملبوسات کی دکان میں چلے گئے اور حنا صباحت بیگم کے ساتھ۔۔۔ کپڑے کی دکانوں کی ونڈو شاپنگ کرنے لگیں۔

رات آٹھ بجے تک ان کی شاپنگ مکمل ہوگئی تھی۔ آج رات کے کھانے کی فکر یوں نہ تھی کہ صبح ہی دو ڈشز تیار تھیں۔ سلامت نے چائنیز چاولوں کا اہتمام بھی کرنا تھا۔ اگلے روز ہفتہ تھا۔ طلحہ اور حنا دونوں ہی نے کالج نہیں جانا تھا۔ صباحت بیگم کو اپنی مغرب کی نماز قضا ہوجانے کا قلق ہو رہا تھا مگر حنا کو مارکیٹ میں لطف آرہا تھا اور وہ تھک ہی نہیں رہی

تھی۔ ایک مردانہ ملبوسات کی دکان پر جاکر صباحت بیگم کے قدم رک گئے۔ وہ پچھلی دس دکانوں سے جو تلاش کررہی تھیں، شاید وہ انہیں اس گیارہویں دکان پر نظر آگیا تھا۔

"کیا لینا ہے امی؟" حنا نے انہیں خیالوں میں گم ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"آؤ ذرا، قمیص دیکھ لیں تمہارے ابو کے لیے۔" وہ حنا کا ہاتھ پکڑ کر اندر چلی آئیں۔

"یہ تو بہت ہی نوجوانوں والی ہے۔" ایک پھولدار بش شرٹ پر نظریں ٹکائے حنا کو دیکھ کر وہ بڑبڑائیں۔

"لیکن یہ دونوں بہتر ہیں اور امی قیمت بھی کچھ زیادہ نہیں۔" ان قمیصوں کے رنگ بھی تیز کھلتے ہوئے نہ تھے۔ ایک آف وائٹ تھا۔ دوسرا براؤن کا خوبصورت شیڈ ڈیزائن کو نمایاں کررہا تھا۔ سائز دیکھ کر وہ کاؤنٹر پر آگئیں۔ امی نے پے منٹ کردی تو حنا نے کہا۔

"ابھی صرف پونے نو ہوئے ہیں۔ ابو نے کہا تھا دس بجے سے پہلے نہ آنا، ان کے دوست گھر آئیں گے۔"

طلحہ کو میسج کیا گیا کہ وہ کہاں ہے، تب تک وہ فوڈ اسٹریٹ کی ایک بنچ پر ٹک سی گئی تھیں۔ جوتوں کا درد الگ پریشان کرنے لگا، انہیں عادت کہاں رہی تھی پیدل چلنے کی۔ طلحہ کا تھوڑی ہی دیر میں جوابی پیغام آگیا کہ "میں چائنیز ریسٹورنٹ میں جارہا ہوں، وہیں آجائیں آپ لوگ بھی، کھانا کھا کے ہی گھر چلیں گے۔"

میسج پڑھ کر انہیں یقین آنے لگا تھا کہ طلحہ بھی دعوت سے متعلق واقف ہے اور اگر کوئی نہیں جانتا تو وہ صباحت بیگم ہی ہیں۔

"امی! اٹھیے، چلیے نا۔ طلحہ انتظار کررہا ہے۔"

"ہاں، کہاں چلنا ہے۔" وہ گھبرا گئیں۔ شاید پیروں میں درد بڑھنے لگا تھا۔

"امی سڑک پار کرنی ہے، بس سامنے ہی تو چائنا ٹاؤن ہے۔ طلحہ اور عزی وہیں بیٹھے ہیں۔"

"مگر بیٹا! میں تو قورمہ اور کھیر بنا کے آئی ہوں پھر باہر کھانا کس لیے؟" وہ ابھی تک سوچوں میں گم تھیں۔

"وہ قورمہ اور کھیر ابو کے دوست برابر کرچکے ہوں گے، آج ان کے دوستوں کی دعوت ہے نا امی!"

"اچھا۔۔۔ اچھا چلو بھئی۔" اور وہ شاپرز کو مضبوطی سے تھام کر حنا کے ساتھ چل دیں۔ ایک احساس جو سارے وجود کو محرومی میں جکڑے ہوئے تھا۔ وہ یہی تھا کہ میں بیوی ہوں، گھر پر رہتی ہوں، دو اولادوں کی ماں ہوں اور شوہر ضروری نہیں سمجھتے کہ اپنے طور پر کوئی مہمانداری کریں یا دعوت کا اہتمام کریں تو کم از کم انہیں اطلاع کردیں۔ گھر پر نوکر اور خانساماں موجود ہونے کا مطلب یہ کہاں نکلتا ہے کہ بیوی کو پتا نہ ہو۔ ایسا کون سا مہمان آتا ہے جس کی رازداری برتنا یا جیون ساتھی سے اسے پوشیدہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ انہوں نے کس طرح سڑک پار کی پتا نہیں۔ انہوں نے طلحہ کو پہچان کر اس کے قریب بیٹھنا چاہا تو گھٹنے میں جانے کیسا بل آیا، وہ ایک جانب لڑھک گئیں۔ طلحہ کو فوراً" احساس ہوا کہ وہ ریسٹورنٹ کے نیم تاریک سے کونے میں غلطی سے ٹیبل ریزرو کروا بیٹھا ہے، تب تک حنا انہیں تھام کر بٹھا چکی تھی۔ طلحہ نے ایک عقل مندی کی تھی کہ ان کے آنے سے پہلے ہی پانی کی بوتل منگوا رکھی تھی، اس لیے اس نے جھٹ سے پانی کا گلاس آگے بڑھایا جسے امی نے فوراً" تھام لیا۔ طلحہ، عزی سے باتیں شروع ہوگئیں۔ وہ تینوں بچے خوشگوار موڈ میں تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ بھی سلطان صاحب کے نظرانداز کیے جانے کی احساس سے عاری ہوچکی تھیں۔ تقریباً" دو گھنٹے بعد جب وہ گھر پہنچیں تو سلامت کو کچن میں ہوسٹس ٹرالی صاف کرتے ہوئے دیکھا۔

"بی بی۔۔۔ کھانا لگاؤں کیا؟" وہ بڑی سعادت مندی سے بولے۔

"نہیں، ہم تو کھا آئے۔ میٹھے میں کچھ ہے تو بتائیے۔" صباحت بیگم نے ایک زمانے بعد چائنیز کھایا تھا لیکن آئس کریم رہنے دی تھی۔

www.pkdigest.com

"گلاب جامن بنائے تھے میں نے اوون میں گرم کردوں؟" وہ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

"نہیں نہیں' ایسے ہی ایک آدھ دے دیں کٹوری میں اور اب آپ آرام کریں۔" وہ ان کا تھکن کا احساس کرکے بولیں۔

"بس بی بی جی! نبٹ گیا کام۔" انہوں نے کانچ کی کٹوری میں گلاب جامن پیش کرتے ہوئے کہا۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی وہ ٹی وی لاؤنج تک آگئیں' جہاں طلحہ اور حنا اپنی شاپنگ ابو کو دکھا رہے تھے۔ تینوں ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

"لو ان کو دیکھو کیا بھوکے پیٹ لے آئے ہو ان کو؟" سلطان صاحب نے ان کے ہاتھ میں میٹھے کا برتن دیکھ کر کہا۔

"انہوں نے آئس کریم کے لیے منع کردیا تھا اس لیے۔" حنا نے مسکرا کر امی کی طرف دیکھا۔

"تم نے کیا لیا اپنے لیے؟" وہ صباحت بیگم سے پوچھ رہے تھے۔

"دکھاؤ حنا۔" وہ بہت خوش تھیں' آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے تھے۔

حنا نے امی والے شاپر میں سے ایک ٹی شرٹ' ایک فل آستین کی قمیص' رومال' موزے' مردانہ پرفیوم کے علاوہ ایک خواتین کا باڈی اسپرے نکال کر سامنے رکھ دیا۔ سلطان صاحب خاموش تھے' ان کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔

"ابو کھولیے نا' شرٹ پہن کر دیکھیں۔" طلحہ نے فرمائش کی تو وہ چونک کر بولے۔

"اگر ہماری بیٹی کی چوائس ہے تو یقیناً اچھی ہی ہوگی۔" اور ان کے ہاتھ پیکنگ مٹیریل ہٹانے لگے۔

"جی نہیں' میں نے تو مشورہ دیا تھا' باقی انتخاب تو یہ امی کا ہے۔" صباحت بیگم کے چہرے پر قوس قزح اتری ہوئی تھی۔ دل تھا کہ یوں خوش تھا جیسے کسی بچے کو کھلونا مل گیا ہو۔ وہ نہیں پوچھنا چاہتی تھیں کہ کیسے لگے؟ مگر ان کا انگ انگ ہی سوال پوچھ رہا تھا۔

"چلو ٹھیک ہی ہیں۔"

"پاپا ٹھیک نہیں' بہت اچھے ہیں۔ مناسب قیمت میں برانڈڈ کپڑے یہ لوگ ہی ڈھونڈ سکتی تھیں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ انہیں مردوں کے کپڑے خریدنا آتے ہیں ورنہ میں انہیں ساتھ لے لیتا۔ مجھے تو عزمی کو بلانا پڑا۔"

"بھئی اگر تم ان کی اتنی وکالت کر رہے ہو تو پہن لیں گے۔" اور انہوں نے آئینے کے سامنے رخ کرکے قمیصوں کو مختلف زاویوں سے دیکھنا شروع کردیا۔

"اچھا بچو کھانا وانا کھایا تم لوگوں نے۔ بھئی وہ کچھ دوستوں نے اچانک فون کردیا تھا کہ بہت دن ہوئے ملے ملائے نہیں تو اس لیے سلامت کی خدمات لے کر ہم نے چائنیز پکوایا۔"

"ہم نے بھی یہی کھایا۔" حنا نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

"مگر بیٹا! وہ تندوری نانوں کے ساتھ تمہاری اماں کا بنا ہوا قورمہ بھی لے آئے۔ لوگ تو ٹوٹ پڑے اس پر۔" وہ سادگی سے بتاتے جا رہے تھے' طلحہ اور حنا کو ہنسی آگئی۔

"چلو اب تم لوگ سنبھالو سب کچھ۔" صباحت بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

حنا کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ طلحہ نے چینل پر کوئی دستاویزی فلم دیکھنی شروع کردی تھی اور اس کے بعد اسے اپنی جگہ سے ہلانا مشکل ہوتا تھا۔ پہلی مرتبہ سلطان صاحب نے اس کی الماری کھول کر دیکھا' اس کے کپڑوں کو ہینگروں میں ٹکایا' صباحت بیگم نے ٹہوکا دے کر طلحہ کو شرمندہ کیا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھے' باپ کام کر رہے ہیں۔ اس ڈھیٹ بچے نے ماں کو خاموش رہنے کا اشارہ کردیا' وہ نظروں ہی نظروں میں ماں کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کرنے دیں' کبھی کبھی تو کچھ کرتے ہیں۔"

"یار! تمہارے پاس تو کافی اچھے کپڑے ہیں۔" وہ مسکرا کر طلحہ سے مخاطب ہوئے۔

"امی بھر دیتی ہیں الماری' مجھ سے پہنے ہی نہیں جاتے۔ آج اور آگئے۔"

"ٹھیک ہے بچہ اگلے چھ مہینوں تک چھٹی۔"

صباحت بیگم نے برجستگی سے جواب دیا۔

"نہیں' نہیں۔ چھٹی کیوں' ایک الماری اور لے لو' یہاں کپڑوں کا انبار لگا کچھ اچھا نہیں لگتا۔" سلطان صاحب نے الماری بند کرتے ہوئے کہا۔ تینوں میں سے کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ صباحت بیگم نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں اور حنا بستر پر خالی پیکٹوں کو سمیٹنے لگی۔ بڑے آرام سے سلطان صاحب وہاں سے سرکے اور اپنے کمرے میں گئے۔

"صباحت بیگم آپ ذرا فارغ ہوں تو ادھر آجائیں۔" وہ عشاء کی نماز کے لیے کھڑی ہوئیں تو فون پر میسج آگیا۔ سلطان صاحب انہیں کیوں بلا رہے تھے' وہ چونکیں اور جواب دیے بغیر نیت کرکے نماز میں مشغول ہوگئیں۔ دس منٹ بعد وہ ان کے کمرے پر دستک دے رہی تھیں اور ہولے سے دروازہ سرک گیا۔ وہ اندر داخل ہوئیں تو سگریٹ کی بدبو نے دماغ ماؤف کردیا۔

"آپ اے سی بند کرکے کھڑکیاں کھول دیتے' پنکھا چلا دیتے' کیسے دھواں بھرا ہوا ہے اور یہ بدبو۔" وہ ایک سانس میں بہت کچھ کہتی چلی گئیں۔

"ذرا ٹھیک کردو کمرہ۔" وہ بولے اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

انہوں نے پندرہ منٹ میں کمرے کی حالت بہتر کی۔ اوندھے پڑے گلاس' ایش ٹرے میں بھری ہوئی راکھ اور سگریٹوں کے ٹکڑے' دفتر کے کپڑوں کا انبار' کوئی شعری مجموعہ ساتھ لایا تھا۔ وہ بستر پر بے ترتیب چادر میں الجھا ہوا رکھا تھا۔ ٹھنڈے پانی کی خالی بوتلیں اور آئس برگ (تھرماس) کا کھلا ہوا ڈھکن اور بستر پر گلاس کی ٹرے اور ٹشو پیپر جابجا بکھرے ہوئے تھے۔ وہ میکانکی انداز سے انہیں سمیٹنے لگیں۔ گھر کے پچھواڑے میں کھلنے والی کھڑکی کا پردہ سرکا کے وہ جتنی بدبو زائل کرسکتی تھیں' کرچکی تھیں۔ چادر تبدیل کرنے کے لیے انہوں نے الماری کھولی جہاں دائیں جانب نچلی طرف وہ دھلی ہوئی چادریں' تولیے اور لحاف رکھا کرتی تھیں۔ آج یہاں جوسز کے ڈبے دیکھ کر وہ چونک پڑیں۔ کمرے میں تو فریج بھی موجود ہے پھر یہاں کھانے پینے کی چیزیں رکھنے کا کیا جواز بنتا ہے؟

چادر تو خیر مل گئی اور انہوں نے میلی چادر بدل بھی دی' نئی بچھا بھی دی مگر حیرت ہو رہی تھی کہ کہاں تو سلطان صاحب انہیں کمرے کو ہاتھ لگانے سے روکا کرتے تھے اور کہاں اب اندر آہی نہیں رہے تھے۔

"تو آپ صباحت بیگم کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ کے صاحب نے آپ سے کوئی خاص بات کرنی ہے۔ یہ کمرہ جس حالت میں تھا' اگر سلامت یا کسی دوسرے نوکر نے دیکھ لیا تو اگلے دن اخبار کی خبر بن سکتا تھا اور ایسی خبر کہ جس کے بعد رسوائی مقدر ہوجاتی ہے۔ بیویاں بڑے دل کرکے شوہروں سے رشتہ نبھاتی ہیں' غلطیوں پر پردہ ڈالتی ہیں' عیب چھپاتی ہیں' اس لیے تم نوکروں سے کئی درجوں میں افضل ہو' اس لیے غلاظت سمیٹنے اور عزت بنائے رکھنے کے لیے تمہاری ضرورت پیش آئی ہے۔" وہ معاملہ کی نزاکت کو سمجھ کر بولیں۔

"صرف گلاس اٹھوا دیتے' اب پتا نہیں بستر کیسے گیلا ہوا ہے۔" وہ بڑبڑا اٹھیں۔ سلطان صاحب پیچھے سب آکھڑے ہوئے تھے' پتا اس لیے نہ چل سکا کہ انہوں نے اے سی بند کرکے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا اور پنکھے پوری رفتار سے چل رہے تھے۔

"ہاں ڈرنک گر گیا شمی کے ہاتھوں سے' تم نے صاف تو کردیا نا۔"

"جی پونچھ دیا ہے۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

دھیرے دھیرے وہ تمام برتن اور ایش ٹریز کو کچن کی طرف پینٹری میں لے گئیں۔ سلامت کچن میں سوتے تھے۔ اب مشکل یہی تو تھی کہ کچن میں جا کے لائٹ کیسے جلائیں اور سنک میں برتن رکھیں تو کہیں کوئی برتن بج اٹھا تو سلامت جاگ جائیں گے' لہٰذا انہوں نے ڈرائنگ روم کی طرف لگے ہوئے ایک سنک میں مشروبات کے گلاس دھو کر میز ہی پر رکھ دیے۔

"شمی نے پیچھا نہیں چھوڑا' جوان بیٹے کی اس ماں کو بڑھاپے میں عشق کی کیسی دھن سمائی ہوئی تھی۔" صباحت بیگم نے جس اطمینان سے شوہر کی بات سنی تھی' اب اس سے ہٹ کر بہت حد تک متضاد قسم کی

www.pkdigest.com

سوچوں میں گھر گئی تھیں۔ ایسی عورتوں پر بڑھاپا آتا نہیں یا وہ عمر کے اثرات کو زائل کرنے میں تمام تر مہارتیں آزما کر بڑھاپے کو گویا مات دے دیتی ہیں۔

"تم نے برا نہیں مانا شمی آئی تھی دوستوں کے ساتھ۔" وہ اسے جاتا ہوا دیکھ کر بولے۔

"آپ کی مہمان تھی جو خوشی آپ کی۔" انجانے میں ان کے دل سے سسکی ابھری۔

"مگر میں جانتا ہوں تمہیں اچھا نہیں لگتا۔"

"اب اس ذکر کو رہنے دیں۔"

"آج یہیں سو جاؤ۔"

لیکن صباحت بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنی بڑی سزا کے بعد اب کسی دوسری آزمائش کے لیے وہ تیار بھی نہیں تھیں۔

"نہیں میں تھک گئی ہوں سونا چاہتی ہوں۔" اور وہ لاؤنج سے انیکسی کی چابی اٹھا کر زرد کواڑوں کے پیچھے اپنی چھوٹی سی جنت میں چلی گئیں۔ احساس تو انہیں بھی تھا کہ آج تھکن کچھ بڑھ گئی ہے اور دکھوں کا سیلاب الگ امڈ پڑا ہے۔ نہ رونا آرہا ہے نہ ہنسی آرہی ہے۔ رونا بھی آئے تو کیوں؟ وہ شمی کے ساتھ خود کو بہلا رہے ہیں۔ شادی کرنے کا ارادہ بھی تھا' اب نہیں ہے اور رو میں کیوں' وہ ان سے گھر نہیں چھین رہے' نہ بچے جدا کر رہے ہیں' ایک علیحدگی ہی تو ہوئی ہے' وہ بھی دس برس سے راز ہے۔ بچوں کو یہی پتا ہے کہ امی انیکسی آباد کرنے کے لیے وہاں عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کرنے جاتی ہیں' اس لیے جھاڑ پونچھ رکھتی ہیں اور گھر میں کوئی تقریب ہو تو انیکسی کا درمیانی دروازہ کھل جاتا ہے۔ یوں گھر بڑا ہو جاتا ہے۔ سب کی سمائی ہو جاتی ہے۔

امی وہاں خواتین کا میلاد کرواتی ہیں۔ ابو دفتر کے ڈنر اور لنچ' اس کے بعد گرما کی جھلستی راتیں ہوں یا سرما کی خنک راتیں' یہ صباحت بیگم کی پناہ گاہ ہے۔ ان کی آنکھیں نہ جانے کب تک بھیگتی رہیں' اپنی ضرورت کے لیے ہاتھ بڑھانا سلطان صاحب اچھی طرح جانتے تھے۔ نرم لہجہ اور پیار کا بلاوا خود ان کے خشک حلق کو کانٹوں کی طرح چھید دیتا تھا مگر پچھلے دس برسوں سے وہ بھی تو خود سے نبرد آزما تھیں۔ بھی کبھی اپنائیت کی خوشبو تازہ گندم کی فصل جیسی خوشبو دیتی تھی اور کبھی احساس پر برچھیاں گراتے ہوئے اور شعلہ برساتے ہوئے لہجے میں گندمی مغلظات سنتے ہوئے وہ سہمی ہوئی بلی کی طرح ایک کونے میں دبک جاتیں۔

آج رات بھی بڑے حوصلے سے صبح کا انتظار کر رہی تھیں' اس صبح کا جب ان کے بچوں کو ان کی ضرورت ہوگی تو وہ موجود ہوں گی دعائیں دینے کے لیے۔ انہیں بڑا چھوٹا پن لگا کہ بستر اور آرام کی پیشکش پر وہ گلے شکووں کی پٹاری کھول کے بیٹھ جاتیں۔ "اپنا سفر تو آبلہ پا ہے ہی' آپ بھی جانتے ہیں سلطان صاحب! تو پھر مزید ہلکی کیوں پڑوں۔ سبک ہونے کا فائدہ... نظر انداز کرنا اور لاتعلق ہی رہنا بڑے جی والی عورتوں کا کام ہوتا ہے۔ اب آپ کے جھوٹ' فریب' بہلاووں اور ہولناکیوں پر مشتمل رویوں کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے بس تھوڑا سا بھرم رکھنا ہے۔"

چند برس یہ ڈراما کرتے کرتے ایک دن انیکسی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھل گیا۔ اس عمارت کی تزئین نو شروع کر دی گئی۔ ایک چھوٹا سا پورشن علیحدہ کر کے کرائے پر چڑھا دیا گیا کیونکہ طلحہ اکنامکس اور بینکنگ کے کورسز کے لیے امریکہ چلا گیا اور حنا کچھ عرصہ بعد آسٹریلیا جانے والی تھی۔ صباحت بیگم کی رشتہ دار بتول آپا کے بیٹے محب وہاں زیورات کا کاروبار کرتے تھے۔ رشتہ طے ہوا تو مالی وسائل میں اضافے کی فکر بھی لاحق ہوئی۔ سلطان صاحب نے تو اب تک کے کاروبار میں سنجیدگی سے وسعت دینے کی کوشش ہی نہ کی تھی' ان کی سخاوت اور مرنجان مرنج طبیعت کا دوسروں نے فائدہ اٹھایا اور کچھ شیشے میں اتارنے والے دوست احباب ایسے بھی ملے جن کے بہکاووں میں گھریلو زندگی بھی داؤ پر لگا دی۔ اسی بغاوت کے نتیجہ میں سادہ سی گھریلو خاتون صباحت بیگم بھی ان سے دور ہوتی گئیں۔

انہیں کل کی بات کی طرح یاد تھا کہ خوشی' آسودگی اور راحت کے لمحے کشید کرنے کے شوق میں انہوں نے شمی سے خفیہ تعلق قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ ایسی کم سن یا معصوم صورت کی نہ تھیں۔ کمال جرات تو یہ تھا کہ جوان سال اولاد بھی ان کی دوست نہ ہوئی اور شوہر پتا نہیں کہاں تھے جوان کی کسی سرگرمی پر نظر نہیں رکھتے تھے یا انہیں فریب دینے کا فن بہت اچھی طرح آتا تھا۔ ابتدا میں صباحت بیگم کی تنقید نے سلطان صاحب کو ہتھے سے اکھاڑ دیا تھا۔ یہ پتا نہیں غلطی تھی یا اپنی جنت کو بچانے کی کوئی تدبیر ڈوبتی ابھرتی راتوں کے بیکراں سکوت میں ہوش و حواس سے دور بھی دنیا سے لوٹتے ہوئے سلطان صاحب نے صباحت بیگم کی سرخ آنکھیں کبھی نہ دیکھیں۔ انہیں کچھ یاد رہتا تو شمی کا رقص کناں وجود اور خمار میں ڈوبا لہجہ اور یا پھر اپنی محرومیوں کا سوتے سے سر اٹھانا اور بلاوجہ صباحت بیگم پر کڑھتے رہنا۔

"تم مان کیوں نہیں جاتیں کہ شمی کے زندگی میں آنے سے کاروبار میں وسعت ہوئی' میرا دل آباد ہوا' میرے وجود کو تسکین ملی اور... اور... تمہارے آتے ہی میری امی بیمار پڑیں' کاروبار متاثر ہوا' یہ ہوا اور وہ ہوا۔" یعنی ایک لمبی فہرست تھی جو نحوست کے سایوں سے اٹی پڑی تھی۔ یوں ان سے خوش رہنے کا نسخہ کھو گیا۔ وہ مورد الزام بن گئیں۔ اس وقت انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا۔ "انسان کی نفاست کا تو یہ عالم ہے کہ وہ اپنے پیاروں کی جوٹھی پلیٹوں میں بھی کھانا نہیں نکالتا مگر ایک بھوک بڑی ظالم ہے' وہ اس فلسفہ کو مٹی میں ملا دیتی ہے۔ عشق' جنون اور دیوانگی میں انسان فخریہ لہجے میں جوٹھا کھانا کھا لیتا ہے' اسے یہ ڈزاسٹر نہیں لگتا۔"

پانچ برس بعد شمی کے بعد کلثوم نے اس کی جگہ لے لی۔ ایک روز سلطان صاحب بولے

"مردوں کی یہی شان ہے' ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ یہ فنکار' یہ تمام پڑھے لکھے تخلیقی صلاحیتوں کے حامل انٹلیکچوئل لوگ' تم کیا جانو جاہل عورت ہو۔ تم اپنے گھمنڈ میں رہو۔" اور وہ اس خیال سے کانپ گئیں کہ اب بہلانے کے دن سر پر ہیں' بیٹی ماں بننے والی ہے اور اس مرد کو عورتوں سے بڑھ کر اتراہٹ اور ناز ہے اپنی مردانگی پر۔ بے شک وہ وجیہہ تو تھے' شاید زلیخا ہی نہیں۔ یوسف بھی اپنی انگلی کٹوا بیٹھتے رل گئی تو صباحت بیگم کی زندگی' جو قدم قدم پر اپنی توہین برداشت کر رہی تھی۔ تیس برس پہلے شادی کے وقت انہیں صباحت بیگم کا سانولا روپ سروپ گندم کی بالیوں جیسا تر و تازہ اور پرکشش لگتا تھا۔ اس کے بعد شمی کا کھلتا ہوا شہابی رنگ صباحت بیگم کو جھلسا ہوا نظر آنے لگا۔ جس تہذیب اور رکھ رکھاؤ سے وہ بچپن پال رہی تھیں' ایسا تو کوئی بھی عورت کر سکتی تھی۔ اب اتنے برس بعد وہ پوچھنا چاہتی تھیں کہ شمی کی اولاد نرینہ تو پلے بوائے کہلانے لگی ہے۔ اس سے کہاں غلطی ہوئی جو وہ بگڑتی ہوئی اولاد کو سنبھال نہ سکی۔ شاید اسے فرصت نہیں تھی اپنے راحت کشید کرتے ہوئے لمحوں کی قربانی دینے کی لیکن بے سود تھا سب

کچھ چند برس بعد جب وہ نانی بن گئیں تو یونہی بے دھیانی میں ایک نیوز چینل پر ایک خاتون وزیر کا انٹرویو نظر سے گزرا جو پاکستانی مردوں کو معاشرے کے استحکام اور سدھار کے لیے چار شادیوں کا مشورہ دے رہی تھیں اور فرط جذبات میں ایثار کی مثال اپنے گھر سے شروع کر رہی تھیں۔ بڑی طاقتور بن کر انہوں نے اپنے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت دے دی تھی۔ وہ مسکرا دیں۔ سلطان صاحب باغبانی فرما رہے تھے۔ ان کے کانوں میں کہاں آواز پڑی ہوگی اور مرد کہاں اجازت جیسے تقاضے اور قانون مانا کرتے ہیں۔ یہ تو پاکستانی عائلی قوانین کا قانونی ضابطہ ہے۔ مذہب نے ایسی کسی مجبوری کو جواز بنایا ہے تو صرف انصاف کو اور یہ اصل میں بڑا امتحان ہے اور جیتے جی پل صراط پر چلنے کا سوال ہے۔

یہی تو ریشم کے پھندوں جیسا سوال ہے۔ محبتوں' رفاقتوں' دوریوں اور تن ڈھانپنے کو صرف تین کپڑوں کے لیے پلڑے کے ایک جانب کیا رکھو گے؟ سلطان جیسے مرد!

زرد کواڑوں کے پیچھے انتظار کی صلیب یا دھوپ کے جگنو؟

☼ ☼

www.pkdigest.com

مکمل ناول

کومل صبا

جھنگ میں

اس نے بے اختیار اپنی سرد ہتھیلیوں کو ایک دوسرے پہ رگڑا۔

"پتا نہیں یہاں اتنی سردی کیوں ہے؟" عدینہ نے مفلر کو اچھی طرح اپنے کانوں کے گرد لپیٹتے ہوئے سوچا۔

"موسم میں، جذبات، رویوں اور لہجوں میں کتنا عجیب سا سرد سا تاثر پایا جاتا ہے افسردہ ہوئے تو منہ کے زاویے کچھ تناؤ کا شکار ہو گئے جو خوش ہو گئے تو تھوڑا سا ہونٹوں کو پھیلا لیا۔ نہ کبھی آنسوؤں کی برسات ہوتی ہے اور نہ ہی کبھی مسکراہٹ کی کرنیں چہرے پہ کھلتی ہیں۔" بینچ پہ بیٹھے بیٹھے ہی اس نے ایک نظر پارک میں دوڑائی۔ شدید سردی کے باعث پارک میں اکا دکا لوگ ہی تھے۔

"اتنی سردی میں کوئی میرے جیسا پاگل ہی ہو گا جو اپنا گھر چھوڑ کر یوں اتنی سردی میں آ بیٹھے گا اور بھلا ایک کمرے کے اپارٹمنٹ کو بھی کبھی گھر کہا جا سکتا ہے۔ جہاں سناٹے اور تاریکیاں روز آپ کا استقبال کرتی ہوں۔" وہ سر جھٹک کر مسکرائی۔

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ ٹھنڈے بینچ پر اس منجمد کر دینے والی سردی میں بیٹھی انہیں لایعنی سوچوں میں گم تھی۔

"مجھے اب گھر چلنا چاہیے؟" اس نے تھکے تھکے انداز میں سوچا اور ابھی تو صرف ایک گھنٹہ گزرا تھا اور اگلے دو گھنٹے اسے یہی سوچتے گزارنے تھے۔ گھر کا تصور اس کے لیے بالکل بھی خوشگوار نہیں تھا۔ جبھی وہ ورکنگ آورز ختم ہونے کے بعد گھر جانے کی بجائے یہاں اس پارک میں نہ بیٹھی ہوتی۔ وہ ابھی اٹھنے کا سوچ ہی رہی تھی جب کوئی اس کے پاس آ کر بولا۔

"السلام علیکم۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ بھلا گوروں کے دیس میں سلام کا رواج کب سے ہونے لگا۔ ایک اجنبی صورت اس کے سامنے تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" وہ بینچ کے دوسرے خالی سرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اردو میں بولا تو وہ بے اختیار اثبات میں سر ہلا گئی۔

"پاکستانی۔" اس نے بیٹھتے بیٹھتے اس سے سوال کیا۔ اس نے دوبارہ اثبات میں سر ہلایا مگر بولی اب کی بار بھی کچھ نہیں۔

"تھینکس گاڈ۔ میں تو ترس گیا ہوں یہاں پر کسی پاکستانی سے ملنے کو۔" وہ کچھ اس بے ساختہ خوشی سے بولا کہ وہ حیرانی سے اسے گھورنے لگی۔ لندن جیسے شہر میں کسی پاکستانی سے ملاقات کو ترسنے والا شخص اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

"وہ ایکچوئیلی پاکستانی تو ہوتے ہیں۔ بٹ یہاں تو کسی پاکستانی کے پاس بھی ٹائم نہیں ہوتا، ہر کوئی مصروف۔ میں تو یہاں کی ایک جیسی اور بور کر دینے والی روٹین سے بہت جلد گھبرا جاتا ہوں۔ میں پچھلے ایک گھنٹے سے آپ کو دیکھ رہا ہوں اور میں نے یہاں پہلی دفعہ کوئی اتنا فارن غیر پاکستانی دیکھا ہے۔" وہ شاید کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہو گیا تھا۔ اس لیے بے ساختہ بولتا چلا گیا۔ یقیناً دیار غیر میں کسی ہم وطن کو دیکھ کر جو خوشی ہوتی ہے وہ شاید بیان نہیں کی جا سکتی۔

"اور میں نے بھی یہاں پہلی دفعہ ہی کوئی پاکستانی

www.pkdigest.com

نوجوان ایسا دیکھا ہے جو لندن میں اکتا دینے والی روٹین سے گھبرا جاتا ہو۔ ورنہ یہاں تو پاکستانی نوجوانوں کی دلچسپی کے لیے بہت کچھ دستیاب ہے۔" وہ بولی تو اس کا لہجہ معنی خیزی لیے ہوئے تھا۔

"یہ تو ہے مگر میں ان نوجوانوں میں سے نہیں' اوہ ایم سوری میں نے اپنا تعارف تو کروایا ہی نہیں۔ میں اشیر ابراہیم ہوں۔ یہاں تعلیم کے سلسلے میں مقیم ہوں اور آپ۔" اشیر کو خیال آیا تو اپنا بتا کر اس سے پوچھنے لگا۔

"میں۔" وہ ایک پل کو رکی۔

"میں عدینہ ہاشم ہوں' یہاں بی بی سی لندن میں جاب کرتی ہوں۔" بھلا اب اور کچھ تعارف کے لیے بچا ہی کیا تھا۔ سامنے والے کو اس سے زیادہ جاننے کی خواہش بھی نہ تھی شاید۔

"میں تو یہاں رہتے ہوئے چھ ماہ میں ہی فیڈ اپ ہو گیا ہوں۔ پتا نہیں لوگوں کو یہاں آنے کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے۔ میرا بس چلے تو میں ایک پل کو بھی یہاں نہ رکوں۔" اس کی بات سن کر وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔

"ہاں میرا بس چلے تو شاید میں بھی یہاں ایک پل کو بھی نہ رکوں۔" عدینہ نے سوچا ضرور مگر بولی نہیں۔

"مجھے تو پاکستان کی رونقیں' ہلا گلا' ہنگامہ بہت یاد آتا ہے۔ ٹھیک ہے وہاں بہت بدنظمی ہے' مگر وہاں زندگی جاگتی ہے اور یہاں لگتا ہے زندگی دھیرے دھیرے مر رہی ہے۔" وہ بات کرتے کرتے کھو سا گیا۔

پھر اس دن وہ جو اس سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگلے دو گھنٹے وہاں بیٹھی اس کی باتیں سنتی رہی۔ اس کی باتوں میں بے ساختگی تھی اور انداز میں بچپنا۔ مگر جو بھی تھا زندگی اس کی باتوں میں سانس لیتی تھی۔ اس دن عدینہ بہت دنوں بعد بے ساختگی سے ہنسی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ روز پارک میں ملنے لگے تھے۔ پارک میں گزارے جانے والے تین گھنٹے جو پہلے گزارے نہ گزرتے تھے۔ اب ان کے گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا تھا۔ اس کی لگی بندھی روٹین میں اشیر ابراہیم نے ایک خوشگوار سی ہلچل پیدا کر دی تھی۔ وہ بہت زیادہ باتونی تھا۔ جتنا وقت وہ اس کے پاس بیٹھتا رہتا وہ اس سے اپنی فیملی' اپنے بچپن کی باتیں کرتا رہتا۔ وہ اپنی فیملی کو بہت زیادہ مس کرتا تھا اور یقیناً" یہ اس کی باتیں ہی تھیں جن کی وجہ سے وہ یہاں کسی سے فرینک نہیں تھا۔ بھلا اس کی یہ باتیں کون اتنی دیر تک سن سکتا تھا۔

جبکہ عدینہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اس کی باتیں سنتی رہتی۔

"آپ نے کبھی مجھے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔" اس وقت بھی وہ اس کی باتیں سن کر ہنس رہی تھی' جب اس نے اچانک پوچھا' عدینہ کی ہنسی ایک دم تھم گئی۔

"کیا جاننا چاہتے ہو میرے بارے میں۔" اس نے کچھ سرد لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری فیملی' تمہارے پیرنٹس۔" اشیر نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ہیں۔" عدینہ نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

"اوہ۔" اشیر کی سمجھ میں نہ آیا وہ مزید کیا کہے۔

"آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں۔" کچھ دیر بعد اس نے ایک بے وقوفانہ سا سوال کیا تھا۔ عدینہ نے محض سر ہلایا۔

"آپ کے پاکستان میں رشتہ دار تو ہوں گے۔ آپ پاکستان کیوں نہیں جاتیں۔" اشیر نے اگلا سوال کیا۔

"میں پاکستان جانا نہیں چاہتی۔" وہ اپنے مخصوص سرد انداز میں بولی تو وجہ پوچھنے سے اشیر نے بمشکل خود کو روکا تھا۔ عدینہ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھی رہی' پھر کچھ بھی کہے بغیر اٹھ کر پارک کے بیرونی راستے کی طرف چل دی۔ اشیر اسے روک بھی نہ پایا۔ بس خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"بھلا جہاں سے بھاگ کر میں یہاں آئی ہوں۔ جہاں کی یادیں اتنے سالوں میں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ پائیں' میں وہاں واپس کیسے لوٹ جاؤں۔ وہاں جانا اتنا آسان ہوتا تو میں یہاں قید تنہائی کیوں گزار رہی ہوتی۔" اس کے قدموں کی تھکن کچھ اور بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"آپ بہت بے مروت ہیں۔" اشیر نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کیا تو وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہیں ایسی کون سی بے مروتی دکھا دی میں نے اور تمہیں میری بے مروتی کا آج احساس ہو رہا ہے اتنے دنوں بعد۔"

"میں اتنے دنوں سے آپ سے مل رہا ہوں۔ یہاں اس ملک میں تو آپ کا مہمان ہی بنتا ہوں اور آپ نے کبھی مجھے چائے تک کی آفر نہیں کی۔" اشیر نے کچھ ناراضی سے جتایا تو وہ اس کی ناراضی محسوس کر کے بے ساختہ مسکرا دی۔

"ہوں ایکچوئلی آج مجھے اپنی ماں کے ہاتھ کے پکے کھانے بہت یاد آ رہے تھے' ان کھانوں کی خوشبو اور لذت کو میں بہت مس کر رہا ہوں۔" بولتے بولتے اس کی آواز بھرا سی گئی۔ وہ ایک لمحے کو رکا۔ پھر اپنے مخصوص خوشگوار انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"آپ کو پاکستانی کھانے بنانے آتے ہیں' جیسے نہاری' حلیم' بریانی وغیرہ۔"

"مجھے پاکستانی کھانے بنانے آتے ہیں۔ مگر سادہ سے' ان اتنے مشکل کھانوں کو بنانے کی مجھے مہارت نہیں ہے۔" وہ کچھ شرمندگی سے بولی تھی۔

"اوکے کیا اس سنڈے کو میں آپ کے گھر پر لنچ کر سکتا ہوں۔" اشیر نے اس سے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ بہت عرصہ ہو گیا تھا اسے کسی مہمان کو اپنے گھر دعوت دیے ہوئے۔ وہ اپنے پروفیشنل فرینڈز اور ملنے جلنے والوں کو ہمیشہ باہر ہی دعوت دیتی تھی۔ گھر میں کھانے کا اہتمام تو کبھی کیا ہی نہیں تھا۔

"کیا سوچنے لگیں اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو کوئی بات نہیں۔" اب وہ اتنی بھی بے مروت نہ تھی کہ صاف انکار ہی کر دیتی۔

"ٹھیک ہے' مگر کھانا۔" وہ جھجک کر رکی تو وہ ہنسنے لگا۔

"کھانے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں آپ کو۔ کھانا مابدولت تیار کریں گے۔"

"تم۔ تمہیں کھانا بنانا آتا ہے۔" عدینہ مشکوک ہوئی۔

"اوئے ایسا ویسا مجھے بہت اچھا کھانا بنانا آتا ہے۔ مجھے شفق نے سکھایا تھا۔ اس کے خیال میں ایک اچھے شوہر کو کھانا پکانا آنا چاہیے۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔

"شفق' یہ شفق کون ہے؟" عدینہ چونکی' ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا تھا' ایک بہت بھولا بسرا پل کہیں آس پاس ہی زندہ ہو گیا تھا۔

"شفق میری کزن۔" اشیر نے بے ساختہ ہونٹوں

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے
ایم سلطانہ فخر کے 3 مقبول ناول
* برگ گل * شام آرزو
* دل اک گلاب سا
فی ناول قیمت -/400 روپے
ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ' 37- اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

پھیل جانے والی مسکراہٹ دباتے ہوئے جواب دیا۔ شفق کے ذکر پر اس کے چہرے پہ ایک نرم سا تاثر پھیل گیا تھا۔ عدینہ کو بے ساختہ ہی کوئی یاد آیا تھا۔

"کزن؟؟" عدینہ نے سرگوشی سی کی۔

"نہیں میری زندگی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"بہت محبت کرتے ہو ۔" عدینہ نے پوچھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ عدینہ کو اس کی خاموشی بہت عجیب لگی تھی۔

"ہاں میں اپنی زندگی سے بہت محبت کرتا ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا اور چہرہ بے تاثر۔ اس کے چہرے پہ وہ تازگی، لہجے کی گرمجوشی مفقود تھی۔ جو اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔ عدینہ تو خود میں اس قدر الجھی تھی کہ اس سے کچھ پوچھ ہی نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

رات کو ریکارڈنگ میں بہت دیر ہو گئی تھی۔ اس لیے عدینہ اگلے دن چھٹی کا مزا لیتے ہوئے دیر تک سوتی رہی۔ آنکھ بھی ڈور بیل کے ایک تواتر سے بجنے پر کھلی تھی۔ بمشکل آنکھیں کھول کر کلاک کی طرف دیکھا تو وہ ساڑھے دس بجا رہی تھی۔

"اف اس وقت کون آگیا۔" بے زاری سے سوچتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔

"تم۔" سامنے ہی خوبصورت سا بکے ہاتھ میں لیے کھڑے اشیر کو دیکھ کر سر پر ہاتھ مار کر رہ گئی تھی۔ دو، تین دن سے ریکارڈنگ کی مصروفیت میں اشیر کو دی جانے والی لنچ کی دعوت وہ یکسر بھلا چکی تھی۔

"ہیلو مادام صبح بخیر۔" خوشگوار سی مسکراہٹ کے ساتھ بکے اسے تھماتا وہ اندر چلا آیا۔

"میں نے شاید تمہیں لنچ پہ انوائیٹ کیا تھا۔ بریک فاسٹ پہ نہیں۔" وہ دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آتے ہوئے کچھ چڑ کر بولی۔

"مادام آپ شاید بھول رہی ہیں۔ اس لنچ کی ساری تیاری ناچیز نے ہی کرنی ہے۔" اشیر نے جتایا۔

"اتنا بن ٹھن کے لنچ کی تیاری کرو گے۔" وہ اس کے حلیے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی، جو آج روٹین سے ہٹ کر بہت دل لگا کر تیار ہوا تھا۔

"وہ کیا ہے نا میم لندن میں کسی خاتون کے ساتھ لنچ کرنے کا میرا پہلا اتفاق ہے تو میں نے سوچا امپریشن اچھا پڑنا چاہیے۔" اشیر وضاحت کرتے ہوئے ایک طرف پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔ چھوٹے سے اپارٹمنٹ کو عدینہ نے بہت ہی سادہ انداز میں سجا رکھا تھا ہاتھ میں پکڑے پھولوں کو سینٹرل ٹیبل پہ رکھ کر وہ ایک طرف کو بنے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"تم چائے پیو گے یا کافی۔" کچن سے آواز دے کر اس نے اشیر سے پوچھا۔

"چائے مگر بہت اچھی سی۔" اشیر اسے جواب دینے کے بعد اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

"تم ناشتا کر چکے ہو۔" عدینہ نے سنڈوچ بناتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے صبح بہت جلدی اٹھنے کی عادت ہے اور میں ناشتا بھی جلدی کر لیتا ہوں۔" وہ وہیں اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"ممانے ہم سب بہن، بھائیوں کو بچپن سے ہی صبح بہت جلدی اٹھنے کی عادت ڈالی ہے اور اب تو یہ عادت بہت پختہ ہو گئی ہے۔ خود بخود ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔" اس کی بات سن کر عدینہ کے ہاتھ ایک پل کو تھمے۔

"مجھے بھی تو اماں نے ایسی عادتیں ڈالی تھیں، پھر بھلا میں کیسے بھٹک گئی۔" اذیت کی تیز لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

"کیا ہوا؟" اشیر نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو عدینہ نے بمشکل نفی میں سر ہلایا، پھر خود پہ قابو پاتی، چائے کے کپ اور سنڈوچز لے کر سینٹرل ٹیبل کی طرف چلی آئی۔ اشیر خاموشی سے کھڑکی سے ہٹ کر دوبارہ صوفے پر آ بیٹھا۔ کبھی کبھی یہ لڑکی اسے ایک معمہ لگتی تھی۔ بظاہر وہ بہت سادہ سی نظر آتی تھی مگر اشیر کو لگتا تھا جیسے وہ اپنی ذات میں بہت سے راز رکھتی

تھی۔

"آپ نے مجھ سے آج کے لنچ کا مینو تو پوچھا ہی نہیں۔" اسے سوچوں میں گم دیکھ کر وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ عدینہ چونکی، پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے دلچسپی سے بولی۔

"اچھا تو پھر آج کا کیا مینو ہے مسٹر شیف۔"

"حلیم اور چکن کڑاہی۔ میٹھے میں ٹرائفل۔" وہ فوراً بولا جبکہ عدینہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"حلیم؟؟ مگر اسے بنانے میں تو بہت وقت لگتا ہے۔" عدینہ نے اپنی علمیت جھاڑی تو وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"کوئی وقت نہیں لگتا، دیکھیے گا میں کتنی جلدی یہ سب تیار کرتا ہوں، مگر پہلے آپ یہ بتائیں کہ سارا سامان تو موجود ہے نا۔" اشیر کے پوچھنے پر اس نے بہت اطمینان سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"واٹ۔" اشیر چلایا۔

"پہلے گروسری کی شاپنگ کرنا پڑے گی، پھر تم اپنی کوکنگ کے کمالات دکھا سکتے ہو۔" وہ بہت اطمینان سے کہتے ہوئے خالی کپ اٹھا کر کچن کی طرف چل دی۔

پھر اس کے ساتھ قریبی مارکیٹ جا کر خریداری کرنے اور کھانا بنانے کے دوران عدینہ نے بہت انجوائے کیا تھا۔ وہ سارا وقت اسے اپنے کوکنگ کے مختلف تجربات بتاتا رہا تھا۔ اس نے کتنی دفعہ کھانا خراب کیا، کتنی دفعہ ہاتھ جلایا۔ کتنی دفعہ اسے لاپروائی پہ شفق سے ڈانٹ پڑی۔

"آپ نہیں جانتیں وہ کس قدر ڈکٹیٹر ٹائپ سی ہے۔" وہ شفق کا ذکر بہت محبت سے کرتا تھا۔

"اپنے مزاج کے خلاف تو وہ محترمہ کچھ بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ میرے یہاں آنے پر بھی اس نے اتنا شور مچایا تھا۔"

"جب تم خود بھی نہیں آنا چاہتے تھے اور تمہیں روکنے والے بھی اتنے تھے، پھر تم ادھر کیوں آئے ہو اشیر۔" عدینہ نے پوچھا تو وہ چپ سا ہو گیا۔ عدینہ کی

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

جون 2010 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

Emale: id@khawateendigest.com

☆ "فتح کا دیوتا" اس تاریخی کہانی میں آپ کو جہاں جنگوں کا احوال ملے گا، وہیں محبت کی لازوال داستان بھی نظر آئے گی۔
اسلم راہی کے قلم سے تاریخ کے اوراق،

☆ "سحر زادی" بعض اوقات انسان کی زندگی ایسے ایسے موڑ اختیار کرتی ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ ایک حوصلہ مند نوجوان کی داستان۔ سبحان راشد کے قلم سے،

☆ "کارواں" وہ خانہ بدوش وقار رکھتا تھا، وہ ناتجربے کار تھا، مگر معاشرے نے اسے بہت کچھ سکھا دیا، زندگی کی سچ راہوں کے مسافر کی تلخ و شیریں داستان، ایم اے راحت کے قلم سے،

☆ "شہ مات" آخری صفحات پر ایم اے راحت کی معاشرتی تحریر،

☆ ملکی و غیر ملکی ادب سے انتخاب،

☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب "سچی داستانیں"،

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

طرف اس کی پشت تھی' اس لیے وہ اس کے تاثرات نہ دیکھ پائی۔

"مادام کھانا تیار ہو چکا ہے۔" وہ اس کی طرف مڑتے ہوئے بات پلٹ گیا۔

"اور میں یقیناً" اس طرح تو آپ کے ساتھ لنچ نہیں کروں گا۔" وہ اس کے حلیے کو ناقدانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جب تک میں کھانا ٹیبل پہ لگاتا ہوں۔ آپ پلیز ہمارے شایان شان تیار ہو جائیں' تاکہ ہمیں بھی فیل ہو کہ ہم ایک عزت مآب خاتون کے ساتھ لنچ سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔" اس کی اردو بہت اچھی تھی اور اس بات پہ اسے بہت حیرانی ہوئی تھی۔ آج کل کے نوجوانوں کی طرح بے ڈھنگے پن سے منہ ٹیڑھا کر کے انگلش بولنے کا اسے قطعاً شوق نہ تھا۔

وہ بہت خوبصورتی سے بات بدل گیا تھا۔ عدینہ اسے کہہ نہ سکی' اس کا اپنا حلیہ اچھا خاصا بے ترتیب سا ہو چکا تھا۔ کوٹ وہ اتار کر پہلے ہی صوفے پہ ڈال چکا تھا۔ شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کیے ہوئے' ایک ہاتھ میں کفلنک پکڑ رکھا تھا۔ عدینہ اسے دیکھ کر بے ساختہ کھلکھلا اٹھی۔

"تم اس وقت ایک مکمل گھریلو خاتون لگ رہے ہو۔" عدینہ کے کہنے پہ وہ بھی مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

پچھلے ایک ہفتے سے اشیر پارک نہیں آ رہا تھا۔ چند ہفتوں میں ہی وہ اس کی بے ضرر سی کمپنی کی اس قدر عادی ہو چکی تھی کہ اس کی ان چند دنوں کی غیر حاضری کو اس نے بہت شدت سے محسوس کیا کتنے عرصے بعد کوئی شخص تھا جو اس کی زندگی میں بہت ہی غیر محسوس انداز میں انٹرفیئر کر چکا تھا۔ ورنہ وہ بہت عرصے سے لوگوں سے بہت فاصلہ رکھ کر ملنے لگی تھی کچھ تو تھا کہ وہ اس کو بے زاری نہ دکھا سکی تھی۔ اس کی معصومیت' اس کی سادگی' اس کا بے ضرر پن یا کچھ اور' وہ کبھی اشیر اور اپنے درمیان موجود تعلق کو کوئی نام نہ دے سکی تھی۔

اس وقت بھی وہ پارک میں بیٹھی یہی سب کچھ سوچ رہی تھی' جب کوئی دھیرے سے اس کے پاس آ کر بیٹھا' عدینہ نے سامنے سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ وہ بہت مضمحل اور نڈھال سا لگ رہا تھا۔ تھکن اس کے چہرے سے ہی ظاہر تھی' یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی طویل بیماری سے اٹھ کر آیا ہو۔

"کیسے ہو؟" اسے خاموش دیکھ کر عدینہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"ٹھیک ہوں۔" اشیر نے پھیکی سی مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا تو عدینہ کو حیرانی ہوئی۔ وہ کبھی خیریت کا جواب اس طرح نہیں دیتا تھا۔ وہ ہمیشہ اللہ کا شکر ہے یا الحمدللہ کہا کرتا تھا۔

"تم بیمار رہے ہو۔" عدینہ نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواباً" اشیر نے کچھ توقف کے بعد اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے آر یو آل رائٹ ناؤ۔" عدینہ نے سوال کیا' مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"ہاں بتانا تو پڑے گا آخر کسی کو تو بتانا پڑے گا۔" وہ جیسے خود سے بات کر رہا تھا۔ عدینہ نے الجھ کر اس کے بے ترتیب حلیے اور پژمردہ وجود کو دیکھا۔ وہ کچھ پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ اشیر کا موبائل بج اٹھا۔ اشیر نے بے دھیانی میں کال ریسیو کی۔

"ہیلو السلام علیکم مما۔" دوسری طرف آواز سن کر زبردستی اس نے اپنا لہجہ بشاش کیا تھا۔ عدینہ نے اس کی بھیگتی پلکوں کو بغور دیکھا تھا' پھر جب اس نے فون بند کیا تو عدینہ دھیرے سے بولی۔

"کیا چھپا رہے ہو۔" اشیر نے ایک نظر اسے دیکھا' پھر دھیرے سے سر جھکا دیا۔

"میں یہ کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ میں نہ اپنی ذات سے کسی کو دکھ دینا چاہتا تھا اور نہ ہی کسی بہت اپنے کو کھونا چاہتا تھا۔ میں بے اعتبار نہیں ہونا چاہتا۔ میں بے قصور ہوتے ہوئے بھی سزا نہیں جھیلنا چاہتا۔ میں ایک بہت کمزور انسان ہوں' میں اپنے پیاروں کی نگاہ

میں اپنے لیے سوال برداشت نہیں کر سکتا تھا۔" بولتے بولتے وہ ایک لمحے کو رکا۔

"مجھے HIV پوزیٹو ہے۔" اس کے الفاظ تھے یا دھماکہ۔ عدینہ کتنی ہی دیر اسے ساکت سی دیکھتی رہی۔

"میں یہاں پڑھائی کے لیے آیا ہوں اور نہ ہی میں یہاں پہلی دفعہ آیا ہوں۔ میں نے اپنا ایم بی اے یہیں سے کیا تھا۔ انگلینڈ میرے لیے نیا نہیں ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد میں نے پاپا کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانا شروع کیا تو مما کو اچانک ہی میری شادی کا شوق ہوا۔ پاپا چاہتے تھے پہلے بھیا کی شادی ہو' مگر بھیا راضی نہ تھے' اور میں۔" وہ ایک لمحے کو رکا' پھر پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

"اور میں جی جان سے شادی کے لیے راضی تھا۔ شفق میرے تایا کی بیٹی اور میری بچپن کی منگیتر تھی اور میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میں بہت خوش تھا۔ بہت زیادہ' میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی مل رہی تھی۔" وہ عدینہ کے تاثرات سے بے خبر کہے جا رہا تھا۔

"عدیم بھیا کی شادی کے بہت سالوں بعد ایک بار پھر ہمارے گھر میں ہنگامے جاگے تھے۔ مما اپنے دل کے سارے ارمان پورے کرنا چاہتی تھیں۔ شادی سے ایک ہفتہ قبل شفق کو مایوں بٹھایا گیا تھا۔ میں نے' مما اور تائی ماں کی ہزار پابندیوں کے باوجود شفق کو چھپ کر مایوں کے پیلے جوڑے میں دیکھا تھا۔ وہ کتنی حسین لگ رہی تھی میں بتا نہیں سکتا۔ اس کا وہ معصوم سا سادہ سا روپ آج بھی میرے دل میں محفوظ ہے اور تب میں نے آخری دفعہ شفق کو دیکھا تھا۔ مایوں کی رات ہی میرے ایک بہت قریبی دوست کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور اسے خون کی اشد ضرورت تھی۔ میرا بلڈ گروپ اس کے گروپ سے میچ کرتا تھا۔ میں اسے خون دینے گیا تھا۔ وہیں مجھے پتا چلا کہ میں۔۔۔" اس کی آواز ایک دم بھرا گئی تو وہ چپ ہو گیا۔ عدینہ بالکل خاموش تھی۔ تھوڑی دیر اسے خود پہ قابو پانے کی لگی تھی' پھر وہ بولنے لگا۔

"مجھے یقین نہیں آیا تھا' مجھے آ بھی کیسے سکتا تھا۔ انگلینڈ جیسے ملک میں رہنے کے باوجود میں نے کبھی خود کو کسی برائی میں مبتلا نہیں ہونے دیا تھا۔ ہر قدم سنبھل کر رکھا تھا۔ میرا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ جیسے لڑکیاں خود کو ہمیشہ اپنے شوہر کی امانت سمجھتی ہیں۔ ویسے ہی لڑکوں کو بھی اپنے دل' نظر اور کردار کی ایک امانت کی طرح حفاظت کرنی چاہیے اور میں نے ہمیشہ اپنی نظر' اپنے کردار کی حفاظت کی تھی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا' کیسے؟

میں نے اگلے ہی دن ایک دوست کے کلینک پر اپنا مکمل چیک اپ کروایا تھا اور وہاں سے ملنے والی رپورٹس بھی۔۔۔ مجھے سمجھ نہ آ رہا تھا میں کیا کروں۔ میرے دوست نے مجھے بہت تسلی کروائی تھی' میرا مرض ابھی ابتدائی اسٹیج پر تھا اور علاج ممکن تھا۔

میں کسی کو بھی اپنی بیماری کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا۔ میں جانتا تھا میری بیماری کے متعلق جان کر ان کی نگاہ میں' ان کی زبان پر ایک سوال ضرور ابھرے گا۔ چاہے وقتی طور پر سہی' مگر میری ذات مشکوک ضرور ہو گی۔ میں وہ بے اعتباری برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں ان کی بے اعتباری کے جواب میں اپنی ذات کی صفائی پیش کر سکتا۔" ایک آنسو اشیر کی پلکوں کی باڑ توڑ کر چہرے پر پھیل گیا۔

اس نے ضبط کی کوشش میں ہونٹ بھینچ لیے' مگر ضبط کرنا جیسے محال ہو گیا تھا۔ چھ ماہ سے جو کچھ وہ اپنے اندر چھپائے پھر رہا تھا۔ وہ سب آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلا' تو وہ گھٹنوں پہ کہنیاں ٹکا کر اپنا چہرہ جھکا گیا۔ اب عدینہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر وہ جانتی تھی' وہ رو رہا تھا۔ عدینہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیسے تسلی دے۔ کافی دیر بعد جب اس نے سر اوپر نہ اٹھایا تو عدینہ نے آہستہ سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پکارا۔

اشیر نے چونک کر سر اٹھایا' پھر شرٹ کی آستین

www.pkdigest.com

سے آنسو صاف کرتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔ عدینہ نے منتظر نظروں سے اسے دیکھا۔

"پانچ دن صرف پانچ بعد میری شادی تھی، مگر اب میں یہ شادی کسی صورت نہیں کر سکتا تھا۔ میری زندگی تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی اور میں اپنے ساتھ کسی اور کی زندگی کو تباہ نہیں کر سکتا تھا۔ میری محبت شفق کے حصول میں نہیں بلکہ شفق کی خوشی تھی اور میں خود غرض نہیں تھا کہ شفق کی زندگی کو غموں کے حوالے کر دیتا۔"

"اور تم ملک چھوڑ کر یہاں بھاگ آئے۔" گہرا سانس لیتے ہوئے عدینہ نے کہا تو وہ کچھ پل خاموش رہا۔

"تب مجھے یہی سمجھ آیا کہ میں وہاں سے دور چلا جاؤں۔ میں شادی نہیں کر سکتا تھا اور انکار کی وجہ بھی کسی کو نہیں بتا سکتا تھا۔ حالانکہ وہاں سے یوں چلے آنا میرے لیے کتنا مشکل تھا یہ صرف میں جانتا ہوں۔ میں مانتا ہوں، میں نے بہت غلط کیا تھا۔ میرے اس طرح بھاگ آنے سے شفق اس کی فیملی اور میری فیملی نے بہت سی مشکلات کا سامنا کیا ہوگا۔ مگر میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔"

"تمہاری یہاں موجودگی کا انہیں کیسے پتا چلا۔" عدینہ نے پوچھا۔

"دو ماہ پہلے ہمارے ایک فیملی فرینڈ سے انہیں پتا چلا تھا۔ بھیا ملنے آئے تھے، انہوں نے مجھے بہت فورس کیا تھا، وجہ جاننے کے لیے، واپس لے جانے کے لیے، مگر میں انہیں کچھ نہ بتا سکا، میں جس تکلیف سے گزر رہا تھا میں انہیں بتانا چاہتا تھا، مگر۔"

"اور شفق۔" دور کا تو عدینہ نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا، میں خواہش کے باوجود اس کے بارے میں بھیا سے نہیں پوچھ سکا۔ بھلا مجھے اس کے بارے میں جاننے کا اب حق ہی کیا ہے۔ جو کچھ میں نے اس کے ساتھ کیا اس کے بعد اب جاننے کے لیے رہ ہی کیا گیا تھا۔ مما کبھی کبھار بات کر لیتی ہیں۔ پاپا ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے اور مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ ان سے بات کر سکوں۔

کبھی کبھی میں بہت تھک جاتا ہوں، میرے پاس کتنا وقت ہے میں نہیں جانتا، کب میں زندگی کی جنگ ہار جاؤں مجھے پتا نہیں، مگر میں یوں نہیں مرنا چاہتا، میں کبھی بھی یوں اپنوں سے دور ہو کر، انہیں ناراض کر کے مرنا نہیں چاہتا۔" اشیر کی آواز بہت تھکی تھکی سی تھی۔ اس کے چہرے پہ بہت دکھ اور بے بسی کے آثار تھے۔

عدینہ نے ایک ہمدردانہ نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ شام کے ڈھلتے دھندلے سے اندھیرے میں اس کا چہرہ بہت تاریک سا لگ رہا تھا۔

اگلے دو دن خواہش کے باوجود عدینہ اشیر سے نہ مل سکی، اس دن بھی وہ اشیر کے بتانے پہ اس قدر شاکڈ ہوئی تھی کہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ وہ کتنا دکھی اور دلبرداشتہ تھا۔ اس دن اس کے رویے نے تو اسے اور بھی ہرٹ کیا ہوگا۔ یہی سوچ کر وہ اشیر سے ملنا چاہتی تھی۔ مگر مصروفیت اتنی تھی کہ وہ پارک جا ہی نہ سکی۔ وہ جانتی تھی اس کی غیر حاضری اسے اور بھی زیادہ مایوس کر دے گی۔ آج تیسرے دن وہ پھر پارک میں موجود تھی۔

پارک میں داخل ہونے کے بعد اپنے مخصوص حصے میں آنے تک اسے صرف ایک ہی فکر تھی۔ پتا نہیں وہ وہاں ہوگا بھی یا نہیں، کیا پتا وہ مایوس ہو گیا ہو۔ کیا خبر اس نے آنا چھوڑ دیا ہو تو وہ اسے کہاں ڈھونڈے گی۔ عدینہ نہیں جانتی تھی وہ کیوں اتنی بے چین ہو رہی ہے۔

تبھی وہ اسے اپنے مخصوص بینچ پہ بیٹھا نظر آیا۔ عدینہ تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھی، وہ بینچ پر سر کو جھکائے بیٹھا تھا۔

"ہیلو۔" عدینہ اس کے پاس جا کر پکاری تو اشیر نے جھکا سر اٹھایا، پھر اس کی طرف دیکھ کر کچھ حیران سا ہوا۔

"میں سمجھ رہا تھا آپ شاید اب کبھی یہاں نہ آئیں گی۔" اس کے کہنے پر عدینہ خاموشی سے بینچ پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے سب تمہیں چھوڑ دیں

گے، تمہیں غلط سمجھیں گے۔" عدینہ کے سوال کے جواب میں وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

"تم بہت غلط سوچتے ہو اشیر۔ اگر تم غلط نہیں ہو تو پھر تمہیں اپنی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ تم نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ نقصان اسی وجہ سے اٹھایا کہ تمہیں نہ خود پر بھروسہ تھا نہ خود سے وابستہ رشتوں پر۔ تمہاری بیماری تمہارے ساتھ ہونے والا ایک برا حادثہ تھی، مگر اسے بدترین حادثے میں تمہیں خود پر خود سے وابستہ رشتوں پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اشیر وہ آپ کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں، کیونکہ آپ کی شخصیت کو بنانے یا بگاڑنے میں زیادہ ہاتھ ان کا ہوتا ہے، پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا وہ تم پر اعتماد نہیں کریں گے۔"

"اگر جو انہوں نے اعتبار نہ کیا؟ اگر جو انہوں نے مجھ پر شک کیا تو میں برداشت نہیں کر پاؤں گا۔" خاموشی سے سنتا اشیر بول پڑا۔

"کیوں اعتبار نہیں کریں گے۔ کیا تم نے کوئی غلط کام کیا ہے۔ کیا تمہاری بیماری کی وجہ یہی ہے۔" عدینہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"بالکل نہیں۔" اشیر نے بے ساختہ کہا۔

"زندگی میں بہت سی آزمائشیں ایسی ہوتی ہیں جب اپنی سچائی ثابت کرنا پڑتی ہے۔ اپنی سچائی ثابت کرنا بری بات نہیں۔ ہاں مشکل ضرور ہے۔ اشیر تم نے بہت غلط کیا۔ خون کے رشتے کھونا اتنا آسان نہیں۔ ہاں مشکل ضروری ہے۔ اشیر تم نے بہت غلط کیا۔ تم کیا سمجھتے ہو، کبھی ان سے نہیں ملو گے۔ انہیں نہیں بتاؤ گے تو انہیں کچھ نہیں پتا چلے گا اور وہ بہت مطمئن رہیں گے۔ تمہاری غیر موجودگی سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ رشتے کچے دھاگے نہیں ہوتے کہ انہیں یوں ایک پل میں توڑ دیا جائے۔

وہ اگر آج تمہاری جدائی برداشت کر رہے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ تم جہاں بھی ہو صحیح سلامت ہو۔ چاہے ان سے دور ہی کیوں نہ ہو، مگر اس دنیا میں تو ہو اور تم۔" عدینہ کی آواز بھرا گئی۔

"خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جائے اور انہیں بعد میں پتا چلے تو پھر اشیر ابراہیم کیا انہیں تمہاری بے اعتباری کا دکھ نہ ہوگا۔ کیا انہیں نہ لگے گا کہ تم ان پہ اعتبار نہیں کرتے۔ وہ زیادہ دکھی ہوں گے۔ زیادہ تکلیف برداشت کریں گے۔" عدینہ بولتے بولتے خاموش ہو گئی تو اشیر نے سر اٹھا کر سامنے کھیلتے بچوں کو دیکھا۔ ایک آنسو آنکھ سے پھسل کر اس کے چہرے پہ پھیل گیا۔ کتنے بے فکر معصوم سے چہرے ہیں، ہر غم سے آزاد کھل کر مسکراتے ہوئے۔

"لوٹ جاؤ اشیر ابراہیم، لوٹ جاؤ، اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔ تمہارے پاس پلٹنے کا موقع نہ رہے۔ وقت تمہارے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل جائے۔"

"جس وقت کی آپ بات کر رہی ہیں وہ میرے ہاتھ سے پھسل چکا ہے۔" اشیر کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔ عدینہ خاموش سی ہو گئی۔ بہت دیر خاموش رہنے کے بعد عدینہ جب بولی تو اس کا سوال بہت مختلف تھا۔

"جب بھیا ملنے آئے تھے تو انہوں نے شفق کے بارے میں کیا کہا تھا اشیر۔"

"شفق کی شادی ہو گئی ہے۔" اشیر کی آواز جیسے کنویں سے آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

عدینہ آج بہت دنوں بعد اپنے فلیٹ کی تفصیلی صفائی کے موڈ میں تھی۔ سارے فلیٹ کا سامان الٹ پلٹ کیا ہوا تھا۔ اس وقت بھی وہ ویکیوم کلینر چلاتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔ جب ڈور بیل گنگنا اٹھی۔ عدینہ نے کچھ بے زاری سے دروازے کی طرف دیکھا، پھر ویکیوم کلینر کو بند کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"ہیلو۔" ہنستا مسکراتا اشیر اس کے سامنے تھا۔ عدینہ کو کبھی کبھی اس پر بہت رشک آتا تھا۔ وہ اتنی تکلیف اور پریشانی کے باوجود کتنا خوش باش رہتا تھا۔ عدینہ نے مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا۔ پھر دروازہ یونہی کھلا چھوڑ کر واپس پلٹ گئی۔

"او مائی گاڈ، یہ کیا کیا ہوا ہے۔" اشیر نے دروازے

www.pdfdigest.com

سے اندر آتے ہوئے کمرے میں بکھرے ہوئے سامان کو دیکھا۔

"تم بس پندرہ منٹ ویٹ کرو' میں سب سیٹ کردیتی ہوں' تم بھی تو چھٹی والے دن ہی دھاوا بولتے ہو۔" عدینہ نے ویکیوم کلینر کو سمیٹ کر ایک طرف کرتے ہوئے بولی۔

"تو آپ جیسی مصروف خاتون میسر بھی تو صرف چھٹی والے دن ہی آتی ہیں۔" اشیر نے کہا' پھر ہاتھ میں پکڑی بک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ میں آپ کے لیے لایا تھا۔"

"کچھ خواب ہیں جن کو لکھنا ہے۔ عاشر ابراہیم کی نئی بک تمہیں کہاں سے ملی مارکیٹ میں تو ابھی یہ نہیں آئی۔" وہ پرجوش آواز میں کتاب الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہونہہ تو یہ آپ کے فیورٹ شاعر ہیں۔" اشیر اس کے جوش کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ کچھ جھینپ گئی۔

"نہیں وہ۔۔۔ یہ لکھتا بہت اچھا ہے۔" عدینہ نے وضاحت کی۔

"اچھا تم ذرا یہ ریک میں رکھنا۔ میں یہ سیٹنگ کرلوں۔ پھر تمہیں اچھی سی چائے پلاتی ہوں۔" وہ بک اس کے ہاتھ میں پکڑا کر پھر مصروف ہوگئی۔

"آپ کے پاس تو بکس کی اچھی خاصی کلیکشن موجود ہے اور عاشر ابراہیم کی تو ساری ہی بکس موجود ہیں۔ لگتا ہے آپ کو یہ حضرت کچھ زیادہ ہی پسند ہیں۔" اشیر بکس دیکھتے ہوئے بولا۔ عدینہ نے اس کی بات بے دھیانی میں سنی اور اپنے کام میں لگی رہی۔

"اوہ مائی گاڈ۔" وہ تقریباً" ساری سیٹنگ کرچکی تھی' جب اس نے اشیر کی آواز سنی' عدینہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بک ریک کے پاس پڑے سی ڈی پلیئر کے پاس کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک سی ڈی تھی۔ عدینہ ساکت سی ہوگئی۔ "اب وہ کیا کہے گا۔ کیا سوال کرے گا اور میں کیا جواب دوں گی۔"

اس نے اشیر کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس نے ہاتھ میں وہی سی ڈی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ اشیر کو نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ سی ڈی کور پہ بنی اپنی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ میک اپ زدہ مصنوعی مسکراہٹ لیے اس کا چہرہ اس کے اپنے لیے بھی کتنا اجنبی تھا۔

"آپ دیا جعفری ہیں۔ مشہور گلوکارہ۔ مائی گاڈ مجھے ایک آدھ دفعہ لگا تھا' مگر آپ کا نام' آپ کی شخصیت بہت بدل گئی ہے۔ میں پہچان ہی نہ سکا۔" وہ اس کے قریب آکر بہت ہی اشتیاق سے کہہ رہا تھا۔ عدینہ توقع کے برخلاف اس کی اتنی ایکسائٹمنٹ پر حیران کھڑی تھی۔

"ہاں یہ چہرہ دیا جعفری کا ہے عدینہ ہاشم کی تو اس میں جھلک بھی نہیں' جبھی تو یہ چہرہ میرے لیے اجنبی ہے۔"

"عدینہ کیا ہوا آپ کو۔" اشیر نے بازو سے پکڑ کر اسے جھنجوڑا تو وہ ہوش میں آگئی۔

"ہاں کیا ہوا۔" بے دھیانی سے اس کی طرف دیکھا جو تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آر یو آل رائٹ۔" اشیر نے اس سے پوچھا تو عدینہ نے بمشکل سر ہلا کر اسے تسلی دی۔

عدینہ خاموشی سے اس کے سامنے سے ہٹ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اب کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی۔ وہ چائے کے لیے دودھ کا پیکٹ کھول رہی تھی۔ جب اشیر اس کے پاس آیا۔

"آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں آپ اتنی فیمس سنگر ہیں۔" اس کے انداز میں بھرپور شکوہ تھا۔

"کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔" عدینہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"کیا اس بات کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ آپ میرے متعلق سب کچھ جانتی ہیں۔ اور مجھے آپ کے متعلق کیا کچھ بھی جاننے کی ضرورت ہی نہیں۔ میں آپ کے لیے اتنا بھی اہم نہیں کہ آپ مجھے اپنے متعلق اتنی اہم بات نہ بتا سکیں۔ میں جانتا ہوں' میں آپ کے لیے اتنا اہم نہیں کہ آپ مجھ سے اپنی ذات کے متعلق کچھ شیئر کرسکیں۔ اس لیے میں نے آج تک کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی' مگر آپ کے

نزدیک میری کوئی حیثیت ہی نہیں' اس کا مجھے آج پتا چلا ہے۔" عدینہ کی سوچوں کے برعکس وہ ایک بالکل مختلف بات پر ناراض ہو رہا تھا۔ عدینہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اسے کیا بتاتی۔ اس میں اتنی ہمت ہی کہاں تھی کہ وہ کسی کو اپنی زندگی' اپنے ماضی کے متعلق بتاتی۔

"آئی ایم سوری۔" عدینہ نے سپاٹ سے انداز میں کہا۔ اشیر نے سر اٹھا کر بغور اسے دیکھا' وہاں کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"ڈونٹ سے سوری' میں ہی کچھ زیادہ جذباتی ہوگیا تھا' پتا نہیں آپ کو کیا کچھ کہہ دیا۔" وہ تاسف سے کہتا پلٹ گیا۔ عدینہ نے اسے جاتے دیکھا تو بے اختیار پکاری۔

"آئی ایم سوری۔" اب کی بار اس کا انداز لجاجت لیے ہوئے تھا۔ اشیر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے کہا نا آپ کو سوری کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"تم ناراض ہو کر جا رہے ہو۔" وہ کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر اس کے پاس آئی۔

"آپ سے ناراض ہو کر کہاں جاؤں گا۔" اشیر سادگی سے بولا۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"آپ سے ایک سوال پوچھوں۔" عدینہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' پھر تلخ انداز میں بولی۔

"پلیز کچھ مت پوچھنا' میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دے پاؤں گی۔"

اشیر خاموش سا ہوگیا' پھر کافی دیر بعد خاموشی توڑتے ہوئے بولا۔

"نہیں پوچھتا' مگر ایک بات ضرور کہوں گا۔ زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی موڑ پر ایسے ساتھی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس کے سامنے آپ اپنی زندگی کا ورق ورق کھول کر رکھ دو۔ اپنا سارا بوجھ اسے دان کردو۔ اگر آپ کو کبھی ایسے دوست' ایسے رازداں کی ضرورت پڑے تو مجھے پکار لیجیے گا۔" اتنا کہہ کر وہ رکا نہیں فوراً" پلٹ کر فلیٹ سے نکلتا چلا گیا۔ عدینہ نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی' پھر وہیں سے پلٹ کر زور سے چلائی۔

"نہیں ہے مجھے کوئی پچھتاوا۔ سنا تم نے مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے' نہ ہی میرے دل پر کوئی بوجھ ہے میں پاگل نہیں ہوں' میں نے کچھ نہیں کیا۔" زور' زور سے چلاتے ہوئے اس نے چیزیں اٹھا کر پھینکنا شروع کردیں۔ بہت دیر تک چیخنے کے بعد جب اس کا حلق سوکھ گیا تو وہ تھک کر زمین پر بیٹھ کر ہانپنے لگی۔ بہت دنوں بعد آج اسے یہ دورہ پڑا تھا' ورنہ اشیر سے ملاقات کے بعد تو اس کی ذہنی حالت کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔ وہ کمرہ جو اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے بہت محنت سے سجایا تھا۔ اب میدان جنگ کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تین دن ہوگئے تھے۔ اس دن کے واقعہ کے بعد اشیر اس سے نہیں ملا تھا۔ نہ گھر آیا تھا' اور نہ ہی پارک آرہا تھا۔ آج چوتھے دن عدینہ نے اس کے اپارٹمنٹ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ پہلی دفعہ اشیر کی طرف جا رہی تھی۔ اس لیے اس نے راستے میں رک کر پھول اور کیک خریدا تھا۔ اپارٹمنٹ ڈھونڈنے میں اسے کوئی پرابلم نہیں ہوا تھا۔ اشیر اسے کئی دفعہ آنے کی آفر کرچکا تھا' مگر عدینہ ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیتی تھی۔

بیل بجاتے ہوئے وہ خاصی نروس تھی۔ پتا نہیں اشیر وہاں تھا بھی یا نہیں۔ کافی دیر انتظار کے بعد بھی جب کسی نے دروازہ نہ کھولا تو عدینہ نے دوبارہ بیل بجانا چاہی۔ تبھی دروازہ کھل گیا۔ بیل بجانے کے لیے اٹھایا گیا اس کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ دروازہ کھولنے والی شخصیت عدینہ کے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ کبھی یوں بھی سامنا ہوسکتا ہے' یوں اچانک ملنے کی توقع تو شاید سامنے والی شخصیت کو بھی نہ تھی' تبھی تو وہ اسے اندر آنے کی آفر کرنے کی بجائے دروازے میں ہی ساکت کھڑا تھا۔ اشیر ابراہیم سے مل کر کئی بار اسے اس ایک شخصیت کا خیال آیا تھا۔ مگر وہ اسے صرف ناموں کی مماثلت سمجھ کر ٹال گئی تھی اور آج وہی حقیقت اس کے سامنے مجسم

www.pkdigest.com

کھڑی تھی۔ اشیر نے بھی تو کبھی اسے نہیں بتایا تھا۔ وہ جو اس کے متعلق سب جانتی تھی' پھر اتنی بڑی حقیقت سے بے خبر کیسے رہی۔

"عاشر ابراہیم۔" عدینہ کے لب پھڑپھڑائے۔ عاشر ابراہیم کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

"تو عدینہ ہاشم کو ہم یاد ہیں' ورنہ ہم تو سمجھ رہے تھے دیا جعفری جہاں ساری دنیا کو بھول گئی ہے' وہاں ہمیں بھی بھول گئی ہوگی۔" اس کے سادہ سے لہجے میں کہے گئے الفاظ نے عدینہ کے دل کو کتنی ٹھیس پہنچائی تھی وہی جانتی تھی۔ عدینہ کو کچھ سمجھ نہ آیا تو واپسی کے لیے مڑ گئی۔

"تم جتنا بھی مجھ سے دور بھاگ لو تمہیں واپس میرے پاس آنا ہے۔" عدینہ نے اپنے پیچھے اس کی آواز سنی تھی۔ عدینہ نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کردی۔ وہ بھاگ جانا چاہتی تھی ان سب سے دور' بہت دور۔ گھر جانے کو دل نہ چاہا تو پارک میں آبیٹھی۔

"تو وہ میرا وہم نہیں تھا۔ اشیر کی آواز' اس کا بولنا' اس کی مسکراہٹ' سب عاشر سے ملتا تھا' کیونکہ وہ اس کا بھائی تھا اور میں کتنی پاگل سمجھ ہی نہ سکی۔" کتنی ہی دیر خاموشی سے وہ وہاں بیٹھی خود سے الجھتی رہی۔ جب کوئی دوڑتے قدموں سے اس کے پاس آکر رکا۔

"آپ مجھ سے ملنے آئیں اور مجھ سے ملے بغیر واپس کیوں آگئیں۔" وہ اس کے پاس کھڑا پوچھ رہا تھا۔ عدینہ نے سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا' پھر سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ عاشر ابراہیم تمہارا بھائی ہے۔"

"وہ آپ اس وجہ سے واپس آگئی تھیں۔" وہ گہرا سانس لے کر وہیں بینچ پر بیٹھ گیا۔

"بھیا کا ذکر میں نے آپ کے سامنے اکثر کیا تھا۔ مگر کبھی خاص طور پر نام لے کر تعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں۔" اشیر نے اس کی بات اسے لوٹائی تھی۔ وہ بس زخمی سی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"عاشر ابراہیم سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟" اشیر نے اچانک ہی سوال کیا۔ عدینہ نے چونک کر اشیر کی طرف دیکھا۔ وہاں جواب لینے کی خواہش تھی۔ عدینہ نے ایک پل کو سوچا' پھر بولی تو اس کے لہجے میں کرب سا تھا۔

"عاشر ابراہیم کے ساتھ میرا کیا رشتہ ہے۔ یہ تو میں کبھی بھی نہ جان سکی۔ شاید محبت کا رشتہ یا شاید احساس کا رشتہ یا پھر روح کا رشتہ۔"

"آپ آج بھی عاشر ابراہیم سے محبت کرتی ہیں۔" اشیر کے سوال پر عدینہ دھیرے سے مسکرائی۔

"محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ کبھی جدائی کی تڑپ' کبھی ملن کی لگن اور کبھی کچھ کھو دینے کا درد لیے یہ ہمیشہ آپ کے دل میں بستی ہے۔" محبت عدینہ ہاشم کے لہجے میں کرلا رہی تھی۔

"اور کبھی خالی بنجر وجود کی عمارت میں یادوں کی گونج بن کر ہمیشہ کھوکھلی دیواروں سے سر ٹکراتی رہتی ہے' مگر یہ ختم نہیں ہوتی ہے۔"

☼ ☼ ☼

"رینا' اے رینا' کیا کر رہی اندر آکر کھانا کھالے' ٹھنڈا ہو جائے گا۔" وہ اماں کے سنگھار میز کے سامنے کھڑی کل اسکول میں کی جانے والی تقریر کی تیاری کر رہی تھی۔ جب چوتھی بار اماں نے پکارا۔

وہ جو زور' زور سے سنگھار میز پہ مکے مار کر جناب صدر اور میرے معزز اساتذہ کرام کے نعرے لگا رہی تھی۔ اماں کی آواز سن کر سخت بے زار ہوئی۔

"آرہی ہوں اماں۔" اس نے وہیں سے آواز لگائی' پھر تقریر والا پیپر سنبھال کر اپنے بیگ میں رکھا اور باہر نکل آئی۔ صحن میں پیلے بلب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ابا یقیناً" کھانا کھا چکے تھے' اور اب صحن میں رکھے ٹی وی پہ خبرنامہ سن رہے تھے۔ صحن میں پڑی چارپائی پہ اس کے چھوٹے تینوں بہن' بھائی اپنے اسکول کا کام کرنے میں مصروف تھا۔ وہ چپل گھسیٹتی کچن میں اماں کے پاس آبیٹھی۔

"رینا یہ تیرے اسکول میں پڑھائی نہیں ہوتی جو تو سارا وقت یہ بے کار کے کام کرتی رہتی ہے۔" اماں کے نزدیک اس کے سارے مشغلے ہی بے کار اور فالتو تھے۔ ابھی بھی وہ کھانا اس کے نزدیک رکھتے ہوئے اسے ٹوکنے لگیں' عدینہ نے قدرے بے زار ہو کر انہیں دیکھا' مگر بولی کچھ نہیں۔

ویسے بھی اسے جتنی ستائش اسکول میں کلاس فیلوز اور اساتذہ کی طرف سے ملتی تھی۔ اس کے سامنے بھلا یہ اماں کی روک ٹوک کیا معنی رکھتی تھی' پھر ابا کی طرف سے اسے مکمل آزادی تھی۔ ایسے میں اسے صرف ایک ہی بات سے مطلب تھا۔ عدینہ ہاشم بیسٹ ڈیبیٹر' بیسٹ کمپیئر' بیسٹ سنگر' اسے تو بس انعامات جیتنے تھے۔ سرٹیفکیٹ اکٹھے کرنے تھے۔ اس کے پاس اتنا ٹائم کہاں تھا کہ اماں کو اپنے بے کار کے مشاغل کی وضاحتیں دیتی پھرے۔ سو خاموشی سے کھانا کھائے گی اور اماں اس کی بے زاری پہ افسوس ہی کرتی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

آج عدینہ کا میٹرک کا رزلٹ آنا تھا۔ رات سے ہی اس نے ابا کو ان کے وعدے یاد دلانا شروع کیے ہوئے تھے۔ ابا نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے سائنس پڑھنے کی اجازت دے دیں گے اور شہر کے سب سے اچھے کالج میں ایڈمیشن دلا میں گے۔ اماں نے البتہ اس فیصلے پر کافی اعتراض کیے تھے اور ان کا پورا ارادہ تھا کہ ابا کو ان کے اس فیصلے سے حتی الامکان باز رکھنے کی کوشش بھی کریں گی۔ اس بات کی دھمکیاں وہ اکثر عدینہ کو دیا کرتی تھیں۔ مگر عدینہ نے بھی سوچ رکھا تھا کہ اگر اس کے میٹرک میں بہت اچھے نمبر آئے' جس کی اسے پوری امید تھی تو وہ ضرور ایف ایس سی کرے گی اور کسی بڑے اچھے کالج میں ایڈمیشن لے گی۔

رزلٹ کا پتا کرنے کے لیے اس نے گڈو کو بھیجا تھا۔ گڈو لٹکے ہوئے منہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو اس کی شکل دیکھ کر عدینہ روہانسی ہوگئی۔

"گڈو رزلٹ اچھا نہیں آیا۔" گڈو نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا' پھر منہ لٹکا لیا۔ اماں تو گڈو کو دیکھ کر ہی نہال ہوگئیں۔ ان کی تو دیرینہ خواہش تھی کہ رینا آگے نہ پڑھے' گھر بیٹھے تو وہ اسے گھرداری سکھائیں۔ لو تھا کی لو تھا ہوگئی ہے اور چائے بنانی نہیں آتی۔

"گڈو تو کچھ بولتا کیوں نہیں' کیا ہوا ہے؟" عدینہ نے پریشانی سے اسے جھنجوڑا' گڈو نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ اسے پکڑا دیا۔ عدینہ نے کاغذ کھولا اور اس کے منہ سے چیخ نکلی۔

"اماں' ابا میں پاس ہوگئی۔ میں ۔ فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوگئی۔" اس نے خوشی سے چلانا شروع کیا۔ ساتھ گڈو کو پیٹ ڈالا۔

"ڈرامے باز ڈرا کر رکھ دیا تھا تم نے مجھے۔"

ابا نے خوشی خوشی گلے لگا کر اسے انعام کے طور پر پیسے دیے۔ عدینہ نے فوراً" ہی انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا۔ ابا نے فوراً" ہی اقرار میں سر ہلا دیا' عدینہ تو نہال ہی ہوگئی۔

"تو نیک بخت آج تو اپنی رینا کے رزلٹ کی خوشی میں گڑ والا حلوہ بناؤ بھئی۔" ابا نے جھٹ سے فرمائش کی۔ اماں کے سمجھوار انوں پر اوس ہی پڑ گئی تھی۔

وہ جو رینا کو قابو کرنے کے پلان بنائے بیٹھی تھیں' سارے چوپٹ ہوگئے۔ انہیں تو ویسے ہی رینا کے اونچے اونچے خوابوں سے ڈر لگتا تھا۔ وہ ماں تھیں اور دیکھ رہی تھیں کہ ان کی بیٹی اونچی اڑان کی شوقین ہے اور انہیں ڈر تھا کہ وہ اس اونچی اڑان کے شوق میں نقصان نہ کر بیٹھے۔ مگر یہ بات وہ اپنے شوہر کو نہیں سمجھا سکتی تھیں' جسے بیٹی کو اعلا تعلیم دلانے کا شوق تھا۔ ایک بار اپنے اس خدشے کا اظہار انہوں نے شوہر کے سامنے کر بھی دیا اور وہ الٹا اس پر ہی چڑھ دوڑے۔

"نری جاہل کی جاہل ہی رہنا۔ اولاد پہ اعتماد کرنا سیکھ۔ نہ وہم پالا کر اور اپنی رینا تو اتنی سمجھ دار ہے۔" اور وہ انہیں کہہ ہی نہ سکیں کہ اسی سمجھ داری سے تو انہیں ڈر لگتا تھا۔

www.pkdigest.com

☼ ☼ ☼

عدینہ کا کالج میں ایڈمیشن ہوگیا تھا اور اس نے خوب شاپنگ بھی کی تھی۔ نیا یونیفارم، بیگ، شوز، فائل، نہ تو گھر میں پیسے کی کمی تھی اور نہ ہی ابا نے منع کیا تھا۔ اماں کے منع کرنے کو وہ کسی خاطر میں ہی نہ لاتی تھی۔ ابا کے مین بازار میں خوب چلتے ہوئے دو جنرل اسٹور تھے۔ ساتھ میں دو دکانیں بھی کرائے پر دی ہوئی تھیں۔ مگر اماں کو زیادہ فضول خرچی پسند نہ تھی۔ نہ ہی وہ اسراف کی قائل تھیں۔ ان کا بہت سادہ انداز زندگی تھا اور رینا کو اس بات پر ان سے اختلاف تھا۔

کالج میں بھی اس کی وہی مصروفیات تھیں۔ ذہین وہ بلا کی تھی اور قدرت نے آواز بھی بہت اچھی عطا کی تھی۔ اور پھر بولنے کا منفرد انداز۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ عدینہ ہاشم کے سامنے کوئی ٹھہر پاتا۔ کالج میں بھی اس نے کتنی ہی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑے تھے۔ اب تو بیٹھک میں پڑی شیلف میں اس کی شیلڈز اور ٹرافیوں کی جگہ بھی نہیں تھی۔ ابا اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہوتے تھے، جبکہ اماں کا بس نہ چلتا سب کچھ اکٹھا کر کے کسی کاٹھ کباڑ بیچنے والے کے حوالے کردیں۔

☼ ☼ ☼

"رینا کے ابا میں کہے دے رہی ہوں۔ یہ کہیں نہیں جارہی ہے۔ غضب خدا کا جوان جہان لڑکی یوں اکیلی منہ اٹھا کر لاہور چلی جائے اور دو دن وہاں پہ رہے۔ ارے کیا اندھیر مچا ہے۔ یہ لڑکی تو بالکل ہی آپے سے باہر ہوتی جارہی ہے۔" انٹر کالجیٹ ڈیبیٹ اور سنگنگ کمپیٹیشن کے لیے کالج کی طرف سے اسٹوڈنٹس کا گروپ لاہور جارہا تھا۔ اس کے لیے عدینہ نے ابا سے اجازت مانگی تھی۔ ابا تو سوچ میں پڑ گئے، جبکہ اماں کو تو سنتے ہی جلال آگیا۔

"اکیلی نہیں جارہی۔ میرے ساتھ آٹھ اور لڑکیاں اور ایک ٹیچر بھی جارہی ہیں۔" عدینہ نے چڑ کر کہا۔ اور پھر سے اجازت کے لیے ابا کی منتیں کرنے لگے۔ سچی بات تو یہ تھی کہ لاہور بھیجنے کو تو ان کا اپنا دل بھی نہیں مان رہا تھا۔ مگر وہ عدینہ کو انکار بھی تو نہیں کرسکتے تھے اسی لیے ابھی تک خاموش تھے۔

"دیکھو رینا تو یہ لاہور جانے کا خیال دل سے نکال دے۔ تجھے یہاں جو کرنا ہے کر، مگر لاہور جانے کی اجازت تجھے نہیں مل سکتی۔" اماں نے شوہر کی خاموشی سے شہ پاکر ایک بار پھر اسے وارننگ دی تھی۔

"ابا۔" عدینہ نے اماں کی کسی بھی دھمکی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بہت آس سے ابا کو پکارا۔ اسے پورا یقین تھا کہ ابا اس کی بات مان جائیں گے۔ ہاشم مراد نے اس کے پرامید چہرے پہ نظر ڈالی، پھر اپنی زوجہ محترمہ کی طرف دیکھا جو خشمگیں نگاہوں سے رینا کو گھورے جارہی تھیں، پھر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چل جیسے تیری خوشی، ہم تو تیری خوشی میں خوش ہیں۔" دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور باہر نکل گئے، عدینہ تو وہیں خوشی سے ناچنے لگی تھی۔ جبکہ اماں کا صدمے اور غصے سے برا حال تھا۔ زندگی میں کسی مرحلے، کسی فیصلے پہ ہاشم مراد نے ان سے اختلاف نہ کیا تھا۔ مگر عدینہ کے معاملے میں انہوں نے کبھی ان کی نہ سنی تھی۔

ہاشم مراد بھی کیا کرتے۔ اپنی ساری اولادوں میں عدینہ انہیں سب سے زیادہ پیاری تھی۔ بچپن سے ہی اپنی ماں کی نسبت ان کے زیادہ قریب تھی۔ ہر بات مانی تھی اس کی، ہر فرمائش پوری کی تھی اور اب تو جیسے عادت سی ہوگئی تھی، کبھی اس کی بات نہ مانتے تو بے چینی سی رہتی تھی۔ وہ اس کے چہرے پہ بکھرتی مایوسی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بے بس سے ہوجاتے تھے۔ اسے اتنی آزادی بھی انہوں نے اسی لیے دے رکھی تھی۔ اس کے اونچے خوابوں کو بھی جانتے تھے اور اس کی ماں کے واہموں سے بھی واقف تھے، مگر انہیں اعتماد تھا، اپنی اولاد پر، اپنی تربیت پر، اپنے پیار پر، یہ اعتبار ہی تو تھا جو وہ کبھی اپنی بیوی کے واہموں کو خاطر میں نہ لائے تھے۔

☼ ☼ ☼

آنے والے سالوں میں مزید کامیابیوں نے اس کے قدم چومے اور عدینہ ہاشم میڈیکل کالج میں پہنچ گئی۔ اماں نے اسے اب براہ راست ٹوکنا چھوڑ دیا تھا جو بھی تھا ابھی تک اس کی اڑان بڑی مثبت تھی۔ وہ خوابوں کے جو قلعے تعمیر کرتی تھی انہیں حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتی تھی۔ اماں نے اب اس کی کامیابیوں پہ خوشی محسوس کی تھی۔ ایک انجانا سا فخر وہ ان کے سب بچوں میں سب سے زیادہ ذہین اور لائق فائق تھی۔ ان کی دعا تھی کہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر کامیاب ہو، مگر اس کا جنون، اس کے ارادے اور اس کی آنکھوں سے چھلکتی وہ پرعزم سی چمک انہیں ہولاتی تو وہ بے اختیار ہی دعا کرتیں کہ اس کے جنون کو کبھی منفی رجحان نہ ملے۔ وہ جو اسے شہرت کا کچھ کر گزرنے کا جنون ہے وہ ہمیشہ مثبت رہے۔

دوسری طرف عدینہ ہاشم تھی جو اڑی اڑی پھر رہی تھی۔ اس کے سامنے ایک بالکل ہی نیا جہان کھلا تھا۔ وہ تو جیسے ایک نئے جہان کی سیر کررہی تھی۔ یہ دنیا اس کی چھوٹے سے شہر اور کالج کی دنیا سے بالکل مختلف تھی۔ شروع شروع میں اس کی حالت ایسی تھی جیسے میلے میں کھو جانے والے بچے کی ہوتی ہے۔ انجان اور اجنبی لوگوں کے میلے میں عدینہ ہاشم گم ہونے لگی تھی۔ وہ جو پرسنٹ ڈیبیٹر تھی جو اپنے سامنے کسی کو بولنے نہ دیتی تھی، یہاں اسے بولنا مشکل ہوگیا تھا۔

مگر وہ عدینہ ہاشم تھی جسے جنون تھا کہ سب اسے سنیں، اسے دیکھیں اور بس اسے ہی سراہیں، جسے صرف شہرت کی خواہش تھی۔ میڈیکل بھی اس کا جنون ہی تھا، کیونکہ ان کی برادری، محلے میں کہیں کوئی لیڈی ڈاکٹر نہ تھی۔ پھر بھلا وہ برداشت کرسکتی تھی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ میں یوں گم ہوجائے کہ اس کے ساتھ رہنے والے عدینہ ہاشم کو جانتے ہی نہ ہوں۔ صرف چند ہفتے اسے خود پر قابو پانے میں لگے تھے اور ایک دفعہ پھر عدینہ ہاشم منظر عام پر تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس دفعہ اس مقام پر پہنچنے میں اسے سیڑھی کا استعمال کرنا پڑا تھا اور وہ سیڑھی تھا عمر عادل۔

عدینہ ہاشم کو تو صرف عمر عادل کو اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا تھا اور ایسا اس کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا تھا۔ عمر عادل کو ذہانت اپنی طرف متوجہ کرتی تھی اور عدینہ ہاشم بے پناہ ذہین تھی۔ عدینہ ہاشم کو عمر عادل سے کوئی مطلب نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ اس کے لیے ایک سیڑھی تھا۔ عدینہ ہاشم نہیں جانتی تھی کہ یہ اس کا پستی کی طرف کا آغاز تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہارا اور عمر کا کیا چکر ہے۔" عدینہ، ارسہ کے ساتھ لیب میں کھڑی تھی جب ارسہ نے اچانک پوچھا۔ وہ جو انتہائی انہماک سے پریکٹیکل کرنے میں مصروف تھی چونک کر ارسہ کی طرف مڑی جو سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" عدینہ نے بھنویں اچکائیں۔

"مطلب تم دونوں جو ہر وقت ساتھ نظر آتے ہو، یہ کیا چکر ہے؟" عدینہ نے ایک لمحے کے لیے اسے غور سے دیکھا، پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تم کیا سمجھ رہی ہو؟ ہم صرف دوست ہیں۔" عدینہ نے لاپروائی سے کہا، پھر دوبارہ سے پریکٹیکل کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"اچھا مگر عمر کو دیکھ کر تو ایسا نہیں لگتا کہ تم دونوں محض دوست ہو۔" ارسہ کا انداز بہت معنی خیز تھا۔ وہ ٹیبل سے ٹیک لگا کر کھڑی اس کی طرف ہی متوجہ تھی۔

"تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو۔" عدینہ کا انداز ابھی بھی سنجیدگی لیے ہوئے نہیں تھا۔ ویسے بھی اسے سمجھ نہ آرہی تھی کہ ارسہ کو یوں اچانک عمر عادل اور اس کے تعلق پر بحث کرنے کا خیال کیوں آگیا تھا۔

"تم ایک ہفتے کے لیے گھر گئی ہوئی تھیں اور شاید

www.pkdigest.com

اسے بتا کر نہیں گئی تھیں۔ تمہارے بارے میں پوچھتا پھر رہا تھا اور اس کے لہجے اور انداز کی بے قراری سے مجھے لگا ہوا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں کچھ خاص فیلنگز رکھتا ہے۔" ارسہ معنی خیزی سے مسکرائی۔

"تمہارا وہم ہے' ورنہ میں اور عمر صرف اچھے دوست ہیں اور کچھ نہیں۔ محبت اور شادی جیسی خرافات کے بارے میں ابھی سوچا ہے نہ میری زندگی میں ان کی گنجائش ہے۔ مجھے ابھی اور بہت کچھ کرنا ہے ڈیئر۔" عدینہ نے وضاحت دی تھی' مگر ابھی بھی اس کی ساری توجہ پریکٹیکل کی طرف تھی۔ ان کے تھرڈ پروف کا اینڈ چل رہا تھا اور اچانک گھر چلے جانے کی وجہ سے عدینہ کافی لیکچرز اور پریکٹیکل مس کر چکی تھی۔

"وہم۔" ارسہ نے ہنکارا بھرا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے کہ یہ وہم صرف مجھے ہے۔ عمر تمہارے بارے میں خاص فیلنگز رکھتا ہے' سارے ڈیپارٹمنٹ بلکہ سارے کالج کو یہ بات پتا ہے۔ جس طرح وہ تم سے بات کرتا ہے تمہیں دیکھتا ہے' جتنا تمہارا خیال رکھتا ہے' مجھے کیا سب کو یہی لگتا ہے وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے اور مجھے تو لگتا تھا کہ تم بھی۔" کھل کر بولتے بولتے ارسہ نے اچانک ہی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔" اب کے عدینہ سب چھوڑ چھاڑ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"میں تمہیں کہہ رہی ہوں نا ایسا کچھ نہیں ہے میری عمر سے اچھی دوستی ہے اور بس اگر عمر کچھ اور سوچنے لگا ہے تو یہ عمر کی غلطی ہے۔ میں نے کبھی اس سے اس طرح کی بات نہیں کی اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ رکھتی ہوں۔"

"تو پھر تمہارا عمر کے ساتھ گھومنا پھرنا' وہ بے تکلفی' وہ اس کے ساتھ وقت گزارنا محض دوستی تھی' عدینہ وہ سب دوستی نہیں تھی۔ ہاں اگر تم نے اس کے ساتھ فلرٹ کیا ہے تو اور بات ہے۔"

"تم کیوں ایک بالکل ہی سادہ سی بات کو غلط رنگ دے رہی ہو۔" عدینہ کا لہجہ بہت سرد تھا۔ ارسہ نے ایک لمحہ کو ٹھٹک کر اسے دیکھا' پھر بولی تو صرف اتنا۔

"تم غلط کر رہی ہو عدینہ۔"

"میں غلط کر رہی ہوں نا تو تمہیں کیوں فکر ہو رہی ہے' تمہارے ساتھ تو نہیں کر رہی نا۔" بہت ہی سرد انداز میں جواب دے کر عدینہ دوبارہ پریکٹیکل کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ارسہ چند لمحے رک کر اسے دیکھتی رہی' پھر اپنی چیزیں سمیٹ کر لب سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

ارسہ سے بحث ہونے کے بعد وہ عمر سے کچھ دور رہنے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ اس کے اور عمر کے تعلق کو لے کر کالج میں بہت باتیں ہوتی ہیں' مگر جس طرح سے ارسہ نے اسے ٹوکا تھا وہ کچھ اور سوچنے لگی تھی۔ عمر عادل کی اب اسے ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ پہچان جو وہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ وہ حاصل کر چکی تھی۔ چاہے بات پڑھائی کی ہوتی یا غیر نصابی سرگرمیوں کی۔ عدینہ ہاشم کا نام سرفہرست تھا۔ آج کالج کا کوئی مباحثہ نہیں تھا۔ جس میں عدینہ ہاشم کی شرکت لازم نہ ہوتی اور پھر جہاں عدینہ ہاشم ہو وہاں کوئی اور ٹھہر سکے یہ ممکن نہ تھا' چاہے وہ کوئی اور عمر عادل ہی کیوں نہ ہو۔

اس نے آج یا کل عمر عادل سے پیچھا چھڑانا ہی تھا' پھر آج ہی کیوں نہیں۔ ویسے بھی عمر عادل اس کی منزل نہیں تھا۔ اس کی حیثیت بس ایک سنگ میل جیسی تھی۔ جسے پیچھے رہ جانا تھا اور اسے آگے نکل جانا تھا۔ ہر صورت' ہر حال میں' ابھی تو اس نے اڑنا ہی سیکھا تھا۔ بلندیوں کا سفر ابھی باقی تھا۔ پھر وہ اپنے پیروں میں محبت نامی زنجیر کیوں ڈالتی' راستے میں پڑاؤ کرنا بھلا کہاں کی دانشمندی تھی۔

انہی دنوں جب وہ عمر عادل سے بھاگتی پھر رہی تھی۔ اسے ایک کوئز پروگرام کے سلسلے میں ٹی وی اسٹیشن جانا پڑا تھا۔ اس کوئز پروگرام کے لیے بھی اس نے کتنا لڑ جھگڑ کر اجازت لی تھی۔ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ ابا نے اسے کسی بات سے منع کیا تھا اور اس قدر سختی سے منع کیا تھا۔ ابا نے اسے آزادی دی تھی' مگر اتنی آزادی

AKS PROCESS

دینے کے حق میں نہ تھے۔ ان کے خاندان میں آج تک کوئی یوں دوسرے شہر پڑھنے نہ گیا تھا۔ کجا کہ لڑکوں کے ساتھ پڑھنا۔ ابا نے اسے پڑھنے کی اجازت بخوشی دی تھی مگر ان کے خاندان سے آج تک کوئی ٹی وی اسٹیشن نہیں گیا تھا اور ابا کو اس کے جانے پر بھی اعتراض تھا۔ ابا کے خیال میں لڑکیوں کے لیے اتنی آزادی بہت تھی جو انہوں نے دے رکھی تھی، مگر عدینہ ہاشم کے خیال میں آزادی اس کا حق تھی اور اسے وہ سب کرنا تھا جو وہ کرنا چاہتی تھی۔

اس کے لیے اس نے پہلی دفعہ ابا سے بحث کی تھی اور بہت پرزور بحث کی تھی۔ پہلی دفعہ ابا نے اس کے لہجے میں ضد محسوس کی تھی۔ سب کچھ کر گزرنے کی ضد۔ پہلی دفعہ ان کے دل کو ان واہموں نے گھیرا تھا۔ جو برسوں سے اماں کے دل کو گھیرے رکھتے تھے۔ انہیں لگا تھا جیسے انہوں نے عدینہ کو اس قدر آزادی دے کر اس کی ہر بات مان کر کچھ غلط کیا ہے۔

کچھ سوچ کر انہوں نے عدینہ کو اجازت دے دی تھی۔ مگر انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عدینہ سے بات کریں گے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ وہ کیا سوچتی ہے اور مستقبل میں کیا کرنا چاہتی ہے۔ وہ جو اسے جاننے کا سب سے زیادہ دعوا کرتے تھے، اب اس کے دل کا حال جاننے کے لیے بے چین تھے۔ اس کی بڑھتی ہوئی خواہشوں نے انہیں فکرمند کر ڈالا تھا۔ اس کے جنون سے انہیں خوف آنے لگا تھا۔ وہ خوف جو اماں کو کئی سالوں سے گھیرے ہوئے تھے۔ مگر انہیں کیا پتا کہ اب فیصلے کا اختیار ان کے پاس نہ رہا تھا۔

ٹی وی اسٹیشن میں ہی عدینہ کی ملاقات نمال صادق سے ہوئی تھی۔ نمال صادق جو نئی آوازوں کو متعارف کروانے کے لیے مشہور تھا۔ ایک بہت ہی معروف میوزک ڈائریکٹر اور پروڈیوسر، چند منٹوں کی ملاقات میں ہی نمال صادق کو اندازہ ہو گیا تھا کہ عدینہ ہاشم ایک بہت ہی خوبصورت آواز کی مالک تھی۔ نمال نے آج تک بہت آوازوں کو سنا تھا۔ تراشا تھا، مگر اتنی خوبصورت آواز اس نے کم ہی سنی تھی۔ اتنی مترنم آواز بھلا اس جیسا جوہری جو ہیروں کو تراشتا تھا وہ کیسے نہ جان سکتا تھا کہ اگر ذرا سی بھی توجہ دی جائے تو یہ آواز موسیقی کی دنیا میں تہلکہ مچا سکتی ہے۔

اس لیے نمال صادق اس کوئز پروگرام کی ریکارڈنگ کے بعد خاص طور پر عدینہ ہاشم سے ملا تھا اور اسے اپنا کارڈ دیتے ہوئے اپنا مدعا کہا تھا۔ عدینہ ہاشم کے تاثرات نے اسے باور کروایا تھا کہ اس کی آواز ہی نہیں، اس کی شخصیت بھی منفرد تھی۔ نمال صادق کا نام ایسا نہ تھا کہ نظرانداز کیا جا سکتا اور اس کی نظرِ کرم کے تو بڑے بڑے گلوکار تمنائی تھے۔ جبکہ عدینہ ہاشم کے انداز میں اس قدر بے نیازی تھی جیسے اس کے نزدیک نمال کی آفر کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

بہت عرصہ بعد ایسا ہوا تھا کہ نمال کو کسی آواز نے یوں متوجہ کیا ہو اور بہت عرصہ بعد ایسا ہوا تھا کہ نمال صادق کو کسی لڑکی میں انفرادیت نظر آئی تھی۔ عدینہ کی بے نیازی اسے دوسری لڑکیوں سے منفرد بناتی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش میں ایک غرور سا تھا۔ اس کی ستواں ناک، اس کی آنکھیں اس کے غرور میں اضافہ کرتی تھیں۔

عدینہ کے ساتھ ہونے والی چند لمحوں کی ملاقات نے اسے کتنے ہی دنوں سحور کیے رکھا تھا۔ وہ کتنے ہی دن اپنے اردگرد موجود لڑکیوں سے اس کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"عدینہ تمہارا پروگرام کیسا رہا۔" وہ اور ارسہ لان میں بیٹھی جنرل بنا رہی تھیں۔ جب ارسہ نے اس سے کل کے پروگرام کے بارے میں پوچھا تھا۔

"اچھا۔ آف کورس یار ہماری ٹیم جیتی ہے تو اس کا مطلب اچھا ہوا تھا۔" عدینہ نے جنرل سے سر اٹھائے بغیر اسے جواب دیا۔

"آن ایر کب آئے گا؟" ارسہ پین رکھ کر انگلیاں دباتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"چھبیس تاریخ کو۔" عدینہ کا ہاتھ ابھی بھی تیزی سے چل رہا تھا۔ ارسہ تھک چکی تھی، سو درخت سے ٹیک لگاتے ہوئے بیگ سے چیونگم نکالیں۔ ایک عدینہ کی طرف پھینکتے ہوئے دوسری کا ریپر کھولا۔

"تم نے آج کل عمر عادل سے ملنا چھوڑ دیا ہے کیا؟"

"ہوں۔ کوئی میرے اور عمر کے تعلق کا غلط مطلب لے، اس سے بہتر ہے کہ میں اس سے تعلق ختم کر لوں۔" عدینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو چیونگم چباتے ہوئے ادھر ادھر کے نظارے کر رہی تھی۔

"چاہے وہ کوئی عمر عادل ہی کیوں نہ ہو۔" ارسہ نے سامنے سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

"کیا ہم کسی اور ٹاپک پر بات نہیں کر سکتے۔" عدینہ نے بے دلی سے اسے ٹوکا، پھر کچھ یاد آتے ہوئے کہنے لگی۔

"مجھے ٹی وی اسٹیشن میں ریکارڈنگ کے دوران ایک صاحب ملے تھے، کہہ رہے تھے مجھے گانا چاہیے، میری آواز بہت اچھی ہے۔ اگر میں ذرا سی محنت کروں تو میں بہت بڑی گلوکارہ بن سکتی ہوں۔"

عدینہ بات کے اختتام پر ہنسی تھی۔

"اچھا ایسا کون تھا جو ہماری مینا کو سر اور تال کا بتا رہا تھا۔" ارسہ نے اسے چھیڑا۔

"نمال صادق نام تھا۔" عدینہ نے ادھر ادھر بکھرے کاغذ سمیٹے۔

"واٹ۔" ارسہ چیخی۔

"تم جانتی ہو وہ کتنا مشہور میوزک ڈائریکٹر ہے، اور کتنی ہی نئی آوازوں کو انٹروڈیوس کروا چکا ہے۔ لوگ تو اس کی توجہ کے لیے ترستے ہیں اور اس نے خود تجھے آفر کی، آئی کانٹ بلیو اٹ۔" ارسہ کو تو یقین ہی نہ آ رہا تھا۔ عدینہ کچھ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

نمال صادق سے ہونے والی پہلی ملاقات نے اس پر کچھ خاص تاثر نہ چھوڑا تھا، کیونکہ وہ اسے جانتی نہ تھی۔ وہ کبھی کبھار کالج کے کسی فنکشن میں گا لیتی تھی۔ مگر اسے موسیقی کا شوق تھا نہ ہی موسیقی کے متعلق زیادہ معلومات، سو نمال صادق سے بھی وہ اپنے مخصوص لاپروا انداز سے ملی تھی۔

"تم نے فوراً ہاں کر دی ہوگی۔" ارسہ نے پوچھا تو وہ حیرانی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں نے مگر میں تو اسے جانتی ہی نہیں تھی۔ میں نے تو اس سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کی تھی۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"اور ویسے بھی مجھے ایک کوئز پروگرام کی پرمیشن تو اتنی مشکل سے ملی ہے اور سنگنگ نو وے یار۔ ابا تو مجھے جان سے ہی مار ڈالیں گے۔" عدینہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور اپنی فائل اور بیگ اٹھا کر جانے کے لیے اٹھی۔

"یہ ایک بہت ہی اچھا چانس ہے اور میرے خیال میں تو تمہیں اسے کھونا نہیں چاہیے زندگی میں ایسے موقع کم ہی ملتے ہیں۔ تمہیں یہ موقع ضرور Avaul کرنا چاہیے۔ نمال صادق تو کسی کو بھی زمین سے اٹھا کر راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے۔" ارسہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے مسلسل بول رہی تھی۔ عدینہ بے توجہی سے سنتی رہی۔ ارسہ ایک بہت ہی امیر اور آزاد خیال فیملی سے تعلق رکھتی تھی، جبکہ عدینہ جانتی تھی اسے کبھی بھی اپنی فیملی سے اجازت مل سکتی تھی اور نہ ہی اس کا اپنا ایسا کوئی ارادہ تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ نہیں جانتی تھی۔ تقدیر نے اس کے لیے کچھ اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ تین ماہ بعد جب وہ تقریباً بھول ہی چکی تھی نمال صادق خود ہی اس سے ملنے چلا آیا تھا۔ عدینہ کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے، جبکہ ارسہ تو اتنی ایکسائٹڈ ہو گئی۔ پھر سارا وقت ارسہ ہی بات کرتی رہی، وہ خاموش ہی رہی، اگر نمال صادق کچھ پوچھ لیتا تو جواب دے دیتی۔ کبھی تو جب وہ جانے لگا تو بولا۔

"عدینہ ہاشم جیسا میں نے تمہارے بارے میں سوچا تھا۔ تم اس سے بہت مختلف ہو۔" وہ جو اس کی

www.pkdigest.com

بے تکلفی پہ حیران ہو رہی تھی تو اس کے فقرے پہ الجھ ہی گئی۔

"کیا مطلب۔"

"میں نے عدینہ ہاشم کو ایک بہت پُراعتماد اور کسی حد تک مغرور سی لڑکی کے طور پر سوچا تھا۔ مگر تم تو بہت ہی کم گو اور شرمیلی سی ہو۔" نہال نے بے تکلفی سے کہنے دیا تو ارسہ ہنسنے لگی۔

"آپ نے اسے بولتے نہیں سنا' ورنہ یہ نہ کہتے۔ یہ تو اچھے اچھوں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔ ہمارے کالج کی بیسٹ ڈیبیٹر ہے۔"

"اور میں اسے بولتے سننا چاہوں گا۔" نہال نے بے اختیار کہا تھا۔ عدینہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اسے نہ تو اس شخص کی سمجھ آ رہی تھی کہ یہ کیوں اس کے پیچھے پڑ گیا ہے اور نہ ہی اس کی ایسی کوئی خواہش تھی۔"

"مس عدینہ آپ نے شاید ہماری آفر پر غور نہیں کیا۔" اس نے جاتے جاتے یاد دہانی کروائی تو عدینہ نے فوراً کہا۔

"میں نے غور کرنا بھی نہیں۔" ارسہ نے اسے گھورا مگر اسے مطلق پروا نہ تھی۔

"سوری میرا گانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس کی بات پہ نہال دھیرے سے مسکرایا۔

"سوچ لیں مس' فیصلے یوں نہیں کیے جاتے۔ آپ شاید واقف نہیں کہ آپ کی آواز کتنی خوبصورت ہے اور آپ کی آواز آپ کو شہرت کی کن بلندیوں تک لے جا سکتی ہے۔" نہال کی بات کے جواب میں وہ کچھ نہ بولی۔

"سر میں بھی اسے یہی سمجھا رہی تھی کہ ایسے موقع بار بار نہیں ملتے' مگر یہ محترمہ ہیں کہ کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتیں۔" ارسہ کچھ زیادہ ہی بے تکلفی کا مظاہرہ کرنے پہ تلی تھی' جبکہ نہال عدینہ کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پہ وہی ازلی بے نیازی تھی اور پتا نہیں کیوں یہ چہرہ اسے اپنی طرف کھینچتا تھا۔ ورنہ نہال صادق جیسا مغرور بندہ جو کسی کو ذرا سی بھی لفٹ کروانے کو تیار نہ تھا' اب جیسے کچے دھاگے سے بندھا چلا آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عدینہ نے نہال صادق کو اس وقت تو انکار کر دیا تھا۔ مگر خود وہ اپنی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر سنجیدگی سے سوچنے لگی تھی۔ بنیادی طور پر وہ شہرت پرست تھی' اور ہر وہ کام جس میں اسے شہرت ملے وہ کرنے کو تیار تھی۔ نہال صادق نے اسے جو آفر کی تھی۔ وہ اگر سچ تھی تو اسے راتوں رات شہرت مل سکتی تھی۔ اس وقت بھی وہ کھڑکی میں کھڑی سامنے آسمان پہ چمکتے پورے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ رات کے ساتھ سفر کرتا چاند' وہ ان لوگوں میں سے تھی جو چاند کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لینا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ جو دلوں پہ نہیں دنیا پہ حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی چاند کو اپنی ہتھیلیوں میں سمونا چاہتی تھی۔ چاہے اس کی ٹھنڈی روشنی اس کی ہتھیلیوں کو جلا دے۔

وہ جانتی تھی یہ آسان نہیں۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بلندیوں کے سفر میں بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ بہت سی قربانیاں دینا پڑتی ہیں اور وہ عدینہ ہاشم تھی جو اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی دینے کو تیار تھی اور اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ نہال صادق کو مثبت جواب ضرور دے گی' وہ ایک دفعہ ضرور اپنی قسمت آزمائے گی' حالانکہ وہ جانتی یہ آسان نہیں تھا' مگر یہ ناممکن بھی تو نہیں تھا۔ کیونکہ ناممکن کا لفظ عدینہ ہاشم کی لغت میں نہیں تھا۔ جو وہ ایک بار ٹھان لیتی وہ ضرور پورا کرتی تھی۔

عدینہ نے کھڑکی کے پار چاند کو دیکھا' وہ اپنا آدھا سفر مکمل کر کے آسمان پر پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرائی' پھر کھڑکی بند کر کے بستر پر چلی آئی' چاند کی کرنیں کھڑکی سے ٹکرائیں اور واپس پلٹ گئیں۔

"پاگل لڑکی آدھے سفر کو مکمل سمجھتی تھی۔ نہیں جانتی تھی کہ ہر عروج کو زوال ہے' اور زوال کا سفر کتنا کٹھن ہوتا ہے۔ اسے علم نہ تھا۔

پاگل لڑکی۔" چاند دھیرے سے مسکرایا اور اپنا واپسی کا سفر شروع کیا۔

☼ ☼ ☼

وہ ویک اینڈ پر گھر آئی تھی اور سوچ کر آئی تھی کہ موقع ملتے ہی ابا سے اس بارے میں بات ضرور کرے گی۔ مگر ابا تو اس کی پوری بات سنے بغیر ہی چلا اٹھے تھے' اور یہ اس کی زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ ابا اس پہ اتنی بری طرح برسے تھے۔ اماں سمیت سب چپ چاپ ابا کو اونچی آواز میں بولتے سنتے رہے۔ ان میں سے کوئی اس کے حق میں نہیں بولا تھا۔ اس بات کا اندازہ عدینہ کو تھا کہ کوئی اسے فیور نہیں کرے گا۔ ابا کی ناراضی کا اندازہ بھی تھا' مگر عدینہ کو اعتماد تھا کہ انہیں وہ منا لے گی۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ ابا کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا اور عدینہ بجائے پسپائی کے ہٹ دھرمی پر آمادہ تھی۔ بچپن سے آج تک اس نے ہر بات منوائی تھی تو پھر آج کیسے وہ ہار جاتی۔

"تمہارے ذہن میں ایسا خیال آیا بھی کیسے۔ میں اگر تمہاری ہر بات مانتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔ اسکول' کالج تک اس طرح کی سرگرمیوں سے تم لوگوں کو کبھی منع نہیں کیا کہ یہ تم لوگوں کا شوق ہے۔ مگر باقاعدہ یہ مراثیوں والے کام کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ پہلے ہی سارے خاندان کی مخالفت مول لے کر میں تم لوگوں کو لڑکوں کے ساتھ پڑھا رہا ہوں کہ یہ آج کے دور کی ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں مادر پدر آزاد ہو گیا ہوں اور تم لوگ جو دل میں آئے کرتے پھرو۔" ہاشم مراد بولتے بولتے تھک گئے تو وہیں صحن میں پڑی چارپائی پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔ عدینہ جواب تک خاموش بیٹھی تھی' کھڑی ہوئی ایک نظر خاموش تماشائی بنے اپنے بہن بھائیوں اور ماں پر ڈالی۔

"آپ نے ہمیں آزادی دی ہے۔ اب ہمیں اپنے فیصلے خود کرنے کا اختیار بھی دے دیں' میں نے سوچا ہے کہ میں یہ موقع نہیں گنواؤں گی۔ اگر آپ مجھے روکنے کی کوشش کریں گی' تب بھی نہیں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں۔ سب کو وہیں ساکت و جامد چھوڑ کر خود اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"کہا بھی تھا ہاشم مراد نہ مانو اس کی اتنی جتنے اونچے خواب وہ دیکھتی تھی اس کا انجام اچھا کہاں ہونا تھا۔ مگر تم نے میری ایک نہ سنی۔" کافی دیر بعد اماں کی تھکی تھکی آواز ابھری۔ ہاشم مراد تو عدینہ کے لہجے میں رچی خودسری کو محسوس کر کے ہی ڈھے گئے تھے۔ کیا کہتے بھلا۔ وہ چاروں ایک دوسرے سے نظریں چراتے ادھر ادھر ہو گئے جیسے مجرم عدینہ نہیں بلکہ وہ سب ہوں۔

وہ ساری رات ہاشم مراد اور رضیہ بیگم نے آنکھوں میں کاٹی تھی' کروٹیں بدلتے اور ایک دوسرے سے نظریں چراتے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ آنے والا وقت ان کے لیے کیا آزمائش لانے والا ہے' مگر وہ جانتے تھے کہ جو بھی ہونے والا ہے وہ اسے روکنے پر قادر نہ تھے۔ ہاشم مراد چاہتے تو ـــــ عدینہ پر سختی کر سکتے تھے۔ اسے روکتے ـــ اسے واپس لاہور نہ جانے دیتے' اس کی پڑھائی رکوا دیتے' مگر کیسے؟ عدینہ بچی نہ تھی کہ وہ اسے پکڑ کر کمرے میں بند کر دیتے۔ سارے خاندان سے مخالفت مول لے کر اسے پڑھائی کے لیے لاہور بھیجا تھا۔ کیا منہ دکھاتے وہ سارے خاندان کو اور وہ سارے خاندان کی باتیں سہہ بھی جاتے' اگر جو عدینہ پہ اتنی سختی کرتا ان کے بس میں ہوتا۔ آج جو انہوں نے عدینہ کے ساتھ اتنی سختی سے بات کی تھی وہ بھی بہت مجبور ہو کر کی تھی۔ عدینہ نہیں جانتی تھی' مگر وہ جانتے تھے کہ جس راستے کا وہ انتخاب کرنے جا رہی ہے وہ صرف تباہی کی طرف لے کر جاتا ہے' وہ اسے روکنا چاہتے تھے' مگر کیسے؟ یہ سوچ کر ان کا سر پھٹا جا رہا تھا۔

رضیہ بیگم ساری رات بے بسی سے اپنے شوہر کو بے چینی سے کروٹیں لیتا دیکھتی رہیں۔ مگر خاموش آنسو بہانے کے سوا وہ کچھ نہ کر سکتی تھیں۔ ساری عمر نہ شوہر نے اور نہ ہی اولاد نے اتنا حق' اتنا اختیار دیا تھا کہ وہ ان سے کچھ منوا سکتیں۔ انہیں کچھ سمجھا

www.pdfdigest.com

سکتیں، پھر بھی عدینہ کو سمجھانے کی انہوں نے اپنی سی کوشش کی تھی۔

"رینا، بچے ہر خواب کی تعبیر اتنی خوبصورت نہیں ہوتی جتنا ہم سوچتے ہیں۔ بلندیوں کا حصول کبھی کبھی انسان کو اس زور سے منہ کے بل گراتا ہے کہ انسان پھر ساری عمر اٹھ نہیں سکتا۔ ہم تیرے ماں باپ ہیں بچے اور ہم کبھی تیرا برا نہیں چاہیں گے۔ نہ تیرے ساتھ برا کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر بچہ آگ کے گولے کو چاند سمجھ کر ہاتھ میں لینا چاہے تو یقیناً" والدین اسے روکیں گے۔ رینا بچے میں جانتی ہوں میں ان پڑھ ہوں، مگر دنیا میں نے دیکھی ہے اور جو تو کرنے جا رہی ہے وہ تیرے مقدر میں ستارہ بن کر نہیں چمکے گا، بلکہ تیرے بخت میں گھور سیاہی بھر دے گا۔ یہ ہم جیسے شریفوں کے کرنے کے کام نہیں ہیں۔ تیرا باپ تجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ تو اس کی محبت کا خیال کر اور اپنے دل سے یہ خیال نکال دے۔" اماں بے اختیار رونے لگی تھیں اور وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ انہیں روتا چھوڑ کر اٹھ گئی۔

پھر اگلے دن وہ ابا کی ناراضی کی پروا کیے بغیر ہی لاہور واپس چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

لاہور آتے ہی اس کی ملاقات نمال صادق سے ہو گئی۔ وہ اور ارسہ ایک مشاعرہ سننے آئی تھیں۔ نمال صادق بھی وہیں آیا ہوا تھا۔

"کہاں تھیں آپ۔" اس کے لہجے میں بے تابی تھی۔ عدینہ نے بغور اسے دیکھا۔ کیسی ساحر آنکھیں، کتنا سحر طاری کر دینے والا انداز تھا اس کا کہ سامنے والا مدہوش ہو جائے، مگر وہ عدینہ ہاشم تھی۔ جس کا شمار مدہوش ہونے والوں میں نہیں مدہوش کر دینے والوں میں ہوتا تھا جو خود مقابل کو چاروں شانے چت ہو جانے پر مجبور کر دیتی۔

"میں کچھ دنوں کے لیے گھر گئی ہوئی تھی۔" عدینہ کے انداز میں گرم جوشی مفقود تھی، مگر مقابل شاید بہت ڈھیٹ تھا۔

"گھر میں سب خیریت سے ہے؟"

"جی الحمدللہ۔" عدینہ — زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر بولی۔

"مانا کہ مس عدینہ انتظار کی عادت ہے ہمیں، مگر اتنا انتظار کروانا اچھا نہیں ہوتا۔" نمال صادق نے کہا تو وہ کچھ بے توجہی سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیسا انتظار۔" اب کے نمال نے اس کی بے توجہی کو بھرپور طریقے سے محسوس کیا۔ یہ پہلی لڑکی تھی۔ جس کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ ورنہ وہ تو لڑکیوں میں راجہ اندر بنا پھرتا تھا۔

"میں نے کچھ دن پہلے شاید آپ کو ایک آفر کی تھی اور اس کا جواب آپ نے نہیں دیا۔" نمال صادق نے اسے جیسے یاد دلایا۔

"مگر میں تو اس کا جواب دے چکی ہوں۔" عدینہ نے بے نیازی سے کام لیا۔ جتنا وہ اس شخص سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی یہ اتنا ہی لسوڑا بنتا جا رہا تھا۔

"اور میں نے آپ کو ایک بار پھر سوچنے کے لیے کہا تھا۔" عدینہ نے بے زاری سے اس شخص کی طرف دیکھا، عجیب ڈھیٹ شخص تھا، جتنا وہ بے زاری کا اظہار کر رہی تھی وہ اتنا ہی مشتاق ہو رہا تھا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کے سوچنے کا انجام کیا نکلا تھا۔ اسے تو صرف اس کی سوچ پہ ہی مجرم تصور کر لیا گیا تھا۔

"کیا ہوا کہاں کھو گئیں۔" نمال نے پکارا تو وہ چونکی، پھر ایک دم ہی جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے نمال صاحب مجھے آپ کی آفر منظور ہے۔"

"کیا؟" نمال کو یقین ہی نہ آیا۔ جس بات کے لیے وہ انسٹ کر رہا تھا، وہ یوں اچانک راضی ہو جائے گی یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔

"اگر آپ کہیں تو میں اپنا فیصلہ واپس لے لیتی ہوں۔" اس کا لہجہ ابھی بھی ہلکی سی بے زاری لیے ہوئے تھا۔

"نہیں نہیں پلیز۔" نمال نے جلدی سے کہتے

ہوئے اپنی جیکٹ کی جیب سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ میرا کارڈ ہے۔ آپ کل شام پانچ بجے یہاں آئیے گا، پھر تفصیل سے بات ہو گی۔"

"اوکے۔" عدینہ نے کارڈ اس کے ہاتھ سے لیا اور آگے بڑھ گئی۔

نمال صادق اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ کیا تھی، وہ نہیں جانتا تھا، مگر اس میں کوئی بات ایسی ضرور تھی جس نے نمال صادق کو اس کے مقام اور مزاج سے بہت نیچے آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"عدینہ، عدینہ پلیز لسن ٹو می۔" آج وہ بہت دنوں بعد وہ عمر عادل کو تنہا ملی تھی، ورنہ تو جیسے عمر عادل سے چھپتی پھر رہی تھی۔ کہاں تو یہ حال تھا کہ جہاں عمر عادل ہوتا وہاں عدینہ ہاشم کا ہونا لازم تھا۔ اور اب جہاں عمر عادل کے ہونے کا بھی امکان ہوتا وہاں عدینہ ہاشم کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس کے پہلے گانے کی ریکارڈنگ ہو چکی تھی۔ ارسہ کی بدولت عدینہ کالج کی سیلیبرٹی تو بن ہی چکی تھی۔ بھلا اتنی بڑی بات اور ارسہ کو ہضم ہو جائے ناممکن۔ اس کا گانا آن ایئر نہیں آیا تھا۔ مگر عدینہ کو یقین تھا کہ گانا ضرور ہٹ ہو گا۔

"تم کیوں مجھ سے بھاگتی پھر رہی ہو عدینہ۔" عمر عادل نے اس کا راستہ روکا۔

"میں تم سے کیوں بھاگوں گی میں نے ایسا کیا غلط کیا ہے، جو تم سے بھاگوں۔" عدینہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ آخر کبھی نہ کبھی تو اسے عمر عادل کو فیس کرنا ہی تھا تو پھر ابھی کیوں نہیں۔

"یہ تم جانتی ہو کہ تم نے کیا غلط کیا ہے۔ اگر غلط نہیں کیا تو پھر اتنے دن سے تم کیوں مجھ سے نہیں مل رہیں، نہ مجھ سے فون پر بات کر رہی ہو۔" عمر نے اس سے استفسار کیا اور اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مگر وہ عمر کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ اسی لیے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"میں کچھ مصروف تھی اس لیے تم سے نہ مل سکی۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو۔ پہلے تو تم تمام مصروفیات کے باوجود مجھ سے نا صرف روز ملتی بھی تھیں اور فون پر بات بھی کرتی تھیں، اب ایسی کون سی مصروفیت ہو گئی ہے کہ تمہیں مجھ سے ملنے کا ٹائم نہیں ملا۔" اس کے جواب پہ عمر نے طنز کیا۔

"عمر میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔" عدینہ کا انداز ناگواری لیے ہوئے تھا اب وہ ہر صورت عمر سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

"لیکن میں تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر اچانک ایسا کیا ہو گیا ہے، جو تم اس طرح کر رہی ہو۔ مجھے تمہارے اس رویے کی وجہ جاننا ہے۔" عمر نے حتمی انداز میں بہت سنجیدگی سے کہا تو اس نے بھی ٹال مٹول کرنے کی بجائے واضح انداز میں بات کرنے کی ٹھانی۔

"تم اتنے بچے نہیں، جو یہ نہ جان سکو کہ میں ایسا کیوں کر رہی ہوں۔"

"صحیح کہا تم نے میں بچہ نہیں ہوں اور تمہارے رویے کی وجہ بھی جانتا ہوں، مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں کہ میرا دل جو نادان بچے کی طرح ضد پہ اڑا ہے، جو کسی بہلاوے سے نہیں بہلتا وہ سنبھل جائے۔" وہ عمر عادل جو ایک مجسمے کے سامنے بولتا تھا اور لوگ اسے پورے دل سے سنتے تھے۔ آج ایک ہارے ہوئے جواری کی مانند اس کے سامنے تھا۔

"اپنے دل کو سمجھاؤ عمر کہ وہ نادان بچے کی طرح چاند سے کھیلنے کی خواہش نہ کرے۔ مجھے تم سے کبھی محبت نہیں رہی، نہ ہی میں نے تم سے کسی قسم کے وعدے کیے تھے اور نہ ہی محبت کی قسمیں کھائی تھیں کہ تم اس قدر غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ آخر تمہیں میرے رویے سے کب ایسا لگا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" عدینہ نے سفاکی سے اسے آئینہ دکھایا۔

"تم لڑکوں سے اگر ہنس کر دو باتیں کر لی جائیں تو تم

www.pkdigest.com

لوگ پتا نہیں کیا سمجھ لیتے ہو۔ مگر تم عمر عادل تم سے مجھے یہ توقع نہ تھی۔ میں نے تمہیں اپنا دوست مانا تھا اور تم، تم بھی ان عام سے لڑکوں جیسے نکلے۔" عدینہ نے بڑے آرام سے سارا الزام عمر کے سر تھوپ دیا۔ وہ بولتی چلی گئی' ایک لمحے کے لیے بھی یہ دھیان دیے بغیر کہ اس کے الفاظ سامنے کھڑے انسان کے دل پہ کیا اثر کر رہے ہیں۔

"ٹھیک کہا تم نے عدینہ ہاشم غلطی ساری میری ہی تھی۔ میں ان لڑکوں کی طرح عام سا نکلا جو ہیرے اور پتھر میں فرق نہیں پہچان سکتے۔ جسے میں سب سے الگ سمجھا تھا۔ سب سے مختلف وہ لڑکی تو در اصل بہت عام سی تھی۔ ان لڑکیوں جیسی جو یونیورسٹی میں ٹائم پاس کے لیے لڑکوں سے دوستیاں کرتی اور ان کے جذبات سے کھیلتی ہیں۔ غلطی میری ہی تھی' جو میں تم سے محبت کرنے کی بھول کر بیٹھا۔" عمر نے بہت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے جواب دیا اور ایک نفرت بھری نگاہ اس پہ ڈال کر پلٹ گیا۔ عدینہ کتنی ہی دیر چپ چاپ کھڑی رہی۔ وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ ابھی بھی وہ اس کے سامنے گڑگڑائے گا' اپنی محبت کی بھیک مانگے گا تو یقیناً "یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ وہ عمر عادل تھا اور عمر عادل یقیناً" کوئی عام سا انسان نہیں تھا' جبھی اسے وہیں کھڑے کھڑے ہی جواب دے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عدینہ کا پہلا گانا آن ایئر ہو گیا تھا اور کافی ہٹ گیا تھا۔ نہال صادق کے توسط سے ہی اسے فلموں میں گانے کی آفرز بھی ملی تھیں۔ وہ اڑان جو عدینہ کی خواہش تھی۔ زندگی میں سب تبدیل ہو گیا تھا۔ عدینہ ہاشم اس اڑان کے لیے پر کھول چکی تھی۔ اماں' ابا کی ناراضی' گھر سے لگائی جانے والی پابندی' اسے سب بھول چکا تھا۔ وہ کیا تھی' وہ وہاں کیا کرنے آئی تھی اسے کچھ یاد نہ تھا۔ اس کا گانا ٹی وی پر چلا تھا اور ایک ہفتہ بعد ہی ابا اس سے ملنے ہاسٹل آئے تھے ٹوٹے ہوئے' ہارے ہوئے سے۔

"میں نے تجھے منع کیا تھا رنا' پر تو نے میری نہیں مانی۔ تیری ماں کہتی تھی وہ — جتنے اونچے خواب دیکھتی ہے۔ اسے اتنی آزادی نہ دے۔ پر میں جھلا تھا' جو یہ سوچ بیٹھا کہ تو میرا مان' میرا اعتبار قائم رکھے گی۔ بیٹیاں باپوں کی عزت کی حفاظت کرتی ہیں۔ ان کی پگڑی کو پیروں تلے نہیں روندتیں۔ رنا پر تو ایسا کرنے چلی ہے اور تجھے احساس بھی نہیں۔ مجھے لگتا تھا رنا جو بھی ہو کبھی میرے خلاف نہیں جاؤ گی۔" ابا بولتے چلے گئے۔ ابا کا لہجہ تھکا تھکا ہوا تھا اور کاندھے جھکے ہوئے تھے۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا ابا' سنگنگ کوئی اتنا برا پروفیشن نہیں ہے' جتنا آپ سمجھ بیٹھے ہیں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں میں کبھی کچھ غلط نہیں کروں گی ابا' آپ میرا یقین کریں ابا پلیز۔" رنا نے بیچی سے انداز میں کہا تھا۔

"اب تیرا یقین نہیں کرتا رنا۔" ابا ایک دم جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں صرف یہ کہنے آیا تھا کہ تمہیں اب گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کے لیے بند ہیں۔ عدینہ میرے گھر کا چھوٹا سا دروازہ تمہارے جیسی بڑی ہستی کے لیے بہت چھوٹا ہو گیا ہے۔" کیسے الفاظ تھے ابا کے لہجے میں' کیسی کاٹ تھی' عدینہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ ابا تو دوبارہ اسے وہاں آنے بھی نہ دینا چاہ رہے تھے۔ تبھی تو خود اسے منع کرنے چلے آئے تھے۔ ایسا تو عدینہ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اور ابا واپس جانے کے لیے مڑے تو عدینہ کے ساکت وجود میں حرکت سی آئی۔

"ابا۔" اس کے لب پھڑپھڑائے' پھر وہ بھاگ کر ان کے سامنے آئی تھی۔

"میرا قصور اتنا بڑا نہیں ہے کہ آپ مجھے اتنی بڑی سزا دیں۔"

"عدینہ یہ سزا نہیں' یہ وہ آزادی ہے جو تم چاہتی تھیں۔"

"ایسا تو میں نے کبھی نہیں چاہا اور نہ ہی میرا قصور

اتنا بڑا ہے کہ آپ اتنی سی بات پر مجھے گھر سے ہی نکال دیں۔" عدینہ ابھی بھی ان کے سامنے ڈٹی ہوئی تھی۔

"تمہاری خود سری' خود غرضی اور بے حیائی تمہارے لیے اتنا بڑا قصور نہ ہو گا' مگر میرے لیے یہ ناقابل معافی گناہ ہے' عدینہ ہاشم۔" لہجے میں چٹانوں جیسی سختی اور سرخ انگارہ نگاہیں' عدینہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ ابا اس پر دوسری نظر ڈالے بغیر باہر نکل گئے۔

"میں آؤں گی ابا۔ وہ میرا گھر ہے۔ میں واپس ضرور آؤں گی۔ ابا وہ میرا گھر ہے' آپ یوں مجھے وہاں سے نہیں نکال سکتے۔" عدینہ بے ساختہ چلائی تھی۔ مگر وہاں اس کی آواز سننے والا کوئی نہ تھا۔

عدینہ نے یہ تو کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ ابا یوں اسے گھر سے نکال دیں گے۔ اسے لگتا تھا وہ جو بھی کرے گی جو بھی کہے گی' ابا مان جائیں گے' آخر آج تک مانتے ہی آئے تھے۔ ناراض ہوں گے بھی تو وہ ناراضی وقتی ہو گی۔ ابھی بھی اسے امید تھی کہ ابا غصے میں سب کچھ کہہ گئے ہیں۔ بھلا وہ اس کے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ وہ تو ان کی سب سے لاڈلی اور پیاری بیٹی تھی' پھر بھلا وہ اس سے تعلق کیسے توڑ سکتے تھے۔

"میں جاؤں گی' میں اسی ہفتے ان سے ملنے جاؤں گی۔ میں انہیں منالوں گی اور وہ بھلا کیسے ناراض رہ پائیں گے مجھ سے۔" اس نے سوچا' پھر آنسو پونچھ کر مسکرا دی۔

عدینہ ہاشم کو اپنی ذات پہ اعتماد تھا اور اس اعتماد نے اسے اس قدر خود غرض کر دیا تھا کہ اس نے ایک پل کے لیے بھی نہ سوچا کہ اگر ابا اس سے ناراض ہوئے تھے تو اس کی وجہ وہ تکلیف تھی جو اس کے وجود سے انہیں پہنچی تھی۔ اس نے ناراضی دور کرنے کا سوچا تھا' مگر ایک پل کے لیے بھی اس تکلیف کے ازالے کا نہ سوچا تھا۔ اس نے ایک لمحے کو بھی اس وجہ کو ختم کرنے کا نہ سوچا تھا' جس وجہ سے ابا نے اسے گھر سے نکالنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ اگلے ویک اینڈ پہ گھر چلی آئی تھی اور وہ جو یہ سوچ کر گھر آئی تھی کہ ابا اس کے چلے آنے پر اسے گھر سے تھوڑی نکال دیں گے۔ وہ تو صرف وقتی غصہ تھا۔ جو اب تک ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔ تو یہ اس کی بھول تھی۔ ابا نے تو اس کے قدم دہلیز سے آگے بڑھنے ہی نہ دیے تھے' اجنبی لہجہ' اجنبی انداز' عدینہ دہلیز پہ ہی کھڑی رہ گئی۔ عدینہ ہاشم کو آسمان پر اڑنے کی چاہت تھی اور اس چاہت نے اس کے قدموں تلے سے زمین نکال دی تھی۔ قدموں کو مضبوطی سے جمانے کے لیے قدموں تلے زمین کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ زمین عدینہ کے قدموں تلے نہیں رہی تھی۔ پل بھر کو عدینہ ہاشم کے قدم ڈگمگائے تھے۔ لمحوں کی کہانی تھی اور وہ سب کچھ گنوا بیٹھی تھی' مگر ابھی اس کے گرنے کا وقت نہیں تھا۔ ابھی تو اس نے اڑان شروع کی تھی۔ ابھی تو بلندیوں کو چھونا تھا۔ ابھی تو اڑان باقی تھی' ابھی تو سفر باقی تھا۔

☼ ☼ ☼

پھر وہ پلٹ آئی' مگر عدینہ ہاشم کو وہیں اسی دہلیز پر چھوڑ آئی تھی۔ جو واپس آئی وہ دیا جعفری تھی' جس کی دنیا بس اپنے گرد گھومتی تھی۔ دیا جعفری جس کے بغیر تمام میوزک شوز اور کنسرٹس ادھورے تھے۔ عدینہ ہاشم نے میوزک کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ ویسا ہی تہلکہ جیسا نہال صادق نے پیشن گوئی کی تھی۔ وہ اتنی جلدی شہرت کی ایسی بلندیوں پہ پہنچ جائے گی یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔ اپنے اس جنون میں اسے کچھ یاد نہ تھا۔ وہ کیا کر آئی تھی۔ وہ اپنے پیچھے کس کو کس حال میں چھوڑ آئی تھی۔ اسے جیسے اس سے کوئی مطلب نہ تھا۔ ہاسٹل چھوٹ گیا تھا' پڑھائی چھوٹ گئی۔ سب دوست' سہیلیاں قصہ پارینہ بن گئیں۔

پھر یوں ہوا کہ عدینہ کی مصروفیات کچھ اس قدر بڑھیں کہ وہ نہال صادق کو بھی بھولنے لگی اور یہ تو شوبز کی اس نگری کی روایت تھی تو پھر عدینہ جو اتنی مقبول اسٹار تھی وہ کیسے اس روایت کو نہ نبھاتی۔ ان دنوں جب وہ اپنے شوبز اور کنسرٹس کی وجہ سے نئی نئی کراچی شفٹ ہوئی تھی' اس کی ملاقات عاشر ابراہیم سے ہوئی'

www.pkdigest.com

بہت عرصہ بعد ایسا ہوا تھا کہ عدینہ نے بغیر کسی غرض کے کسی سے دوستی کا رشتہ جوڑا تھا۔ شاید وہ تنہائی محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے کسی ایسے ساتھی کی ضرورت تھی جو جھوٹا' خود غرض اور مطلبی نہ ہو ان جیسا نہ ہو جیسے دوست اس کے اردگرد موجود تھے۔ عاشر ابراہیم ایک ایسا ہی بے غرض اور سچا دوست تھا۔

☼ ☼ ☼

"رینا ابا مر گئے۔" وہ جو ہنستے البم کی لانچنگ سرمنی سے تھک ہار کر گھر واپس آئی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی عدیل کا فون ملا۔ عدیل نے صرف ایک جملے میں اطلاع دے کر فون بند کر دیا اور یہ اطلاع بھی جانے اس نے کس جذبے کے تحت دی تھی۔ ورنہ اتنے عرصے میں انہوں نے ایک دفعہ بھی کبھی پلٹ کر نہ پوچھا۔ عدینہ وقتاً "فوقتاً" فون کرتی رہتی تھی۔ وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو اس سے بات کرتا۔ اس کی آواز سن کر ہی فون کاٹ دیا جاتا' مگر اس کا نمبر ان کے پاس تھا اور اب۔

"ابا۔ ابا مر گئے۔ یوں اچانک' ابھی تو انہوں نے اسے معاف بھی نہ کیا تھا۔ یونہی ناراض ہی چلے گئے۔ بھلا ایسے کیسے ممکن تھا۔ یہ کیا ہو گیا تھا۔" پھر کراچی سے لاہور اور لاہور سے گھر تک جانے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ مگر جس گھر کے دروازے آبا نے اپنے جیتے جی اس پہ بند کر دیے تھے' اماں' اپنے شوہر کے مرنے پہ وہ دروازہ اس کے لیے کیسے کھول دیتیں' اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ عدینہ گڑگڑائی تھی' روئی تھی' چیخی چلائی' مگر وہاں کوئی ایسا نہ تھا جس پر اس کی فریاد اثر انداز ہوتی' وہ ان سب کے دلوں پر پاؤں رکھ کر وہاں سے نکلی تھی' پھر ان دلوں پر اس کی فریاد کہاں اثر کرتا تھی۔ گھر کا دروازہ پیٹتے پیٹتے اسے کتنی ہی دیر گزر گئی۔ مگر وہ دروازہ نہ کھلنا تھا' نہ کھلا' تب وہ گرد آلود ہوئے کپڑوں اور گھسیٹتے قدموں سے واپس پلٹی اور اس بار پلٹتے ہوئے ایک احساس زیاں ساتھ تھا۔ ایک ایسا احساس زیاں جس کی خلش تا زندگی اس کے ساتھ رہنی تھی۔ ایک دفعہ پہلے اس گھر کے دروازے اس پہ بند ہوئے تھے اور کامیابیوں کے دروازے اس پہ وا ہو گئے تھے اور وہ نہیں جانتی تھی کہ اس بار یہ بند دروازے اسے تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

پہلی دفعہ اسے احساس ہوا تھا کہ اس کے جنوں نے اس سے کیا کچھ چھین لیا تھا۔ اسے شہرت اور نام ملا تھا۔ مگر اس شہرت نے اس کے دامن کو محبتوں سے خالی کر دیا تھا۔ پہلی دفعہ اسے لگا تھا کہ وہ تنہا ہو گئی ہے۔ بھری دنیا میں بالکل تنہا۔ ان دنوں یہ تنہائی کا احساس کچھ اس قدر اس کے وجود پہ حاوی ہونے لگا تھا کہ بھری محفل میں یا کنسرٹ میں اسٹیج پہ کھڑے ہو کر گاتے ہوئے اکثر اس کے سامنے کے لوگ غائب ہو جاتے تھے۔ ایک لمحے میں ہوٹنگ کرتی آوازیں' گونجتی سیٹیاں سب غائب ہو جاتا۔ بس ایک گہری خاموشی طاری ہو جاتی تھی' قبر کی سی خاموشی۔

اپنی یہ کیفیت عدینہ کے لیے بہت پریشان کن تھی' پھر انہی دنوں امین ملک اس کی زندگی میں آیا تھا۔ بعض اوقات وہ ایک قدم جسے ہم اپنی کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ وہ ہمیں کتنی پستی میں دھکیل جاتا ہے یہ ہم کبھی نہیں جان سکتے۔ عدینہ بھی نہیں جانتی تھی کہ امین ملک سے تعلق اس کے لیے تباہی کا باعث بنے گا۔ یہ تو اس نے تب جانا تھا جب وہ اپنا سب کچھ کھو چکی تھی' اپنی عزت' اپنی نسوانیت کا غرور' وہ جو گھر سے یہ کہہ کر نکلی تھی کہ اس فیلڈ میں کچھ غلط نہیں ہے۔ آپ سب بلاوجہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھیڑیوں کی کچھار ہے۔ جہاں بھیڑیے گھات لگائے بیٹھے ہیں' آج اس کا واسطہ ایک بھیڑیا سے پڑا تھا اور اس کے الفاظ غلاظت بن کر اس کے منہ پہ آ لگے تھے۔ عدینہ ہاشم کا جنون تو اس وقت ٹوٹ گیا جب امین ملک کے ناپاک ہاتھوں نے اسے چھوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے کبھی دیکھا میرے جیسا انسان جسے محبت کی نہیں' دولت کی نہیں شہرت کی ہوس تھی اور ایک شہرت کے حصول کے لیے میں نے کتنے لوگ' کتنی محبتیں داؤ پر لگائیں۔ میں نے کسی کا اعتبار کیا' نہ اعتبار رکھا' کیونکہ مجھے محبت نہیں چاہیے۔ میں نے ساری محبتیں اپنے ہاتھوں سے گنوائیں۔ میں نے اس سے کہیں زیادہ کھویا تھا۔ جس کا احساس مجھے تب ہوا جب میں سب گنوا چکی تھی۔

میری زندگی میں دو مرد آئے۔ دونوں نے مجھ سے بہت محبت کی تھی اور میں نے دونوں کو دھتکارا تھا۔ اعتبار کیا بھی تو کس کا اس کا جسے مجھ سے کبھی محبت نہیں تھی۔ ہوس تھی بس اس میں اور مجھ میں صرف اتنا فرق تھا کہ اسے جسم کی ہوس تھی اور مجھے شہرت کی۔ میں کس قدر اندھی ہو گئی تھی کہ محسوس ہی نہ کر سکی۔ مجھے گھن آتی ہے خود سے۔ اپنے اس غلیظ جسم سے جس کی غلاظت دھوتے دھوتے میں تھک گئی ہوں اور روح کی غلاظت کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ مجھے خود سے نفرت ہے اور اب یہی نفرت ہی میری زندگی ہے' میں جو یہ تنہائی کی زندگی گزار رہی ہوں یہ گناہ میری فرار ہے۔ میری سزا ہے' میں جو شہرت پرست تھی جنون کی حد تک' یہ گناہ میری سزا ہے۔ آج کوئی نہیں جانتا میں عدینہ ہاشم ہوں یا دیا جعفری' وہ جس کی آواز آج بھی لوگوں کے دلوں کو دھڑکاتی ہے۔

تمہارا بھائی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ مجھ سے محبت چاہتا ہے' مگر اسے خبر نہیں کہ میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے' نہ محبت' نہ ہی نفرت۔

خلیل جبران کہتا ہے۔

"ہم سفید سفید کونجوں کا ایک غول ہیں جو نیلے آسمان میں اپنی منزل کی تلاش میں نکلی ہیں۔ خوش خوش' لیکن کسی کو اپنی منزل خوبصورت باغ میں ملے گی اور کوئی رات کی سیاہی میں سخت چٹانوں سے ٹکرا کر خاردار وں میں گر جائے گی۔ اور میں ڈار سے بچھڑی کونج ہوں جو یہ بھول گئی کہ بلندیاں ہمارے لیے نہیں ہم بابل کے آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں اور بلندیوں پہ عقابوں' چیلوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ اگر ہم بلندیوں کی خواہش کریں گی تو صرف شکار بنیں گی۔ میں بھول گئی کہ چڑیا جب گھونسلے کو چھوڑ کر کھلی فضاؤں میں بسیرا کرے گی تو گدھ اسے نوچ ڈالیں گے۔

مجھے یہ بات بہت دیر میں سمجھ آئی' تب جب میرے پاس کچھ نہیں بچا' کچھ بھی نہیں' سوائے پچھتاوؤں اور تنہائی کے اور میں اس میں کسی کو شریک نہیں کر سکتی' کسی کو بھی نہیں۔" وہ بہت ہی ہارے انداز میں سر جھکا کر بولی تھی۔ اس کے ہر انداز سے شکست خوردگی ظاہر تھی' مگر ایک سکون تھا جو سب کہہ دینے کی وجہ سے تھا۔ آج اتنے سالوں بعد وہ اتنا کھل کر کسی کے سامنے بولی تھی۔ اس کے دل میں جو ایک ناقابل برداشت سا بوجھ تھا وہ کچھ کم ہو گیا تھا۔ عدینہ نے سر اٹھا کر پارک میں پھیلنے والے شام کے سائے کو دیکھا' دھیرے سے اپنے چہرے پہ پھیلے آنسو پونچھے اور جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"تم شاید اب مجھ سے کبھی ملنا نہ چاہو اور میں تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کروں گی۔ مگر تم سے ایک ریکویسٹ ضرور کروں گی' لوٹ جاؤ رشید ابراہیم' واپس لوٹ جاؤ' ان لوگوں کے پاس جو تمہارے اپنے ہیں اور تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ان کی محبت کی قدر کرو۔ وہم اپنے دل سے نکال دو۔ جو آپ سے محبت کرتے ہیں وہ کبھی آپ کے بارے میں غلط نہیں سوچ سکتے' کبھی بھی نہیں۔" بولتے بولتے عدینہ کی آواز بھرا گئی تو وہ مڑ کر آگے چلنے لگی' اس کی آنکھوں کے آگے دھند چھا رہی تھی' مگر وہ چلتی جا رہی تھی۔

"تو میں نے یہ آخری رشتہ بھی کھو دیا۔ اس جہاں میں کوئی مجھ سا بد قسمت بھی ہو گا' جس نے سارے رشتے اپنے ہاتھوں سے گنوائے۔ اب میری سزا یہی ہے کہ میں تنہا زندگی گزاروں۔" وہ جھکے جھکے انداز میں فٹ پاتھ پہ چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ جب کوئی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کے قدموں کی تھکن اور بھی بڑھ گئی۔ وہ کیا کہنے والا تھا۔ کوئی نفرت بھرا جملہ' کوئی لعن طعن اور وہ ایسا کچھ بھی اس شخص

www.pkdigest.com

کے منہ سے نہیں سن سکتی تھی۔ کم از کم اس ایک شخص کے منہ سے کبھی نہیں۔ وہ ہر تکلیف برداشت کر سکتی تھی، مگر اس ایک شخص کے منہ سے نکلے لفظوں کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لمحے عدینہ نے بہت شدت سے دعا کی تھی۔ کاش وہ خاموش رہے، کاش وہ کچھ نہ بولے۔

"ریما۔" عاشر دھیرے سے پکارا تھا۔ عدینہ کے بڑھتے قدم ایک دم رک گئے۔ یہ نام، کتنے سالوں بعد کوئی اسے اس نام سے بلا رہا تھا۔ ایک پل کو جیسے ساری کائنات تھم سی گئی تھی۔

"تم کبھی مجھے اور میری محبت کو نہ سمجھ سکیں عدینہ ہاشم، ہمیشہ تم نے مجھے غلط سمجھا۔ میں نے کبھی تمہارے اس خوبصورت جسم سے محبت نہیں کی، نہ ہی یہ محبت وقت کی گرد سے دھندلانے والی ہے۔ میرے دل میں پہلا عکس تمہارا ہی بنا اور یہی آخری ہوگا۔ تم جتنا اور جب تک چاہے آزما لو، تم مجھے زندگی کے ہر موڑ پہ اپنا منتظر پاؤ گی ہمیشہ۔" عاشر بہت ضبط سے دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ عدینہ کی آنکھیں ایک بار پھر دھندلانے لگیں۔ وہ اس شخص کی اتنی محبتوں کے قابل نہ تھی کجا کہ اتنی بے غرض محبت۔

"تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو اتنا کچھ ہو جانے کے بعد۔"

"محبتیں ترجیحات نہیں جو وقت کے ساتھ بدل جائیں۔" عاشر کا انداز نرمی لیے ہوئے تھا۔

"بھول جاؤ مجھے عاشر ابراہیم، میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ میرا غلاظت بھرا وجود تمہاری زندگی کو بھی آلودہ کر دے گا۔ واپس پلٹ جاؤ۔" عدینہ کا لہجہ تلخی لیے ہوئے تھا۔

"تم کیوں اپنے لیے اس قدر سخت الفاظ استعمال کر رہی ہو۔ جو تمہاری غلطی تھی تم اس کی سزا بھگت چکی ہو اور جو کچھ انجانے میں ہوا اس کی سزا کیوں خود کو دے رہی ہو۔" عاشر بلند آواز میں بولا تھا۔

"میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ وہ تمہاری ہر غلطی کو معاف کر سکے، چاہے وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔" عاشر بلند آواز میں بولا تھا۔ اس کا لہجہ مضبوطی لیے ہوئے تھا۔

"غلطی مت کہو، گناہ کہو عاشر ابراہیم، گناہ کیا تھا میں نے۔ غلطی قابل معافی ہوتی ہے، گناہ قابل معافی نہیں ہوتا۔" وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چلائی تھی۔

"میرا گناہ تمہاری محبت کی نہیں بلکہ تمہارے ظرف کی آزمائش بن جائے گا۔ ابھی تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور محبت میں محبوب کی خامیاں نظر نہیں آتیں، مگر جس دن میں تمہاری زندگی میں شامل ہو گئی۔ اس دن تمہیں میرے وجود کی غلاظت نظر آنے لگے گی اور میں نہیں چاہتی کبھی ایسا ہو کہ تمہیں میرے وجود کو برداشت کرنا مشکل لگنے لگے۔ میں تمہاری محبت کے سہارے تنہا زندگی بسر کر سکتی ہوں، مگر تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری نفرت برداشت کرنا میرے لیے بہت مشکل ہوگا۔"

"تم مجھے آزماؤ عدینہ ہاشم۔ تم نے آج تک قسمت کو اور لوگوں کو آزمایا، محبتوں کی آزمائش کی ہے تو ایک بار مجھے بھی آزماؤ۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں تمہاری ہر آزمائش پر پورا اتروں۔" وہ اب پہلے جیسی نرمی سے بات کر رہا تھا۔ مگر اس کے انداز میں مضبوطی تھی۔ عدینہ ہاشم بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

آج پھر فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ پھر ایک دوراہے پر کھڑی تھی۔ زندگی اسے اپنی طرف بلا رہی تھی اور اس نے ایک بار پھر زندگی کو آزمانے کا فیصلہ کیا تھا۔ جہاں قسمت کو اتنا آزمایا تھا وہاں ایک بار پھر سہی۔

☼ ☼ ☼

آج میں نے پورے چار سال بعد اسے اپنے سامنے دیکھا تھا۔ چار سال وہ مجھ سے بھاگتی رہی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں زندگی کے ہر موڑ، ہر راہ پر اسے ملوں گا بھلا جن سے زندگی کا رشتہ جڑا ہو انہیں کیسے چھوڑا جا سکتا ہے اور وہ بھی میری زندگی تھی پھر میں اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ چاہے وہ میری محبت کو سمجھے یا چاہے وہ میری محبت کو دھتکار دے اور پھر میں تو

یہ بھی جانتا تھا کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ وہ ظاہر کرے یا نہ کرے۔ وہ چاہے کبھی مجھے یہ نہ کہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، مگر میں جانتا ہوں۔

میں جو پچھلے چار سال سے اس کی جدائی میں اپنے دل پر بیتے ایک ایک لمحے کی حکایت صفحہ قرطاس پر شعروں کی صورت میں لکھتا رہا ہوں تو کیا یہ نہیں جانتا کہ وہ ایک آواز جس نے دلوں پہ راج کیا تھا۔ وہ دنیا کی نظروں سے گم ہو گئی ہے، مگر رات کی تاریکی میں آج بھی میرے ان بے جان شعروں کو سر کے رنگوں میں ڈھال کر زندہ کرتی ہے۔

دلوں کے رابطے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں جیسے میرا اور عدینہ ہاشم کا رشتہ، سُر اور لفظوں کا رشتہ۔ میں نے آج تک کبھی عدینہ سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ مگر میرا ہر لفظ میرے دل کا ترجمان تھا اور عدینہ ہاشم کا ہر سُر، ہر لے اور ہر تال کہتی ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، شدید محبت۔

عدینہ ہاشم جو میری زندگی میں اچانک ہی آئی تھی۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے کی مانند۔ مگر اس کی محبت کا باب میری پوری زندگی کی کتاب پہ محیط تھا اور اس کی محبت کا گواہ تھا وہ سمندر جس کے کنارے پہلی دفعہ اس کی ملاقات عدینہ سے ہوئی تھی۔

اسے وائلن بجانا پسند تھا اور وہ کبھی کبھی سمندر کنارے اپنا یہ شوق پورا کرنے آ جاتا تھا۔ اس دن بھی وہ سمندر کنارے موسم انجوائے کرنا آیا تھا۔ اپنی دھن میں وائلن بجاتے ہوئے اسے پتا ہی نہ چلا کب کوئی اس کے پاس آ کر بیٹھا، وہ تو جب اس نے وائلن بجانا بند کیا تو تالیوں کی آواز سن کر چونک کر اس نے اپنی دائیں طرف دیکھا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھی عاشر ابراہیم کے لیے اجنبی تھی۔

"بہت خوبصورت دھن تھی۔ بہت اچھا وائلن بجاتے ہیں آپ۔" عدینہ نے بے ساختہ تعریف کی، تب عاشر ابراہیم نے جانا اس کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ عجب موسیقیت سی تھی اس کی آواز میں۔

"تھینکس۔" عاشر نے شکریہ ادا کیا۔

"آپ نے باقاعدہ کہیں سے سیکھا ہے یا گاڈ گفٹڈ ہے۔ ویسے مجھے بہت شوق ہے کہ میں وائلن بجانا سیکھوں۔" لڑکی کا شاید بات کرنے کا موڈ تھا، جبکہ عاشر کا بات کرنے کا کوئی موڈ نہ تھا۔ وہ یہاں تنہائی انجوائے کرنے کے لیے آتا تھا۔ مگر نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے جواب دیا تھا۔

"میں نے باقاعدہ تو نہیں سیکھا، مگر لندن میں تعلیم کے دوران اپنے ایک پروفیسر سے کچھ کچھ سیکھا تھا۔ وہ ایک میوزک اسکول میں کلاس لیتے تھے۔"

"اور یہ آپ کا شوق ہے اور آپ کرتے کیا ہیں۔" لڑکی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"آئی ایم اے بزنس مین۔" عاشر ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا۔

"مائی گاڈ۔ اے بزنس مین اینڈ میوزک امیزنگ۔" لڑکی کے بے ساختہ انداز میں کہنے پہ عاشر نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"کیوں کیا بزنس مین انسان نہیں ہوتے۔"

"ہوتے ہیں، مگر آئی تھنک بہت ہی خشک مزاج ہوتے ہیں۔ اکثر ہی دو اور دو پانچ کرنے والے ہوتے ہیں۔" لڑکی کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی۔ عاشر بے ساختہ ہی ہنسا۔

"بزنس کرنے والوں کے بارے میں کافی معلومات ہیں آپ کو۔ ویسے آپ کیا کرتی ہیں۔" عاشر نے اس کامنی سی لڑکی کو دیکھا جس کی کالی آنکھوں میں کچھ کر دکھانے کا عزم تھا۔

"آئی ایم اے سنگر۔" لڑکی نے ماتھے پہ آئے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے کہا تو عاشر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ کا نام۔"

"عدینہ ہاشم۔" لڑکی نے سامنے دیکھتے ہوئے جواب دیا، اس کے لہجے میں وہ تھوڑی دیر پہلے والی بے تکلفی مفقود تھی۔ یوں جیسے وہ اس ٹاپک پر بات نہ کرنا چاہتی ہو۔

"اوہ آئی سی۔" عاشر نے یہ نام کبھی نہیں سنا تھا۔

www.pkdigest.com

مگر اس نے لڑکی سے پوچھا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولی تھی۔

"اس فیلڈ میں' میں نے دیا جعفری کے نام سے شہرت پائی ہے۔" عاشر نے اس کا نام سن رکھا تھا۔ نئے سنگرز میں آج کل وہ بہت مشہور ہو رہی تھی۔ مگر عاشر نے چونکہ اسے اب تک دیکھ نہ رکھا تھا۔ اس لیے پہچان نہ پایا تھا۔ عدینہ اب خاموش تھی۔ عاشر نے آس پاس نظر دوڑائی۔ اس حصے میں لوگ نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس کی طرح یقیناً" وہ بھی تنہائی کی تلاش میں اس سائیڈ پہ آئی تھی۔ عاشر نے اس کی طرف دیکھا' وہ انگلی سے ریت پہ کچھ لکھ رہی تھی۔

"رش سے گھبراتی ہو یا شہرت سے ڈر لگتا ہے۔" عدینہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر محسوس کر کے عاشر دھیرے سے مسکرایا' وہ یقیناً" اس کی بے تکلفی پہ متحیر تھی۔ جبھی عاشر نے اچانک اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ عدینہ نے ایک لمحے کو بغور اسے دیکھا' پھر ہاتھ بڑھایا۔

"فرینڈز۔"

"جو شہرت کی بلندیوں کو چھونے کی خواہش رکھتے ہوں انہیں شہرت سے کیا ڈر لگے گا بھلا۔" عدینہ نے سادہ سے انداز میں کہا تو عاشر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"بلندیوں کے سفر میں بہت بڑی قیمت چکانی پڑتی ہے عدینہ ہاشم۔" عاشر سنجیدگی سے بولا۔

"جو اپنا سب کچھ اس سفر کے آغاز میں ہی گنوا چکا ہو۔ وہ بھلا اور کیا قیمت چکائے گا۔" عدینہ نے اتنی ہی سنجیدگی سے کہا۔

"سراب کی خواہش میں سب گنوا دینے والے نادان کہلاتے ہیں۔" عاشر کا انداز تاسف لیے ہوئے تھا۔ عدینہ نے بغور اس کی طرف دیکھا' پھر کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ سراب نہیں یہ جنون ہے' یہ میری منزل ہے۔" عدینہ نے مضبوطی سے کہا اور آگے بڑھ گئی' عاشر نے وہیں بیٹھے بیٹھے اسے دور جاتے دیکھا۔ ایک ہی ملاقات میں اس کے سامنے اس کانٹی سی لڑکی کے کتنے روپ ظاہر ہوئے تھے۔ پل میں ہنستی کھلکھلاتی' پل میں سنجیدہ ہوتی اور پل میں ہی عزم و جنون کی چٹان۔

اس لڑکی کے کتنے رنگ تھے اور ہر رنگ دوسرے سے الگ۔ عاشر سر جھٹک کر مسکرایا' پھر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے بعد وہ لوگ کئی دفعہ وہیں سمندر کنارے ملے۔ ہر بار عدینہ کے بارے میں اسے نئی بات پتا چلتی تھی اور پتا نہیں کیوں عدینہ کی بہت سی باتیں ناگوار ہونے کے باوجود وہ اسے بہت اچھی لگی تھیں۔ اس کے اندر جنون تھا۔ مگر اس جنون نے اسے کبھی غلط روش اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ عدینہ نے اپنے والدین کو چھوڑا تھا۔ عاشر کو اس بات سے بہت اختلاف تھا۔ عاشر کے خیال میں اسے اپنے والدین کو راضی کرنا چاہیے تھا۔ وہ اس کے والدین تھے انہوں نے عدینہ کی ہر خواہش پوری کی تھی تو کیا وہ اس بات کے لیے نہ مان جاتے' اور اگر وہ نہیں مان رہے تھے تو عدینہ کو ان کی مرضی کے خلاف نہیں جانا چاہیے تھا۔

"تم عاشر ابراہیم' تم بھی میرے ماں' باپ جیسا ہی سوچتے ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تم لوگوں کو اس فیلڈ میں کیا برائی نظر آتی ہے۔ ٹھیک ہے مجھے ابھی اس فیلڈ میں کچھ ہی عرصہ ہوا ہے اور مجھے تو اس فیلڈ میں کوئی برائی' کچھ بھی غلط نظر نہیں آیا اور ویسے بھی میرے خیال میں برائی انسان کے اپنے اندر ہوتی ہے۔ میں نے ایک پروفیشن ہی جوائن کیا ہے نا کوئی کنویں میں چھلانگ تو نہیں لگائی۔"

"کنویں میں چھلانگ تو لگائی ہے' تم نے نادان لڑکی۔" عاشر نے بے اختیار گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں ابھی اس دنیا کا بھیانک روپ نظر نہیں آیا اور میری دعا ہے تمہیں اس فیلڈ کے بھیڑیوں کے بھیانک چہرے نظر ہی نہ آئیں۔" عاشر نے دھیمے لہجے میں کہا تو عدینہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں صرف وائلن ہی نہیں بجاتا کبھی کبھار پلے

بیک سنگنگ بھی کر لیتا ہوں اور ایک میوزیشن بھی ہوں۔ اس فیلڈ سے بڑا گہرا تعلق ہے میرا۔ اس لیے جانتا ہوں کہ بھیڑیے کی کھال میں یہاں کتنے ہی بھیڑیے موجود ہیں۔" عاشر اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر خود ہی بول پڑا۔

"ایکچوئیلی میں رش سے گھبراتا ہوں اور مجھے شہرت سے بہت ڈر لگتا ہے۔" عاشر نے اپنی ہی کہی ہوئی بات کا حوالہ دیا۔

"ارے آپ کو شہرت سے ڈر لگتا ہے' مگر کیوں؟" عدینہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"شہرت انسان سے اس کا اپنا اصل چھین لیتی ہے۔ انسان کو ویسا نظر آنا پڑتا ہے۔ جیسا دوسرے اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ جیسا دوسرے اسے پسند کرتے ہیں اور میں خود کو کھونا نہیں اپنے سے وابستہ رشتوں کو کھونا نہیں چاہتا۔ مجھے لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو جانے سے ڈر لگتا ہے۔" عاشر کے لہجے میں گہرائی تھی۔ عدینہ چپ چاپ اسے سن رہی تھی۔ عاشر اس کی زندگی میں آنے والا پہلا شخص تھا' جس کے سامنے عدینہ کے الفاظ گم ہو جاتے تھے۔

"تم دوسروں سے کتنا مختلف سوچتے ہو۔" عدینہ کے انداز میں ستائش تھی۔

"ہوں شاید۔ شفق کے خیال میں' میں ایک بہت ہی جذباتی انسان ہوں اور ہر معاملے میں بہت ہی جذباتی ہو کر سوچتا ہوں۔ ایکچوئیلی شوبز کی فیلڈ میں اپنی شناخت کو چھپانے کے سلسلے میں اسے مجھ سے شدید اختلاف ہے۔" شفق کے ذکر پہ عاشر کی آنکھوں میں روشنی سی بھر گئی تھی' جبھی عدینہ نے بے ساختہ پوچھا۔

"شفق کون؟"

"میری کزن ایکچوئیلی میری کوئی بہن نہیں ہے اور شفق بھی اکلوتی ہے تو وہ مجھ سے سارے بھائیوں والے شوق پورے کرتی ہے۔" عاشر بہت ہی پیار سے شفق کا ذکر کر رہا تھا اور عدینہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"کیا تھا یہ شخص کتنا سادہ اور محبت سے گندھا ہوا۔ کتنے سچے اور بھرپور روپ تھے' اس کی شخصیت' اس کی آنکھیں' اس کا بولنا' کچھ بھی جادو اثر نہ تھا' مگر یہ اس کی سادگی' اس کی شخصیت میں رچی بسی محبت تھی' جو اس شخص کو جادو اثر بناتی تھی۔ عدینہ ایک خواب کی کیفیت میں کھوسی گئی۔

اس دن جب عدینہ ہاشم' عاشر ابراہیم کے پاس سے اٹھی۔ اپنی وہ کیفیت عاشر ابراہیم کے پاس ہی چھوڑ آئی تھی' اور عاشر ابراہیم کتنے ہی سال اس لمحے کے سحر میں مبتلا رہا۔ وہی لمحہ تھا' جب عاشر کو پتا چلا کہ وہ عدینہ سے محبت کرنے لگا ہے۔

☼ ☼ ☼

"آج کل تم امین ملک کے ساتھ بہت نظر آ رہی ہو۔" عدینہ کا نیا البم ریلیز ہو چکا تھا اور آج وہ بہت دنوں بعد وہ دونوں سمندر کے کنارے ملے تھے اور عاشر نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"ہاں وہ چاہتا ہے کہ اس کی نئی فلم کے گانے میں گاؤں۔ وہ تو یہ بھی چاہتا ہے کہ میں اس کی فلم میں ہیروئن کا کردار ادا کروں۔" عدینہ نے کچھ بے نیازی سے کہا تو عاشر نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ بہت بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ عاشر امین ملک کو جانتا تھا وہ فلم انڈسٹری کا سب سے کامیاب مگر کردار کا بہت کرپٹ انسان تھا۔ کتنی ہی معصوم لڑکیوں کو فلم انڈسٹری کے خوشنما خواب اور سبز باغ دکھا کر ان کی زندگی تباہ کر چکا تھا۔

"تم جانتی ہو وہ کس ٹائپ کا بندہ ہے۔"

"اوہ کم ان عاشر۔ اب تو وہ گھسی پٹی باتیں مجھے بتانے کی زحمت کرنا۔ بھیانک دنیا' بھیڑیے گھاگ شکاری وغیرہ وغیرہ۔ میں بچی نہیں ہوں۔ میں نے اسے فلم میں کام کرنے سے منع کر دیا ہے۔ مگر سنگنگ میرا پروفیشن ہے اور اس میں اگر مجھے ترقی کا کوئی بھی موقع ملا تو میں انکار نہیں کروں گی۔ میں نے اس فلم کے لیے گانے کی ہامی بھرلی ہے اور اس سے میں انکار نہیں

www.pkdigest.com

کروں گی۔ سو کلوز دس ٹاپک ناؤ۔" عدینہ نے قطعی انداز میں کہہ کر بات ختم کردی۔ عاشر ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ وہ شاید کبھی عدینہ کو سمجھا نہ پاتا کیونکہ وہ کسی کی بات سمجھنا چاہتی ہی نہ تھی۔ وہ صرف اس کے لیے دعا کرسکتا تھا۔ وہ جس راستے پہ چل نکلی تھی۔ اس کا انجام تباہی تھی۔ وہ اسے تباہی سے بچانا چاہتا تھا مگر کیسے۔

"دیکھو عاشر تم پریشان نہ ہو۔ میں اپنا اچھا برا جانتی ہوں اور لوگوں کو پرکھنا آتا ہے۔" وہ جیسے اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ اس لمحے عاشر کو وہ خود سے صدیوں کے فاصلے پہ محسوس ہوئی۔

"میں تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا شفق کو تم سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ان لمحات میں جن میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا' وہ کون سی شخصیت ہے جسے میں نے ان لمحوں میں دوستی کا شرف بخشا ہے۔" عاشر زبردستی مسکراتے ہوئے بولا۔

"چلوں گی کسی روز تمہارے ساتھ۔ مجھے بھی شفق سے ملنا ہے۔ جس کا ذکر تم اتنی محبت اور احترام سے کرتے ہو۔" عدینہ نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔

"کب؟" عاشر کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"ابھی نہیں۔ کل سے شاید میرے گانوں کی ریکارڈنگ شروع ہوجائے۔ ریکارڈنگ ختم ہوجائے' پھر کسی دن چلوں گی۔" عدینہ کے جواب پہ وہ بس اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات بتاؤ۔ میں تمہیں کیسی لگتی ہوں۔" عدینہ کی ریکارڈنگز ختم ہوگئی تھیں اور آج کل وہ فارغ تھی۔ مگر ابھی بھی اس نے عاشر کے ساتھ اس کے گھر جانے کی ہامی نہیں بھری تھی۔ اب تو یوں آزادی سے سمندر کنارے بیٹھنا اس کے لیے کافی مشکل ہوگیا تھا۔ لوگ اسے پہچاننے لگے تھے۔ اب وہ جہاں جاتی اس کے اردگرد اس کے فینز اکٹھے ہوجاتے۔ آج بھی وہ لوگ رش سے بہت ہٹ کر ایک بہت ہی پرسکون گوشے میں بیٹھے تھے۔ عاشر ابراہیم آہستہ آہستہ ایک دوست کی حیثیت سے اس کی زندگی میں اہمیت اختیار کرگیا تھا۔ اتنے سارے خودغرض اور مطلبی بندوں سے جو ہر وقت اس کے اردگرد رہتے تھے۔ اسے کبھی کبھار ایک بے غرض ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی وہ عاشر ابراہیم کے پاس چلی آتی تھی۔

کبھی کبھی وہ دونوں بلا تکان باتیں کرتے' بے تحاشا باتیں اور کبھی خاموشی ان کے درمیان بولتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بہت دیر سے خاموشی سے لہروں کو کنارے کو چومتے اور پلٹتے دیکھ رہے تھے۔ جب عدینہ اچانک بولی۔

"شاعر حضرات تو بہت رومانٹک ہوتے ہیں۔ کیا تم بھی ہو۔" عاشر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اثبات میں سر ہلادیا۔

"اچھا مگر مجھے تو تم رومانٹک نہیں لگتے۔" عدینہ نے شوخی سے کہا۔ اس کے لہجے میں شرارت کھنک رہی تھی۔

"کیوں کیا رومانٹک لوگوں کے سینگ ہوتے ہیں۔" عاشر بھی جواباً" شرارت سے مسکرایا تو عدینہ کھلکھلائی۔

"عدینہ ہاشم اگر تمہیں لگتا ہے کہ ایک لڑکے کی لڑکی سے پیار بھری باتیں کرنا اور لڑکی کا جاگتی آنکھوں سپنے دیکھنا رومانٹک ہوتا ہے تو تم غلط ہو۔" عاشر نے اسے چڑایا۔

"اچھا تو پھر تمہارے خیال میں رومانٹک ہونا کسے کہتے ہیں۔" عدینہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ عاشر نے پتھر سے ٹیک لگاتے ہوئے پیچھے باندھے اور بولنا شروع ہوا۔

"میں رومانٹک ہوں' کیونکہ مجھے ماں کی لوری پسند ہے۔ میں رومانٹک ہوں کیونکہ مجھے خوبصورتی اچھی لگتی ہے۔ اس کائنات کی خوبصورتی' اس کائنات میں بکھرے رنگوں کی خوبصورتی' سردیوں کی شاموں میں مجھے خشک پتوں پر دور تک چلنا اچھا لگتا ہے۔ مجھے

www.pkdigest.com

پورا چاند اور چاندنی رات پسند ہے۔ مجھے صبح کے ملگجے اندھیرے میں بلند ہوتی اذان کی آواز اچھی لگتی ہے۔ مجھے فتح کے بعد غازی کا رب کی بارگاہ میں کیا جانے والا سجدہ بہت پسند ہے۔ دھوپ میں چمکتا آسمان پسند ہے اور ڈھلتے سورج کی وجہ سے آسمان پہ بکھرنے والی لالی بھی۔

میں رومانٹک ہوں کیونکہ مجھے بارش میں بھیگتے بچے پسند ہیں۔ مجھے سردیوں کی بارش میں بھیگتے ہوئے آئس کریم کھانا بہت پسند ہے۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب کوئی زندگی کی تلخیوں اور آزمائشوں سے حوصلہ ہارتا ہے تو وہ ہاتھ آپ کے کاندھوں پہ آ ٹھہرتے ہیں اور دھیرے سے کہتے ہیں 'ڈونٹ وری یار میں ہوں نا۔"

عاشر نے بولتے بولتے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اور میں بہت رومانٹک ہوں' کیونکہ مجھے تمہارے چہرے پہ بکھری مسکراہٹ بہت اچھی لگتی ہے۔" وہ جو اس کی باتوں کے اثر میں کھوئی ہوئی تھی' چونک کر اسے گھورنے لگی' تو عاشر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"عدینہ ہاشم' ہم دونوں لوگوں کے دلوں کے تاروں کو چھیڑتے ہیں۔ میں اپنے لفظوں کے جادو سے اور تم سُر کی ملکہ ہو۔ دلوں میں بسنے والے' یا دلوں پہ راج کرنے والے ہی تو محبت آشنا نہیں ہوتے۔ دلوں کو محبت کرنا سکھانے والے بھی تو محبت آشنا ہی ہوتے ہیں۔ رومانٹک تو ہم دونوں ہیں۔ میں اپنے لفظوں سے اور تم اپنی آواز سے لوگوں کو محبت کرنا ہی تو سکھاتے ہیں۔"

"اگر دنیا کو تمہاری نظر سے دیکھا جائے تو بہت خوبصورت لگتی ہے۔" عدینہ نے بے ساختہ کہا۔

"حالانکہ جتنی تمہاری آنکھیں خوبصورت ہیں میرے خیال میں دنیا کو تمہاری آنکھوں سے دیکھا جائے تو زیادہ خوبصورت دکھے گی۔" عاشر نے شرارت سے کہا۔

"میری نگاہ سے مجھے دنیا زیادہ خوبصورت لگتی ہے' مگر وہ خوبصورتی تم جیسے شاعر حضرات لوگوں کو نظر نہیں آتی۔" عدینہ نے کہا تو عاشر ایک لمحے کو چپ سا ہو گیا' وہ عدینہ کی میٹرلسٹک طبیعت سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا عدینہ کے خواب بہت اونچے ہیں اور وہ ان خوابوں کی تعبیر میں کہیں نہ تھا' وہ تو بس اس کی زندگی کی شاہراہ کے کنارے لگا ایک درخت تھا۔ جس کے سائے میں وہ کچھ دیر کے لیے ستانے کے لیے آ بیٹھی تھی اور بس۔

پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ پتا نہیں کیسے' مگر وہ اس کی رفاقت کی خواہش کرنے لگا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس کی دسترس سے بہت دور تھی۔ وہ اس کے سارے دکھ' سارے درد اپنے دامن میں بھر لینا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے کو ایک دائمی مسکراہٹ سے نوازنا چاہتا تھا۔ ایسی مسکراہٹ جو اس کے چہرے کی خوبصورتی کو کبھی ماند نہ پڑنے دے۔

"کہاں کھو گئے۔" عدینہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

"جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا تھا۔" عاشر ابراہیم گہرا سانس لیتے ہوئے سیدھا ہوا۔

"ہوں' پھر تو اس سپنوں کی وادی میں کوئی سپنوں کی رانی بھی ہو گی' تمہارے سپنوں کی رانی ہے۔" عدینہ پھر شریر ہوئی۔

"ہاں میرے سپنوں کی رانی ہے۔" عاشر دھیرے سے بڑبڑایا' پھر پلٹ کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے تم کدھر جا رہے ہو۔ میرا واپسی کا ابھی کوئی ارادہ نہیں۔" عدینہ وہیں سے چلائی' مگر عاشر ان سنی کر گیا۔ اچانک ہی اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ عجیب سی بے بسی نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہ بنا پلٹے چپ چاپ آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ عدینہ کو مجبوراً اس کے پیچھے آنا پڑا۔

"عجیب آدمی ہو تم۔ بغیر کسی وجہ سے یونہی اچانک اٹھ کر آ گئے۔" عدینہ گاڑی میں بیٹھتے ہی بولی' مگر عاشر

نے بنا کچھ کہے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ پھر عدینہ کے اپارٹمنٹ تک کے سارے راستے میں عدینہ نے کئی بار اس سے پوچھا' اسے کیا ہوا ہے' مگر وہ کچھ نہ بولا۔ عدینہ کو اس کے اپارٹمنٹ چھوڑنے کے بعد بھی وہ کتنی ہی دیر بے مقصد سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتا پھرا۔

محبت میں بے بسی کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ محبوب سامنے ہو' مگر آپ اظہار نہ کر سکیں' اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے راستے سے دل میں نہ اتار سکیں۔ وہ ایک پیاسی نگاہ جسے محبوب کی وہ مسکراہٹ سیراب کرتی ہے جو صرف آپ کے لیے ہوتی ہے۔ اس کا پیاسا لوٹ آنا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔ یہ عاشر ابراہیم نے آج جانا تھا۔

عاشر ابراہیم اتنا کمزور نہ تھا کہ محبت کا اظہار ہی نہ کر سکے نہ ہی اتنا کمزور کہ محبوب کے ہاتھوں ٹھکرایا جانا نہ برداشت کر سکتا۔ مگر وہ عدینہ ہاشم کو یوں اس خود غرض اور مطلبی دنیا میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور تھا اور وہ جانتا تھا کہ اگر عدینہ ہاشم نے اسے ٹھکرا دیا تو اس کی انا اسے کبھی اس بات کی اجازت نہیں دے گی۔ وہ پلٹ کر دوبارہ کبھی عدینہ ہاشم کے سامنے بھی آئے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت اور انا کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ وہ محبت کی طاقت سے واقف کہاں تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس کی عدینہ ہاشم سے آخری ملاقات ہے۔ اگلے دو' تین دن اس کی مصروفیات بہت زیادہ رہیں' اسے آفس کے کام سے اسلام آباد جانا پڑا اور خواہش کے باوجود عدینہ سے رابطہ نہ کر پایا تھا۔ اس نے اپنے اس دن کے رویے کی معذرت بھی کرنی تھی۔ شفق کتنے ہی دنوں سے عدینہ سے ملنا چاہتی تھی' وہ سوچ رہا تھا' اس دفعہ وہ جب عدینہ سے ملے گا تو اسے اپنے گھر آنے کا ضرور کہے گا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی قسمت اسے اس سے ملنے کا موقع ہی نہیں دے گی۔

اسلام آباد سے واپس آنے کے بعد پہلی فرصت میں اس نے عدینہ کو فون کیا تھا۔ مگر اس کا موبائل اور نہ ہی اس کے اپارٹمنٹ کا نمبر مل رہا تھا۔ وہ اس کے اپارٹمنٹ گیا تو وہاں لاک لگا ہوا تھا۔ اسٹوڈیو سے پتا چلا کہ وہ تین' چار دن سے اسٹوڈیو بھی نہیں آ رہی' آخر وہ اچانک کہاں چلی گئی تھی۔ تین' چار دن تک وہ پاگلوں کی طرح اس کے اسٹوڈیو اور اپارٹمنٹ کے چکر لگاتا رہا۔ دن میں سینکڑوں بار اس کے فون نمبرز ٹرائی کرتا۔ اس کے ہر جاننے والے' ہر ملنے والے سے پتا کیا۔ لاہور میں کتنا اسے تلاش کیا' مگر اس کا کچھ پتا نہ تھا۔ امین ملک جس کا عام حالت میں وہ نام سننا بھی پسند نہ کرتا تھا' اس کے پاس بھی گیا' مگر بے سود' کوئی نہیں جانتا تھا کہ عدینہ ہاشم کہاں چلی گئی۔ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ اس نے کتنا تلاشا تھا' کبھی جو لا حاصل تلاش سے تھک کر بیٹھتا تو بے اختیار آنسو اس کا چہرہ بھگونے لگتے۔

"تم اتنی کٹھور' اتنی سنگدل تو نہ تھیں عدینہ ہاشم کہ میری محبت کو سمجھ نہ پاتیں' پھر میرے ساتھ ایسا کیوں کیا' اگر میرے ہاتھوں میں آس کی ڈور نہ تھما سکتی تھیں تو کم از کم میری محبت کے دیے کو اپنی نارسائی کی پھونک سے بجھا تو دیا ہوتا۔" وہ محبت جسے اس نے بہت سینت سینت کر اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا رکھا تھا۔ عدینہ کے جانے سے سب پہ عیاں ہو گئی تھی۔ شفق نے بہت دفعہ اس سے پوچھا تھا کہ عدینہ کہاں گئی۔ مگر اس کے پاس اس سوال کے جواب میں خاموشی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تب چار ماہ بعد اسے عدینہ ہاشم کا خط ملا۔

"میں جانتی ہوں عاشر! اب جب تم مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرو گے تو میں تمہاری پہنچ سے بہت دور جا چکی ہوں گی' کہاں جا رہی ہوں اور کیوں جا رہی ہوں یہ میں تمہیں کبھی نہیں بتا سکتی۔ میں نے کہا تھا نا دنیا میری نظر سے بھی بہت خوبصورت نظر آتی ہے۔ مگر اس خوبصورتی کو تم نہیں دیکھ سکتے اور تم خاموش ہو گئے' اس پل جو بات مجھے تمہاری خاموشی نہ سمجھا

www.pkdigest.com

سکی تھی' وہ اب میں سمجھ گئی ہوں۔ جسے میں خوبصورتی سمجھتی تھی وہ دراصل اس دنیا کا سب سے بھیانک روپ ہے اور زندگی کے اس بھیانک روپ نے مجھے کتنا کریہہ چہرہ بخش دیا ہے۔ وہ میں تمہیں کبھی نہ دکھا پاؤں گی۔ میں جانتی ہوں تم مجھے تلاش کر رہے ہو۔ اس لیے تمہیں کہہ رہی ہوں مجھے تلاش نہ کرو' اس تلاش میں تمہیں سوائے آبلہ پائی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

ایک مختصر سی تحریر تھی اور وہ مختصر سی تحریر عاشر کے لیے متاع جاں تھی۔ وہ جہاں بھی تھی خیریت سے تھی۔ وہ خط جس میں عدینہ نے محبت کا ایک لفظ نہیں لکھا تھا۔ مگر پھر بھی اس خط نے عاشر کو یہ احساس دلایا تھا کہ عدینہ اس سے محبت کرتی تھی' عدینہ کو اس کی پروا تھی۔ تبھی تو اس نے کسی کو اپنے متعلق کچھ نہ بتایا تھا' مگر اسے بتایا تھا۔

اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ کیوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر غائب ہوگئی تھی۔ اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ لفافے پر لندن کی اسٹیمپس تھیں اور اس آس پر کہ شاید عدینہ کا کچھ پتا چل جائے۔ وہ لندن کی سڑکوں کی خاک بھی چھان آیا تھا۔ لندن اگر گھومنے کے لیے چھوٹا تھا تو کسی کھوئے ہوئے شخص کو ڈھونڈنے کے لیے بہت بڑا۔ شخص بھی وہ جس کا اتا پتا کچھ نہ تھا۔

عاشر ابراہیم کو اس بات کی تسلی تھی کہ وہ جہاں بھی ہے خیریت سے ہے' مگر ایک بات جو پریشان کرتی تھی وہ یہ کہ آخر ایسی کون سی بات' ایسا کون سا حادثہ ہوا تھا جو عدینہ جیسی باحوصلہ لڑکی بھی نہ برداشت کر پائی تھی۔

زندگی کسی کے لیے نہیں رکتی ——— سے کا دھارا بہتا ہے کبھی مدھم' کبھی تیز' عدینہ کے نہ ہونے سے اسے بہت فرق پڑا تھا' مگر وہ جی رہا تھا۔ چاہے جینا کتنا ہی مشکل کیوں نہ تھا اور شاید یوں ہی جیتا رہتا اگر جو اسے اشیر کی وجہ سے لندن نہ جانا پڑتا۔

☼ ☼ ☼

عدینہ نے دروازے پہ ہاتھ رکھا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ کسی ماں کی طرح جو عرصہ بعد لوٹ کر آئے اپنے بچے کو ملنے کے لیے بے تاب ہو اٹھے۔ عدینہ نے ہچکچاتے ہوئے قدم اندر رکھا تھا اور جیسے کئی سال پیچھے چلی گئی تھی۔ ہر چیز ویسی ہی تھی جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ عدیل اس کے پیچھے اندر نہیں آیا تھا۔ صحن میں کھڑے ہو کر عدینہ نے چاروں اور نظر گھمائی۔

یہیں پہ تھا میرا بچپن
یہیں کہیں پر تھا۔
یہیں ہنسا تھا یہیں کہیں پہ رویا تھا۔
یہیں درختوں کے سائے میں تھک کے سویا تھا۔
یہیں پہ کھیل تھے میرے' یہیں گھروندے تھے۔
یہیں پہ چوڑیوں سے نام کاڑھ لیتے تھے۔
یہیں پہ تتلیوں سے رنگ چھان لیتے تھے۔
یہیں پہ تھا وہ لڑکپن' یہیں کہیں پر تھا۔
یہیں پہ ماں نے ایک بار کان کھینچے تھے۔
یہیں پہ بابا نے مجھے سینے سے لگایا تھا۔
انہیں جھروکوں سے کبھی چاند جھانکتا تھا مجھے۔
یہیں کہیں پہ خواب دیکھنا سیکھا۔
یہیں پہ میرا بچپن تھا' یہیں کہیں پر تھا۔

"ارے ہماری رینا بیٹا آئی ہے۔" ابا ہمیشہ کتنے پیار سے اس کا استقبال کرتے تھے' آج بھی صحن میں لگے پیپل کے درخت کے نیچے کرسی پڑی تھی۔ جہاں ابا بیٹھ کر اخبار پڑھتے تھے۔ صحن کے کونے میں وہ لوہے کی سیڑھیاں آج بھی موجود تھیں۔ جہاں بیٹھ کر وہ پڑھا کرتی تھی۔ وہ ایک خواب کی کیفیت میں چلتی صحن کے بیچوں بیچ آگئی تھی۔

"رینا بچے ہر خواب کی تعبیر اتنی خوبصورت نہیں ہوتی جتنا ہم سوچتے ہیں۔ ہم تیرے ماں' باپ ہیں' تیرا برا نہیں چاہیں گے۔ پھر کیوں کر رہی ہے تو ایسا۔" اماں کے انداز میں کتنی بے بسی سی تھی۔

"یہ میری زندگی ہے اور اسے اپنی مرضی سے جینا میرا حق ہے۔ آپ نے مجھے آزادی دی ہے۔ تو اب اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کا حق بھی دے دیں۔" کوئی اس کے کان کے پاس چلایا تھا۔

اس کے آس پاس آوازیں تھیں' شور تھا اور وہ تنہا سلگنے کی کیفیت میں کھڑی تھی۔ شور تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ تبھی کوئی اس کے پاس چیخا تھا۔

"یہ اپنے باپ کی قاتل ہے' اس نے قتل کیا ہے اپنے باپ کو' میں اسے گھر میں گھسنے نہیں دوں گی۔" کسی نے زور سے اسے دکھا دیا تھا۔ وہ ٹھوکر کھا کر زمین پہ گری تھی اور بے اختیار چلائی۔

"اماں۔" سکتہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر' بلک بلک کر رو رہی تھی۔ گھر میں پھیلا سناٹا اس کے ماتم سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر وہاں اکیلی بیٹھی روتی رہی تھی' پکارتی رہی تھی' مگر وہاں اس کی پکار سننے والا کوئی نہیں تھا۔

عدینہ ہاشم لوٹ آئی تھی۔ جنون ٹوٹ چکا تھا اور اب نہ جنوں رہا تھا نہ پری رہی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ بلندیاں دور سے بہت حسین ہوتی ہیں' مگر انسان جتنی زیادہ بلندی سے گرتا ہے تکلیف اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔

☼ ☼ ☼

کتنے سالوں بعد وہ اس گھر میں رو رہی تھی' مگر ان سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ پہلے یہاں خوشیاں تھیں' شور تھا' آوازیں تھیں اور اب یہاں سناٹا تھا' تنہائیاں تھیں' رابعہ اس سے ملنے آئی تھی۔ اس کے دونوں بچے سارا وقت خالہ' خالہ کرتے اس کے آس پاس پھرتے رہے تھے اور وہ نہال ہی ہوگئی تھی۔ رابعہ شادی کے بعد بہت خوب صورت ہوگئی تھی۔ ہنستی کھلکھلاتی رابعہ کو پہلی دفعہ دیکھنے پہ تو وہ پہچان ہی نہ سکی تھی۔

رابعہ دو دن اس کے پاس رہنے کے بعد واپس چلی گئی تھی۔ حفصہ شادی کے بعد آسٹریلیا چلی گئی تھی۔ اس کی کال آئی تھی کتنی ہی دیر اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔ عدینہ کو یاد تھا کہ اس کی حفصہ سے کتنی دوستی ہوا کرتی تھی اور اب کتنے فاصلے آگئے تھے ان کے درمیان' حفصہ تو بات کرتے کرتے ہی رو پڑی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	400/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	200/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
چھاؤں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	200/-
میں ہے عورت	خزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرتا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
خواب دریچے	سعدیہ بال کاشف	200/-
اداس کا چاند	اشرٰی سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا دل	الشاں آفریدی	450/-
دور کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج آنگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی	250/-
تیری راہ میں رل گئی	میمونہ خورشید علی	225/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-
برگ گل	ایم سلطانہ فخر	400/-
اے وقت گواہی دے	راحت جبیں	400/-

جلد منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے بھیجنے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

www.pkdigest.com

تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد ان سے ملنے آئے گی اور عدیل تو رہتا ہی یہیں تھا۔ عدینہ کو اپنے اس چھوٹے بھائی پہ بہت پیار آتا تھا۔ وہ نٹ کھٹ سا شرارتی سا عدیل کتنا سنجیدہ سا ہو گیا تھا۔ وہ گھر پہ کم کم ہی آتا تھا۔ اس کی پڑھائی' پارٹ ٹائم جاب' ٹیوشنز' وہ کتنا مصروف رہتا تھا۔ گھر پہ ہوتا بھی تھا تو زیادہ نہیں بولتا تھا۔ عدینہ کچھ پوچھتی' کوئی بات کرتی تو جواب دے دیتا' ورنہ خاموش ہی رہتا۔

وہ سب اسے معاف کر چکے تھے اور عدینہ جانتی تھی کہ ایسا کیوں مگر ہوا ہے' وہ ایک شخص جو بہت چپکے سے اس کی زندگی میں آیا تھا اور جس نے ہمیشہ اس کے لیے آسانیاں پیدا کی تھیں اور عدینہ ہاشم کبھی ڈھنگ سے اس کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکی تھی۔ اس وقت بھی وہ لوہے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی اسی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔ عدینہ نے دروازہ کھولا' سامنے عاشر ابراہیم کھڑا تھا۔ عدینہ کے پاکستان آنے کے بعد وہ پہلی بار اس سے ملنے آیا تھا۔ اسے پاکستان واپس آنے پر مجبور کرنے والے بھی وہ اور اشیر ہی تھے۔ عدینہ نے اشیر کو بھی واپس چلنے کا مشورہ دیا تھا اور اشیر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ لوٹے گا۔

عدینہ نے عاشر کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا' پھر دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔ عاشر برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھا تو عدینہ بھی مجبوراً" وہیں تخت کے کنارے ٹک گئی۔

"کیسی ہو؟" عاشر نے خاموشی کو توڑا۔ سادہ اور گھریلو سے حلیے میں وہ کتنی مختلف لگ رہی تھی۔ سادہ سا گرین کلر کا کاٹن کا سوٹ اور جوڑے میں لپٹے بال۔ عاشر نے اسے اس حلیے میں پہلی بار دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ عاشر کو ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ کبھی بھی یوں اللہ کا ذکر نہیں کرتی تھی۔

"خوش ہو۔" عاشر نے پوچھا۔ عدینہ نے ایک نظر اسے دیکھا' پھر سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"پتا نہیں خوش ہوں یا نہیں' مگر مطمئن ہوں' بس ایک خلش ہے کہ ابا' اماں مجھ سے ناراض ہی اس دنیا سے چلے گئے۔ میں انہیں منا ہی نہ سکی۔ میں کتنی بدنصیب ہوں۔" عدینہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ ایک لمحے کو وہ رکی' پھر زبردستی مسکرائی۔

"اچھا یہ سب چھوڑو۔ یہ تو زندگی کے ساتھ ہی چلتا رہے گا' تم کیا کر رہے ہو اور اشیر کیسا ہے' تمہاری اس سے بات ہوئی؟"

"اشیر ٹھیک ہے۔ وہ پاکستان واپس آگیا ہے' پرسوں ہی پہنچا ہے یہاں۔" عاشر بہت مطمئن انداز میں مسکرایا۔

"کتنا بدتمیز انسان ہے وہ۔ پاکستان آگیا اور مجھے بتایا' نہ مجھ سے ملنے آیا۔" عدینہ نے کچھ خفگی سے کہا تو عاشر وضاحت دینے لگا۔

"ایکچوئیلی مما اسے نہیں چھوڑ رہیں۔ وہ تو تمہارے پاس آنا چاہتا تھا' مگر۔"

"اشیر نے گھر میں بتایا اپنی بیماری کے بارے میں۔"

"ہوں بتا دیا اور شفق سے معافی بھی مانگ لی۔ شفق کا تو وہ زیادہ مجرم تھا نا۔ مگر شفق کو یوں کسی کے ساتھ زندگی گزارتے دیکھنا اس کے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔ میں جانتا ہوں اور وہ یہ تکلیف صرف ہمارے لیے برداشت کر رہا ہے۔ مجھے یہ بات بہت پریشان کرتی ہے۔" عاشر کا لہجہ نمی لیے ہوئے تھا۔

"مجھے لگتا ہے ہم نے اسے وہاں سے بلا کر اچھا نہیں کیا۔ وہ دور تھا تو اتنی تکلیف میں تو نہ تھا۔" عدینہ کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا کہے تو آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھی' جب اسے اپنے پیچھے عاشر کی آواز سنائی دی۔

"عدینہ لندن میں تمہیں ایک بات کہی تھی۔ ایک فیصلہ تھا جو تمہیں کرنا تھا۔ میں تمہارے فیصلے کا منتظر ہوں۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ساری زندگی تمہارا انتظار کر سکتا ہوں' مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم سچ

ع فیصلہ کرنے میں ساری زندگی گزار دو۔" عدینہ جھاک سے کچن میں گھس گئی۔ پھر جب وہ چائے لے کر آئی تو عاشر صحن میں لگے سکھ چین کے درخت کے پاس کھڑا تھا۔ سکھ چین کے نئے پتے نکل رہے تھے۔ اس نے چائے عاشر کو پکڑائی۔ وہ ہاتھ سے نئے پتوں کو چھو رہا تھا۔

"اس کے پتے بہت خوب صورت ہیں' ریشم سے نرم اور چمکیلے۔"

"ہوں بہت خوبصورت۔" عدینہ نے تائید کی۔ پھر جب تک عاشر نے چائے ختم کی' وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ عاشر چائے پی کر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ عدینہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی تھی۔ پھر جب وہ دروازے سے نکل رہا تھا۔ عدینہ نے بے اختیار اسے پکارا۔

"عاشر۔" عاشر نے منتظر نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں زندگی کو ایک دفعہ پھر آزماؤں گی۔" اس کی بات سن کر عاشر کھل کر مسکرایا' پھر باہر نکل گیا۔ عدینہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

"زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے۔ جب زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے' ہر چیز توازن میں آجاتی ہے۔ مگر ہم انسان بہت بے صبرے ہیں' ہم کبھی بھی سب ٹھیک ہونے کا انتظار نہیں کرتے۔ ہم خواہشات کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ اس کی زندگی میں بھی سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا' مگر بہت کچھ کھونے کے بعد۔۔۔

کتنے ماہ و سال گزرے تھے' اس کو بے سمت بھاگتے' اگر زندگی کا حاصل صرف محبت ہے تو ہم انسان کیوں پاگلوں کی طرح شہرت اور دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ کیوں ہماری آنکھوں پہ ہوس کی پٹی بندھی ہوتی ہے۔ کیوں ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ جس عروج کے جنون میں دیوانے ہوئے پھرتے ہیں وہ درحقیقت زوال ہے۔ ہم بھاگتے ہیں۔ اندھا دھند بھاگتے ہیں' چاہے جتنی ٹھوکریں لگیں' چاہے جتنی بار اوندھے منہ گریں' پاؤں چھلتی ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ ہم بھاگتے ہیں' اپنے جنون کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور جب ہم منزل پر پہنچتے ہیں تو احساس ہوتا ہے وہ جسے منزل سمجھے تھے وہ منزل نہ تھی' بلکہ ایک سراب تھا' مگر جب تک احساس ہوتا ہے تب تک ہم کیا کچھ نہیں گنوا چکے ہوتے' اپنے رشتے' اپنی محبتیں' اپنے دکھ درد کے ساتھی۔

خالی دل' خالی جھولی اور خالی ہاتھ لیے سوائے ماتم اور پچھتاوے کے ہمارے پاس بچتا ہی کیا ہے۔ میں خوش قسمت تھی کہ سب گنوانے کے بعد بھی میرے پاس ایک محبت تھی۔ کسی کا ساتھ تھا' جس نے مجھے سنبھالا تھا۔ جو مجھے دوبارہ زندگی کی طرف کھینچ لایا۔ اور ہر کوئی عدینہ ہاشم جیسا خوش قسمت نہیں ہوتا۔"

عدینہ نے ایک گہرا سانس لیا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

ایسا ہی کچھ اس وقت باہر موجود گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے عاشر ابراہیم نے بھی سوچا تھا۔

زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے' جب آپ کو وہ سب حاصل ہو جاتا ہے جو مطمئن اور پرسکون زندگی کے لیے ضروری ہے' چاہے تو آپ اس وقت کو ریت کی طرح پھسل جانے دیں یا اس لمحے کو اپنی ساری زندگی پر محیط کریں۔ یہ فیصلہ آپ کو خود کرنا ہوتا ہے اور عاشر ابراہیم نے اپنی مٹھی بند کر لی تھی۔ ☼ ☼

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
کوئی ایسا اہل دل ہو
نبیلہ عزیز
قیمت ۔۔۔ -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ خواتین ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔

غزالہ عزیز

گارڈین

"یار! اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے' خوامخواہ ہی سب کو پریشان کر کے رکھا ہوا ہے تم نے۔"

پارس نے چونک کر رمیز کو دیکھا تھا۔ رمیز اس کا کولیگ تھا اور پچھلے ماہ چینل کے کرنٹ ایفیئرز ڈیپارٹمنٹ کو جوائن کرنے والے اعمش کرمانی سے کچھ دن پہلے ہی اس کا تعارف ہوا تھا۔

وہ چینل سے لانچ ہونے والے انٹرٹینمنٹ شوز کا ایگزیکٹو ڈائریکٹر تھا۔ اسے لاہور کے آفس سے کراچی بھیجا گیا تھا اور پارس اسے اسسٹ کر رہی تھی۔ لہٰذا ان چند دنوں میں اس کی اعمش کرمانی سے زیادہ نہیں مگر تھوڑی بہت بے تکلفی ضرور ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ میٹنگ سے فارغ ہو کر کانفرنس روم میں بیٹھے تھے۔ تب رمیز کی آفر سن کر اعمش کرمانی کے مسکرانے پر جانے اسے کیا ہوا کہ بے اختیار بولے بغیر نہیں رہ سکی۔

"رمیز واقعی صحیح کہہ رہا ہے جو کام مذہب میں گنجائش ہونے کے باعث ہمارے یہاں کے بیشتر مرد ایک بار نہیں بار بار شوق فرماتے ہیں اور آپ ایک بار بھی نہیں کریں گے تو زیادتی ہو گی۔"

"کس کے ساتھ؟"

اعمش کرمانی نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے ساختہ کہا تھا اور وہ نروس ہونے کے بجائے بااعتماد تھی۔

"آپ کے گھر والوں کے ساتھ۔۔۔ آخر کچھ کام انسان دوسروں کی خوشی کے لیے بھی تو کرتا ہے۔"

پارس نے بھی برجستہ کہا تھا اور اس بار اعمش کرمانی مسکرانے کے بجائے ہنسنے لگا تھا۔ وہ واقعہ پارس کی حاضر جوابی پر اس کی ذہانت سے مرعوب ہوا تھا کیونکہ بعض مردوں کو ذہین اور خوب صورت عورتیں بہت اچھی لگتی ہیں اور اعمش کرمانی بھی شاید اسی لیے اس لڑکی میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ نے کسی سے محبت کی اور آپ کو اس میں ناکامی ہوئی پھر بھی آپ کو شادی ضرور کرنی چاہیے لیکن اگر عشق کیا ہے تو پھر شادی اتنی ضروری بھی نہیں ہے' اس کے بغیر بھی بندے کا گزارا ہو جاتا ہے۔"

"وہ کیوں؟" اعمش کرمانی کو اس نوک جھوک میں مزا آ رہا تھا اس لیے بات بڑھانے کو بولا تھا۔

"وہ اس لیے کہ محبت تو انسان کو دوبارہ بھی ہو سکتی ہے لیکن عشق۔۔۔ عشق صرف ایک بار ہوتا ہے۔"

"شکر ہے میں نے صرف محبت کی تھی' اگر عشق کرتا تو واقعی چانس ہی ختم ہو جاتا تھا۔"

اعمش کرمانی کو مسکراتا دیکھ کر اسے لگا کہ شاید اس نے مذاق کیا ہے۔ بہرحال اسے لگا کہ اب مزید بحث کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اعمش کرمانی نے خود ہی قصہ مکا دیا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے اٹھنے کا سوچتی اس بار اعمش کرمانی نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"آپ نے کبھی محبت کی ہے؟"

اعمش کرمانی نے سنجیدگی سے کیا جانے والا سوال غیر سنجیدگی سے کیا تھا۔ اس کے لبوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس سوال جواب کی کسوٹی سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"نہیں! اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔"

پارس نے قطعی لہجے میں فیض احمد فیض کی بات بلکہ ضرب المثل مصرعہ دہرایا تھا۔ حالانکہ یہ سچ نہیں تھا مگر اسے کہنا پڑا تھا۔

"تو پھر آپ کو "محبت" اور "عشق" کے درمیان کا یہ نازک بلکہ باریک سا فرق کیسے پتا چلا؟ کیونکہ سمندر کی گہرائی ڈوبنے والا ہی جانتا ہے۔"

ایک اور سوال برجستگی سے کیا گیا تھا۔ اسے لگا جیسے اب اعمش کرمانی کی باری ہے اسے زچ کرنے کی لیکن وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی' اس لیے رسانیت سے بولی تھی۔

"کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ ہر بات پریکٹیکل کرنے سے ہی آپ کی سمجھ میں آئے۔ کچھ باتیں بنا کسی لاجک کے خود بخود ہمیں سمجھ آجاتی ہیں اور پھر محبت کے بارے میں تو شاید ہر انسان کا اپنا الگ نظریہ ہوگا۔"

اعمش کرمانی یکدم سنجیدہ ہوا تھا۔

"محبت کیسے ہو جاتی ہے؟"

اور وہ جو سمجھ رہی تھی کہ بات ختم ہو گئی لیکن اسے لگا کہ بات اصل میں اب شروع ہوئی ہے۔ اس نے غور سے اعمش کرمانی کا چہرہ دیکھا۔

"محبت تب ہوتی ہے جب دو انسانوں کی کیمسٹری آپس میں مل جائے۔ جب ان دونوں کو لگے کہ وہ ایک دوسرے کے اندر اتر کے سب کچھ جان لیتے ہیں۔ جب۔۔۔ جب کوئی آپ کے کہے بغیر آپ کے اندر کی بات جان لے' جب کسی کو آپ کے اندر کے ہر موسم کی خبر ہونے لگے اور۔۔۔ اور آپ اس سے کچھ چھپا نہ سکیں۔"

وہ کھو سی گئی تھی اور اس بے خبری میں اعمش کرمانی کی نگاہوں نے جی بھر کے اس دلکش چہرے کا طواف کیا تھا۔ وہ یک ٹک اس موتیے کے پھولوں جیسی پاکیزہ رنگت اور دل کو مسحور کر دینے والے لہجے کی مالک پارس کو دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے اسے لگا جیسے اسے پارس سے محبت ہونے لگی ہے۔ اسے لگا جیسے اس کی اور پارس کی کیمسٹری آپس میں بہت میچ کرتی ہے۔ وہ بالکل اس کی طرح سوچتی ہے' اس کی سوچ اور نظریات حقیقت سے قریب تر ہونے کے باوجود اپنے اندر بہت کشش رکھتے ہیں اور وہ خود اس سے زیادہ پرکشش ہے اور بالآخر اس نے دل میں تسلیم کر لیا کہ پارس صحیح کہتی ہے۔

"محبت بار بار ہو سکتی ہے۔ محبت کے دامان میں تنگی نہیں ہوتی۔ یہ شاید ماں کے دل کی طرح کشادہ ہوتی ہے۔" اور اس اعتراف کے بعد اعمش کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

پارس نے چونک کر سامنے دیکھا تو اعمش کرمانی سپاٹ سے نگاہوں کا زاویہ پھیر گیا جبکہ وہ سوچ رہی تھی کہ روانی میں وہ جانے کیا کچھ کہہ گئی۔ شکر تھا اس کے لبوں سے کچھ اور نہیں نکلا ورنہ اعمش کرمانی جیسے مقناطیسی شخصیت رکھنے والے مرد بڑے زیرک ہوتے ہیں۔ لمحوں میں سامنے والے شخص کے دل کا حال جان کر اس کے دل کی دنیا الٹ پلٹ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اعمش کرمانی کی شخصیت بھی ایسی ہی ساحرانہ تھی۔

"کہیں اعمش کرمانی بھی ان مردوں میں سے نہیں جو کسی ذہین و خوبصورت عورت کو زیر کرنے کے لیے اس خاص لمحے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب عورت جذباتی طور پر کمزور پڑ جاتی ہے۔" پارس نے دل میں سوچا تھا اور اگلے لمحے وہ سر جھٹک کے سپاٹ چہرے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا؟"

اعمش کرمانی نے اسے اٹھتے دیکھ کر بے اختیار اس کے سنجیدہ چہرے پر نظر ڈالتے تشویش سے پوچھا تھا۔

"اور بھی کام ہیں زمانے میں چائے کی میز پر گپ شپ کرنے کے وقت ضائع کرنے کے سوا۔"

پارس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

اعمش کرمانی اس کے جملے پر بے اختیار خوش دلی بلکہ بے فکری سے ہنسا تھا اور نہ پارس کے سپاٹ پڑتے چہرے اور لہجے کی بے گانگی نے لمحے میں اسے دہلا کے رکھ دیا تھا اور یہ ہنسی اتنی بے ریا اور شفاف تھا کہ پارس کو اپنی تھوڑی دیر پہلے والی سوچ کو رد کرنا پڑا تھا جو اس نے اعمش کرمانی کے بارے میں رائے قائم کر کے اسے عام سے مردوں کی لائن میں کھڑا کر دیا تھا۔ اعمش کرمانی بھی جواباً" مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یس۔۔۔ یو آر رائٹ! ایک گھنٹے بعد میری بھی باس سے میٹنگ ہے' اوکے۔ آپ سے باتیں کر کے بہت اچھا لگا' آپ بہت اچھا سوچتی اور بہت زیادہ اچھا بولتی ہیں۔"

اور اس تعریف پر برا ماننے کے بجائے پارس کے لبوں پر جواباً" دوستانہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی اور وہ دونوں ایک ساتھ کانفرنس روم سے باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

پارس کی عام سی کہانی تھی۔ جب وہ یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔ تب گھر والوں کی خواہش پر اس کی پھوپھی زاد سمیر سے منگنی ہو گئی تھی اور وہی ہوا تھا۔ جس خوف سے بچنے کے لیے رعنا پھوپھو نے سمیر کو امریکہ جانے سے پہلے منگنی کی بہت ہی کمزور سی زنجیر میں باندھا تھا۔ وہ تو نکاح کروا کے بھیجنا چاہتی تھیں' تاکہ امریکہ کی آزاد فضاؤں میں سمیر آزادی سے سانس لینے کی کوشش بھی نہ کر سکے مگر وہ اس پر راضی نہ تھا۔ لہٰذا مجبوراً" منگنی پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔ کیونکہ پارس کی اپنی کوئی پسند نہیں تھی۔ وہ گھر والوں کے انتخاب پر مطمئن ہو گئی۔ سمیر اس کا کزن تھا اور بظاہر اس میں کوئی خامی نہیں تھی۔ ہینڈسم تھا اور سافٹ ویئر انجینئرنگ کی تعلیم کے لیے امریکہ گیا تھا۔ اور بس یوں ہی اسے بھی عام لڑکیوں کی طرح اپنے کزن بلکہ منگیتر سے عام سی محبت ہو گئی۔

آخر وہ بھی تو اک عام سی لڑکی تھی۔ اور لڑکیوں کو اور کوئی شوق ہو یا نہ ہو محبت کر کے آباد برباد ہونے کا شوق ضرور ہوتا ہے۔ اور اس عام اور خاص سی محبت میں کیا فرق ہوتا ہے؟ یہ فرق اسے سمیر سے منگنی ختم ہونے کے بعد پتا چلا۔ سمیر نے امریکہ کی سٹیزن شپ حاصل کرنے کے لیے وہیں کسی ترکش فیملی میں شادی کر لی۔ جس کے نتیجے میں سمیر کے اس اقدام پر سب خاندان والوں نے جی بھر کے اسے لعن طعن کرنے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے کسی فرنگن سے شادی نہیں کی۔ سب گھر والے بھی سمیر کے اس اقدام پر رعنا پھوپھو سے ناراض تھے۔ ساتھ ہی اس سے بھی ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ جیسے اسے اس بات سے بہت بڑا صدمہ پہنچا ہو۔ حالانکہ ایسا تو کچھ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ وہ بھی عام لڑکیوں کی طرح نازک احساسات کی مالک محبت کے جذبے سے متاثر ہونے والی لڑکی تھی' لیکن حقیقت پسند بھی تھی۔ اور اس نے اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کر لیا کہ سمیر نے اسے دھوکہ نہیں دیا۔ بلکہ سچائی بروقت ہی سب کو بتا دی۔

ساتھ ہی یہ بھی کہ اچھا ہوا کہ وہ زبردستی سمیر پر مسلط نہیں کی گئی۔ اگر سمیر نے کسی اور کو پسند کر لیا تو ہر انسان کو اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔ پھر کیا ہوا جو یہ حق ہمارے یہاں زیادہ تر لڑکے ہی استعمال کرتے ہیں۔ اس نے اپنے دل کی کشادگی کے باعث سمیر کو اس الزام سے بری الذمہ کر دیا تھا۔ اور تب پارس کو لگا کہ اسے اس منگنی کے ختم ہونے سے بہت زیادہ افسوس نہیں ہوا۔

اس کا محبت کے بارے میں اپنا الگ ہی فلسفہ تھا۔ شاید ہر انسان کا اپنا الگ فلسفہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اس نے سوچا کہ یہ عام سی محبت تھی۔ اور منگنی کون سا اتنا پائیدار رشتہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے یقین ہونے لگا کہ خاص محبت ایسی نہیں ہوتی۔ جیسے منگنی ہونے پر اسے سمیر سے ہوئی تھی۔ بلکہ خاص محبت تو وہ ہوتی ہے جس میں آپ کو لگے کہ دنیا میں کوئی ایک شخص ایسا ہے۔

www.pkdigest.com

جس کے بغیر آپ ادھورے ہیں' اور صرف وہی ایک شخص آپ کو مکمل کر سکتا ہے۔ اور اس روز اعمش کرانی کے پاس سے اٹھنے کے بعد پارس کو لگا تھا کہ اعمش کرانی وہ ایسا شخص ہے' جس سے کسی بھی لمحے اسے خاص محبت ہو سکتی ہے۔ اور جب سے اسے یہ ادراک ہوا تھا۔ وہ ہر لمحہ اعمش کرانی سے سامنا کرنے سے زیادہ سے زیادہ بچنے لگی تھی' مگر اس کا دل کبھی کبھی دماغ کی لاجک ماننے سے انکاری ہو جاتا تھا۔

دل کہتا تھا کہ محبت کو ایک موقع اور دینا چاہیے۔ سمیر پر دینا ختم تو نہیں ہو گئی۔ اور اعمش کرانی کی مسکراتی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی اس نے شروع دن سے ہی محسوس کر لی تھی۔ لہٰذا اس کا خیال تھا کہ یہ محض فلرٹیشن بھی ہو سکتی ہے' مگر اس روز سیڑھیاں چڑھتے اعمش کرانی نے اسے روک لیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے؟" پارس نے مڑ کے اسے خاموش نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اور وہ خاصا ذیرک تھا جو فوراً" سمجھ گیا۔ اور وہ ساتھ ساتھ سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آفس میں آ کر بیٹھ گئے۔

"کیا آپ آج شام میرے ساتھ ڈنر پر چل سکیں گی؟" وہ اب بھی چپ رہی تو اعمش کرانی کو اصل بات بتانی پڑی۔

"ایکچوئیلی! میں آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھیں نا! اگر میں آپ سے یوں ہی کہہ دیتا کہ میں آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں تو آپ ہی کو شکایت ہوتی کہ کتنا ان رومینٹک بندہ ہے۔ لے کے پتھر مار دیا۔" پارس نے اسے اس بے تکلفی پر حیرانی سے دیکھا تھا۔ اور اب اس کے لیے چپ رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ پوچھے بغیر نہیں رہی۔

"مگر آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ تو شاید!" پارس کو لگا کہ جیسے اس نے بہت بے تکا سا سوال کر دیا ہے۔ جانے کیوں اسے لگا تھا کہ اعمش کرانی اس سے فلرٹ نہیں کر سکتا۔ مگر وہ کچھ نروس سی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس وقت اعمش کرانی کی ساحر شخصیت کی مقناطیسی کشش اسے مرعوب کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر پارس کنفیوژ سی ہو کر چپ رہ گئی تو جواباً" اسے خواہ مخواہ تنگ کرنے کے بجائے اعمش کرانی نے ہی اس کی مشکل آسان کی تھی۔

"دیکھیں! میں آپ سے یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ مجھے آپ سے پہلی نظر میں ہی محبت ہو گئی تھی' کیونکہ Love at first sight کا میں قائل نہیں ہوں۔ ہاں! جب میں پہلی بار آپ سے ملا تھا تو آپ کے لبوں کی دوستانہ مسکراہٹ دیکھ کر میں نے سوچا تھا کہ آپ میری اچھی دوست بن سکتی ہیں۔"

"لیکن آپ تو کسی اور سے!" پارس نے اپنے اندازے کو یقین میں بدلنے کی کوشش کی تھی۔ تب اس نے بے اختیار اسی کی کہی بات یاد دلا دی۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ محبت بار بار ہو سکتی ہے' مگر اس بار مجھے وہ عام سی محبت نہیں ہوئی جو اسکول میں اپنی کلاس فیلو سارہ سے ہو گئی تھی۔ سارہ جو بہت بولڈ' موڈی اور کیوٹ تھی۔ شاید وہ ٹین ایج کی جذباتی بلکہ فطری کشش تھی' اور تب میں بہت شائے بوائے ہوا کرتا تھا۔"

"تو اس کا مطلب ہے' اس بار آپ کو خاص محبت ہوئی ہے۔" پارس نے بے ساختہ کہا تھا۔ اس کی انا کی خود اعتمادی فوری بحال ہوئی تھی۔ کیونکہ اس لمحے پارس کو لگا تھا کہ اعمش کرانی بالکل ویسے ہی سوچتا ہے۔ جیسے وہ سوچتی ہے۔ اعمش کرانی نے اسے مسکرا کے جتایا تھا کہ واقعی ان کی کیمسٹری آپس میں بہت میچ کرتی ہے۔

"آف کورس! میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ ایکچوئیلی! مجھے لگتا ہے میری اور آپ کی کیمسٹری بہت میچ کرتی ہے' اور آپ کو پتا ہے' یہ جو عام سی محبت ہوتی ہے۔ یہ شاید بار بار ہو سکتی ہے' مگر جو خاص محبت ہوتی ہے وہ محبت نہیں ہوتی' بلکہ عشق ہوتا ہے' اور عشق صرف ایک بار ہوتا ہے۔" اس کی باتوں کا سارا

مفہوم اس ایک جملے میں آ کر سمٹ گیا تھا۔ اعمش کرانی واقعی اسے حیران کر رہا تھا' لیکن یقین کر لینے سے پہلے وہ مکمل اطمینان کر لینا چاہتی تھی۔ اسی لیے شوخ لہجے میں بولی تھی۔

"اچھا تو آپ بھی اس ٹپ پر عمل کر رہے ہیں کہ لڑکوں کو کسی لڑکی کو پٹا کر ڈیٹ پر لے جانے کے لیے یہ کہا جائے کہ ایکسکیوزمی مس! کیا آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پئیں گی؟" اس نے یوں ہی بات کو مزاح کا رنگ دینے کی کوشش کی تھی' لیکن شاید اسے پارس کی بات پسند نہیں آئی یا پھر وہ مکمل سنجیدگی کے ساتھ اپنے سوال کا جواب چاہتا تھا۔ اس لیے سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔

"جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کو پٹانے کی کوشش نہیں کر رہا۔ اگر آپ کو اعتراض ہے تو اٹس اوکے!" وہ پلٹ کے جانے لگا تھا۔ تب پارس کی بات نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

"مگر آپ نے مجھ سے تو یہ پوچھا نہیں کہ مجھے عام سی محبت کب اور کس سے ہوئی تھی؟ اور خاص محبت کس سے ہوئی ہے؟" آخر کا جملے پر پارس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ تب وہ رسانیت سے بولا۔

"مگر مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی دلچسپی ہے۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تب کی نہیں اب کی بات کر رہا ہوں۔"

"مگر میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ جب میں یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔ میری پھوپھی زاد سے منگنی ہوئی تھی۔ اور ایک سال بعد اس نے کسی امریکن فیملی کی لڑکی سے شادی کر لی جو ترکش تھی۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکی تھی' پھر اعمش کرانی کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ جانتے ہیں' لڑکیاں بہت جذباتی ہوتی ہیں۔ جب کسی شخص کے ساتھ کسی خاص رشتے میں بندھ جائیں تو پھر انہیں جذباتی بلکہ فطری طور پر اس شخص سے محبت ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی سمیر سے وہی عام سی محبت ہو گئی تھی۔ کیونکہ میں بھی تو ایک عام سی لڑکی ہوں' لیکن جذباتی اور کمزور ہرگز نہیں۔" وہ خاموش ہوئی تو اعمش کرانی نے سوالیہ لہجے میں اسے باور کرایا کہ اس نے ادھوری بات کی ہے۔

"یہ تو عام سی محبت تھی اور خاص محبت۔" اعمش کرانی دانستہ رک کر اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

"جو شخص یہ جان لیتا ہے کہ میں اس سے کیا پوچھنے والی ہوں؟ اسے لگتا ہے کہ اس کی اور میری کیمسٹری بہت میچ کرتی ہے۔ اسے یہ سوال ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔" اعمش کرانی کو شرارت سوجھی تھی۔

"تو پھر!"

"تو پھر یہ کہ خاص محبت' محبت نہیں ہوتی' بلکہ عشق ہوتا ہے' اور عشق صرف ایک بار ہوتا ہے۔" اعمش کرانی نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"اور!"

"اور یہ کہ مجھے آپ کی خاص سی محبت قبول ہے۔"

"یہ ہوئی نا بات' یا ہو!" اعمش کرانی نے ٹین ایجرز کی طرح جذباتی ہوتے سامنے ٹیبل پر رکھے پیپرز ہوا میں اچھالے تھے۔ اور پارس سوچ رہی تھی کہ جو محبتیں ہمارے نصیب ہوتی ہیں' وہ ہمیں جلد یا بدیر مل کر رہتی ہیں۔ تب اعمش کرانی نے اسے مخاطب کر کے کہا تھا۔

"اور ہاں! تم عام سی لڑکی ہرگز نہیں ہو۔ تم تو بہت خاص ہو بہت قیمتی میرے لیے۔"

اور جواباً" پارس اپنے نصیب کی اس خوش بختی پر کھل کر مسکرا دی۔ وہ دونوں ایک ساتھ لنچ کے لیے اٹھ کر آفس سے باہر نکل گئے۔ پارس نے اعمش کرانی کی ڈنر کی آفر بھی قبول کر لی تھی۔

☆ ☆

www.pkdigest.com

ناولٹ

سنبل

راحتِ ہدایت

"ارے محترم یورید صاحب کے بارے میں کسی کو اطلاع ہے کہ وہ کہاں پائے جاتے ہیں۔" کنزا نے لونگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"بالکل اطلاع ہے صاحب! اور بھائیوں کی بہنوں کو خبر رکھنا ضروری ہے۔" شنزا نے میگزین کی ورق گردانی روک کر کہا۔

"اور خصوصاً ایسے بھائی کی۔"

"تو جلدی بتاؤ وہ کہاں ہے پچھلے دس منٹ سے داد اس کے لیے بے چین ہیں کنوؤں میں بانس ڈلوا دیے گئے ہیں۔" کنزا نے بے تابی سے کہا۔

"محترم یورید بھائی! پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے ٹیرس پر موجود ہیں ان کے ہاتھ میں Orock کی بک ہے جس کا ۲۹۔۲۸ صفحہ کھلا ہوا ہے اور کتاب الٹی ہے مگر یورید بھائی مطالعے میں اتنے غرق ہیں کہ انہیں احساس ہی نہیں ہے کہ کتاب الٹی ہے۔ سامنے والے گھر میں ایک خوش شکل حسینہ جو کہ خود کو کسی طرح سے بھی حسینہ عالم سے کم سمجھنے پر تیار نہیں ہے برہنہ پا اپنے گھر کے لان میں چہل قدمی فرما رہی ہے اور دونوں معزز حضرات اپنے اپنے کام میں اتنے محو ہیں کہ مئی کی چلچلاتی ہوئی دھوپ سے قطعی بے نیاز ہیں اور اس میں بھی وہ دسمبر کی سی گلابی دھوپ کے مزے لے رہے ہیں۔" شنزا کی رواں کمنٹری جاری تھی کہ کنزا پہلے تو ہونقوں کی طرح شنزا کو دیکھتی رہی پھر مطلب سمجھ میں آنے پر ایک دھپ بہن کو لگائی اور ہنستی ہوئی ٹیرس پر پہنچ گئی۔ جہاں آنکھوں میں چبھنے والی دھوپ نکلی ہوئی تھی اور منظر شنزا کا بتایا ہوا تھا۔ کنزا کو دیکھ کر سامنے والی حسینہ گھر کے اندر غروب ہو گئی۔ کنزا نے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو یورید نے چونک کر بہن کو دیکھا۔

"اوہ! آپی آپ ہیں ذرا پڑھ رہا تھا۔" یورید نے خجالت سے ایک انگلی سے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن تمہارا حاصل مطالعہ تو جا چکا ہے۔" کنزا نے سامنے والے گھر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" یورید قطعاً انجان بن گیا۔

"مطلب یہ کہ کتاب الٹی ہے۔" کنزا نے اس کا کان پکڑ لیا۔

"کان تو چھوڑیں یہ تو آپ کے آنے کے بعد الٹی ہوئی ہے ڈر کے مارے۔" یورید نے کان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرے پاس تو پچھلے ڈیڑھ گھنٹے کی یہی اطلاع ہے اور مائی ڈیئر برادر جب انصف النہار میں پڑھو گے تو دماغ تو پگھلے گا ہی اور جب دماغ پگھلے گا تو الٹی کتاب ہی سمجھ میں آئے گی بہ نسبت سیدھی کتاب کے۔" کنزا بھی اسے کسی طور چھوڑنے پر تیار نہیں تھی۔

"اچھا تو یہ شنزا کا کارنامہ ہے پکی مخبر ہے۔" یورید نے تپ کر کہا۔

"مخبر و خبر نہیں ہے تمہارے کارناموں کی خبر رکھتی ہے بس!" کنزا نے بہن کا دفاع کیا۔

"اس کو تو میں دیکھ لوں گا۔" یورید نے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

"مائی ڈیئر برادر! اسے تو آپ اپنی پیدائش سے دیکھ رہے ہیں اور مزید بعد میں دیکھ لیجیے گا فی الحال تو داد

www.pakdigest.com

کے دربار میں حاضری دیں وہ آپ کے دیدار کے لیے پچھلے پچیس منٹ سے ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی ہیں۔" کنزا نے دادی کا شدید لیہ دیا۔

"اوہو! تو آپ کا مقصد نزول یہ تھا۔" یورید نے بہن کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

یہ وقار حسن خان کا گھر تھا۔ جہاں وہ اپنی بیوی، بیٹے، بہو، دو عدد پوتے اور دو عدد پوتیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ گھر میں خوش حالی تھی۔ دادو حور بانو جو یقیناً "کسی زمانے میں حور رہی ہوں گی اپنی بہو ردا احسن پر جان چھڑکتی تھیں اور ردا بھی اپنی ساس کی والہ و شیدا تھیں۔ دونوں میں ایسی گاڑھی چھنتی تھی جیسے کہ بچپن کی دوست ہوں ردا اپنے شوہر احسن حسن خان کی ہر شکایت نمک مرچ لگا کر اپنی ساس کو بتاتی تھیں اور وہ بیٹے کے دوسلتے لیتیں کہ وہ چڑ جاتے تھے۔

"اماں! یہ بتائیں کہ ہم میں سے آپ کی اولاد کون ہے؟" وہ اکثر پوچھتے۔

"ہمیں انتہائی شرمندگی کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ تم۔" دادی کا بھی سینس آف ہیومر غضب کا تھا ردا اور دادا سمیت بچے بھی جملوں کا مزا لیتے۔

"ابا جان! دیکھ رہے ہیں اماں کو۔" احسن باپ سے گلہ کرتے۔

"دیکھ رہا ہوں بیٹا! جب سے شادی ہوئی ہے تب سے دیکھ رہا ہوں تمہاری اماں نے کسی اور طرف دیکھنے کے قابل کہاں چھوڑا ہے۔" ہمیشہ کے نیوٹرل ابا کا جواب ہوتا اور احسن کلس کر وہاں سے اٹھ جاتے۔

گھر کے تمام سیاہ و سفید کی مالک دادو اور ان کی لاڈلی بہو ردا تھیں احسن کے چار بچے تھے سب سے بڑی کنزا تھی جس نے بی ایس سی کیا تھا اور آج کل امور خانہ داری میں دلچسپی لے رہی تھی بڑی ہونے کے ناتے سب بہن بھائیوں پر رعب جماتی تھی مگر ناکام رہتی تھی۔ اس سے چھوٹے رویہ اور یورید جڑواں تھے مگر عادتوں میں ایک دوسرے کی الٹ۔ یورید ہر خوب صورت چہرے پر اپنا حق سمجھتا اور اسے متوجہ کرنے کی ہر ممکن سعی کرتا اور کیونکہ آج کل کی لڑکیاں کسی طور بھی لڑکوں سے پیچھے نہیں ہیں سو اس کی یہ سعی اکثر ہی کامیاب ہو جاتی اور رویہ وہ تو لڑکیوں سے یوں دور بھاگتا جیسے لڑکیاں نہ ہو بلائیں ہوں جو لڑکیاں اس کی جانب بڑھتیں۔ اس کے پتھریلے وجود سے سر ٹکرا ٹکرا کر اس پر سو جان سے لعنت بھیج کر اپنی راہ لیتیں۔

یورید کے سلسلے میں ایک بار احسن خان نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا تھا کہ۔

"یہ ایسا کیوں ہے؟" تو دادی نے ترت کہا۔

"میرے پیارے بیٹے وراثت منتقل ہوتی ہے اور اسے کوئی نہ کوئی اولاد قبول ضرور کرتی ہے تو تمہاری وراثت کو یورید نے قبول کر لیا ہے تم اپنے زمانے میں کم تھے وہ تو احسان مانو میری ردا کا کہ اس نے کھونٹے سے باندھا ہے۔" اور احسن نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا کہ بچوں نے نہ سن لیا ہو اور بچے سراپا اشتیاق بنے انہیں کی جانب متوجہ تھے چہرے پر ایسا بھولا پن کہ کوئی قسم بھی کھالے تو یقین نہ آئے کہ انہوں نے کچھ سنا ہے مگر آنکھوں میں دنیا جہان کی شرارت بھری ہوئی۔

"اماں اب تو بخش دیں بچے بڑے ہو گئے بڑھاپا آگیا اس نیک بخت نے کبھی طعنہ نہیں مارا اور آپ نے کبھی چھوڑا نہیں۔" اور نیک بخت مسکرا کر رہ گئیں کہ ان کی کسر نکالنے کو اماں جو تھیں۔

رویہ کتابی کیڑا تھا سو اس لیے کم عمری سے موٹے شیشوں کی عینک اس کی دوست تھی اور یورید یوں تو کتابوں سے زیادہ دوستانہ مراسم نہیں رکھتا تھا مگر تھا بہت ذہین تھوڑا پڑھنا بھی اس کے لیے بہت تھا یورید باس کمیونیکیشن کی طرف راغب تھا اور رویہ سی اے کر رہا تھا۔

ان میں سب سے چھوٹی شزا انٹر میں زیر تعلیم تھی

اور اردو ادب کی بہت بڑی عاشق تھی۔ بقول دادا کے۔

"میرے تمام پوتا پوتیوں میں صرف شزا مجھ پر پڑی ہے ادب کی محبت میں باقی تو سب بے ادب ہیں۔" اور اس پر دادی فوراً "کہتیں۔

"شکر ہے۔"

کیونکہ دادی جب کوئی بھی بات کرتیں تو دادا کتاب کے مطالعے میں غرق ہوں ہاں کرتے رہتے اور جب بذریعہ دادی کتاب چھن جاتی تو دادا کو دادی کی بات مع جزیات و خیالات دادی سنا پڑتی اور اپنے خیالات کا اظہار مع حل کے بتانا پڑتا تب گلو خلاصی ہوتی اور کتاب کی واپسی عمل میں آتی تھی اور بقول دادی کے۔

"اگر میں اتنا پڑھ لیتی تو خود صاحب کتاب ہوتی۔" اس پر دادا کہتے۔

"آپ سے سب بعید ہے۔"

احسن کی یوں تو ردا سے بنتی نہیں تھی مگر گھر میں داخل ہوتے ہی وہ اماں اور ابا جان کے حضور حاضری دے کر سب سے پہلے ردا کو ڈھونڈتے تھے اور ردا کو دیکھ کر جیسے انہیں سکون مل جاتا تھا۔ پھر چاہے اس کے بعد وہ کچھ کریں۔ کہیں مصروف ہوں انہیں پروا نہیں ہوتی تھی اور اگر وہ گھر پر نہ ملتیں تو سوالات شروع ہو جاتے۔

"کہاں گئی ہیں کیوں گئی ہیں کب آئیں گی وغیرہ وغیرہ۔"

اور جب دونوں ساتھ ہوتے تو دونوں کی توپوں کا رخ ایک دوسرے کی طرف ہوتا اور خوب گولہ باری ہوتی۔ اس وقت بھی ردا اپنی بھابھی کے ہاں گئی ہوئی تھیں اور احسن انہیں پورے گھر میں تلاش کرتے پھر رہے تھے اور دادا، دادی کے درمیان یہی بحث چھڑی ہوئی تھی۔

"جی دیکھ رہے ہو وہ نیک بخت گھر پر ہوتی ہے تو اس سے لڑا مرا جاتا ہے اور وہ گھر پر نہیں ہے تو باؤلا ہوا جا رہا ہے۔" دادی نے کڑوے تیوروں سے بیٹے کو دیکھا۔

"ارے بھاگوان! نہ نوکا کرو یہ بھی محبت کے انداز ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر چین بھی نہیں پڑتا اور ایک دوسرے سے لڑائی کے پہلو بھی نکالے جاتے ہیں۔ کیونکہ شادی پرانی ہو کر مزے دار ہو جاتی ہے وہ بہت پرانی مثل ہے کہ "کانا مجھے بھاوے نہ اور کانے بنا سہاوے نہ" آئی سمجھ اور ہم نہیں تمہیں اگر یونہی ڈھونڈا کرتے تھے۔" دادا آخر میں مائل بہ شرارت ہو گئے اور دادی کا چہرہ یکدم سرخ پڑ گیا اور ریموٹ سے کھیلتے ہوئے یورید نے بڑی خوشگوار حیرت کے ساتھ دادی کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا۔

"واؤ امیزنگ! واقعی عورت کسی بھی عمر میں ہو شرم و حیا کے رنگ اسے کتنا حسن کتنا الوہی نور بخش دیتے ہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا اور دادی نے بھی اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ لیا تھا۔

"کچھ تو شرم کر لیا کرو پوتا پوتی والے ہو گئے ہو لیکن خود تمہارا بچپنا نہیں جا رہا بچوں کے سامنے شروع ہو جاتے ہو۔" دادی بڑبڑاتی چلی گئیں اور دادا کے چہرے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فرحت اشتیاق کے 6 خوبصورت ناول

متاع جان ہے تو	قیمت -/300 روپے
میرے ہمدم میرے دوست	قیمت -/300 روپے
ہم سفر	قیمت -/350 روپے
وہ جو قرض رکھتے تھے	قیمت -/225 روپے
دل سے نکلے ہیں جو الفاظ	قیمت -/225 روپے
بن روئے آنسو	قیمت -/200 روپے

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے

منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار کراچی، فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اماں! روا کہاں ہے؟" احسن نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

"کیوں لڑنے کو کوئی نہیں مل رہا؟" اماں نے قسم کھا رکھی تھی کہ احسن کی کسی بات کا سیدھا جواب نہیں دینا۔

"اماں! یہ بتائیں میں آپ کی سگی اولاد ہی ہوں نا! کہیں سے لے کر تو نہیں پالا ہے ویسے بھی اکلوتا ہوں اس بات کے چانسز زیادہ ہیں مجال ہے جو کبھی میری بات رکھ لیں ہر بات میں اسی کی طرفداری ہر وقت اسی کی تعریف۔" احسن نے روٹھے لہجے میں کہا۔

"تو میرے بچے جو قابل تعریف ہوتا ہے اس کی تعریف ہوتی ہے۔" دادی نے کہا پھر کچھ سوچ کر احسن کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔

"کیا مجھے اس سے محبت نہیں ہونی چاہیے اس کی اکیلی ذات سے میرے کتنے پیارے رشتے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ میری بہو ہے میرے بیٹے کی بیوی ہے میرے پوتے پوتیوں کی ماں ہے میرا سود اللہ نے اس کے وسیلے سے مجھ تک پہنچایا ہے اگر سمجھو تو بہو تو اولاد سے زیادہ پیاری ہوتی ہے کیوں؟" انہوں نے سوال کیا تو احسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے گئی کہاں ہے؟" احسن نے دوبارہ پوچھا تو دادی نے ان کے سر پر ایک چپت رسید کی۔

"تجھے معلوم کیے بنا چین کہاں پڑے گا اپنے بھائی کے ہاں، بچیاں اور رویہ بھی ساتھ گئے ہیں۔" دادی نے کہا۔

"کب آئیں گی؟" احسن نے بے چینی سے کہا تو دادی ہنسنے لگیں۔

"جانا اپنی مرضی ہوتا ہے مگر آنا میزبان کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ جب ان کی بھاوج اور بھائی چھوڑیں گے تب آئیں گی۔" دادی کے جواب پر احسن نے مطمئن ہو کر سر ہلایا اور آنکھیں موند لیں تو دادی نے دادا کی طرف منہ کر کے کہا۔

"اب تمہارے بیٹے کو سکون آیا ہے۔" اور دادا بھی سر ہلا کر ہنسنے لگے۔

☼ ☼ ☼

اس دن شہزا گرمی سے گھبرا کر باہر ٹیرس میں اسٹڈی کرنے بیٹھی تھی ساتھ ہی ٹیننگ سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھی تب ہی آج بہت عرصے بعد بہت دیر تک پڑھائی میں مصروف رہی شہزا چھوٹی اور لاڈلی ہونے کے ساتھ فطرتاً سادہ اور معصوم تھی اور پھر اس کی فرینڈز بھی ایسی تھیں کہ اس کی معصومیت اور سادہ لوحی برقرار تھی۔ آج کل کے زمانے کے اثرات سے وہ قطعی دور تھی۔ وہ اس وقت بھی آس پاس کے ماحول سے لاپروا پڑھنے میں مصروف تھی۔ حالانکہ اس وقت خاصی چہلیں اور ٹیرس آباد تھے۔

کام کرتے کرتے اچانک اسے کوئی چیز آ کر لگی اس نے دیکھا تو وہ ایک کاغذ کی گولی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظریں سامنے اٹھ گئیں سامنے والے گھر کے ٹیرس پر جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک خوش شکل سا لڑکا کھڑا تھا جس نے شہزا کے دیکھنے پر ہلکا سا سر کو خم کیا لیکن شہزا کے رخ روشن پر ناگواری کے سائے لہرانے لگے اور اسے وہ کاغذ کی گولی بغیر کھولے پرزہ پرزہ کر کے پھینک دی جس پر سامنے کھڑے لڑکے کے چہرے سے خجالت ٹپکنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"ارے! بھئی تمہاری سارہ کا کیا حال ہے؟" نواز نے یورید کے برابر میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی! کون سارہ؟" یورید نے دور سے آتی حسینہ پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"ہیں یعنی کہ اب وہ کون سارہ ہو گئی دو ماہ پہلے تو اس کے نہ ملنے پر خودکشی کا پکا پکا ارادہ تھا۔" نواز کہاں چھوڑنے والا تھا۔

"یار! مجھے تو کوئی سارہ یاد نہیں آ رہی۔" کیونکہ نظریں تو سامنے جمی ہوئی تھیں لہٰذا دماغ گم تھا سو اسی طرح کے جواب آ رہے تھے۔

"یار! تو بھی بے وقوف آدمی ہے یورید سے تو ہمیشہ کرنٹ افیئرز کا پوچھا کر تو بھی کہاں کڑے مردے اکھاڑنے بیٹھ جاتا ہے۔" ساتھ بیٹھے علی نے اس کی حالت کا مزا لیتے ہوئے کہا۔

"اور کیا۔" یورید کا دماغ تو کہیں اور تھا مگر دوستوں کے درمیان اپنی موجودگی ثابت کرنے کے لیے بلا سوچے سمجھے جواب دے رہا تھا اور پھر وہ گوہر قریب آ ہی گیا اور یورید نے "ہیچ" کہہ کر گردن دوستوں کی جانب موڑی۔

"کیوں بات بنی نہیں؟" علی نے پوچھا۔

"نہیں یار! دور سے پرستان کی پری نظر آنے والی قریب آنے پر مریخ کی مخلوق نکلی۔" یورید کا لہجہ کڑوا ہو گیا اس پر دونوں نے ہی سر اٹھا کر آنے والی کو دیکھا۔

جو اس چلچلاتی دھوپ میں زرد رنگ کے سوٹ میں بال کھولے فل میک اپ میں تھی اور میک اپ، تیز دھوپ، گرد، مٹی، دھول اور پسینے نے مل کر واقعی اسے مریخ کی مخلوق بنا دیا تھا اور اس پر اس کی ادائیں۔ شاید ایسی ادائیں تو مس یونی ورس کو بھی خود سے محروم رکھے ہوئے تھیں۔

"یار! تو ایسا کیوں کرتا ہے؟" علی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیسا؟" خود کو مکمل انجان ظاہر کرنے میں اسے کمال حاصل تھا۔

"یہی ایک کے بعد دوسرا چہرہ تیری زندگی میں آتا رہتا ہے۔ اتنی جلدی تو میرے یار دن بھی رات میں نہیں بدلتا جتنی جلدی تو لڑکی بدل لیتا ہے۔ کیا تو ان سب کے دلوں کا خون کرنے کا سزاوار نہیں ہے۔" علی اس کا مخلص دوست اور صاف ستھرے ذہن کا لڑکا تھا اور گاہے بگاہے اسے سمجھانا فرض سمجھتا تھا۔

"نہیں یار! یہ وہ لڑکیاں ہوتی ہی نہیں ہیں۔ جن کے دل خون ہو جائیں وہ تو بہت مشکل لڑکیاں ہوتی ہیں یہ تو خود کو پلیٹ میں سجا کر ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ ذرا سا مسکرا کر دیکھا نہیں اور چلی آئیں۔ کسی سے احترام کرانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل قیمت =/80 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے۔ یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے۔ ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے۔ دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوائیں۔ رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے ..... =/100 روپے
2 بوتلوں کے لئے ..... =/180 روپے
3 بوتلوں کے لئے ..... =/270 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

اپنی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان پتوں سے حاصل کر سکتے ہیں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

اپنی عزت کریں جب ہم خود اپنی عزت کریں گے تو خود کو اس سانچے میں ڈھالیں گے کہ لوگ ہمارا احترام دل سے محسوس کریں۔ جب یہ خود اپنی عزت نہیں کرتیں تو ہم ان کا احترام کیوں کریں۔ اچھا ہے کچھ وقت رنگین ہو جاتا ہے اچھا گزر جاتا ہے اور وہ شامہ بی بی لگتا نہیں تھا کہ کسی کو خود پر ہاتھ رکھنے دیں گی کل میں نے پوچھا مجھ سے دوستی کرو گی تو کہنے لگیں آپ مجھ سے فلرٹ تو نہیں کریں گے؟ دل تو چاہا سر پیٹ لوں میں ابھی دوستی کی بات کر رہا ہوں اور وہ محبت کے قصے لے بیٹھیں۔" یورید جلے کٹے انداز میں سناتا چلا گیا۔

"تو ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی دوستی ہم جنسوں کے درمیان ہوتی ہے اور مخالف جنس سے دوستی کی ہمارا مذہب اور معاشرہ اجازت نہیں دیتا۔" نواز نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"محبت کی اجازت دیتا ہے مذہب اور معاشرہ۔" یورید جل ہی تو گیا۔

"اسی لیے تو وہ تمہیں شرعی راستہ بتا رہی تھی نہ محبت نہ دوستی نہ فلرٹ ڈائریکٹ شادی۔" علی نے نواز کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ شادی اور شامہ جیسی لڑکی سے۔" یورید نے کڑوے لہجے میں کہا۔

"تو پھر میرے یار کو کیسی لڑکی پسند ہے ہم ڈھونڈیں گے تیرے گوہر نایاب کو۔" نواز نے یورید کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"بتاؤں گا یار! بتاؤں گا۔" یورید نے سامنے راستے پر نظریں جما کر کہا جہاں سے پریوں کے غول کے غول گزر رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

شہزا ٹی وی پر اپنا فیورٹ پروگرام دیکھ رہی تھی تبھی ٹیلی فون کی بیل ہونے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری جانب سے سلام کیا گیا۔ شہزا آواز نہیں پہچان سکی مگر سلام کا اسے جواب ضرور دیا۔

"وعلیکم السلام! آپ کون ہیں اور آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔" اس نے شائستگی سے پوچھا۔

"مس شہزا! آپ مجھے نہیں جانتیں مگر مجھے آپ ہی سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"جب میں آپ کو نہیں جانتی تو آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں اور میں اجنبیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔" شہزا نے قطعیت سے کہا۔

"پلیز! فون مت بند کیجیے گا بڑی مشکل سے آپ سے بات ہوئی ہے میرا نام نعمان احمد ہے اور میں آپ کے سامنے والے گھر میں رہتا ہوں۔" نعمان نے کہا اور شہزا کو وہ شام یاد آ گئی۔

"اوہ! تو آپ وہ ہیں۔" شہزا کا لہجہ ایک دم سے طنزیہ ہو گیا۔

"پلیز شہزا! اس طرح بات مت کریں میں کوئی عام اسٹریٹ اور نہیں ہوں۔ آپ مدتوں میں پایا ہوا لمحہ ہیں تنہائیوں میں مانگی ہوئی دعا ہیں۔ میرے ذہن و روح کا قرار ہیں۔ آپ وہ ہیں جس کی میں نے برسوں آرزو کی ہے اور یہ محض جملہ نہیں ہے میرے دل کی آواز ہے۔ آپ میری زندگی میں آنے والی بلاشبہ پہلی اور آخری لڑکی ہیں۔" نعمان کا لہجہ جذبات سے بوجھل تھا۔

"بس یا کچھ اور کہنا ہے آپ کو۔" شہزا کی آواز اور لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"تو آپ کو میری باتوں کا یقین نہیں آیا۔ لیکن میں بھی جب تک آپ کو اپنی وفاؤں کا یقین نہیں دلا دوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔" نعمان نے پر یقین لہجے میں کہا اور شہزا نے طنزیہ ہنسہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

پچھلے پورے ہفتے وہ یرقان کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں جا رہا تھا اور اس وقت بھی کمرے کے نیم تاریک ماحول میں دو تکیوں کے سہارے نیم دراز نہایت مدھم آواز میں سی ڈی پلیئر پر بھنکج ادھاس کو سن رہا تھا۔

نہ کجرے کی دھار نہ موتیوں کے ہار نہ کوئی کیا سنگھار

پھر بھی تنی سندر ہو تم تنی سندر ہو

یورید مکمل طور پر گانے کے خوب صورت بولوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے لبوں پر اس گانے کی خوب صورت شاعری نے مسکراہٹ سی بکھیر دی تھی کہ اچانک ہی کمرے میں علی نواز نوید اطہر شگفتہ صائمہ اور عاصمہ داخل ہوئیں۔

"لوئے ہوئے میرے یار کے گرد ویسے تو ہر وقت مصنوعی پریوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اور خواہش ہے کھری حور کی۔" نوید نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو یہ لپے پتے چہرے کسے پسند ہوتے ہیں۔" یورید نے بھی دوبدو جواب دیا۔

"تو پھر یہ میلہ حسیناں کیوں منعقد رہتا ہے تیرے اطراف۔" نواز نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"یہ شخصیت کی بات ہے یار!" یورید نے فرضی کالر اونچا کیا۔

"تو جناب کو ایسی لڑکی چاہیے۔" شگفتہ نے شوخی سے کہا۔

"جی جناب! ایسی ہی لڑکی جو۔

در حقیقت چاند ہو مصنوعی سیارہ نہ ہو
چھت سے پتھر پھینکتی ہو ایسی فنکارہ نہ ہو

یورید نے سر بیڈ کی پٹی سے ٹکا کر آنکھیں موند کر ایک مدھر مسکان کے ساتھ کہا۔

"یعنی مرد خواہ کچھ بھی کر لے اسے اپنے لیے ہمیشہ بردے دار بیوی ہی چاہیے ہوتی ہے۔" حقوق نسواں کی علم بردار عاصمہ کو یہ تمام گفتگو ناگوار گزری

"ظاہری بات ہے۔" جواب نوید کی طرف سے آیا انداز چڑانے والا تھا۔

"فرض کرو اگر یورید کو ایسی لڑکی مل جاتی ہے جو کہ خوبصورت ہونے کے ساتھ حیادار اور شریف بھی ہو اور اس کی زندگی میں یورید کے علاوہ کوئی مرد بھی نہ آیا ہو تو کیا اس کا حق نہیں ہو گا کہ اس کی زندگی میں بھی ایسا مرد شامل ہو جو کہ حیادار شریف اور باکردار ہو اور اس کی زندگی میں بھی پہلے سے کوئی آلائش نہ ہو اگر حیا داری، وفاداری اور شرافت شرط ہے تو اس کے لیے دونوں مسروف ہیں نہ کہ کوئی ایک ... شروع ہوئی تو رکنا ہی بھول گئی۔

اور واقعی اس نہج پر تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا وہ تو ایسی کسی بات پر لڑکیوں کو ہی الزام دے کر بری الذمہ ہو جاتے تھے کیونکہ ان کی گفتگو کے وقت کوئی لڑکی موجود نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا لڑکیوں کے موقف کی حمایت کرنے والا اور ان کے حق میں دلائل دینے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اور آج لڑکیوں کی موجودگی سے شاید ان کے مزاج اور ٹھکانے آ جاتے کہ اسی وقت شہزا ان کو بلانے کے لیے آ گئی کہ لاجواب تو وہ ہو ہی گئے تھے۔

"آپ تمام معزز خواتین و حضرات سے مودبانہ گزارش ہے کہ آپ سب میٹھک میں تشریف لے چلیں جہاں پر اشیائے خورد و نوش آپ کا انتظار کر رہی ہیں آپ چل کر انہیں تناول و نوش فرمائیں۔" شہزا کی گاڑھی اردو شروع ہو گئی۔

"او مائی گاڈ۔" علی کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا علی بھائی۔" شہزا نے پوچھا۔

"نصر اللہ خان نے تو ناحق ہندی کو جناتی زبان کہا ہے اردو بھی کم جناتی نہیں ہے۔" علی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"خیر وہ تو انہوں نے درست کہا ہے اگر ہندی اردو کی ملاوٹ کے ساتھ نہ بولی جائے تو واقعی جناتی زبان ہے جبکہ اردو تو بڑی نرم اور میٹھی زبان ہے اور دوسری بات میں اردو میں انگلش کی ملاوٹ پسند نہیں کرتی اردو بولیں تو اردو۔ انگلش بولیں تو صرف انگلش یوں تو لشکر معنی رکھنے والی اردو لشکری ہی زبان ہے اور اس میں عربی فارسی اور ہندی کے الفاظ نا صرف با آسانی ضم ہو جاتے ہیں بلکہ اس کو خوب صورتی اور نغمگی عطا کرتے ہیں۔ جبکہ انگلش کے استعمال سے اس میں بھدا پن آ جاتا ہے اور جب انگریز اپنی زبان میں ہمارے الفاظ کی ملاوٹ نہیں کرتا تو ہم کیوں کریں؟" شہزا کی زبان نان اسٹاپ چل رہی تھی اور سب حیرانی سے اس ننھی سی لڑکی کے افکارات سن رہے تھے۔

"اللہ کے لیے شہزا! اپنے افکارات کا اظہار بند کرو

www.pkdigest.com

اور ان بھوکوں کو کچھ کھلاؤ۔" یورید نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ہاں تو میں بھی تو یہی کہہ رہی تھی لیکن ان لوگوں نے مجھے باتوں میں لگالیا۔" وہ سارا الزام ان سب کے سر تھوپ کر چلتی بنی اور وہ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

☼ ☼ ☼

آج کئی دنوں کی محنت کے بعد شزا، نعمان سے بات کرنے پر راضی ہوئی تھی۔ قطرہ قطرہ تو یوں بھی پتھر میں سوراخ ڈال دیتا ہے وہ تو بہت معصوم اور سادہ لڑکی تھی اور نعمان لفظوں کا کھلاڑی تھا۔

"یار! تم نے کیا جادو کر دیا ہے نہ دن کو چین ہے نہ راتوں کو آرام۔" نعمان کا گمبھیر لہجہ کانوں میں رس گھول رہا تھا۔

"پلیز! نعمان کوئی اور بات کرو مجھے ان باتوں سے کوفت ہوتی ہے۔" شزا نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔

"اور بات کیا ملنے پر تو تم راضی ہی نہیں ہو۔ کہیں ملو تو تمہاری عادتیں، ہم پر کھلیں ہماری عادات تمہارے سامنے آئیں۔" نعمان نے ترپ کا پتہ استعمال کیا۔

"نہیں نہیں میں تم سے بات کر لیتی ہوں یہی بہت ہے میں اپنے گھر والوں سے بہت محبت کرتی ہوں ان کو دھوکا دینے اور بدنام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" شزا نے ترت کہا۔

"دھوکا دہی اور بدنامی اس میں کہاں سے آگئی میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" نعمان نے جال پھینکا۔

"تو اس کے لیے جائز راستے کھلے ہیں۔ مجھے چور راستوں کے پتے مت دو۔" شزا نے دل ہارا تھا دماغ نہیں۔

"یار! مگر شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھنا، پرکھنا، سمجھنا ایک دوسرے کی عادات، مزاج پسند ناپسند کے بارے میں بھی تو اندازہ ہونا چاہیے۔" نعمان نے جز بز ہو کر کہا۔

"یعنی اگر میں ملنے کے بعد آپ کے معیارات کے مطابق نہ ہوئی تو آپ راستہ بدل لیں گے۔" شزا کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی طنز آگیا۔

"یہ میں نے کب کہا ہے! تم ہر بات کا الٹا مطلب کیوں لیتی ہو۔" نعمان زچ ہو کر بولا۔

"اور تمہاری بات کا کیا مطلب ہے۔ کیوں تم میری عادت، مزاج، پسند ناپسند پرکھنا، سمجھنا اور دیکھنا چاہتے ہو۔ یوں بھی کسی کے ساتھ سفر کیے بغیر اور اس کے ساتھ رہے بغیر ہم کسی کو جاننے کا دعوا نہیں کر سکتے کیونکہ شخصیت کا ملمع اور چہرے کا نقاب بھی اترتا ہے۔" شزا نے بغیر لاگ لپیٹ کے کہا۔

"اسی لیے تو تمہارے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں ویسے تم خاصی مشکل باتیں کرتی ہو۔" نعمان شوخ ہوا۔

"بیوی کے ساتھ وقت گزارو تو تم بھی ایسے ہی ہو جاؤ گے اور دوسرے میں تم سے باہر نہیں مل سکتی اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے مجھے اپنانا ہے تو ان فضولیات کے بغیر ورنہ گڈ بائے فار ایور۔" یہ کہہ کر شزا نے ریسیور رکھ دیا اور نعمان سوچنے لگا خاصی مشکل لڑکی ہے اسے کسی اور طریقے سے راہ راست پر لانا پڑے گا۔

☼ ☼ ☼

انہی دنوں کنزا کے لیے بہت اچھا رشتہ آیا ضروری چھان بین کے بعد رشتہ منظور کر لیا گیا اور وہ لوگ بھی شادی کے لیے تیار ہی بیٹھے تھے لہٰذا تین مہینے کا وقت لے کر شادی کی تاریخ دے دی گئی اور آج کل اس کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔

اور اس وقت بھی ردا، کنزا کے لیے لائے ہوئے کپڑے اور زیور ساس کو دکھا رہی تھیں کہ انہوں نے پوچھا۔

"اماں! بتائیں سب کیا ہے؟"

"بہت اچھا ہے اللہ کنزا کو یہ سب استعمال کرنا

نصیب کرے سب سے اچھی بات تم میں یہ ہے کہ تمہیں سینس ہے کہ کس کے لیے کیسی چیز لینی ہے۔ ہر کسی کی عمر، ذوق و پسند کو مد نظر رکھتی ہو۔" حور بانو ہر موقع پر بہو کو ایپریشیٹ کرنا نہیں بھولتی تھیں۔

"اماں! وہ پہلے ہی زمین پر قدم نہیں رکھتی اور آپ اور اسے چڑھا دیں۔" احسن تو ردا کی تعریف سنتے ہی بوتل کے جن کی مانند نمودار ہو جاتے تھے۔

"اور میرا بچہ! تو کسی برائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔" اماں نے فوراً سورچہ سنبھال لیا۔

"کیوں جانے دوں؟ میری تو یہ نصف بہتر ہے مکمل بہتر تو میں ہی ہوں نا۔" احسن کو بھی ماں سے بحث میں مزا آتا تھا۔ خصوصاً" جب وہ بیوی کی مخالفت میں بولتے اور اماں ان کی موافقت میں اور ردا خاموشی سے مسکراتی رہتیں۔

"ہاں یہ بھی کسی مرد کا قول ہو گا ایسے تمام افکار مرد حضرات کے ہی ہوتے ہیں ورنہ تجھ سے زیادہ ذہن اور معاملہ فہم ہے میری بہو۔" اماں نے کہا اور ردا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور وہ ہولے سے کھلکھلا دیں۔

"بہو ہی نہیں سکتا عورت تو ناقص العقل ہوتی ہے مرد سے چھوٹا دماغ رکھتی ہے۔" احسن نے جلبلا کر کہا۔

"تو ظاہر ہے فاتر العقل کی پسلی سے جنم لیتی ہے تو ناقص العقل ہی ہو گی اور دوسری بات مائی ڈیئر سن! کہ تم مردوں کے پاس Quantity زیادہ ہوتی ہے Quality کم ہوتی ہے عورت کے پاس Quantity کم ہوتی ہے Quality زیادہ ہوتی ہے۔" اماں نے دوبدو جواب دیا۔

"ابا جان! دیکھ رہے ہیں آج تو مردوں کی ناک پر بات آگئی ہے آج تو کچھ بولیں۔" احسن نے ناک آؤٹ ہوتے ہی ابا کا سہارا لیا۔

"سوری بیٹا! میں ہیپر پاور ز سے ٹکر لینا پسند نہیں کرتا۔" ابا نے ہری جھنڈی دکھا دی تو احسن پیر پٹختے ہوئے باہر نکل گئے۔

"ارے نیک بخت! کبھی اس کا ساتھ دے دیا کرو ہمیشہ ہی اسے ناراض کر دیتی ہو۔" ابا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ مجھ سے ناراض ہو ہی نہیں سکتا کوئی اپنے آپ سے بھی ناراض ہوتا ہے۔" اماں نے اک ادا سے کہا اور ان کا مان بالکل بجا تھا۔

☼ ☼ ☼

شزا چھٹی کے بعد ابھی کالج سے نکلی ہی تھی کہ کسی نے اس کا نام لے کر پکارا اس نے مڑ کر دیکھا تو سامنے ہی نعمان گرے مہران سے ٹیک لگائے نظر آیا۔

اور شزا کے رخ پر ایک دم سے ناگواری پھیل گئی اور وہ خاصے جارحانہ انداز میں آئی۔

"نعمان میں نے غالباً" آپ سے کل بھی کہا تھا کہ مجھے یہ فضولیات قطعاً" پسند نہیں ہیں۔" شزا کا انداز قطعی تھا۔

"ہاں مگر تمہیں میری محبت کی شدت کا اندازہ نہیں ہے اسی لیے تم مجھے منع کرتی ہو۔" نعمان کی آواز اس کے اندرونی جذبات سے بوجھل تھی۔

"بہر حال مجھے یہ سب پسند نہیں ہے اور میں جا رہی ہوں پلیز! مجھے دوبارہ مت پکاریے گا۔" شزا غصے سے پلٹی۔

"ٹھیک ہے اگر واقعی تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے تو گڈ بائے فار ایور۔" نعمان نے ہاتھ میں پکڑے گاگلز آنکھوں پر لگائے اور پیچھے کی جانب پلٹا نعمان نے یہ ترپ کا پتہ شزا کی حالت کا اندازہ لگانے کے لیے ہی استعمال کیا تھا اور نتیجہ حسب منشاء تھا۔

"نعمان! پلیز ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ می اور مجھے اس طرح سے ہوٹلوں اور پارکوں میں ماں باپ کی عزت کو روندنا پسند نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں بے بسی سی اتر آئی۔

"یہ بات گاڑی میں بیٹھ کر آرام سے بھی ہو سکتی ہے مگر تمہیں تو تماشا لگا کر مزا آرہا ہے۔" نعمان نے

www.pkdigest.com

خاصے روڈ لہجے میں کہا۔

"نعمان! بات ناراضی کی نہیں بات اصول کی ہے جب میں نے آپ کو منع کر دیا تھا تو آپ کو چاہیے تھا کہ میری بات سمجھتے اسے مانتے۔" شزا نے کہا۔

"پھر اب تو بات ختم ہوئی نا! میں آپ کی بات مان رہا ہوں جا رہا ہوں۔" نعمان کا لہجہ تلخ تھا۔

"سنیے نعمان! میں چل رہی ہوں مگر یہ پہلی اور آخری بار ہے اس کے بعد آپ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جو باعث شرمندگی ہو جس کے باعث میں اپنے پیرنٹس اور بھائیوں کے سامنے نظر نہ اٹھا سکوں۔" شزا نے سر جھکا کر کہا اور اس کے ساتھ ہی نعمان کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور ضرور آئندہ تم جو کہو گی میں وہ مانوں گا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے فرنٹ ڈور شزا کے لیے کھول دیا۔

اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی کچھ ہی دیر بعد وہ K.F.C کا زنگر برگر کھاتے ہوئے اپنی بات دہرا رہی تھی اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نعمان سوچ رہا تھا کہ آج کے بعد تم خود سے آیا کرو گی۔

اور اس کی سوچ غلط نہیں تھی کیونکہ صرف پہلا غلط قدم اٹھانا مشکل ہوتا ہے پہلا گناہ کرنا مشکل ہوتا ہے بعد کی غلطیوں اور گناہوں میں آسانیاں ہی آسانیاں ہوتی ہیں اور پہلی غلطی ہو چکی تھی۔ والدین اور بھائیوں کا مان ٹوٹ چکا تھا گو کہ ابھی وہ اس سے "علم" تھے مگر ایسا ہو چکا تھا۔ مجبوری میں ہی سہی شزا غلطی کر بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

شادی میں تمام رسومات میں چاروں بچوں کے تمام دست پیش پیش رہے اور تمام تقریب میں یورید "راجہ اندر" بنا رہا۔

شادی والے دن مہمانوں کو ریسیو کرنے کے لیے شادی لان کے مین گیٹ پر شزا اور رویدہ کھڑے تھے رویدہ تو ہمیشہ کی مانند بے زار سا کھڑا تھا شزا ہی سب سے مل رہی تھی اسی وقت علی اور نواز کی آمد ہوئی شزا نے آگے بڑھ کر انہیں خوش آمدید کہا۔

"آپ کی اس تقریب سعید میں شرکت ہمارے لیے باعث افتخار ہے آپ نے ہماری خوشیوں میں شرکت فرما کر ہمیں یک گونا گوں مسرت سے ہمکنار کیا ہے اس کے لیے ہم آپ کے تہ دل سے مشکور و ممنون ہیں۔" لہجہ شرارت سے بھرپور تھا۔

غالباً" وہ سابقہ ملاقات سے محظوظ بھی ہو رہی تھی۔

"توبہ ہے اس لڑکی سے تو ویسے اگر اتنی مشکل اردو نہ بولے تو لڑکی بری نہیں ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس کی بات سمجھنے کے لیے ہمہ وقت اپنے ساتھ فیروز اللغات رکھنی پڑے گی۔" نواز نے اپنا دل کھول کر علی کے سامنے رکھ دیا۔

"میرے یار! عشق میں ایسی چھوٹی موٹی کٹھنائیاں تو آتی رہتی ہیں۔ اور پھر اردو تو اپنی مادری زبان ہے تو بھی اس پر عبور حاصل کر لے بلکہ اس سے بھی زیادہ عبور حاصل کر لے تاکہ تجھ سے بات کرتے ہوئے ایک بار تو اسے بھی اردو لغت سے استفادہ کرنا پڑے پھر دیکھیں گے کہ تم میں سوا سیر کون ہے۔" علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں تو پھر ہمارے درمیان ایسی گفتگو ہوا کرے گی۔" وہ پوچھیں گی "قبلہ محترم آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں اور کسی وقت قدم رنجہ فرمائیں گے۔" تو میں جواب دوں گا "محترم و معزز خاتون معظم میں چند اہم امور کی تکمیل کے سلسلے میں ایک اہم مقام پر رخت سفر باندھ رہا ہوں اس سلسلے میں میں ہر ممکن سعی کروں گا کہ وہ اہم امور جلد از جلد تکمیل پا جائیں تاکہ میری اس مقام فیض سے تشریف آوری جلد از جلد ممکن ہو سکے۔" نواز نے کہا تو علی کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

وہ دونوں چٹکلے چھوڑتے ہوئے یورید کے پاس پہنچے جو کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک سفید کپڑوں میں ملبوس

www.pkdigest.com

نازنین کے دیدار اور اسے اپنی جانب راغب کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

"یار! کبھی اپنی آنکھوں اور دل کو آرام بھی دے لیا کرو۔" علی نے اسے اپنی جانب متوجہ نہ پا کر اس کے کاندھے پر ایک زوردار دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

"کیا ضرورت ہے یاروں وہ تم نے مشہور زمانہ شعر نہیں سنا کہ

حسن ازل کی شان حسینوں میں آ کے دیکھ
آنکھیں خدا نے دی ہیں تو جلوے خدا کے دیکھ

یورید نے سینے پر الٹی طرف ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر کے بڑے جذب کے عالم میں یہ شعر پڑھا۔

"ہاں اپنے مطلب کے شعر میرے یار کو خوب یاد ہیں ورنہ آسان شاعری سے بھی اس کی جان جاتی ہے۔" نواز نے طنزیہ کہا۔

"ہوتا ہے ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے کیوں علی؟" یورید نے علی کی تائید چاہی۔

"مجھے نہیں پتہ بھئی مجھ تک ابھی یہ جراثیم نہیں پہنچے ہاں نواز سے پوچھ اس پر ابھی تازہ تازہ اس وائرس نے حملہ کیا ہے۔" علی نے شرارت سے کہا۔

"نہیں بھئی۔" یورید نے حیرت و شوخی کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

"اسے تو بکنے کی عادت ہے ایویں ہی خوامخواہ۔" نواز نے تنبیہی انداز میں علی کو گھورا۔

تقریب میں نعمان بھی آیا تھا اور تمام وقت اس کی نظریں شزا پر فوکس رہیں اور شزا شرمائی شرمائی گھبرائی گھبرائی رہی۔

"چل یار! چل کر شزا کو تیرے دل کا حال بتائیں اور ساتھ ہی درخواست کریں کہ اردو بولنی ہے تو کچھ آسان بول لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مادری و قومی زبان کی لوگوں کو تحریک دینی ہے انہیں ڈرانا مقصود نہیں ہے۔" علی پھر پٹڑی سے اترنے لگا۔

"خدا کے لیے کیوں تو میرا گھر بسوانے سے پہلے اجاڑنے پر تلا ہے۔" نواز نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے اور یوں ہنستے مسکراتے اس تقریب کا اختتام ہوا۔

☼ ☼ ☼

نواز کھوکھر کا تعلق اندرون سندھ کے ایک زمیندار گھرانے سے تھا جن کی زمینداری اندرون سندھ اور کاروبار کراچی کے ساتھ ساتھ اندرون اور بیرون ممالک میں پھیلا ہوا تھا۔

شادی کے ہنگامے سر پڑتے ہی نواز کا پروپوزل شزا کے لیے آیا تو گھر میں سب خوش ہی نہیں حیران بھی ہوئے۔

مگر شزا نے اس پروپوزل کا سنتے ہی انکار کر دیا اس کا موقف یہ تھا کہ۔

"وہ بھائی کے دوست ہیں ان کے لیے میرے دل میں احترام ہے مگر میں نے اس نظریے سے ان کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔"

"نہیں سوچا تو اب سوچ لو یہ کوئی جواز نہیں ہے جب کزنز میرج ہو سکتی ہیں جو کہ ثانوی رشتے سے بھائی بہن ہی ہوتے ہیں تو یہاں تو کوئی قباحت ہی نہیں ہے۔" یورید کو خاصا جلال تھا۔

"بھائی! زبردستی کرنا ہے تو کر دیں مگر اس رشتے پر میرا دل راضی نہیں ہے۔" شزا نے دو ٹوک کہا اور دادا نے آنکھ کے اشارے سے یورید کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

کنزا نے بھی کافی سمجھایا مگر شزا کی نہ کو کوئی ہاں میں نہ بدل سکا وہ اپنے موقف سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں تھی یوں نواز کو اور اس کے گھر والوں کو یہ کہہ کر۔

"بچی ابھی پڑھنا چاہتی ہے۔" سہولت سے انکار کر دیا گیا۔

نواز کھوکھر کی شخصیت اور اسٹیٹس کی باعث لڑکیوں اور اس کے والدین کی ایک لمبی لائن اس سے رشتے کی خواہاں تھی۔ اسے شزا کے انکار سے حقیقتاً دکھ ہوا تھا اور اسے کھوج سی لگ گئی کیونکہ آج کل کی لڑکیاں بڑی Sharp ہو گئی ہیں اور وہ اچھے چانس کبھی مس نہیں کرتیں۔ اسے شزا سے محبت

نہیں تھی وہ اسے اچھی لگی تھی۔ اور اس نے سیدھے طریقے سے اپنے والدین کو اس کے گھر بھیج دیا تھا۔ اور اسے انکار کی قطعی امید نہیں تھی پر پوزل بھیج کر وہ خاصا پر امید ہو گیا تھا بلکہ خوش امید اور اس کی خوش امیدی ختم ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

اور وہ یورید جس کی زندگی میں ایک کے بعد ایک حسین چہرہ آتا رہا اور کوئی بھی جسے متاثر نہ کر سکا پتا نہیں کیسے حیا عالم کا دیوانہ ہو گیا اور حیا وہ بھی کسی لوہے کے چنے سے کسی طور کم نہیں تھی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھتا تو وہ دو قدم پیچھے ہٹ جاتی حیا سے ملاقات بھی ویسے ہی عام طریقے سے ہوئی تھی جیسے کہ دیگر لڑکیوں سے ہوتی رہی تھی وہ تمام دوستوں کا گروپ خالی پیریڈ میں چہلوں میں مصروف تھا کہ اطہر کی ان پر نظر پڑی اور پھر وہیں ٹک گئی۔

"اے! اپنا یورید ہے نا! ان کاموں کے لیے تم کیوں اپنا ٹائم کھوٹا کرتے ہو؟" علی نے اطہر کا چہرہ گھما کر اپنی جانب کر لیا اور یورید نے بے ساختہ نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کی نظر پلٹنا بھول گئی اس کے حواس گم ہو گئے اور اس نے علی کا شعر بھی نہیں سنا کہ وہ بہت لمک لمک کر اطہر کو سنا رہا تھا۔

اپنی تعلیم پہ توجہ کرو
مت پڑو عشق کے عذابوں میں
عمر کٹتی ہے ان کی کانٹوں میں
پھول رکھتے ہیں جو کتابوں میں

اس کے جواب میں اطہر نے کیا کہا اور ان میں کیا نوک جھوک ہو رہی تھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا وہ یہاں تھا ہی کب وہ تو اس اپسرا کے پاس تھا جو شاید آسمانوں سے اتر کر سیدھی یہیں آئی تھی وہ دو لڑکیوں سے گفتگو میں مصروف تھی شاید نیو ایڈمیشن تھی پہلے تو کبھی نظر نہیں آئی وہ اسے ہی دیکھے اور سوچے جا رہا تھا۔

اس نے آسمانی کلر کا کاٹن کا کلف لگا سوٹ پہنا ہوا تھا آسمانی ململ کا دوپٹہ شانوں پر پھیلا ہوا تھا اور آسمانی ہی کلر کا خوب صورت سا اسکارف اس کی پیشانی کو چھپاتا ہوا تھوڑی سے ذرا سا نیچے بندھا ہوا تھا۔ ستواں ناک کا ڈائمنڈ دھوپ سے چمک کر اس کی شخصیت کو خیرہ کر رہا تھا۔ بڑی بڑی خمیدہ پلکوں والی بھوری آنکھیں چھوٹا سا دہانہ، موتیوں کی طرح جڑے دانت، سرو قد، شہد، میوہ سی میندوری رنگت، پورے چہرے پر صرف ایک تل تھا دائیں رخسار پر اس کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد یورید نے شعر پڑھا۔

اب سمجھا ترے رخسار پہ تل کا مطلب
دولت حسن پہ دربان بٹھا رکھا ہے

"یعنی تیرا تفصیلی معائنہ مکمل ہو گیا۔" اطہر نے اسے دھپ لگائی اور تب ہی وہ بات مکمل کر کے مڑی تو اس کے براؤنش گولڈن بالوں کی گھٹنوں کو چھوتی چوٹی نظر آئی۔

"ہائے! علی تیرا یار تو گیا کچھ کرنا یار یہی ہے وہ یہی ہے۔ جس کے لیے تیرے یار نے اتنی صحرا نوردی کی ہے۔" یورید نے سینے پر بائیں جانب ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میرے یار! ایک بار اور غور سے دیکھ لے کیونکہ دو ماہ قبل تو نے بالکل یہی الفاظ زائرہ حسین کے بارے میں کہے تھے۔" علی اسے چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔

"نہیں یار! آج سے ساری مینائیں، ہیں ختم سب کو مٹاؤ۔ آج تیرے یار کی کشتی کو ساحل مل گیا۔" یورید نے علی کے کاندھے سے سر ٹکا کر کہا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" علی نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا اور ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیا۔

"آمین۔" کورس میں جواب آیا اور پھر سب ہنسنے لگے۔

اور اسی دن سے یورید کی مہم شروع ہو گئی حیا کا نام، حدود اربعہ، اس کا ڈپارٹمنٹ غرض اس کے متعلق تمام معلومات یورید کو دستیاب ہو گئیں۔

اور دوسرے ہی دن یورید متعلقہ ڈپارٹمنٹ میں موجود تھا۔ اور تین گھنٹے کی خواری کے بعد بھی وہ کہیں نظر نہیں آئی تو وہ بے زار ہو گیا اسی وقت علی اور نوید

www.pkdigest.com

اسے ڈھونڈتے ہوئے آگئے۔

"کیوں آپ کا گوہر مقصود آپ کو دستیاب نہیں ہوا۔" نوید نے آتے ہی پوچھا۔

"نہیں یار! لگتا ہے آج چاند چڑھا نہیں ہے۔" اس نے بے زاری سے کہا۔

"نہیں یار! باخبر ذرائع سے پتا چلا ہے کہ چاند چڑھا ہے اب ہر کوئی آپ کی طرح ذہین تھوڑی ہوتا ہے کچھ لوگوں کو کامیابی کے لیے کلاسز لینی پڑتی ہیں۔" علی نے اس کے کلاسز نہ لینے پر بڑا لطیف طنز کیا۔

"ہاں یہ تو ہے اور یوں بھی حسینوں کی اکثریت کوڑھ مغز ہوتی ہے۔" شرمندہ ہونا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

اور پھر وہ نظر آگئی اس کے ساتھ اس کی دو عدد دوستیں بھی تھیں۔

"سیسے مس۔" یورید نے ہمت کر کے کہا۔

"جی فرمایئے۔" حیا نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ۔۔۔ کہ۔"

"ارے! یہ اپنے شہزادے کو کیا ہو گیا یہ تو مقابل کو منٹوں میں زیر کر لیتا ہے یہ ایسے کیوں گھگھیا رہا ہے۔" نوید نے علی کے برابر میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس لیے نوید کہ یورید کا واسطہ پہلی بار رعب حسن کے ساتھ حد سے بڑھی ہوئی حیا و شرافت سے پڑا ہے اب تک اس کا واسطہ اپنے ہی جیسی لڑکیوں سے پڑتا رہا آج پہلی بار اونٹ پہاڑ کے نیچے آیا ہے۔" علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ وہ بات یہ ہے کہ۔۔۔ کہ" یورید سے کسی طرح بھی اس کے اٹھے ہوئے تیکھے چتون کے آگے اپنا حرف مدعا بیان نہیں ہو رہا تھا۔

"کہ آپ کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے اور آپ نے مجھ سے زیادہ حسین چہرہ آج تک نہیں دیکھا کیوں یہی بات ہے نا!" اس کے تیور خطرناک تھے۔

"جی جی! مگر آپ کو کیسے پتا چلا۔" یورید نے لہجے میں معصومیت سمو کر کہا۔

"اس لیے کہ آپ جیسے لوگ یہ جملے دن میں دس بار دس لڑکیوں سے بولنے کے عادی ہوتے ہیں۔" اس نے غصے سے کہا۔

"ویسے آپ نے آج تک ان جیسا حسین چہرہ کیوں نہیں دیکھا۔" اس کی ایک دوست نے یورید سے پوچھا۔

"اس لیے کہ ان کی آنکھوں میں اس سے پہلے موتیا اترا ہوا تھا اور آج ہی ان کی روشنی واپس آئی ہے۔" دوسری دوست نے طنزیہ کہا۔

"نہیں ایسا بالکل نہیں ہے آپ نے بالکل غلط اندازہ لگایا ہے میرے بارے میں۔" یورید کی خود اعتمادی واپس آنے لگی۔

"اچھا۔" اس نے طنزیہ کہا۔

"حالانکہ آپ تو خاصے مشہور ہیں اپنی سرگرمیوں کے لیے۔"

اور پھر یورید کے پاس کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں۔ گویا جس طرح یورید کے پاس اس سے متعلق معلومات تھیں وہ بھی اس کے بارے میں ویسے ہی اطلاعات رکھتی تھی لہٰذا یورید کو وہاں سے چلتے ہی بنی۔

☼ ☼ ☼

اور پھر نواز کو اس کی کھوج کا سرا "لاثانیہ" سے باہر نکلتی ہوئی شزا اور نعمان کی صورت میں مل گیا۔ "اوہ تو یہ وجہ تھی انکار کی۔" اسٹریٹ لو کتنی بے وقوف تھی شزا اسی راستے پر چل رہی تھی جس پر اس کا بھائی دوسری لڑکیوں کو چلا رہا تھا۔ لڑکے جن لڑکیوں کو سارے شہر میں لیے پھرتے ہیں ان سے کبھی شادی نہیں کرتے۔ مگر شزا اپنی نو عمری کے باعث دھوکا کھا گئی۔ یا بھائی کے کرتوتوں کی سزا پانے کا ذریعہ بن گئی۔

اور نواز ایک کڑے امتحان میں مبتلا ہو گیا۔ کیا یورید کو بتانا فائدے مند تھا۔ کہیں وہ اسے انتقامی انداز نہ سمجھے اور پھر وہ خاصا جذباتی بھی تھا۔ تو پھر کیا کرنا چاہیے۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ دکھنے لگا۔ کسے بتانا چاہیے یہ سب۔ دادو، دادا، امی، ابو آخر کسے اور پھر اسے سمجھ آگیا کہ کسے بتانا چاہیے۔

اور وہ یقیناً "رویدہ" تھا۔ اس گھر کا سب سے زیادہ غیر جذباتی نوجوان اور سمجھ بوجھ رکھنے والا بندہ۔ دادو، دادا اور امی ابو کو بتانے کا نقصان یہ ہوتا کہ ان لوگوں کو دکھ کے ساتھ ساتھ ان کا مان بھی ٹوٹ جاتا۔ پتا نہیں ان کا رد عمل کتنا شدید ہوتا۔

جبکہ رویدہ معاملہ فہمی سے معاملہ نبٹا دیتا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔

☼ ☼ ☼

کئی روز کی کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا اور اس روز بھی وہ شرف قبولیت کے سلسلے میں اس سے گفتگو کی کوششوں میں مصروف تھا۔

"آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں۔" اس کی دھنائی عروج پر تھی۔

"آپ میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔" حیا کی بے زاری بھی عروج پر تھی۔

"کمال ہے اتنی نا سمجھ تو نہیں لگتیں آپ بھی محبت کرتا ہوں میں آپ سے۔" اس نے شوخ انداز میں کہا۔

"شٹ اپ! مت کریں محبت کو اتنا بدنام کہ آپ محبت کا نام بھی لیں تو لوگ پتھر اٹھالیں اور ناولیوی الون مجھے اسائنمنٹ تیار کرنا ہے۔" حیا نے تنگی سے کہا۔

اور پھر وہ پتا نہیں کیا سوچ کر اس کے پاس سے چلا آیا اور جب وہ اپنے گروپ میں پہنچا تو سب مذاق اڑانے لگے۔

"کیوں یار! بات بنی نہیں۔" علی نے چھیڑا۔

"نہیں یار! کہاں اس کے ساتھ تو وہ مسئلہ ہے

تجھ کو دی صورت پری پر دل نہیں تجھ کو دیا
ملتا خدا تو پوچھتا یہ ظلم تو نے کیوں کیا

"چل یار! دل چھوٹا نہ کر میں تیرے لیے دعا کروں گا۔" اطہر نے اسے تسلی دی۔

"نہیں یار! ایسا غضب مت کرنا تو نے ساحر کے لیے دعا کی اور ثمینہ کی شادی دوران تعلیم ہی ہو گئی۔ تو نے احسان کے لیے دعا کی نادرہ کے ابا نے اس کا یہاں سے لاہور میں مائیگریشن کروا دیا۔ تو نے احمد کے لیے دعا کی اسماء نے احمد میں دلچسپی لینا چھوڑ دی اب خدارا مجھے بخش دے۔" اس نے اطہر کی دعاؤں کی فہرست گنوانی شروع کی اور سب ہنستے ہنستے دوہرے ہو گئے۔

"اصل میں میری دعاؤں سے لوگوں کے فیصلے بروقت ہو جاتے ہیں انہیں قرار آجاتا ہے اب ثمینہ کی شادی سے ساحر کو قرار آگیا۔ نادرہ کی مائیگریشن سے احسان نے ٹاپ کیا۔ اور اسماء کی عدم دلچسپی سے احمد کی نالائقی لیاقت میں تبدیل ہو گئی۔" وہ بھی یورید کا ہی دوست تھا اس سے کم ڈھیٹ تھوڑی تھا۔

"لیکن مجھے نہ قرار چاہیے نہ مزید لیاقت اس لیے مجھے بخش دے یار۔" یورید نے سامنے بہت دور سے گزرتی حیا پر نظریں جماتے ہوئے کہا اور پھر اس کے لبوں سے نکلا۔

"ہاہ! کرتے ہیں قتل ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔"

"یاروں تم نے ایک بات نوٹ کی ہے ایسے وقت میں میرے یار کا شعری ذوق کیسا نکھر کر سامنے آتا ہے ویسے اس کی اردو شاعری سے جان جاتی ہے۔" نوید نے بڑے پتے کی بات نکالی۔

"ہاں واقعی یہ تو ہے۔" سب نے ہی اس کی تائید کی۔

"تو نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تو دل کی صدا ہوتی ہے۔" شرمندہ ہونا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

"تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ سیدھے سبھاؤ اس کا رشتہ بھیج دے اسے خود ہی تیری محبت کا یقین آجائے گا۔" اطہر نے مشورہ دیا۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں یہی کرنا پڑے گا۔" اس نے پر سوچ انداز میں کہا۔

"ہاں یہ درست ہے لاسٹ ایئر کا لاسٹ سمسٹر باقی ہے اور کاروبار کی وجہ سے نوکری تیرا مسئلہ نہیں ہے تو پھر بسم اللہ کر۔" نوید نے بھی اطہر کی تائید کی۔

"ہاں یار! کچھ کرتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

☼ ☼ ☼

www.pkdigest.com

اس دن رویدہ گھر پر ہی تھا۔ کہ اس کے موبائل پر نواز کی کال آئی۔ ہیلو کرنے پر نواز نے دریافت کیا۔

"کیا Largeess فوری طور پر آسکتے ہیں۔" رویدہ نے پوچھا۔

"کیا وجہ ہے ایسی کیا ایمرجنسی نافذ ہو گئی کہ فوری آنا ہے۔" تو نواز نے کہا۔

"میں یورید کو بھی کال کر سکتا تھا مگر آپ اس کے مقابلے میں معاملہ فہم اور جذباتیت سے عاری ہیں۔" اس کے انداز سے رویدہ کو کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا اور "وہ اچھا آتا ہوں" کہہ کر اسی کو بتا کر تقریباً آدھے گھنٹے میں Largeess کے سامنے موجود تھے۔ جہاں باہر ہی انہیں نواز مل گیا۔

"ہاں کیا بات ہے نواز!" انہوں نے فوراً پوچھا۔

"رویدہ اندر جا کر دیکھ لو اور ہاں کسی جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کرنا اب میں چلتا ہوں۔" نواز نے رویدہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے مورل سپورٹ دی۔ اور رویدہ کا دل کسی انہونی کے احساس سے اس کے اندر دھڑ دھڑانے لگا۔

اندر داخل ہوتے ہی وہ انہونی نظر آگئی دائیں جانب کے کونے والے حصے میں شنزا کسی کے ساتھ بیٹھی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے میں اس قدر مگن تھے کہ شنزا کا رخ سامنے کی طرف ہونے کے باوجود وہ رویدہ کو نہیں دیکھ سکی تھی نعمان نے درست سوچا تھا صرف ایک قدم غلط اٹھنے کی دیر تھی پھر قدم اٹھتے ہی چلے گئے روز کے میل ملاقات بڑھتے بڑھتے نوبت یہ آگئی تھی کہ شنزا کو نعمان کے بغیر سانس لینی بھی مشکل لگتی تھی۔ وہ اس سفر میں بہت دور نکل آئی تھی۔ جہاں واپسی کا سوچنا تک محال تھا اور عمل تو شاید ناممکنات میں سے تھا۔

رویدہ آہستہ روی سے چلتا ہوا اس میز پر آکر کھڑا ہو گیا جس پر وہ دونوں موجود تھے۔ اور شنزا نے سر اٹھا کر دیکھا تو گنگ رہ گئی۔

"بھ۔۔۔ بھا۔۔۔ بھائی آپ!" شنزا کے لبوں سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے اور نعمان تو بوکھلا کر کھڑا ہو گیا وہ اس میدان کا پرانا اور گھاگ کھلاڑی تھا۔ وہ ہمیشہ لڑکی کو اس کے اور انسٹیٹیوٹ سے قطعی آؤٹ سائیڈ پر لے کر جاتا تھا اور اپنی اس روش کی وجہ سے کبھی پکڑا نہیں گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں اب تک کئی لڑکیاں برباد ہوئی تھیں۔ مگر یورید میں یہ برائی نہیں تھی۔ یورید کو صرف "راجہ اندر" بننے کا شوق تھا۔ اس نے آج تک کسی لڑکی کی زندگی تباہ نہیں کی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ شنزا وقت سے پہلے پکڑی گئی تھی۔

"شنزا! بیگ اٹھاؤ اور چلو میرے ساتھ۔" رویدہ نے کول لہجے میں کہا اور نعمان اتنی آسانی سے گلو خلاصی پر پرسکون سا ہو گیا ورنہ وہ تو شاندار "عزت افزائی" کا سوچے بیٹھا تھا۔ اس نے اس سے پہلے اتنا کول مائنڈڈ بندہ نہیں دیکھا تھا۔ کہ بہن کو کسی کے ساتھ "ریڈ ہینڈڈ" پکڑنے پر بھی کول رہے اور دونوں میں سے کسی کو کچھ نہ کہے۔ اور شنزا فوراً بیگ لے کر کھڑی ہو گئی۔

"چلیے بھائی۔" اس وقت شنزا کی رنگت ہلدی ہو رہی تھی۔ اور رویدہ آگے چل پڑا اور شنزا اس کے قدموں سے اس کے پیچھے چل پڑی باہر آکر وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔

اور گاڑی چل پڑی کافی دیر خاموشی سے رویدہ گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

"شنزا! تمہیں ہم میں سے کسی کا خیال نہیں آیا۔" رویدہ کی آواز گاڑی میں ابھری اور خاموشی کو توڑ گئی۔ اور بے آواز روتی شنزا نے سر اٹھایا۔

"بھائی! مجھے معاف کر دو مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میں بہک گئی تھی۔" شنزا نے روتے ہوئے دونوں ہاتھ رویدہ کے آگے جوڑ دیے۔

"شنزا! پسند کی شادی گناہ نہیں ہے یہ حق تو ہمیں مذہب کی طرف سے حاصل ہے گناہ ہیں یہ حرکتیں۔ بھائیوں، ماں باپ کے مان کو توڑنا، دھوکا دینا۔ جھوٹ بولنا۔ تمہیں اپنی پسند کا اسی وقت بتا دینا تھا جب تمہارے لیے نواز کا پرپوزل آیا تھا۔" رویدہ نے سختی

نہیں کی تھی اس پر۔

"بھائی! میں ڈر گئی تھی۔" وہ اب بھی سسک رہی تھی۔

"چلو اب بھی کچھ زیادہ نہیں بگڑا۔ اگر وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے تو اس سے کہو کہ سیدھے طریقے سے رشتہ بھیجے اور اب رونا بند کر کے اپنا حلیہ درست کرو۔ گھر میں کسی کو اس واقعے کی بھنک نہیں پڑنی چاہیے۔" رویدہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا۔

"بھائی! تھینک یو بھائی آپ بہت اچھے ہو۔" شنزا روتے روتے ہنس پڑی اور ساتھ ہی رویدہ بھی ہنس پڑا۔

"تو مسکہ مجھے برا بننا بھی آتا ہے۔" رویدہ نے ہنستے ہوئے کہا اور شنزا مطمئن سی ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

اور ایک دن اس نے حیا کو روک لیا۔

"سنو! حیا مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" آج اس کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔

"مس حیا عالم۔" حیا نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"میں آپ کے گھر پر پوزل بھجوانا چاہتا ہوں۔" اس نے اس کی تنبیہہ پر کوئی کان نہ دھرا۔

"مجھے انکار ہے۔" حیا نے قطعیت سے کہا۔

"انکار کی وجہ!" اس نے فوراً سے پیشتر پوچھا۔

"میری مرضی کوئی مجھے فورس نہیں کر سکتا۔" حیا کے لہجے میں بے زاری اتر آئی۔

"لیکن پرپوزل بھجوانا اس بات کا واضح اعتراف نہیں ہے کہ میں تم سے فلرٹ نہیں کر رہا۔" اس نے بات میں وزن پیدا کرنے کو کہا۔

"لیکن اس سے میں تم سے شادی پر مجبور نہیں ہو گئی اور رہی بات مجھ سے فلرٹ نہ کرنے کی تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں تمہارے اوچھے ہتھکنڈوں کے متاثرین میں شامل نہ ہو سکی ورنہ میرا نام تو ٹاپ آف دی لسٹ ہوتا کہ مجھ جیسی شریف نظر آنے والی بھی تم جیسوں کے دام میں آگئی۔ مگر میرا الفت نہ کرانا تمہاری ضد بن گیا سو تم نے میرے حصول کے لیے ایک مہذب اور شریفانہ طریقہ نکالا مجھے متاثر کرنے کے لیے اگر میں عام سی ہوتی تو میرا انجام بھی عام سا ہوتا ہے نا! کیا خیال ہے تمہارا۔" اس نے سفاکیت سے کہا۔

"نہیں نہیں بخدا۔

قسم خدا کی محبت نہیں عقیدت ہے
دیار دل میں بڑا احترام ہے تیرا

"ہنہ! محض لفاظی جو کم از کم مجھے متاثر نہیں کر سکتی۔" وہ کسی بھی بات سے متاثر نہیں لگ رہی تھی۔

"سنو! صرف انکار کی وجہ بتا دو ورنہ وعدہ ہے کہ میں بار بار تمہارے راستے میں آتا رہوں گا۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"کیوں وجہ کے لیے تمہارا کردار کافی نہیں ہے۔" اس نے غصے سے کہا۔

"نہیں اتنا تو مجھے اندازہ ہے کہ وجہ کوئی اور ہے ورنہ شادی سے پہلے لڑکے لڑکیوں کی زندگی میں ایسے رنگین حادثے ہوتے ہی رہتے ہیں میرے خیال میں وفاداری رشتوں سے مشروط ہوتی ہے۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔

"کچھ خود کو سنبھال کر بھی تو رکھتے ہیں۔" حیا کے لہجے میں تھکن در آئی۔

"ہاں آٹے میں نمک کے برابر۔" وہ اپنے موقف سے ہلا نہیں۔

"بہرحال تم درست سمجھے ہو میرے انکار کی وجہ اور ہے اصل میں مجھ سے صرف وہ شادی کر سکتا ہے جو بہت براڈ مائنڈڈ، بہت بڑے دل کا مالک اور غلطیوں کو معاف کر دینے کا ہنر جانتا ہو۔ عورت کو انسان سمجھے صرف خوب صورت چہرہ یا جسم نہیں اور یہ سب صفات تم میں نہیں ہیں۔" حیا نے تھکن زدہ لہجے میں کہا۔

"آزمائش شرط ہے۔" یورید شوخ ہوا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔" حیا نے کہا اور خاموش سی ہو گئی جیسے سوچ رہی ہو کہ کہاں سے شروع کرے۔

www.pkdigest.com

"یہ اب سے چند ماہ پہلے کی بات ہے میں اتنی ڈھنگ کی نہیں ہوا کرتی تھی۔ میرا مطلب ہے مجھ پر بھی زمانے کا رنگ اتنا ہی نمایاں تھا جتنا کہ آج کل کی لڑکیوں میں نمایاں ہے اونچے ٹراؤزرز' شارٹ شرٹ' چندی سا اسکارف' اونچے اونچے قہقہے' ٹیلی فون' موبائل' کمپیوٹر' نیٹ چیٹنگ' میرے نزدیک زندگی بلا گلا' پکنکس' پارٹیز' ہوٹلنگ اور دوستوں کا نام تھا۔ میں لڑکوں سے دوستی کو بھی برا نہیں سمجھتی تھی۔ ہاں کچھ حدود ضرور مقرر کی ہوئی تھیں۔ حالانکہ جنس مخالف سے دوستی کا ہمارے مذہب میں کوئی تصور نہیں ہے۔ مگر مذہب کی اور کون سی باتیں ہم مانتے ہیں جو یہ مانیں۔ بہرحال اے لیول سے فارغ ہو کر میں نے ایک کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ جوائن کر لیا۔ یہ انسٹیٹیوٹ ایک بہت بڑے بنگلے میں تھا اور گھر سے قریب تھا۔ میں وہاں پیدل آتی جاتی تھی۔ وہاں بھی لڑکیوں کے ساتھ لڑکے بھی میرے دوست تھے ان میں سے کئی ایلیٹ کلاس کے بگڑے ہوئے لڑکے تھے وہ سب اتنے آؤٹ اسپوکن تھے کہ کوئی عام لڑکی ان سے بات نہ کر پاتی تھی۔ مگر میں خود خاصی بولڈ تھی۔ اور ان سب کی باتوں کے جواب انہی کے انداز میں دیتی۔ اس لیے میں اکثریت کی پسندیدہ تھی۔ اور وہ مجھے اپنی ہی کیٹیگری کا سمجھتے تھے۔ جبکہ میں نے بتایا ہے نا! کہ میری کچھ حدود تھیں جنہیں میں نے کبھی پار نہیں کیا۔

اسی انسٹیٹیوٹ میں ایک لڑکا تھا شوبی۔ وہ میرے کھلے ڈلے مذاقوں پر میرے بارے میں یہ قیاس کر بیٹھا کہ شاید میں کیریکٹر وائس لوز ہوں اور اسی بات کو مدنظر رکھ کر اس نے مجھ سے کچھ وقت اپنے ساتھ گزارنے کی توقع کی۔ مگر میں نا صرف پھر کر اسے سناتی چلی گئی بلکہ جوش جذبات میں اسے تھپڑ بھی مار بیٹھی اور میں اس کے لیے چیلنج بن گئی۔

اور اس نے ایک ہفتے بعد ہی اس تھپڑ کی بے عزتی کا بدلہ لے لیا۔ انسٹیٹیوٹ جاتے ہوئے راستے سے مجھے اغوا کر لیا اور تین دن وہ مجھ سے اس ایک تھپڑ کی بے عزتی کا بدلہ لیتا رہا۔ مرد عورت سے اس قسم کا انتقام لے کر سمجھتا ہے کہ اس نے بڑی مردانگی دکھائی ہے۔ حالانکہ عورت تو بڑی کمزور مخلوق ہے۔ اس پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے والے مرد سے زیادہ کمزور اور بزدل مرد اور کوئی نہیں ہوتا۔ کسی سنسان شاہراہ سے کسی نہتی عورت کو اٹھا لینا پتا نہیں کس کی نظر میں بہادری شمار ہوتی ہے۔

میں نے یہی کہا تھا شوبی سے جب وہ فتح کے نشے میں چور میرے پاس آیا تھا۔ اور اس نے کہا تھا۔

"کیسا لگا میرا انتقام!" اور میرے جواب نے اسے مشتعل کر دیا اور اس نے مجھے زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور میری جانب سے رخ پھیر کر کہا کہ۔

"چلی جاؤ یہاں سے۔" اور میں واپس آ گئی۔ اتنی بہادر تھی نہیں کہ خودکشی کر لیتی سو مصلوب ٹھہری۔ اور وہ دن ہے اور آج کا دن میں اپنے اس ناکردہ گناہ کی پاداش میں سولی پر چڑھی ہوئی ہوں۔" آنسو ایک تواتر سے اس کے صبیح چہرے کو دھو رہے تھے۔

"ہاں اب بتاؤ یوریہ احسن اب کیا خیال ہے تمہارا میرے بارے میں۔" اس نے اپنی بات ختم کر کے ایک دم سے نگاہ اٹھا کر اس سے سوال کر دیا۔ اور یوریہ جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے میں سوچ کر جواب دوں گا۔" اس نے حیا کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے یوریہ احسن وقت ضائع کرنے کی۔ مجھے تمہارا جواب آج بھی معلوم ہے۔ کیونکہ جنہیں کچھ کرنا ہو وہ سوچا نہیں کرتے۔" حیا نے رومال سے چہرہ اور آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا اور یوریہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر آگے چل دیا۔

☼ ☼ ☼

شہزا نے رویہ سے ہونے والی گفتگو من و عن نعمان کو بتا دی تھی اور اب اس پر زور دے رہی تھی کہ وہ اس کا پرپوزل جلد از جلد بھجوائے۔ مگر نعمان آئیں بائیں شائیں میں لگا ہوا تھا اور رویہ کی پوچھتی نظروں سے ان دنوں وہ چھپتی پھر رہی تھی۔ اس کا اصرار مسلسل بڑھ رہا تھا اور بالآخر روز کے اصرار سے تنگ آ کر نعمان نے اس سے کہہ دیا۔

"شادی اور تم سے' تم جیسی لڑکیاں جو ماں باپ کی عزت اور بھائیوں کے مان کو روند کر لڑکوں سے ملنے آتی ہیں دل بہلانے کی حد تک ٹھیک ہوتی ہیں مگر گھر میں بسانے کے لائق نہیں۔" اور شہزا کو لگا کہ اسے کسی نے آسمان کی بلندیوں سے زمین کے پاتال میں دھکیل دیا ہو۔ اس کے تن من میں ایسی آگ لگی جس نے اس کی روح کو جھلسا دیا۔

"اور تم جیسے لڑکے جو معصوم لڑکیوں کی زندگی کو کھلونا سمجھ کر کھیلتے ہیں۔ اور کسی مریم کی آرزو کرتے ہیں تو ان کا نصیب بھی زلیخائیں ہی ہوتی ہیں۔" یہ کہہ شہزا نے نعمان کی کوئی اور بات نہیں سنی اور فون رکھ دیا اور وہ اس درد کی شدت سے تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

"تم سمجھتے ہو تمہارا نصیب کوئی دودھ کی دھلی ہو گی کبھی نہیں۔" دوسری جانب یوریہ نے حیا سے تو کہہ دیا تھا کہ وہ سوچ کر بتائے گا مگر وہ حیا کا چیپٹر کلوز کر چکا تھا۔ بقول اس کے ملی کو تو سوچ سے کھا کر ہی مزہ کا خیال آیا تھا مگر اس وقت وہ خود آئینہ دیکھنا بھول گیا تھا۔

مگر قدرت اسے آئینہ دکھانے کا بندوبست کر چکی تھی۔ شام میں دوستوں کی طرف سے واپسی لیٹ نائٹ ہوئی۔ امی' ابو اور دادا' دادو سو چکے تھے۔ رویہ کمپیوٹر پر مصروف تھا۔ وہ کھانا مانگنے کے ارادے سے شہزا کے کمرے کی جانب بڑھا اور دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے آتی آوازوں نے اس قدم جکڑ لیے۔

"مجھے اس مقام تک لانے کے بعد وہ کہتا ہے کہ میرے جیسی لڑکیاں دل بہلانے کے لائق تو ہوتی ہیں گھر بسانے کے لائق نہیں آپی بتاؤ! کیا میں بری ہوں میں تو اس سے باہر ملنے پر بھی تیار نہیں تھی۔ وہ زبردستی مجھے کالج سے لے جاتا تھا اور آج کہتا ہے کہ میرے جیسی لڑکیاں دل بہلانے کے لائق ہوتی ہیں۔" شہزا کی حالت خاصی دگرگوں تھی وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ اسے اپنی بے عزتی کا احساس مار رہا تھا۔ کتنے گھٹیا الفاظ میں نعمان نے اس کی بے عزتی کی تھی۔

"میری سمجھ نہیں آ رہا شہزا! کہ میں تمہیں دلاسا دوں یا تم پر غصہ کروں اتنے بہترین ماحول میں پلنے کے بعد کہاں کوتاہی ہوئی ہے کہ تم بہک گئیں مجھے بیک وقت تم پر غصہ بھی آ رہا ہے اور ترس بھی۔ مگر پھر بھی مجھے بتاؤ کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں۔" یہ غالباً کنزا کی آواز تھی۔ شاید وہ آئی ہوئی تھی۔

"اب میری میرے اللہ کے علاوہ کوئی مدد نہیں کر سکتا بس آپ رویہ بھائی سے کہہ دیجیے کہ شہزا ہار گئی شہزا دھوکا کھا گئی۔ شہزا اب کبھی ساری زندگی آپ سے آنکھیں نہیں ملا پائے گی شہزا جیسی لڑکیوں کو جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔" وہ بھک بھک کر رو رہی تھی اور یوریہ کی برداشت سے باہر ہو گیا وہ ایک دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھولتا اندر داخل ہو گیا۔

"کون ہے وہ کس کا سوگ منایا جا رہا ہے یہاں۔" وہ غضب ناک انداز میں بولا اور شہزا کی حالت ایسی ہو گئی کہ جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"یوریہ لہجہ اور انداز سنبھالو۔ تماشا بنانے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری حرکتوں کا تاوان اس گھر کی کسی عورت کو تو دینا ہی تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ شہزا نے سود سمیت تمہارا تاوان ادا کیا ہے اور اب اگر کسی اور لڑکی کو دھوکا دینا ہو تو اپنی بہن کا چہرہ ضرور یاد کر لینا۔" کنزا ایک دم سے دونوں کے درمیان آ کر کھڑی ہو گئی۔

اور کچھ دیر تو یوریہ کچھ کہہ ہی نہیں سکا پھر پھنکارتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"چھپا لو میں بھی جب تک معلوم نہیں کر لوں گا سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔" اور وہ رات بڑی بھاری تھی کنزا' شہزا کا منہ ہاتھ دھلوا کر اسے دودھ کا گلاس پلا کر بیڈ پر لٹا کر کافی دیر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی جب اس کے سونے کا یقین ہوا تو خود سوئی مگر پتا نہیں رات میں کس وقت اس نے کافی مقدار میں ٹرنکو لائزرز لے لی تھیں صبح کنزا نے اسے ہلایا تو وہ نیم

www.pkdigest.com

غنودگی میں تھی۔ کنزا کی چیخوں سے سب اس کے کمرے میں جمع ہو گئے اسے فوراً ہاسپٹل لے جایا گیا۔ جہاں فوری طور پر اس کا معدہ واش کیا گیا مگر اس کی حالت ابھی خطرے سے خالی نہیں تھی اور ڈاکٹرز نے چوبیس گھنٹے بہت اہم قرار دیے تھے اور سب اس کے لیے دعا گو تھے۔

یہ خبر نعمان کو بھی ملی تو اسے ایک عجیب سی کمینی سی خوشی ہوئی۔

"چلو! اچھا ہے میری محبت میں شہید ہونے والوں میں ایک اور کا اضافہ ہونے والا ہے۔" ایک لڑکی کی بے وفائی کا انتقام وہ اب تک سینکڑوں لڑکیوں سے لے چکا تھا اتنی کہ اب اسے گنتی اور نام و پتے تک یاد نہیں تھے اور لڑکی نے صرف بے وفائی کی تھی اور وہ اب تک کئی لڑکیوں کی زندگی تباہ کر چکا تھا شہزا —— کے بزرگوں کی دعائیں زور آور تھیں کہ وہ بال بال بچ گئی تھی۔

نواز کو جب اطلاع ملی تو اس کو دکھ سا ہوا۔

"شاید میں نے رویدا کو اطلاع دے کر غلطی کی ہے پتہ نہیں رویدا کا کیا رد عمل رہا کہ شہزا کو یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑ گیا۔" وہ فوری طور پر ہاسپٹل کے لیے نکل گیا۔ باہر کاریڈور میں ہی اسے یوریدا مل گیا انتہائی آزردہ اور تھکا تھکا سا۔ نواز نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دبا کر اسے مورل سپورٹ دی۔ تو یوریدا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"دعا کرو نواز! کہ میرے گناہوں کی سزا اللہ میری معصوم بہن میری شہزا کو نہ دے۔" قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھی وہ نواز کو ٹوٹا ٹوٹا بکھرا بکھرا سا اس کا ٹوٹا بکھرا لہجہ اس کی اندرونی کیفیات کی غمازی کر رہا تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا شہزا کو ان شاء اللہ تم صدق دل سے اللہ سے دعا کرو۔ اس وقت تم لوگوں کی دعاؤں میں جو تڑپ جو شدت ہو گی وہ براہ راست عرش معلی پر پہنچے گی اور ان شاء اللہ قبول کی جائے گی۔" نواز نے اسے تسلی دی۔

"نہیں نواز! مجھ سے گناہگاروں کے منہ اس قابل کہاں ہوتے ہیں کہ وہ اللہ سے دعا کر سکیں۔" آج یوریدا کی ہر بات میں شرمندگی کا احساس غالب تھا۔

"توبہ کرنے والے کو وہ معاف کر دے گا یہ اس کا وعدہ ہے۔ اور توبہ کا در ابھی بند نہیں ہوا۔ بس اب دیر مت کرو اور جاؤ اللہ تعالیٰ سے شہزا کی زندگی کی بھیک مانگو۔ وہ خود سے مانگنے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔" نواز نے اسے حوصلہ دیا۔

تو وہ سر ہلاتا ہوا تھکے تھکے قدموں سے I.C.U کے گلاس ڈور تک گیا اور پھر گلاس ڈور پر چہرہ ٹکا کر اندر دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"رویدا میں نے تو آپ کو اس لیے بتایا تھا کہ آپ درست طریقے سے معاملہ ہینڈل کر لیں۔ مگر آپ نے تو معاملہ قطعی بگاڑ دیا کہ وہ انتہائی اقدام پر اتر آئی۔" نواز نے رویدا کو اکیلا دیکھ کر کہا۔

"نہیں نواز! میں تو خود حیران ہوں۔ میں نے تو شہزا سے کہا تھا کہ وہ نعمان سے کہے کہ اس کے گھر والے شہزا کا پروپوزل لے کر آئیں تو میں باقی حالات ہینڈل کر لوں گا۔ مگر پتا نہیں کیا ہوا کہ وہ یہ سب کرنے پر مجبور ہو گئی۔" رویدا نے پوری بات بتائی تو میڈیسن کا پرچہ لے کر آتی کنزا نے سن لیا اور پھر وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی اور ساتھ ہی یوریدا کا رد عمل بھی اور وہ خاموشی سے سب سنتے رہے اور اب نواز کو یوریدا کے اس دلبرداشتہ رویے کی سمجھ آ گئی۔

اور پھر چوبیس گھنٹے گزر گئے مگر ڈاکٹرز کے مطابق شہزا کی حالت اب بھی خطرے سے باہر نہیں تھی۔

بقول ڈاکٹرز کے مریض کے لیے دواؤں اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اس کی دل یاور زاور اس میں زندہ رہنے کی امنگ، جینے کی خواہش کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے اور اس پیشنٹ میں زندہ رہنے کی امنگ و خواہش مفقود ہے۔

گھر کے بڑے تمام حالات و واقعات سے لاعلم

تھے۔ مگر آج کل کے حالات شہزا کا نواز سے بلاوجہ شادی سے انکار اور اب اس انتہائی اقدام یعنی اقدام خودکشی سے وہ بہت کچھ اخذ کرنے پر مجبور تھے۔ کڑی سے کڑی خود بخود ملتی جا رہی تھی۔ مگر اس وقت وہ سب کچھ بھلائے سراپا عجز و انکساری سراپا دعا بنے ہوئے تھے۔

ایسے میں نواز نے شہزا کے گھر والوں سے درخواست کی کہ وہ شہزا سے اسے ملنے دیں ہو سکتا ہے کہ بہتری کی کوئی صورت نکل آئے۔ کہ اپنے طور پر تو سب اسے زندگی کی طرف لوٹ آنے کی اس میں زندگی کی لگن جگانے کی کوشش کر چکے تھے۔

مگر وہ بے حس و حرکت سب کو ٹکر ٹکر دیکھتی رہتی۔ میڈیسن کا اس پر کوئی خاص اثر نہیں تھا اور اس وقت تو کوئی بھی، کیسی بھی آس دلا دیتا کہ اس طرح شہزا جی جائے گی تو وہ مان لیتے یہ تو معمولی بات تھی۔

☼ ☼ ☼

"شہزا! تم ایسا کیوں کر رہی ہو۔ کیا وہ واحد شخص اتنا اہم ہے کہ اس کے لیے امی، ابو، دادا، دادو بھائیوں اور بہن کی محبت فنا ہو گئی۔" نواز نے اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"اور کہاں کہاں تک پہنچی ہے میری رسوائی کی داستان۔" یہ پہلے الفاظ تھے جو اس کے لبوں سے ادا ہوئے تھے اس کا چہرہ اب بھی بے تاثر تھا مگر لہجے میں کاٹ تھی۔

"کہیں تک نہیں۔ گھر کے بڑے تو قطعی لاعلم ہیں اور مجھے بھی یوں علم ہے کہ میں نے ایک بار تمہیں "لاثانیہ" میں دیکھا تھا۔ تمہارے خاندان کو صرف یہ پتا ہے کہ تمہیں فوڈ پوائزننگ ہو گئی ہے۔" نواز نے اسی ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"بند! پتا نہیں کیوں اب جینے کو دل نہیں چاہتا۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"بے وفاؤں کے لیے جنوں بے کار ہے جو تمہیں بھلا دے اسے تم بھی بھلا دو۔" اس نے آسان سولیوشن پیش کیا۔

"کتنا آسان ہے یہ کہہ دینا اور کتنا مشکل ہے اس پر عمل کرنا جو عزیز ہو دل کی قریب ہو اس کو بھلا دینا خود کو بھلا دینا ہے مگر آپ کو کیا اندازہ اس اذیت کا آپ کو کیا پتا اس دکھ کا۔" وہ بے آواز رو دی۔

"مجھ کو اندازہ ہے اس دکھ اور اذیت کا جھیل چکا ہوں میں یہ دکھ۔" نواز نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا اور اس نے نگاہیں چرا لیں۔

"پتا نہیں نواز! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں دونوں بھائیوں کا سامنا کس طرح کروں گی۔ میں نے اپنے پیاروں کا مان توڑا ہے میں ان کا سامنا کیسے کروں گی انہیں کیا منہ دکھاؤں گی بس یہی بات ہے جو میرے اندر سے جینے کی امنگ چھین لیتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں دنیا چھوڑ دوں۔" وہ بے تحاشا آنسو بہاتے ہوئے بولتی چلی گئی۔

"غلطیاں انسان سے ہی ہوتی ہیں اور غلطیوں کے ازالے بھی ممکن ہیں اور جہاں تک تمہاری غلطی کا تعلق ہے تو یہ تمہارا تمہیں تمہاری عمر کا قصور ہے اس دور میں حقیقت کے سوا ہر بات اچھی لگتی ہے اور شکر کرو کہ اللہ نے بہت دور جانے سے پہلے کسی بڑی غلطی کے ارتکاب سے پہلے بچا لیا تم پر اس کا شکر اور

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آنکھوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
یہ گلیاں یہ چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/200 روپے

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32735024

شکریہ دونوں واجب ہیں اور جینے کی امنگ خود میں پیدا کرو۔ اس لیے کہ بہت سے ہاتھ تمہاری زندگی کی دعاؤں کے لیے بارگاہ الٰہی میں اٹھے ہوئے ہیں اور جہاں تک سب کا سامنا کرنے کی بات ہے تو اگر تمہیں منظور ہے تو میں آج بھی تمہارا منتظر ہوں تم میرا ہاتھ تھام کر یقین و اعتماد کے ساتھ سر اٹھا کر سب کا سامنا کرو۔" وہ بہت آہستہ آہستہ اور لفظ تول کر بول رہا تھا۔

"نہیں نواز! میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ آپ کے ساتھ کا فخر پا سکوں۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"تم کس قابل ہو یہ میں جانتا ہوں۔ بس اب خاموشی سے لیٹی رہو اور ہاں دواؤں کے ساتھ ساتھ غذاؤں میں بے قاعدگی اور بے دلی سے وہ اب ختم ہو جانی چاہیے میں ایک ہفتے کے اندر تمہیں چاق و چوبند دیکھنا چاہتا ہوں اپنی اردو دانی کے جوہر دکھاتے ہوئے۔" وہ ایک مان سے حکمیہ انداز میں کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ تو ایک اداس سی دکھی سی مسکراہٹ نے شہزا کے لبوں کا احاطہ کر لیا۔

☼ ☼ ☼

شہزا کی صحت یابی کی خوشی میں ابو نے ایک پارٹی رکھی تھی اور اسی پارٹی میں نواز کے گھر والوں نے شہزا کے جملہ حقوق نکاح کے ذریعے نواز کے نام محفوظ کروا لیے رخصتی تعلیم کے اختتام پر ہونی تھی۔

اس نکاح سے قبل ایک فیصلہ یوریدہ نے بھی کر لیا۔ نواز نے سب جانتے بوجھتے ان کے عیب کو ڈھانکا تھا تو کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا سو اسی تقریب کے بعد اس کی منگنی تھی حیا سے۔

نواز اور یوریدہ کے تو یہ لاسٹ سمسٹر تھے سال بھر بعد حیا اور شہزا ابھی اپنی تعلیم سے فارغ ہو گئیں۔ اور اب یہ طے ہوا تھا کہ یوریدہ کے ولیمے میں شہزا کی رخصتی تھی۔ تاکہ وہ بھائی کی شادی کی تقریبات میں شریک ہو سکے ارادہ تو سب کا رویدہ کی شادی پہلے کرنا کا تھا مگر اس نے ابھی انکار کر دیا تھا۔ سو شہزا اور یوریدہ کی شادی رکھی گئی تھی۔

"اب تو اعتبار آ گیا آپ کو ہمارا۔" یوریدہ نے مایوں والے دن اسے فون کیا تھا اور یہ پہلی بار بھی تھا۔

"یوریدہ! آپ نے اعتبار دیا تو آنا ہی تھا۔ مگر یوریدہ ایسا ہوا کیسے؟ اس دن جب آپ میری بات سن کر اٹھے تو آپ کے چہرے پر انکار بڑا صاف صاف، واضح اور خوشخط لکھا ہوا تھا۔ پھر اس تبدیلی کی وجہ؟" کئی دنوں سے کھٹک رہی بات حیا نے پوچھ ہی لی۔

"حیا! ہدایت کے لیے صرف ایک لمحہ درکار تھا۔ اور جب وہ لمحہ میسر ہوا تو مجھے ہدایت عطا کر دی گئی۔ میں تو خوش نصیب ہوں کہ اس نے ہدایت کے لیے مجھے چنا اور اسے تمہیں بھی تو تمہاری اچھی سوچ کا انعام دینا تھا۔ تم چاہتیں تو۔ کوئی بات میرے علم میں لائے بغیر میرے حرم میں آ سکتی تھیں مگر تم نے دھوکا دینا گوارا نہیں کیا۔ اور اچھے کو برائی کبھی نہیں ملتی یہ میرا ایمان ہے۔" یوریدہ نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

"یوریدہ! آپ بہت بدل گئے ہیں۔" حیا نے آہستگی سے کہا۔

"ہاں تمہاری محبت نے سرتاپا بدل دیا ہے یوریدہ احسن کو۔" یوریدہ نے محبت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"یوریدہ! میرا خیال ہے۔ بہت بات ہو گئی اب میں فون بند کرتی ہوں۔" حیا کو فوراً ہی شرم نے آگھیرا۔

"یار! ایک تو یہ مشرقی لڑکیوں کے ساتھ یہ بڑی پرابلم ہے کام کی بات کرو تو آئیں بائیں کرنے لگتی ہیں۔" یوریدہ شوخ ہوا۔

"کام کی باتیں مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔" حیا نے دوبدو کہا۔

"مناسب وقت کے لیے تو خاصا اسٹاک موجود ہے آپ ہی پریشان ہوں گی بعد میں، کچھ سے ابھی مستفید ہو لیں۔" یوریدہ نے شوخی سے کہا۔

"نہیں ہوں گی آزمائش شرط ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"چلیں پھر ٹھیک ہے آپ سے اب چار دن بعد ملاقات ہو گی ہمت و حوصلے کے ساتھ میدان میں اتریے گا۔ آپ کی شان میں قصیدے کہنے کے لیے

جب تک میں ایک دیوان اور ایک سپاس نامہ تیار کرتا ہوں۔" یوریدہ کی ساری سنجیدگی اس وقت ہوا ہو چکی تھی۔

"یا اللہ! رحم میری جان ناتواں پر۔" حیا نے کہا اور پھر دونوں ہی ہنستے چلے گئے اور اطراف میں محبت کے رنگ برنگے شوخ پھول کھلتے چلے گئے۔

اور یوریدہ کی مہندی میں مسٹرڈ اور بلیک کامبینیشن کے پرنٹڈ اور ہلکے ڈل گولڈن کام والے سوٹ میں نواز نے شہزا کو پکڑ لیا۔

"کہاں ہوتی ہو تم تو رخ ہی نہیں ملاتیں۔" نواز نے شکوہ کیا۔

"میں تو یہیں ہوتی ہوں موصوف کی ہی مصروفیات ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔" شہزا نے شکوے کا جواب شکوے سے ہی دیا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے یار! آج کل مصروفیات کی وجہ ہے کہ شادی کے بعد مہینہ بھر آفس اور فیکٹریز کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا ہے۔" اس نے توجیح پیش کی۔

"تو پھر اپنی کوتاہیوں کے گلے شکوے مجھ سے کیوں ہو رہے ہیں۔" وہ تپ کر بولی۔

"یار! تم تو رخصتی سے پہلے روایتی بیوی بن گئی ہو۔ ہلاکو خان ٹائپ کی۔ آتے ہو یا میں آؤں والی۔" نواز نے اسے چڑایا۔

"نواز آپ مجھ سے قطعی بات مت کریں ورنہ میرا آپ سے جھگڑا ہو جائے گا۔" وہ روہانسی سی ہو گئی۔

"جان نواز! یہی تو جاننا چاہتا ہوں کہ ایسا کیا مسئلہ ہو گیا کہ لڑاکا بلی بنی ہوئی ہو۔" نواز شوخ ہونے لگا۔

"آپ کو آج کا دن یاد ہے آج کیا ڈیٹ ہے۔" اس نے اپنی آنسو بھری آنکھیں نواز کی جانب اٹھائیں۔

"اوہو! اتنی سی بات ہے اسی کے لیے تو تمہیں ڈھونڈ رہا تھا اسٹوپڈ لڑکی۔ آج کا دن میں کیسے بھول سکتا ہوں آج ہی کے دن تو آپ کے جملہ حقوق ہمارے نام ہوئے تھے اور یہ رہا آپ کا گفٹ۔" نواز نے کرتے کی جیب سے ایک گرے کلر کا مخملیں باکس نکالا جس پر ایک گلاب کی ادھ کھلی کلی لگی ہوئی تھی شہزا ایک دم سے مسکرا دی اور اس نے جلدی سے باکس کھولا تو اس میں خوب صورت سا گولڈ کا بریسلٹ تھا جس میں ننھی بالز لگی ہوئی تھیں نازک سی زنجیروں سے لٹکتی ہوئی۔

"تھینک سو مچ نواز! بہت خوب صورت ہے۔" وہ خوشی سے کھلی پڑ رہی تھی۔

"یار! میں نے تو بڑا زور دیا تھا کہ ہماری رخصتی ہمارے نکاح والے ہی دن رکھ دی جائے مگر یہ ہمارے بڑے ہیں نا! مانے ہی نہیں۔" نواز نے بڑی بے چارگی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک کیا ہمارے بڑوں نے۔ ایک نمبر کے کنجوس ہیں آپ ایک تحفہ بچانے کے چکر میں تھے۔" وہ پٹ سے بولی۔

اور نواز کا قہقہہ بڑا جاندار تھا تو وہ خود بھی مسکرا دی۔

"سنو اور میرا تحفہ کہاں ہے۔" نواز نے شوخ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کسی دن مارکیٹ جانا ہوا تو لا دوں گی۔" وہ لاپروائی سے کہتی ہوئی چل دی مگر نواز نے لپک کر اس کی کلائی تھام لی اور اس نے مڑ کر اسے گھورا۔

"کیا ہے؟" انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔

"ہم عام گفٹ نہیں لیتے۔" نواز کا لہجہ شرارت سے بھرپور اور ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔

"اور ہم خاص گفٹ دیتے نہیں ہیں۔" اس نے شاہانہ انداز میں کہا اور ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

اپنی شادی سے دو دن پہلے شہزا کو پتا چلا کہ نعمان کی بہن رات کے اندھیرے میں گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے تو اسے خوشی نہیں ہوئی۔ بلکہ دکھ ہوا کہ نعمان کے حرکتوں کا تاوان اب اس کی بہن جب تک زندہ رہی دیتی رہے گی۔ لیکن نعمان نے جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ تو ملنا ہی تھا۔ کہ برائی کا بدلہ برائی ہے اور چھوٹے موٹے گناہوں کو یوں بھی دنیا میں بھگتا کر ہی جانا ہے اور پر تو کبیرہ گناہوں کا حساب کتاب دینا ہے۔

www.pkdigest.com

رابعہ رزاق

خواب حواس اور خاک

راجہ ہاؤس شہر کے ہنگاموں سے دور فطرت کے حسین نظاروں کے درمیان راجہ طارق محمود نے جدید سہولتوں کے ساتھ آباد کیا ہے۔ ان کا بیٹا عاشر عباس، مگر بنگلات میں اعلا عہدے پر فائز ہے اور اسی علاقے میں تعینات ہونے کے باوجود ان سے فاصلے پر ہے۔ وہ راجہ ہاؤس کے بجائے سرکاری رہائش گاہ میں مقیم ہے۔ جہاں اس کا بڑوسی کاشف کیانی ہے جو ایک دستاویزی فلم ساز کمپنی سے وابستہ ہے۔ وہ آج کل کسی نئے موضوع کی تلاش میں ہے۔ ان کی ملاقات قدسیہ سے ہوتی ہے۔

راجہ طارق محمود کامیاب کاروباری شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی کاموں میں بھی خاصی دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کی شہرت کا دائرہ خاصا وسیع ہے لیکن ازدواجی زندگی ناکامی کا شکار رہی۔ شمائلہ کمال نے ان سے طلاق لے کر منیر کمال سے شادی کی تھی اور عاشر عباس کو بھی ممتا کے جذبے سے محروم کر دیا تھا۔

"شمائلہ کمال" اس وقت تھیٹر اور کلاسیکل رقص کی دنیا کا بڑا نام ہے۔ لوگ اس کے فن اور حسن کو بلا مبالغہ سلام پیش کرتے ہیں مگر وہ اب بھی مطمئن نہیں ہے۔

خولہ اور کشمالہ کمال، راجہ طارق محمود کے سایہ شفقت میں پل کر جوان ہوئیں۔ بہت عرصے تک عاشر عباس انہیں راجہ طارق محمود کی سگی اولاد سمجھتا رہا مگر اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ دونوں جڑواں بہنیں ان کی سگی بیٹیاں نہیں ہیں۔ یہ اسرار آج بھی برقرار ہے کہ ان دونوں کا پس منظر کیا ہے۔ خولہ کمال ایف ایم ریڈیو کی جانی پہچانی آواز ہے جبکہ کشمالہ کمال بھی ایک بین الاقوامی براڈ کاسٹنگ کمپنی سے منسلک ہے۔

۳۰

تیسویں قسط

www.pkgoodcom

یہ واحد شام تھی' آخری موقع تھا کہ اگر وہ اظہر اور اس جیسے لوگوں کے چنگل سے نکل سکتی' ان کی دنیا سے فرار ہو سکتی' اس نے تہیہ کر لیا تھا' وہ آج یہ کوشش ضرور کرے گی' اس لیے وہ بلا حیل و حجت اظہر کی بات مانتی جا رہی تھی۔

اس کی مرضی کے کپڑے' اس کی مرضی کی تیاری اور سب سے بڑی بات چہرے کو ریلیکس کر کے مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس سے بات کر رہی تھی۔

جیسے دونوں پکنک منانے جا رہے ہوں۔

اظہر اسے لے جانے کے لیے گاڑی لے کر آیا تھا' یہ بڑی بات تھی' ورنہ اس کے پاس کھٹارا سی موٹر بائیک تھی۔

"قربانی۔۔۔ گویا بڑی قربانی کا بڑا صلہ۔۔۔"

اس کی مسکراہٹ کے پیچھے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔

گاڑی جانے انجانے راستوں پر رواں تھی اور انہی راستوں سے ایک راستہ اس کے گھر کی طرف بھی نکلتا تھا۔

اس کا پیارا گھر پیارے لوگ' اپنے سچے رشتے' ان کی دی ہوئی ہر تکلیف دوسرے دن زائل ہو جاتی تھی۔

پتا نہیں سب کس حال میں ہوں گے۔ اماں کیا کرتی ہوں گی۔ تائی سے صوفیہ نے کیا کچھ نہ سنا ہو گا۔ پتا نہیں صوفیہ کی شادی ہو گئی یا نہیں اور عظمیٰ باجی' عالیہ باجی سب کو کتنے طعنے ملتے ہوں گے۔

نعمان تو مجھ سے نفرت کرتا تھا نا اور زیادہ ہو گئی ہو گی' اس کی نفرت۔۔۔

"اف میرے اللہ۔۔۔" اس نے گہری سانس لی' گاڑی انجان سی جگہ پر رک گئی تھی۔ اظہر اسے اندر ہی بیٹھنے کا کہہ کر گاڑی آن لاک کر کے چابی لے کر نیچے اتر گیا تھا۔

وہ سامنے والے ٹیلی فون بوتھ تک گیا تھا۔

سعدیہ نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ گاڑی لاک تھی' لیکن ارد گرد بہت سے لوگ تھے' جو اس کی مدد کر سکتے تھے' اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی' کوئی پولیس والا' کوئی ٹریفک کانسٹیبل' کوئی تو نظر آئے۔ وہ اظہر کے واپس آنے تک ایک بار یہ رسک ضرور لینا چاہتی تھی۔

اس نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا۔

کوئی اسے اپنا مددگار نظر نہیں آ رہا تھا' سب خود میں گم تھے اور ویسے بھی یہ کوئی بہت مصروف شاہراہ نہیں تھی۔

اس نے پھر سے ہاتھ ہلایا' شیشے پر ہاتھ مارے۔

تقدیر مہربان ہوتی تو راستے بھی ہموار ہو ہی جاتے۔ وہ بے چینی سے ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتی رہی' اظہر کو کافی دیر ہو گئی تھی بوتھ کے اندر گئے ہوئے' تب ہی اسے اپنے دائیں طرف سے سڑک کراس کرتے ہوئے شناسا چہرہ نظر آیا۔

"نعمان۔۔۔" بے اختیار اس کے لبوں سے سرگوشی نکلی اور پھر چیخ پڑی۔ "نعمان۔۔۔!"

☼ ☼ ☼

کاشف' خولہ' خدیجہ اور کشمالہ چاروں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے درمیان خاموشی کا اتنا طویل وقفہ حائل ہو گیا تھا کہ کمرے میں قدم رکھتے عاشر عباس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نمودار ہوئے' اس کی تہہ پر بھی

کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ یہ حیرت کا نہیں' تشویش کا مقام تھا۔

گزری رات کاشف نے جو کہانی اسے سنائی تھی' وہ انوکھی ضرور تھی مگر اتنی انوکھی نہیں لیکن شاید وہ لوگ جو اس انوکھی کہانی کا حصہ تھے' وہ ان کی ذہنی حالت کا اندازہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔

"دیکھو مالا! ہر انسان کے ماضی کی جڑیں کہیں نہ کہیں اتنی مضبوطی سے پیوست ہوتی ہیں کہ انسان چاہے بھی تو اپنے اصل سے اپنی حقیقت سے ہمیشہ کے لیے جدا نہیں رہ سکتا۔

میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگوں کا پاکستان آنا' راجہ صاحب کی فیملی کے ساتھ مضبوط تعلق کا بننا اور ہم سب لوگوں کا کسی ایک مشن پر ہم خیال ہونا بے مقصد تھا۔

عاشر! تمہیں برا لگے گا اور لگنا بھی چاہیے کہ گزری رات ہم نے اپنی زندگی کو ایک مقصد کے لیے وقف کیا' اس میں سرفہرست جو لوگ قابل سزا ٹھہرے' وہ شمائلہ کمال اور منیر کمال جیسے درندہ صفت انسان تھے' جنہوں نے انسانیت کی تذلیل کے لیے بے گناہ اور معصوم روحوں کی سوداگری میں اپنا حصہ ادا کیا۔

جو باشعور' عقل و فہم رکھتے ہوئے بھی انسانی تجارت کا حصہ بنتے رہے۔ محض اپنی ہوس اور نفس کی بے لگام خواہشوں کو مٹانے کے لیے۔ شمائلہ منیر کمال' سرمد بخاری اور ان کا پورا گینگ اب تک نہ جانے کتنے گھر اجاڑ چکا ہے اور نہ جانے کتنے معصوم خواب' خواہش کی دلدل میں الجھ کر زندگی کے مقصد اور محور کو فراموش کر چکے ہیں۔

عاشر! تمہارا ابھی استحصال ہوا کمال کا ہدف شمائلہ تھی لیکن شمائلہ کمال کو اپنے ارد گرد بکھری محبتیں اور زندگی کی سچائی نظر نہ آئی۔ شاید اس لیے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی خواہشوں کا کوئی انت نہیں ہوتا جن کے کردار کی معمولی سی کجی انہیں محض اس لیے اندھیروں کے سپرد کر دیتی ہے کہ وہ اپنی ضد اور تکبر کے باعث کسی کی نصیحت یاد رکھتے ہیں اور نہ ہی رشتوں کا تقدس ان کے پاس کی بیڑی بنتا ہے۔"

وہ عجیب سے انداز میں بول رہا تھا' اس کا ہر لفظ اور اس کا لہجہ دل میں اترنے والا تھا' وہ ان سب کے درمیان ایک حیران کن شخص تھا۔

ہر بار نیا انداز' نئی پہچان اور نئی تلاش اس کے چہرے اور آنکھوں میں مچل رہی ہوتی۔ پتا نہیں اس کے کتنے روپ تھے۔

خولہ اور خدیجہ نے بیک وقت اسے گہری مگر بے حد ستائشی نظروں سے دیکھا تھا۔

اور وہ بول رہا تھا' شاید تمام عرصے سے جو لاوا اس کے اندر پک رہا تھا' آج اس کے آتش فشاں بن کر پھٹنے کا وقت آ گیا تھا اور کسی کو اس سے تکرار کی ہمت نہیں تھی۔

"قدرت ہمیں بار بار زندگی میں سنبھلنے کا موقع دیتی ہے' شمائلہ کمال کو بھی موقع ملا ہو گا مگر تکبر نے سیدھی راہ نہ دکھائی اور اس کا سب سے بڑا سبب وہ شخص تھا جو پیدا ہی قدرت کی آزمائش کے طور پر ہوا تھا۔

پتا ہے منیر کمال کا نمبر اپنے دس بہن بھائیوں میں آٹھواں تھا اور شاید تم سب لوگ حیران ہو گے لیکن میری ٹیم نے دو سال کی تفتیش کے بعد مجھے جو پہلی خبر دی تھی' وہ یہ تھی کہ منیر کمال جس گھر میں پلا بڑھا وہ اس کے باپ کا نہیں' صرف ماں کا گھر تھا۔ غربت اور حالات کی ستائی ماں کو جانے کتنی بار اپنا آپ گروی رکھنا پڑا اور جس کا انجام منیر کمال جیسے ان چاہے بچے ہوتے ہیں جن کی جنیاتی اور نفسیاتی پرورش ہی ناپسندیدہ اور ناقابل قبول حالات میں ہوتی ہے۔

جن کے لیے ماں کے دل میں بھی کبھی کوئی نرم گوشہ نہیں جاگتا بلکہ وہ ساری زندگی اپنے گناہوں پر شرمسار ہی

www.pkdigest.com

رہتی ہے۔

شاید میں زیادہ ہی بکواس کر رہا ہوں لیکن کیا کروں' میں بھی تو اس دنیا کی انوکھی کہانیاں تم سب سے شیئر کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"اور پتا ہے منیر کمال کی بدفطرت کا نشانہ سب سے پہلے جو عورت بنی وہ مریم تھی' اپنے نام کی طرح معتبر اور پاکیزہ' اسی لیے وہ بھاگ نکلی اس کے چنگل سے۔"

خولہ اور کشمالہ دونوں ہی اپنی ماں کے ذکر پہ آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ عاشر عباس کو بھی اس عورت کے بارے میں سوچنا پڑا جس سے اس کے باپ کا روحانی رابطہ تھا' وہ اپنے ذہن میں کشمالہ اور خولہ کو دیکھتے ہوئے اس معتبر عورت کے خدوخال ترتیب دینے لگا۔

اس کے ذہن میں یہ سوال بھی فوراً آیا تھا' میرے باپ نے اتنی حسین خاتون سے شادی کیوں نہ کی۔

اور جانے کیسے کاشف کیانی نے اس کے ذہن کو پڑھ لیا تھا اور وہ ان کو بتانے لگا۔

"پتا ہے مریم واپس بھی جا سکتی تھی اپنے گھر والوں کے پاس' اپنے لوگوں میں لیکن منیر کمال کا خوف اور سماج کی اندھی رسموں نے اسے روپوش ہونے پر مجبور کر دیا۔ اسے یقین تھا اس کی سچائی اور پاکیزگی کا گواہ کوئی نہیں' سوائے اللہ کے اور اللہ نے اگر اس کے مقدر میں آزمائش لکھی ہے تو وہ ہر حال میں پورا اترنے کی کوشش کرے گی۔

خریمہ! تم اپنے والد صاحب سے ضرور پوچھنا کہ انہوں نے منیر کمال سے اپنی بہن کی شادی کرنے کے بعد کبھی پلٹ کر خبر کیوں نہ لی۔ دنیا اتنی بڑی تو نہیں کہ بچھڑے یا کھوئے ہوئے لوگ مل نہ سکیں۔ کبھی کسی کو خیال ہی نہیں آیا کہ مریم کس دنیا میں ہے' کس حال میں ہے؟"

وہ تھوڑا سا تلخ ہو گیا تھا' شاید انکشاف ہی ایسا تھا کہ خریمہ کا چہرہ بھی جھلستا چلا گیا۔

اس نے تو ابھی تک اپنے گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتایا' بس کاشف کے کچھ سوالوں کی تصدیق کے لیے جب انڈیا میں اپنی بڑی پھوپھی کو فون کیا تو وہ مریم کے ذکر پر سسک اٹھیں۔

ان کا ایک ہی جملہ بار بار اس کی سماعتوں سے ٹکرایا کہ "جتنی پیاری اس کی صورت تھی' اتنی بھیانک اس کی قسمت تھی' آخری خبر جو اس کے بارے میں ان کو ملی تھی' وہ یہی تھی کہ مریم منیر کمال کو چھوڑ کر اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ کہیں چلی گئی ہے۔ منیر کمال نے تو خبر بھاگ جانے کی اطلاع دی تھی لیکن وہ مریم کے لیے اس طرح کے لفظ کبھی استعمال نہیں کر سکتی تھیں' اسی لیے خریمہ سے بات کرتے ہوئے بھی روتی ہی رہیں۔

اور خریمہ حیران پریشان اپنے خاندان کی فراموش کہانی پر نہ تو کوئی تبصرہ کر سکا اور نہ سوال۔

اب بھی اگر کاشف کیانی اس راز پر سے پردہ نہ اٹھاتا تو کیا وہ لوگ جان پاتے۔

وہ تو اپنی یادداشت میں اپنی بڑی پھوپھی سے نہ مل پائے جو شادی کے بعد وہیں رہنے پر مجبور تھیں تو مریم پھوپھی سے کیا ملاقات ہو پاتی جن کا معاملہ ہی سات سمندر پار والا تھا۔

سمندروں کی یہ دوریاں اگر دلوں میں حائل ہو جائیں' حالات ان فاصلوں کو کم کرنے کے لیے کبھی موافق نہ ہوں تو انجام شناخت کا وہ ادھورا سفر ہوتا ہے جس کے کرب سے خولہ اور کشمالہ بخوبی آگاہ تھیں۔

جن کے ذہن میں پاکستان آتے ہوئے بار بار یہ سوال آیا تھا کہ وہ لوگ اجنبی دیس جا کر کیا کریں گی' ان کا تو وہاں کوئی نہیں' نہ خون کا رشتہ' نہ دل کا رشتہ سوائے طارق محمود کے' کون ہے جو ان کی پہچان کا دعوے دار ہو گا مگر دونوں یہ نہیں جانتی تھیں کہ قدرت نے جو سفر مقدر کیا تھا اس کے ہر موڑ پر ان کے سوالوں کا جواب منتظر تھا۔

منیر کمال ان کا حقیقی باپ۔

خریمہ ان کے لیے بالکل اجنبی مگر درمیان میں خون کے رشتے کی ڈور۔

عاشر عباس۔ بس دل نے کہا یہ ہی منزل ہے۔

پتا نہیں کتنے اسرار پوشیدہ تھے اس سفر میں' جب ہی تو وہ دونوں چاہتے ہوئے بھی واپس نہیں جا سکیں۔

"اب کیا ہو گا۔" دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی سوال مچل رہا تھا اور خریمہ۔ جو 48 گھنٹے پہلے تک جتنا مضطرب تھا' اس وقت اتنا ہی پرسکون اور شانت تھا۔ اس کے لیے کاشف کیانی رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا تھا' خولہ کے لیے دل بے قرار ہوا تھا اور اس کی تمنا میں پاگل بھی مگر یہ کیا پتا تھا کہ اس سے اتنی قریبی رشتے داری نکل آئے گی' اس کے اندر کی طمانیت اور سرشاری کے سنہرے رنگ اس کے چہرے سے بھی عیاں تھے۔ اس نے جب بھی اس ساری گفتگو کے دوران خولہ پر نظر ڈالی تو وہ اسے اپنے برعکس گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔

شاید اس کے اور کشمالہ کے درمیان پہلی بار اختلاف ہی اس بات پر ہوا تھا کہ وہ پاکستان میں کسی رشتے کی ڈور میں نہیں بندھنا چاہتی تھی اور اس کے لیے وہ کشمالہ کو بھی سمجھاتی تھی' اس کے لیے بھی فکرمند رہتی تھی۔

"اب کرنا کیا ہے۔" بالآخر کاشف کی پرسوچ نگاہوں نے سب کا تعاقب کیا' اس ساری گفتگو میں جب بھی خاموشی کا وقفہ آیا' وہ کاشف نے ہی توڑا۔

"سرکار جو کچھ آپ نے کیا' اس کے بعد تو ہمارے لیے کچھ کہنے سننے اور کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ مجھے پتا ہوتا کہ میں میرپور میں جس سے دوستی کا رشتہ باندھ رہا ہوں' وہ جھنڈ باند کا بھی نانا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے ضرور اپنی مایوسی والی رگ کو ایکٹیویٹ کرنے کی کوشش کرتا مگر تو عظیم ہے میرے دوست' میں تجھے سلام کرتا ہوں۔" عاشر نے باقاعدہ کھڑے ہو کر اسے سلام پیش کیا۔

سب ہی اس کے شرارت بھرے انداز میں ہنس پڑے۔

ایک طویل وقت کے بعد نانو کے گھر کے اس بڑے سے ہال کمرے کے در و دیوار زندگی کی مسرتوں سے ہم آہنگ ہو رہے تھے۔ کشمالہ کو محسوس ہوا تھا جیسے آج ہر شے مسکرا رہی ہو' عاشر کے چہرے کی بشاشت کا عکس اپنے اندر جذب کر رہی ہو۔

"اف کیا ہے یہ شخص۔ اور میں کیا سے کیا ہو گئی اس کی چاہ میں۔"

کاشف نے عاشر کو گلے لگایا ہوا تھا اور وہ اسے دیکھ کر سوچے جا رہی تھی۔

"سب تیرے پیار میں کیا ہے' اب تو نے اگر زندگی کے کسی موڑ پر بے وفائی کرنے کی کوشش کی تو سوچ لے اور سمجھ لے' میں تجھے پاتال کی گہرائیوں سے نکال کر لے آؤں گا۔ کاشف کیانی نام ہے میرا یاد رکھنا' بند فائل میں دبے راز سے پردہ اٹھانا میرا شوق ہی نہیں' پیشہ بھی ہے۔"

وہ اسے خود سے قریب کر کے کہہ رہا تھا اور عاشر اس کی مضبوط بانہوں کے حصار میں بہت مسرور بھی تھا اور خود پر فخر بھی محسوس کر رہا تھا۔ زندگی میں تمام عمر محبتوں اور چاہتوں کی تلاش میں جنگلوں کے سفر پر نکلنے والا عاشر آج رشتوں کی دولت سے مالا مال ہو گیا تھا۔

بابا گھر آ گئے تھے' کاشف کے روپ میں اسے جگری دوست' یار اور ایک بھائی جیسا مضبوط سہارا مل گیا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر ان سب کے درمیان بیٹھی ایک وہ ہستی جو خود تو خاص الخاص تھی ہی مگر اس کی ایک نگاہ التفات کی منتظر رہتی تھی۔

یہ احساس کتنا طاقتور ہوتا ہے' آپ کسی کے لیے اتنے اہم ہیں کہ وہ آپ کو اپنے ہر رنگ اور ہر آہنگ سے سوچتا ہے۔ آپ کی فکر کرتا ہے اور آپ کے لیے اپنی زندگی کے بہت سارے خواب ترک کر دیتا ہے۔ بس اس راہِ شوق

www.pkdigest.com

پر چل پڑتا ہے، جس میں اسے صرف آپ کا قرب اور آپ کا مضبوط سائبان درکار ہوتا ہے۔
"اور دیکھ۔ اگر تو نے کشمالہ کی حق تلفی کی' اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو دیکھ لینا اپنا حشر۔"
یہ کان میں گھس کر سرگوشی کی گئی تھی جو عاشر کے علاوہ کوئی نہیں سن سکا تھا۔
"اگر آپ لوگ سر محفل اس طرح غیر مہذبانہ حرکتوں سے اجتناب برتیں تو اچھا ہوگا۔"
یہ الفاظ خولہ کے تھے جس پر خریمہ نے پہلی بار اسے اپنی نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے براہ راست مخاطب کیا۔
"یہ لوگ تو آج اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا ہم لوگ اچھی سی چائے نہیں پی سکتے۔ میں دو دن سے سویا نہیں ہوں اور صبح سے کچھ کھایا نہیں ہے۔"
اس کے انداز میں اتنی معصومیت اور اپنائیت تھی کہ کشمالہ اور خولہ دونوں ہی ہنس پڑیں۔
اس کا مخاطب تو خولہ تھی مگر جواب کشمالہ کی طرف سے آیا تھا۔
"اصل میں اب چائے کا نہیں' کھانے کا وقت ہے اور جب خدیجہ بہت خوش ہوتی ہے تو وہ ہمیں کچن میں جھانکنے کی اجازت بھی نہیں دیتی۔ آپ کو تھوڑا انتظار اور کرنا پڑے گا۔"
"انتظار۔ چلیں ایک اور انتظار۔" وہ پرسوچ نگاہوں کے ساتھ مسکرا دیا۔
مسکراہٹ بھی ایسی کہ خولہ کو صاف محسوس ہوا وہ کیا سوچ رہا ہے۔
"مالا میں کھانا لگواتی ہوں' تم ذرا نانو کو دیکھ لو' جاگی یا نہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ خریمہ نے اس کا گریز صاف محسوس کیا تھا مگر وہ اس کی ذہنی کیفیت سمجھ سکتا تھا' اسے خولہ کی بے اعتنائی یا سرد مہری محسوس تو ہو رہی تھی مگر وہ بے بس تھا۔ تسلی بھی نہیں دے سکتا تھا کہ یہ انکشافات میری کوششوں سے نہیں ہوئے' یہ تو قدرت کا فیصلہ تھا کہ انہیں زندگی میں کسی نہ کسی موڑ پر ایک دوسرے کے مقابل تو آنا تھا۔
اس میں بھلا خریمہ کا کیا قصور تھا۔
عاشر اور کاشف کے راز و نیاز ختم ہوئے تھے' دونوں نے پلٹ کر خریمہ کو دیکھا۔
"میں بھی منتظر ہوں سایہ شفقت میں آنے کے لیے۔"
کاشف بے ساختہ آگے بڑھا۔
"یار! اب تو تو رشتے دار ہو گیا ہے' کیوں عاشر۔"
مخاطب عاشر تھا اور لڑکوں کی خالص قسم کی تو تڑاخ شروع ہو گئی۔ کشمالہ نے چپکے سے غائب ہونے میں ہی عافیت جانی۔
کاشف نے اسے دروازے سے اوجھل ہوتے دیکھا تو دل میں مچلنے والی شرارت زبان سے پھسلنے لگی۔
"پتا ہے عاشر! تجھے بارات لے کر کراچی جانا ہوگا۔ کشمالہ اپنے ماموں کے گھر سے رخصت ہوگی۔ کیا خیال ہے خریمہ۔"
کاشف کے جملے نے خریمہ کے خیال کو تقویت بخشی تھی' اس نے بھرپور محبت سے عاشر کو لپٹا لیا۔
"راجہ صاحب کے اکلوتے بیٹے کی بارات ہمارے غریب خانے پر آئے' یہ تو ہمارے لیے اعزاز کی بات ہوگی۔"
وہ انکساری سے بولا۔
"لیکن راجہ صاحب کے اکلوتے بیٹے کو ایک ظالم قسم کے سالے کی اشد ضرورت ہے۔ بہت اکڑو منڈا ہے

یہ۔"
کاشف بہت محظوظ ہو رہا تھا اپنی زندگی کے اس انوکھے پروجیکٹ کے نتائج سے۔ خریمہ کو بہت اچھا لگ رہا تھا' اس لمحے وہ خود کو بڑا معتبر محسوس کر رہا تھا۔
"جو لوگ محبت سے سرنگوں ہو جائیں' ان کے ساتھ جنگ و جدل بے کار ہے۔" خریمہ نے پورے یقین سے کہا اور عاشر کو اس بات پر سو فیصد یقین آ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے نعمان کو آواز دی تھی بہت زور سے مگر اس کی آواز بند گاڑی کے دروازوں اور کھڑکیوں سے ٹکرا کر واپس ہو گئی تھی۔
نعمان اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا' وہ چاہتا تو مڑ کر دیکھ سکتا تھا۔
وہ چاہتا تو اس کی آواز سن سکتا تھا' وہ ذرا سی کوشش کرتا تو سعدیہ کو دیکھ سکتا تھا مگر وہ کیوں نہیں دیکھ رہا۔
وہ ایک بار پھر چیخی۔
"نعمان۔" تب اسے محسوس ہوا جیسے نعمان کے چہرے پر آوازے ارتعاش ابھرا ہو' اس نے شیشے پر ہاتھ مارا۔
بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا' اظہر ابھی تک نہیں آیا تھا اور وہ یہ موقع ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھی۔
آج اس لمحے اگر وہ اظہر کے چنگل سے نہیں نکل پائی تو پھر شاید کبھی وہ اس دلدل سے باہر نہیں آ سکتی تھی۔ اس نے ایک اور کوشش کی۔ قریب سے گزرتی ایک دو گاڑیاں متوجہ ہوئیں لیکن ان کی رفتار تیز تھی۔
سعدیہ نے اپنے چہرے سے پوری طرح چادر ہٹا کر ایک بار پھر آواز دی۔ اس بار فٹ پاتھ پر کھڑے نعمان کو شاید احساس ہو گیا تھا کہ کوئی اسے بلا رہا ہے' اس نے نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں' تب ہی برابر والا دروازہ کھول کر اظہر اندر آ بیٹھا۔ وہ بھی خاصی عجلت میں تھا۔
نعمان گاڑی اور گاڑی میں بیٹھی لڑکی کو دیکھ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے اور گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔
اس نے ایک جست لگائی لیکن اظہر گاڑی کی رفتار تیز کر کے سڑک کے ہجوم میں شامل ہو چکا تھا۔
"اگر تم نے ایک بھی آواز نکالی تو میں تمہیں اور نعمان کو قتل کر دوں گا' یہ دیکھو۔" اس نے اپنی پینٹ کی بیلٹ میں اڑسا ہوا پسٹل دکھایا لیکن اس وقت مرنے یا جینے کی پروا کس کو تھی۔
جو زندگی اظہر دینے جا رہا تھا' اس سے تو مرنا بہتر تھا' وہ ایک بار پھر چیخنا شروع ہو گئی تھی۔ اس پر ہجوم سڑک پر اس کا چیخنا رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔
اظہر نے پوری طاقت سے اس کے پیٹ میں گھونسا مارا کہ وہ تکلیف کا احساس کر کے خاموش ہو جائے اور ہوا بھی یہی۔ پیٹ میں درد کی شدید لہر نے سعدیہ کی آواز تک سلب کر لی تھی' وہ اپنا پیٹ پکڑ کر دہری ہو گئی۔
اظہر نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تھی کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ نعمان نے کسی ٹیکسی کو اشارہ دیا تھا۔
چوہے بلی کا کھیل شروع ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

مسکن میں صوفیہ اور شجاع کی شادی کی رونقوں نے ڈیرے ڈال لیے تھے۔
گھر کے بزرگ شادی کی تقریب میں [illegible] ہے تھے اور نوجوان پارٹی صرف اس

www.pkdigest.com

کوشش میں تھی کہ یہ شادی گزشتہ تمام شادیوں سے زیادہ یادگار ہو۔
کیونکہ یہ صوفیہ اور شجاع کی شادی تھی جو اسی گھر کے باسی تھے' انہیں بہت ساری تقریبات کے لیے نت نئے آئیڈیاز سوجھ رہے تھے کیونکہ صوفیہ اور شجاع کی طرف سے کوئی روایتی قسم کی رکاوٹ درپیش نہ تھی۔
علی اور انعم اس قسم کی کارستانیوں میں پیش پیش تھے اور ان کا ہینڈی کیم (چھوٹا کیمرا) ہر وقت انوکھے مناظر کی تلاش میں رہتا۔
صوفیہ کے جوڑے پیک ہو رہے تھے' ساری کزنز جمع ہو چکی تھیں جس پر بارہا شجاع دہائی دے چکا تھا کہ "تم لوگ کیوں اتنی محنت کر رہی ہو' کس کو دکھانا ہے یہ سب کچھ جو اتنا تام جھام۔"
"ہمیں ہمارا کام کرنے دو' تم اپنی فکر کرو' کل تمہاری باری ہے۔" ثمو باجی نے اس کو کمرے سے باہر دھکیل دیا تھا اور انعم کو اشارہ کیا تھا کہ وہ جوڑوں کی پیکنگ کے شاٹس بنائے اور اس دوران جو ہنسی مذاق ہو رہا تھا' اس کی بھی ریکارڈنگ جاری تھی۔
صوفیہ کی ساری شاپنگ شجاع نے انعم اور عائزہ کے ساتھ مل کر صرف دو دن میں کی تھی۔ شہر کے بہترین ڈیزائنر کا انتخاب کیا تھا اس نے اور تمام پسندیدہ ڈریس ایک دن میں صوفیہ کے ناپ کے مطابق ڈھل کر آ گئے تھے۔
اس کے جوڑے جو بھی دیکھ رہا تھا' بس داد و تحسین ہی مل رہی تھی اس کے انتخاب کو اور صوفیہ کی قسمت پر رشک کیا جا رہا تھا۔
"یار! یہ جس کے لیے ہم نے اتنی مشقت اٹھا رہے ہیں' وہ خود کہاں ہے' ابھی سے مایوں بیٹھ گئی ہے کیا۔" عفت آپی سخت گرمی میں جھنجلائی ہوئی پہنچی تھیں۔
اچانک ہی انہیں خیال آیا تھا کہ صوفیہ کی مہندی کے جوڑے پر سنہرے رنگ لگانے ہیں جو کمرے اور مووی لائٹس میں شائن کریں تو وہ اس کا غرارہ لے کر بازار بھاگی تھیں۔
اب جبکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب لوٹی تھیں تو انہیں صرف صوفیہ کی تلاش تھی جو صبح سے ان کی آنکھوں سے اوجھل تھی۔
"اے سی تو فل کرو' کیا پنکھا چلایا ہوا ہے۔"
"یہ اے سی اس وقت فل ہے' آپ پانی وانی پئیں' ذرا شانت ہو جائیں۔ کس نے کہا تھا اتنی گرمی میں جائیں اور۔"
عائزہ نے چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا' اتنی دیر میں انعم ان کے لیے ٹھنڈا انرجائل لے کر آ گئی تھی۔
غرارے اور کرتی پر رنگ اتنی خوبصورتی سے لگائے گئے تھے کہ سب نے ان کو استاد مان لیا تھا۔
"ٹیلر کے سر پر کھڑے ہو کر لگوائے ہیں۔" انہوں نے فخریہ کہا۔
"بیٹھ کر لگوا لیتیں آپی!" انعم نے معصومیت سے کہا۔ انہوں نے غضب ناک انداز میں گھورا۔
"اچھا نا غصہ کیوں کر رہی ہیں' مجھے بھی ایسا ہی بنانا ہے۔ پلیز ہیلپ می۔"
وہ اپنے ہینڈی کیم میں غرارے کے شاٹس محفوظ کرنے لگی۔
"کل چلنا میرے ساتھ' اچھا ابھی صوفیہ کو بلاؤ۔ ذرا یہ کرتی پہن کر دیکھ لے' مجھے کچھ ڈھیلی لگ رہی ہے اور اس کی رسم کب کرنی ہے کچھ پتا ہے کسی کو۔"
انہیں کوئی ایک فکر تھی لیکن ان کے دم سے ساری لڑکیوں کو یہ اطمینان تھا کہ سارے کام وقت پر اور طریقے سلیقے سے ہو جائیں گے۔

"اچھا یہ بتاؤ تم لوگ' شجاع کی شاپنگ کمپلیٹ ہو گئی یا ابھی کچھ باقی ہے۔"
اب انہیں ایک نئی فکر لاحق تھی۔
"آپ کو پتا ہے آپی! ابھی دونوں کا بارات ولیمہ کا سوٹ باقی ہے اور اس کے لیے محترم کی فرمائش یہ ہے کہ صرف وہ دونوں جائیں گے اور ایک دوسرے کی پسند سے خریدیں گے جس پر صوفیہ کی ضد شروع ہو چکی ہے کہ وہ نہیں جائے گی اور شجاع اعلان کر کے گیا ہے کہ وہ جائے گی تو تب ہی شادی کے جوڑے آئیں گے۔"
یہ ایک نئی کہانی تھی جس پر تینوں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔
"یہ کس طرح کی ضدیں ہیں' شادی میں چار دن رہ گئے اور جوڑے ابھی تک نہیں آئے۔"
"شجاع بھی بچہ بنا ہوا ہے۔ بتاؤ ذرا بڑوں نے مرضی کرنے کا کہہ دیا محترم بالکل ہی پھیل گئے۔" عفت آپی نے چیزیں ادھر سے ادھر کرنا شروع کر دی تھیں' باقاعدہ غصے کا اظہار کیا۔
"بلاؤ شجاع اور صوفیہ دونوں کو' کہاں ہیں یہ؟"
ان کا انداز بالکل جیلر والا تھا۔ عائزہ اور انعم نے بمشکل ہنسی ضبط کی۔
صوفیہ تو خیر اوپر والے پورشن میں محدود ہو گئی تھی' البتہ فوری طور پر شجاع کو تلاش کرنا ذرا مشکل کام تھا۔ انعم نے اس کی کال ملائی اور سیل فون عفت آپی کو تھما دیا۔
"واقعی ان دونوں کی ضدوں سے یہ آپیاں ہی نبٹ سکتی ہیں۔"
عائزہ چپس کا پیکٹ لے کر صوفے پر سمٹ گئی۔ ایک نیا معرکہ شروع ہونے والا تھا مزے دار سا۔ وہ چپس کھاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔
تھوڑی دیر کے بعد واقعی میں صوفیہ اور شجاع دونوں ہی لائن حاضر تھے۔ عفت آپی اور ثمو آپی بلا رعایت شروع تھیں۔
"شجاع! یہ کیا فضول فرمائش لے کر بیٹھے ہو تم۔"
ان کا فضول کہنا تو غضب ہو گیا تھا۔
"آپی! مجھے یہ بتائیں اس میں غلط کیا ہے' فضول کیا ہے۔"
"لیکن اگر صوفیہ کمفرٹیبل نہیں پھر کیوں؟" یہ انعم نے لقمہ دیا تھا جس پر وہ بس اسے گھور کر رہ گیا تھا۔ آج کل سب نے ہی پارٹی بدلی ہوئی تھی۔
"لیکن صوفیہ کمفرٹیبل کیوں نہیں ہے' کیا میں اسے بھگا کر لے جا رہا ہوں۔" اس کی دبی دبی جھنجلاہٹ کے ساتھ سرگوشی سب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔
"اب ہمیں کیا پتا' تمہارے کیا ارادے ہیں۔ شادی سے پہلے تم نے اکیلے جانے کی فرمائش کیوں رکھی ہے۔ بس مجھے یہ بتاؤ۔" ثمو آپی نے بھرپور جرح کا ارادہ کیا۔
"آپ خواتین کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے' پتا نہیں ایسا کیا گناہ کر دیا میں نے۔" وہ احتجاجاً جھنجلایا تھا۔
"کیوں صوفیہ! تم کیوں اس کی بات نہیں مان رہیں' کل بھی تم نے اس کے ساتھ شاپنگ کرنی ہے تو پھر آج سے کیوں نہیں۔"
عفت آپی کا انداز ججوں والا تھا۔ صوفیہ کو پورا یقین تھا سب نے مل کر اس کے ساتھ یہ ڈرامہ کیا ہے اور یہ پوری پارٹی شجاع کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔
"آئی ایم سوری میں ابھی سے اتنی بے تکی باتیں ماننے کی پابند نہیں۔"

www.pkdigest.com

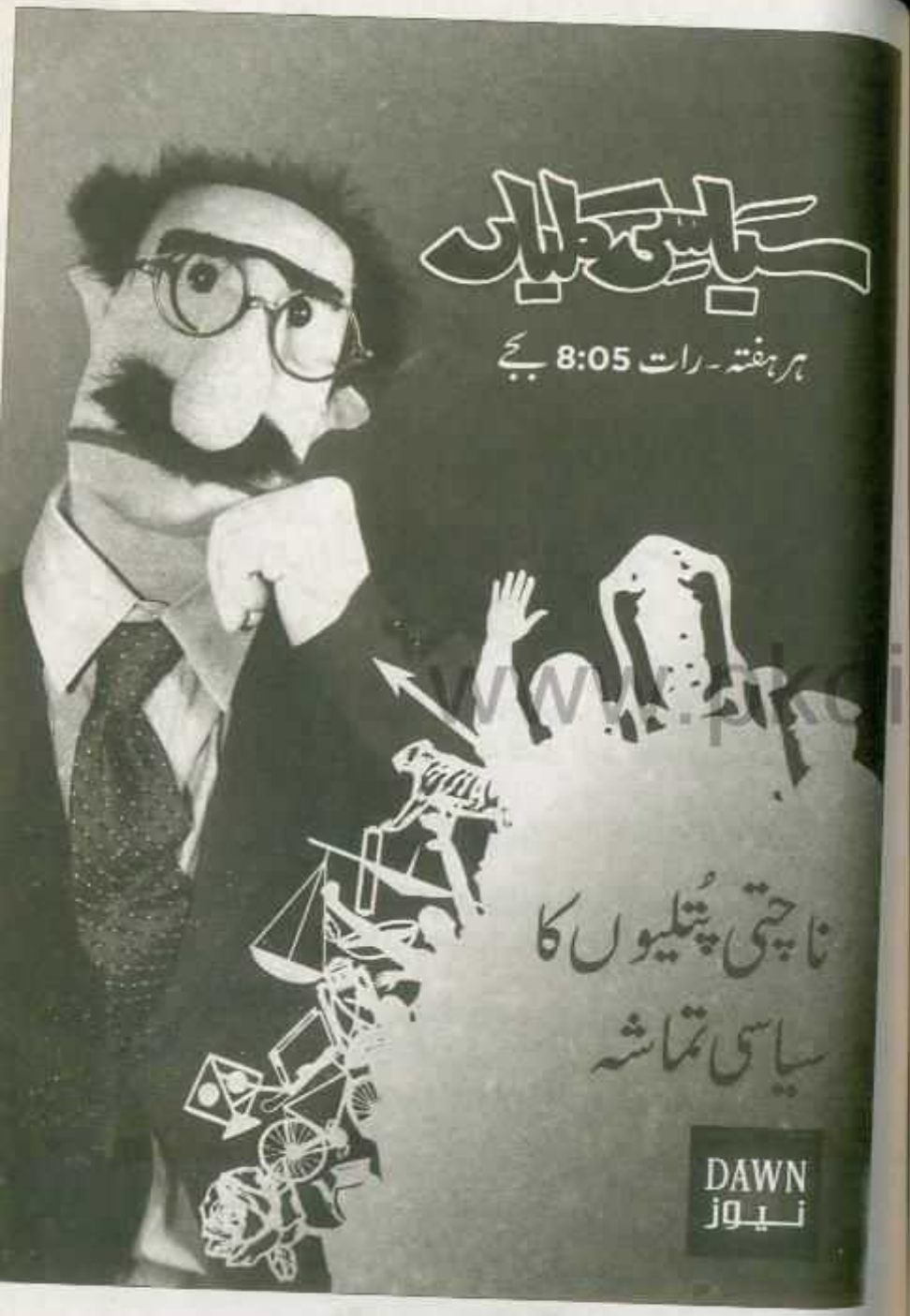

رفعت آپی پر تو ویسے بھی غصہ تھا' رات کو انہوں نے خوب پیلا پیلا ابٹن مل کر اس کی رنگت ہی بدل ڈالی تھی۔ اس وقت بھی اس کے سنہرے چمکتے چہرے سے روشنی سی پھوٹ رہی تھی جو کوئی اور محسوس کرے نہ کرے' شجاع کا بس نہیں چل رہا تھا' اس دھلے دھلائے چہرے کو دل میں چھپا لے اور اپنی نظروں کے سامنے سے ایک پل کو اوجھل نہ ہونے دے مگر اس کے ساتھ بھی ظالم سماج والا کردار یہ ساری کزنز ادا کر رہی تھیں۔

لیکن اس وقت وہ اپنی طرف داری پر نہال ہو گیا تھا۔

"یہ کوئی بے تکی بات نہیں' ہر بات میں ضد اچھی نہیں ہوتی۔ آج شام کو دونوں چلے جاؤ اور باہر کے سارے کام جتنی جلدی ہو سکے' ختم ہو جائیں تو اچھا ہے۔

یہ شادی ہے' کوئی گڑیا گڈے کا بیاہ نہیں کہ کوئی ایک دو گھنٹے میں نبٹ جائے گا' ہر چیز طریقے سلیقے سے وقت پر ہو جائے تو اچھا ہے۔"

اس بار ان کا انداز جیلر والا نہیں تھا۔ شجاع کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور صوفیہ کو پورا یقین ہو گیا یہ سب شجاع سے ملے ہوئے ہیں۔

"تو ٹھیک ہے میں جانے کو تیار ہوں لیکن میرے ساتھ آپ دونوں بھی چلیں گی۔"

اس نے اتنی آسانی سے ہار تو ماننی نہیں تھی' ویسے بھی وہ اول دن سے اس فرمائش سے خائف تھی' سب کیا سوچیں گے' کیا کہیں گے اسے ایک ہی فکر تھی اور شجاع ایسی ہی فکر سے ہمیشہ کی طرح بے نیاز۔

"لیکن صوفی میری جان! اگر شجاع کا تمہارے ساتھ شاپنگ کا دل ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔" اب منت سماجت کا مرحلہ آگیا تھا اور اسے پتا تھا' بعد میں اس بات پر اس کا ریکارڈ ہی لگنا تھا۔

"لیکن میرا آپ کے ساتھ دل ہے پھر۔" اس کی بے ساختگی پر انعم نے عائزہ کو دیکھا اور دونوں کی بے ساختہ ہنسی پر کمرے کا ماحول زعفران زار ہو گیا۔

"شادی سے چند دن پہلے تمہارے دل کی ہیرا پھیری کچھ نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔" انعم کے شرارتی چہرے پر بلا کی معنی خیزی تھی۔ شجاع نے کشن اٹھا لیا تھا۔

"تم دونوں اپنا منہ بند کرو یا شکل گم کرو۔" دھمکی زوردار تھی۔

"یہ لوشکی کا زمانہ ہی نہیں' ایک تو ان کی لاڈلی محترمہ کو حجرے سے نکال کر لائے' ان کی منت سماجت کی' بیک ڈور ڈپلومیسی سے کام لیا کہ محترمہ جانے کو راضی ہو جائیں اور یہ ہمارا ہی پتا کاٹنے پر تلے ہوئے ہیں۔" عائزہ نے دہائی دی۔

اس دوران صوفیہ کا سنہرا چہرہ سرخ ہو چکا تھا' سب کو ڈر ہی تھا کہ پتا نہیں یہ لڑکی شادی والے دن بھی شرمائے گی یا نہیں لیکن اب اس بات پر سب حیران بھی ہوتے تھے کہ شجاع کے دیکھتے ہی وہ چھوئی موئی ہو جاتی تھی۔

اسی لیے تو اس وقت یہ محفل سجائی گئی تھی' دونوں کو آمنے سامنے بٹھا کر جملے بازی کا مزا ہی کچھ اور تھا۔

"آپ سب لوگ یہ ڈرامہ بند کر دیں' مجھے کہیں نہیں جانا وانا' شادی ہی کرنی ہے نا' اتنے سارے کپڑے آچکے ہیں' کوئی سے بھی پہن لوں گی۔"

اس کی بے نیازی قابل دید تھی۔

شجاع نے کن انکھیوں سے دیکھا۔

سب نے خوب واہ واہ کی۔

"کیا بچت پالیسی ہے' ویری گڈ۔"

"آپی! ذرا مجھے جگہ دیں نا' میں اپنی محترمہ کے برابر میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔" شجاع نے ثمرہ کے برابر میں جگہ نکالی

www.pkdigest.com

اور اچک کر دونوں کے درمیان آگیا۔

"ہاں تو آپ کیا کہہ رہی ہیں' براہ راست مجھ سے کہیں نا۔" وہ اب اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اپنے چہرے کا تو پتا تھا کہ وہاں ایک شوق کا جہاں آباد تھا' البتہ اس کے چہرے کے رنگ اتنے دلکش اور پاگل کر دینے والے تھے کہ دل کہہ رہا تھا چار دن بعد کے بجائے آج ہی رخصت کروا کر لے جائے۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی' آپ جائیں۔ آپی! یہ فاؤل ہے میں اسی لیے نہیں آرہی تھی' آپ ان کو نکالیں یہاں سے ورنہ میں چلی جاؤں گی۔"

اس نے بلا توقف بہت ساری باتیں کہہ دی تھیں' سب کو دونوں کا دوبدو مقابلہ اتنا بھلا لگ رہا تھا کہ کوئی بھی اس ٹرانس سے باہر آنے کو تیار نہیں تھا۔ اس پر ستم یہ کہ انعم نے اپنا ہینڈی کیم بھی آن کر لیا تھا۔

"اب تو جہاں بھی جائیں گے' ساتھ جائیں گے۔ جینے مرنے کا وعدہ بھی یاد ہے گلاسٹ سٹرڈے کو ہی ہم نے کیا تھا۔" شجاع نے بمشکل ہنسی روکی۔

ثمرہ آپی اور عفت آپی کا بھی کچھ یہی حال تھا۔

صوفیہ کو اندازہ ہو چکا تھا' اب شجاع کی زبان کے آگے بند باندھنا مشکل ترین کام ہوگا۔

وہ یکدم روہانسی ہو گئی۔

"پلیز۔۔۔ آپ کیوں مجھے تنگ کر رہے ہیں۔"

"میں تنگ تو نہیں کر رہا' میں تو صرف ریکویسٹ کر رہا ہوں۔" انداز میں بلا کی معصومیت تھی۔ صوفیہ کا بس نہیں چل رہا تھا' اس کی دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لے' کس قدر روشنی تھی اور اس روشنی میں وہ صرف خود کو دیکھ رہی تھی' ہر زاویے' ہر انداز سے' اسے خود سے شرم نہ آتی تو کیا کرتی۔

"نہیں مجھے نہیں جانا' کہہ دیا نا ایک بار۔"

اب وہ بھاگنے کو بے تول رہی تھی۔ شجاع کے سینے سے بے ساختہ گہری سانس خارج ہو گئی۔

اس نے کوشش کی تھی وہ اس ضدی لڑکی کی ضد توڑ کر اسے جھکنے میں عظمت کے احساس سے آشکار کرے مگر وہ خود ہار گیا تھا لیکن صوفیہ اپنی ضد پر قائم تھی۔

اپنی تمام تر ضدوں کے باوجود وہ اس کے دل کی دھڑکن تھی جس کو زندگی بھر سینے میں چھپا کر رکھنا اس کی مجبوری بن چکا تھا۔

"کیا ہو جائے گا اگر تم شجاع کی بات رکھ لو گی۔" بالآخر ثمرہ آپی نے مداخلت کی' معاملہ گمبھیر ہو چکا تھا۔

"مجھے آنے والی زندگی میں ان کی ہر بات ماننی ہے اور میں اس عہد پر ہمیشہ قائم رہوں گی لیکن ابھی تو مجھے حق ہے نا کہ میں انکار یا اقرار کر سکوں۔"

وہ خاصی سنجیدہ تھی' ایک دم ماحول کی گمبھیرتا میں اضافہ ہو گیا۔

اس کی بات سے کسی کو انکار بھی نہیں تھا' حتیٰ کہ شجاع کو بھی۔

"اوکے۔ لیٹس فنش اٹ۔ آپی جو آپ لوگوں کا دل کرے لے آئیں اور علی کو ساتھ لے جائیں۔ اس کو میری چوائس کا پتا ہے۔ دیکھیں جو اچھا لگے خرید لیں۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھا' کمرے میں جو تھوڑی دیر پہلے ہنسی مذاق کا ماحول بنا ہوا تھا' وہ خوامخواہ سنجیدگی میں ڈھل گیا تھا۔ خود شجاع کے چہرے کے سارے رنگ بھی غائب ہو گئے تھے۔

صوفیہ نے ایک نظر سب پر ڈالی' یہ سب لوگ اس کی خوشی کے لیے پاگل ہیں اور کتنے دن ہو گئے ہیں بغیر تھکن' وقت کی کمی کا احساس کیے بغیر صرف اس کی خوشیوں کو بھرپور منانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

بس ایک لمحے کی بات تھی' اس کے دل نے کہا۔

"مجھے ان سب کی بات مان لینی چاہیے اور پھر یہ تو طے ہے نا کہ مجھے زندگی بھر اس شخص کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا ہے تو آج سے کیوں نہیں۔"

"کیا مطلب' جو اچھا لگے خرید لیں۔ چلیں ابھی چلنا ہے یا شام کو بلکہ شام تو ہو گئی ہے۔ چلیں۔" وہ یکدم کھڑی ہو گئی۔

اپنی خفت چھپانے کے لیے بلا کی عجلت تھی اس کے انداز میں۔ ایک لمحے کو سب کے چہرے پر حیرت کا رنگ ابھرا اور پھر وہی چھت پھاڑ قہقہے۔

بے نیازی دکھانے کی باری اب شجاع کی تھی۔

"سوچ لیں پھر آپ کہیں گی' میری بات نہیں رکھی۔"

"بس کرو تم دونوں ہی ڈرامے باز ہو۔ چلو صوفی تم تیار ہو کر آؤ اور اب دیر مت کرو۔ شادی کے جوڑے لینے ہیں' کوئی آلو مٹر نہیں خریدنے جا رہے ہو۔"

عفت آپی نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

صوفیہ بھی خاموشی سے باہر کی طرف مڑ گئی۔

"آپ لوگ بھی تیار ہو جائیں' سب چلتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان حالات میں ہم آلو مٹر ہی خرید کر لے آئیں۔"

اس نے صوفیہ کو سنانے کے لیے ذرا بلند آواز میں کہا۔

وہ بس ایک لمحے کو پلٹی' اس کے قدموں کو چند سیکنڈ کا بریک لگا۔

"ڈرامے باز کہیں کا۔" اس کا جملہ عائزہ اور انعم کے "ہرے" میں دب چکا تھا لیکن شجاع کا تو رواں رواں سماعت بنا ہوا تھا' وہ بھلا کیسے نہ سن پاتا۔

"یاد رکھنا اس کا بدلہ تو چکانا پڑے گا تمہیں بلی!" سب کی پرشور ہنسی اور شجاع کی دھمکی نے اس کا تعاقب کیا تھا اور وہ ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی ہوئی لابی میں آگئی تھی۔

صوفیہ نے کمرے میں پہنچ کر اپنا سیل فون اٹھایا اور ٹیکسٹ میسج میں جا کر چند لفظ لکھے اور سینڈ کر دیے۔

شجاع کے موبائل کی رنگ اور ایس ایم ایس کی بیپ ایک ساتھ ہی بجی تھیں' اس نے کال ہولڈ پر کر کے ایس ایم ایس کھولا۔

"تھینک یو۔" ایک مسکراتے آئی کون کے ساتھ لکھا تھا۔

محبتوں کے سفر میں آج پہلی بار اتنا بے ساختہ بھرپور شدتوں کو عیاں کرتا جملہ صوفیہ کی طرف سے آیا تھا کہ وہ کال اٹینڈ کرنا ہی بھول گیا۔

وہ ہمیشہ اپنے صبح و شام کا آغاز اس ٹیکسٹ کے ساتھ کرتا تھا اور جواب کا منتظر بھی رہتا تھا مگر وہاں سے کبھی شرارت کا اظہار کرتے آئی کون کے علاوہ کچھ نہ آیا تھا۔

اور آج۔۔۔ اس نے جواباً "لکھا پورے یقین اور شدتوں کے ساتھ۔

"زندگی" اور بھیج دیا اپنی سرشاری پر قابو پاتے ہوئے جب دھیان ڈی ایس پی طاہر کی کال کی طرف گیا تو وہ یکدم ہوش میں آگیا۔

اس وقت ان کی کال بے مقصد نہیں تھی۔ آج عظیم شاہ کی عدالت میں پیشی نہیں ہو سکی تھی' صبح اس کے وکیل نے انفارم کیا تھا۔

"یار! میں تمہیں کب سے کال کر رہا ہوں' ایٹ لیسٹ میرا فون تو ریسیو کر لیا کرو۔"

www.pkdigest.com

دوسری طرف ان کی برہمی بجا تھی شجاع نے فوراً معذرت کی۔
"تمہیں پتا ہے عظیم شاہ نے خودکشی کرلی ہے۔" خبر تھی یا دھماکا۔
"عظیم شاہ نے خودکشی کرلی ہے' کب۔۔۔ کیسے۔" وہ چیخ ہی تو پڑا تھا۔
کمرے میں موجود سارے نفوس ساکت ہوگئے تھے اور وہ باہر لابی میں آگیا تھا۔
ڈی ایس پی طاہر اسے بتا رہے تھے۔
"آج صبح جب اسے لاک اپ سے واپس لایا جارہا تھا تو اس نے ڈیوٹی اہلکار کی گن چھین کر خود کو گولی مار لی۔
تمہیں پتا تو ہے وہ کتنا شاطر اور مضبوط آدمی ہے' کوئی بھی کچھ نہیں کرسکا اور وہ موقع پر ہلاک ہوگیا۔
تمام چینلز پر یہ خبر آچکی ہے اور تم بے خبر بیٹھے ہو۔"
"یار! آپ کو پتا تو ہے گھر میں شادی کا ہنگامہ چل رہا ہے' صبح سے شاید کسی نے ٹی وی آن ہی نہیں کیا ہوگا اور میں خود بھی کافی مصروف تھا۔"
اس نے وضاحت دی۔
"بہرحال اس کے ورثا آئے تھے ڈیڈ باڈی لینے۔ کچھ قانونی کارروائی کے بعد ہم لاش ان کے حوالے کردیں گے' ابھی وہ لوگ یہیں موجود ہیں۔ کیا تم نے آنا ہے۔"
"ویٹ۔ میں ابھی پھوپھی جان سے بات کرکے آپ کو بتاتا ہوں۔" اس نے عجلت میں کہا اور سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

نعمان اور اظہر کے درمیان چوہے بلی کا کھیل زیادہ دیر نہیں چل سکا تھا' پر ہجوم سڑک اور ٹریفک نے دونوں کو جلد ہی ایک دوسرے کے آمنے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔
یہ اظہر کی کم بختی ہی تھی کہ وہ نعمان کے سامنے آگیا تھا اور نعمان اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ اسے پتا تھا کہاں کس وقت کیا داؤ کھیلنا ہے۔
ایک مقام پر آکر وہ دونوں گتھم گتھا ہوگئے تھے' نعمان نے اس کی کار کے سامنے ٹیکسی روک کر اسے باہر آنے کا اشارہ کیا تھا۔ یہ بات اظہر بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ نعمان خالی ہاتھ تو ہونے سے رہا۔ اگر وہ پسٹل لیے گھومتا ہے تو نعمان پھر اس معاملے میں اس کا باپ تھا۔
سعدیہ نے اپنا پورا چہرہ چادر میں چھپایا ہوا تھا' گاڑی کا دروازہ کھل چکا تھا۔
ایک طویل قید کے بعد رہائی اس کی منتظر تھی' اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور دروازہ کھول کر باہر کی طرف بھاگی۔
نعمان اور اظہر کی لڑائی کا انجام کیا ہونا تھا' دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کیا سلوک کرنا تھا' وہ اس وقت کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے بس اتنا پتا تھا کہ قدرت نے اسے شر کی دنیا سے بھاگنے کا موقع فراہم کیا ہے اور اسے ہر حال میں اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہے۔
وہ سرپٹ الٹی سمت کی طرف بھاگی' یہ قدرے سنسان سی گلی تھی۔
اسے کچھ نہیں پتا تھا' یہ کون سی جگہ ہے' کس سمت جانا ہے۔ وہ بس اظہر کی نظروں سے اوجھل ہونا چاہتی تھی۔ شاید فیصلے کی اس گھڑی میں نعمان کی آواز نے بھی اس کے حوصلے کو تقویت بخشی تھی۔
"سعدیہ۔۔۔ نکل یہاں سے۔۔۔ میں اس مردود سے نبٹتا ہوں۔"
اس کے پاس پیسے تھے نہ زیور' نہ کوئی بیگ اور نہ ہی موبائل فون۔

اس نے تیز قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے سوچ لیا تھا' وہ سڑک پر پہنچ کر کسی بس میں بیٹھ جائے گی بھکارن کے روپ میں لیکن کسی انجان گاڑی یا ٹیکسی میں بیٹھنے کی غلطی نہیں کرے گی۔ وہ ایک خطا۔۔۔
وہ ایک غفلت۔۔۔
اور گھر سے بدگمانی میں نکلا ہوا انجان قدم جب اپنی سمت بھول گیا تو پھر سنگریزے ہی سنگریزے تھے۔ ہر موڑ پر جنہوں نے پاؤں کے تلووں میں اتنے چرکے لگائے تھے کہ روح تک درد سے تڑپ اٹھتی تھی۔
"یا اللہ۔۔۔ میں اس بار صرف تجھ سے اپنی اماں مانگتی ہوں' میں تجھ سے مدد کی طلب گار ہوں' تو مجھے بچالے۔"
اس کا رواں رواں دعا بنا ہوا تھا اور آنکھیں جل تھل' پاؤں دکھنا شروع ہوگئے تھے اور روح جھلسنے لگی تھی مگر وہ ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی' اسے جلد از جلد اس علاقے سے نکلنا تھا اور کہاں جانا تھا' اس سوچ کے دروازے پر جیسے کوئی قفل لگا ہوا تھا۔
"نعمان۔۔۔ میں کیا کروں' کہاں جاؤں۔" اس نے بے ساختہ دہائی دی۔
حالانکہ وہ ان سے بہت دور نکل آئی تھی اور جس اسٹاپ پر وہ کھڑی ہوئی تھی' وہاں سے دو تین بسیں اس کے اپنے گھر کے روٹ کی تھیں۔
سعدیہ رحمت اللہ نے اپنی یادداشت پر زور دیا' ایک بار پھر پوری شدت کے ساتھ اللہ کا نام لیا اور بس میں بیٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

رات دھیرے دھیرے گہری ہو رہی تھی اور راجہ طارق محمود ایک مدت بعد اس کی تاریکی سے محو کلام تھے' ستاروں بھرے نیلے آسمان کو تکتے ہوئے انہوں نے خود سے بارہا یہ سوال کیا تھا۔
"جب سب معاملے تقدیر کے آگے سرنگوں ہیں تو پھر ہم کیوں انسانوں پر اپنی خواہشوں کا بوجھ لاد کر ان کے پورا نہ ہونے کا گلہ کرتے ہیں۔
میرے خوابوں کا دریا اتنا طاقتور نہ تھا کہ شمائلہ کی خواہشوں کے تلاطم کو روک پاتا پھر میں کیوں زندگی بھر اپنی ناکام حسرتوں کا غم مناتا رہا۔
اور میں نے اپنی ادھوری زندگی کا انتقام شاید خود سے وابستہ ہر رشتے سے لیا۔
خالہ جان کو اکیلا کردیا۔ عاشر سے دور ہوگیا۔ مریم سے ٹوٹ کر پیار کیا مگر اسے نام نہ دے سکا۔
کاش میں اتنا زود رنج اور حساس نہ ہوتا' کاش میرے اندر سچائی کو فیس کرنے کی صلاحیت ہوتی جس طرح شمائلہ میں تھی۔ اس نے برا یا بھلا جو بھی اپنے حق میں کیا' پوری ایمانداری سے کیا اور میں حقائق سے چھپتا رہا۔"
وہ اس کی پراسرار سی خاموشی سے اپنا آپ یوں شیئر کررہے تھے جیسے کبھی مریم ان کی ذات کے پرت کھولا کرتی تھی۔
ایک دفعہ اس نے جھنجلا کر کہا تھا۔

کیا ایسے کم سخن سے کوئی گفتگو کرے
جو مستقل سکوت سے دل کو لہو کرے

اور اس کی بات پر وہ بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھے تھے' وہ قہقہہ شاید ان کی زندگی کا پہلا اور آخری قہقہہ تھا جس کے بعد انہوں نے مریم کی آنکھوں میں اپنے لیے بے تحاشا خوبصورت رنگ دیکھے تھے۔
وہ کتنی دیر محویت سے تکتی رہی تھی اور پھر اپنے صوفے سے اٹھ کر ان کے سامنے زمین پر گھٹنے بچھا کر بیٹھ گئی

www.pkdigest.com

تھی جبکہ سران کے گھٹنے پر ٹکا کر بڑے سکون سے آنکھیں موندلی تھیں۔
"پتا ہے میں نے اپنے رب سے دوسری زندگی مانگی ہے اور اس زندگی میں آپ کا ساتھ۔۔۔ آپ انکار تو نہیں کریں گے نا۔"
اس نے پہلی بار اپنی شدتوں کو عیاں کیا تھا۔
راجہ طارق محمود کا بھاری ہاتھ بے اختیار اس کے سنہرے بالوں میں الجھ کر رہ گیا۔
اور آنکھوں کی سرخی نیم گرمیانی میں گلابی مائل ہو گئی تھی۔

چلو ایسا کریں مل کر ستارے بانٹ لیتے ہیں
ضرورت کے مطابق سب سہارے بانٹ لیتے ہیں
محبت کرنے والوں کی تجارت بھی انوکھی ہے
منافع چھوڑ دیتے ہیں، خسارے بانٹ لیتے ہیں
محبت کے علاوہ پاس اپنے کچھ نہیں محسن
اسی دولت کو ہم قسمت کے مارے بانٹ لیتے ہیں

انہیں حیرت ہوئی تھی اس وقت بھی ان کی آنکھیں گلابی مائل ہو رہی تھیں اور کوئی بہت قریب کہیں گنگنا رہا تھا۔
"چلو ایسا کریں مل کر ستارے بانٹ لیتے ہیں"
"مت تنگ کیا کرو مریم! ایک تو جانے کی جلدی تھی اور پھر اب میرا مذاق اڑانے آجاتی ہو۔"
"جانتی ہو وہ ہمارا دشمن اسی شہر میں ہے، ہم سب کے درمیان۔۔۔ لیکن پتا ہے اس بار وہ اپنے دام میں آپ آئے گا، تم میرا یقین کرو۔"
"مجھے پتا ہے اس کے بعد تم بھی پرسکون ہو جاؤ گی۔ میری طرح تم بھی اس کی سزا کی منتظر ہو نا۔"
وہ خود سے باتوں میں اتنا محو تھے کہ انہیں احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ ان کے پیچھے آن کھڑی ہوئی تھیں اور اب اپنے نرم ہاتھوں سے ان کا سر سہلانے لگی تھیں۔ وہ یکدم پلٹے۔
"خالہ جان۔۔۔ آپ۔۔۔"
"رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی اور تم اکیلے بیٹھے ہو یہاں۔ بچے کہاں ہیں، کس نے تمہیں یہاں بٹھایا۔"
حالانکہ وہ خود بھی زخموں سے نڈھال تھیں مگر مسیحائی کا انداز وہی پرانا تھا۔
راجہ طارق محمود نے ان کے دونوں ہاتھوں پر محبت سے بوسہ دیا اور اپنے قریب سنگی بنچ پر بٹھا لیا۔
"خالہ جان! آپ کیوں نہیں سوئیں۔"
"کئی برسوں بعد شمائلہ کی آواز سنی ہے تو دل عجیب سا ہو گیا ہے۔ پتا ہے طارق! وہ ذرا بھی تو نہیں بدلی۔"
ان کے لہجے میں صدیوں کی تھکن اتر آئی۔
"خالہ جان! اگر وہ بدل جاتی تو شاید اس وقت ہمارے درمیان ہوتی، مانا کہ میرا اور اس کا رشتہ ٹوٹا تھا لیکن اس گھر میں آپ تھیں، عاشر تھا، کسی کے لیے تو وہ خود کو اس دلدل سے نکالنے کا سوچتی۔ میں جانتا ہوں، وہ اس وقت کہاں ہے، مجھے کاشف نے سب بتا دیا ہے اور اس کے پاس شمائلہ اور منیر کمال کے جرموں کی طویل فہرست ہے خالہ جان! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ آپ کی امانت کی حفاظت نہ کر پایا۔"
وہ آبدیدہ ہو گئے تھے، نانو کی آنکھوں سے بھی موتیوں کی لڑی ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگی تھی۔
"بچے! اس میں تیرا کیا قصور، رشتے اور سودے میں یہی تو فرق ہوتا ہے۔ وہ رشتہ قائم نہ کر سکی تو سودا طے کیا تو

خسارہ اس کا مقدر نکلا۔
تیرا کوئی دوش نہیں طارق!
میں نے اسے کہہ دیا تھا، جب تمہارے باپ کی زندگی میں اس گھر کے دروازے تم نے خود بند کر دیے تھے تو اب مجھ سے کسی بھلائی کی امید مت کرنا، مجھے تمہارے باپ کی موت کا ایک ایک پل اور اس گھر کے اجڑنے کا ایک ایک دن یاد ہے۔"
وہ رو بھی رہی تھیں اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے طارق محمود کو حوصلہ بھی دے رہی تھیں۔
وہ عظمت کے اس پیکر کو بس دیکھ کر رہ گئے تھے۔
عورت۔۔۔ عورت۔۔۔ کس قدر انوکھے روپ ہیں اس مخلوق کے۔
کہیں خواہشوں کے گرداب میں الجھی ہوئی، کہیں انا کا پندار سلامت رکھنے کی تگ و دو میں نڈھال، کہیں نفس کے آگے بے بس، کہیں بدگمان راستوں پر لہولہان چلتی ہوئی۔ کس قدر طاقتور ہے یہ عورت۔۔۔ اور کتنا کمزور ہے وہ مرد۔۔۔ جو بزدل دشمن کی طرح پشت پیچھے سے وار کر کے اپنی فتح کا جشن مناتا رہتا ہے۔
"آپ کو پتا ہے کل اس کا چالان کورٹ میں پیش ہو جائے گا اور پھر۔۔۔"
انہوں نے گہری سانس لی۔ سیاہ رات کو جشن منانے کا موقع مل رہا تھا مگر اسے محبت کے ان اسیروں پر رشک سا آیا۔
"جانتی ہوں جو اس نے بویا ہے، وہ تو کاٹے گی نا اور اچھا ہے دنیا میں ہی سزا کاٹ لے ورنہ آخرت کا عذاب کیسے جھیلے گی۔"
انہوں نے طارق محمود کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔
"طارق! تم بھی اسے معاف کر دینا۔"
وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگے تھے اور قطرہ قطرہ پگھلتی رات محبت کے ان اسیروں میں حوصلے کی نئی کرنیں منتقل کرنے کا سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"عظیم شاہ مر گیا تھا اپنی ہی گولی سے بیچ سڑک پر۔"
مسکن میں جو بھی سن رہا تھا، ششدر تھا۔
راحت بیگم نے بمشکل ستون کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے روکا۔ "اتنی اچانک اتنی غیر متوقع موت اور ایسا بھیانک انجام۔۔۔"
وہ ندیم شاہ کے بڑے بھائی کے اس "انجام" پر سسک پڑی تھیں۔ شجاع انہیں کمرے کے اندر لے آیا تھا اور اس وقت انہیں صرف رونے دینا چاہتا تھا۔
وہ جانتا تھا، برسوں کا رنج، ملال اور رشتوں کی پامالی کا غبار دل پر چھایا ہے جسے صرف آنسوؤں کی برسات ہی دھو سکتی تھی۔ رو تو صوفیہ بھی رہی تھی اور شجاع نے پوری محبت اور استحقاق سے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔
یکدم اجنبی کی خوشبو نے حصار باندھا تھا۔
وہ بھی تھوڑی دیر پہلے والا منظر یاد کر کے آبدیدہ ہو گیا۔ سب کتنا تنگ کر رہے تھے اس کی "ہونی" کو اور اس وقت وہ سب کچھ بھلائے اس کے اندر سمٹی ہوئی تھی۔
کیسے ہوتے ہیں دل کی ڈور سے بندھے رشتے، لمحوں میں ضد اور انا کا بت پاش پاش کر دیتے ہیں۔

www.kdigest.com

"صوفی! پھوپھی جان کی فکر کرو، تم خود کو سنبھالو، جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ شاید کوئی بھی عظیم شاہ کی زندگی سے اٹھتا نقاب برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ خاص طور پر اس سے وابستہ رشتے اور خود عظیم شاہ بھی۔
بس دعا کرو اللہ ان کی اگلی منزلیں آسان کرے۔"
وہ اسے راحت بیگم کے پاس بٹھا کر سمجھا رہا تھا اور دونوں ماں بیٹی عجیب سے احساس سے دوچار بس روئے جا رہی تھیں۔
"میں معلوم کرتا ہوں ڈیڈ باڈی گھر آگئی ہو تو پھر۔"
وہ ذرا سا جھجک گیا۔
"ہاں میں جانا چاہتی ہوں، تم پتا کرو۔" ان کی آواز لرز رہی تھی۔
"لیکن آپ خود کو تو سنبھالیں، ایسے نہیں چلے گا بلکہ میں نہیں جانے دوں گا دونوں کو اس حالت میں۔"
اس نے ڈی ایس پی طاہر کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے تنبیہہ کی۔ صوفیہ نے ایک خاموش سی نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پانی کا گلاس اٹھا لیا تھا۔
"مجھے ابھی طاہر سے ملنا ہے، آپ کو میں وہاں پہنچ کر کال کرتا ہوں لیکن پلیز سنبھالیں خود کو، اس طرح بالکل نہیں لے کر جاؤں گا۔" اس نے صوفیہ کو بھی تاکید کی تھی نگاہوں کی زبان میں اور باہر نکل گیا تھا۔
اس کے باہر جاتے ہی راحت بیگم کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا تھا۔
"پتا ہے کل ہی تو میں نے تمہاری خوشیوں کے لیے دعا مانگی تھی، مجھے ان سے کسی اچھائی کی امید نہیں تھی۔ جو شخص سالوں پہلے کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اپنے غنڈے بھیج کر مجھے اغوا کروا سکتا ہے، اپنی ہوس مٹانے کی کوشش کر سکتا ہے، میں اس سے بھلا کس اچھائی کی توقع کیسے کر سکتی ہوں لیکن اللہ نے یہ کیسی سزا رکھی ان کے لیے، دونوں جہاں میں عافیت کو خود سے دور کر دیا انہوں نے۔"
وہ اپنی فطرت سے مجبور تھیں، انہوں نے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا ورد شروع کر دیا تھا اور ان کی مغفرت کی دعا بھی۔
صوفیہ کو بھی قرار آ رہا تھا، اسے پتا تھا وہ جس صابر ماں کی بیٹی ہے وہ ماں اپنے کسی دشمن کے حق میں بھی خیر کی دعا کرنے والی تھی، اس نے وضو کے لیے واش روم کا رخ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عظیم شاہ کی لاش پولیس وین میں گھر پہنچی تھی اور اس کے بعد بھی آہ و بکا کا عالم تھا۔ تائی کو غش پر غش آ رہے تھے۔ عالیہ اور عظمی بھی آگئی تھیں، ان کی آنکھوں کے سوتے تو خشک تھے مگر چہرہ غم سے نڈھال تھا۔
گھر میں تعزیت کرنے والوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ ایسے میں صوفیہ، راحت بیگم اور شجاع کی آمد پر پہلے تو کسی نے توجہ نہیں کی تھی لیکن اچانک ہی فہیم شاہ کی نظر ان پر پڑی تھی اور وہ سپاٹ چہرے لیے ان کے پاس چلے آئے تھے۔
"آپ لوگ۔" ان کی حیرت بجا تھی۔
"کیا ہمیں تعزیت کے لیے نہیں آنا چاہیے تھا۔" راحت بیگم کی خاموشی کا دفاع شجاع نے کیا۔
"نہیں، کیوں نہیں۔ بھابھی ہو سکے تو بھائی صاحب کو معاف کر دیجیے گا۔" انہوں نے التجائیہ انداز میں ہاتھ جوڑے۔
"میں تو رب غفور کی ادنیٰ سی بندی ہوں، میری کیا بساط۔ وہ ہے نا اپنے بندوں کے عیب سمیٹنے والا اور انہیں

معاف کرنے والا۔"
وہ آج بھی اسی حیرت سے اس گھر کے در و دیوار دیکھ رہی تھیں۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا، سب کچھ جوں کا توں تھا۔
انہوں نے ایک گہری سانس لی اور تائی کے پاس چلی آئیں۔

☼ ☼ ☼

اس کا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا، وہ حیرت اور صدمے سے اپنے گھر کے باہر کا ہجوم دیکھ رہی تھی۔ چھوٹا سا ٹینٹ لگا ہوا تھا اور بہت سارے لوگ اس کے اندر بیٹھے تبصرے میں مصروف تھے۔
"اگر وہ بے گناہ ہوتا تو اس طرح کی حرکت کبھی نہیں کرتا۔" اس کے کانوں میں آواز پڑی، دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ وہ سست قدموں سے دروازے پر آئی۔ اندر صحن میں عورتوں کا ہجوم تھا اور شاید ایک طرف چارپائی پر سر تک چادر تانے کوئی وجود ابدی نیند بھی سو رہا تھا۔
اس نے اسی ہجوم میں ایک بے قرار نگاہ کسی شناسا چہرے کی تلاش میں ڈالی۔ امی، تائی، عظمی، عالیہ، سفیر اور ابا۔ ایک آہ سی نکلی۔۔۔ سب لوگ کہاں غائب تھے اور یہ کون تھا جس کے لیے اتنا ہجوم نظر آ رہا تھا۔
وہ چند قدم آگے بڑھی، بالکل چوروں کے سے انداز میں۔ حالانکہ کتنی ساری خواتین اندر باہر آ رہی تھیں۔ اس وقت اس کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا مگر وہ اپنے دل کے خوف کا کیا کرتی جو سارے حوصلے پست کیے دے رہا تھا۔
بھکارن کا روپ دھار کر وہ یہاں تک پہنچ گئی تھی لیکن اب ہمت نہیں تھی کہ سر جھکا کر ہاتھ جوڑ کر ماں باپ کے سامنے بیٹھ جاتی کہ جو چاہے سزا دو مگر اس گھر کی چھت کے سائے میں آنے دو۔ بہت سزا کاٹ لی۔
وہ تائی کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی اور اندر سب موجود تھے، سب اس کے اپنے سارے شناسا چہرے۔ یہاں تک کہ صوفیہ بھی اور ان سب کے درمیان تائی بین کر رہی تھیں۔
اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
"سفیر کے ابا کیسے ظالم نکلے تم، مرتے وقت بھی رسوائی اس گھر کے دروازے پر بٹھا گئے۔ ہائے کیا کیا تم نے۔"
وہ تیز قدموں سے واپس پلٹی۔ چارپائی کے قریب پہنچ کر ہمت تو نہیں ہوئی کہ چادر ہٹا لے۔ بس وہیں قریب ہی سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھ گئی، ابھی بہت سارا رونا تھا۔ اس کا نڈھال وجود ہولے ہولے لرزنے لگا۔ درد، تھکن اور طویل مسافت کے بعد پڑاؤ۔۔۔
اسے لگ رہا تھا جیسے ساری آوازیں آپس میں مدغم ہو رہی ہوں۔ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا۔

☼ ☼ ☼

شمائلہ کو ایک دن کے ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا تھا اور کاشف نے اپنی ٹیم کے ساتھ اس کامیابی کو سیلیبریٹ کرتے ہوئے منیر کمال کی تلاش میں زیادہ مستعدی دکھانے کی تاکید کی تھی۔
"دیکھو اکبر! یہ شخص ابھی تک اسی شہر میں ہے۔ میری اطلاع کے مطابق ابھی تک اس نام کا کوئی بندہ ٹرانزٹ لاؤنج سے باہر نہیں گیا۔ دیکھو ہماری ذرا سی غفلت کے باعث سرمد بخاری ہاتھ سے نکل گیا۔ میں نے کہا تھا تم لوگوں سے۔ ہمارا ٹارگٹ کوئی عام لوگ نہیں، یہ گروہ بہت شاطر ہے اور سب سے بڑی بات اس کے پیچھے جو لوگ سرگرم ہیں، ان پر ہاتھ ڈالنا شاید ہماری حکومت کے بس کی بات نہیں۔"
کاشف کا لہجہ خالصتاً پیشہ ورانہ تھا، اسپیشل تفتیشی افسر اکبر سمیت اس کے تینوں ساتھی پوری سنجیدگی کے

www.pkdigest.com

ساتھ آئندہ کالائحہ عمل بھی سوچ رہے تھے اور کاشف کو دھیان سے سن بھی رہے تھے۔

"سر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی' انہوں نے اب تک شمائلہ کو اپروچ کیوں نہیں کیا۔ شمائلہ کے موبائل فون سے جو خاص تین نمبر اور نام ہماری ہٹ لسٹ پر ہیں' ان میں سے کسی نے بھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔" ان کی تفتیش میں رکاوٹ اسی بات کی تھی۔

"میں نے کہا نا' یہ گروہ ہماری سوچ سے زیادہ شاطر ہے۔ وہ لوگ کبھی بھی براہ راست اس سے رابطہ نہیں کریں گے' البتہ تم لوگوں نے اس کی ایک ایک حرکت کو واچ کرنا ہے۔ کون آرہا ہے' کون جارہا ہے' اس کی پل پل کی خبر رکھو۔ مجھے یقین ہے منیر کمال زیادہ دیر تک چھپ نہیں سکے گا اور شمائلہ کی خاموشی تو خیر ایک دن میں ٹوٹ سکتی ہے' اگر تمہارے بندے چاہیں تو۔"

کاشف کے چہرے پر معنی خیزی تھی۔ اکبر نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کھلی ہوئی فائل بند کردی۔ اب اس فائل کی ہر تحریر اس کے ذہن میں درج ہو چکی تھی۔

شہر کے اہم مقامات' ریلوے اسٹیشن اور ایئرپورٹ پر ناکے کا آرڈر تو وہ دے ہی چکا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے ماتحت کو مخصوص الفاظ میں سخت چیکنگ کا آرڈر دیتے ہوئے کاشف کو اجازت طلب نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہ شہر بہت چھوٹا ہے اور قانون کے ہاتھ بہت لمبے' مجھے صرف آپ کی اجازت درکار تھی۔ شمائلہ کے سارے ساتھی گھنٹوں میں آپ کے سامنے ہوں گے اور شمائلہ کا اقرار بھی اور کوئی حکم۔"

وہ مسکرا دیا تھا۔

"بس کل تک مجھے بالکل تنگ نہیں کرنا' رات کو مجھے ایک فیملی گیدرنگ میں جانا ہے' میں وہاں کسی قسم کی ڈسٹربنس نہیں چاہتا۔ شمائلہ اب تمہارے حوالے ہے' یاد رکھنا وہ عورت نہیں ناگن ہے' اس کا زہر بہت پھیل چکا اب اور نہیں۔"

کاشف نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"آپ کو شکایت نہیں ہوگی' میں اور میری ٹیم کو آپ جیسے رہنما کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔"

وہ اپنے مخصوص لہجے میں کہہ کر پلٹ گیا تھا' بیرونی دروازے کی طرف اور اس کے ساتھیوں نے اس کی تقلید کی تھی۔

کاشف کی پرسوچ نگاہیں ان کی پشت پر جمی رہ گئی تھیں۔

وقت کم اور بہت سارے کام کرنے کے لیے باقی تھے۔

آج خزیمہ کی والدین اسلام آباد پہنچ رہے تھے اور وہ پہلے خود ان سے ملنا چاہتا تھا۔

اسے بہت سارے حقائق کی تصدیق خود بھی کرنا تھی۔ اس نے راجہ طارق محمود کا موبائل نمبر ڈائل کیا۔

"راجہ صاحب! ہم منزل کے قریب کھڑے ہیں' بتائیے کیا انعام دینے والے ہیں آپ مجھے۔" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

"صاحبزادے! ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا آپ کی جاسوسی ہماری مرضی کے بغیر کسی کام کی نہیں۔"

"بے شک۔۔۔ مجھے اعتراف کرنا پڑے گا' اگر مجھے گائیڈ نہ کرتے تو شاید یہ کیس بھی بہت سارے دوسرے کیسوں کی طرح سرد خانے کی نذر ہو جاتا لیکن دیکھ لیں اس مشقت کا ایک اور انعام خولہ اور کشمالہ کے ورثے بھی ہیں' جن سے شاید وہ کبھی نہیں مل پاتیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو' شاید اس ساری مشقت کا حاصل میری بیٹیوں کے چہرے کی انوکھی مسکراہٹ اور خوشی ہے اور میں نے مریم سے وعدہ کیا تھا' میں ایک دن انہیں ان کے اپنوں میں ضرور لے جاؤں گا اور میں جانتا ہوں آج وہ

www.pkdigest.com

بہت خوش ہوں گی۔"

وہ کاشف سے بے حد مسرور لہجے میں بات کر رہے تھے جیسے دو دیرینہ دوست ایک دوسرے سے دل کی باتیں کرتے ہوں۔

"میں نے آپ کو ان دنوں میں بہت مس کیا جب آپ ہاسپٹل میں ہم سب سے غافل پڑے ہوئے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا، میں کس سے اپنے دل کی بات کروں۔ پہلی بار جب شمائلہ کو دیکھا تو دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ مجھے یقین ہو گیا بدبختی اس عورت کے تعاقب میں ہے لیکن مجھے ڈر تھا کہیں عاشر کو وہ کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

آئی ایم ساری۔ راجہ صاحب! میں اس عورت کے لیے عزت اور احترام کے لفظ نہیں استعمال کر سکتا شاید یہ میرے پروفیشن کی مجبوری ہے۔"

راجہ طارق محمود اس کی معصومیت پر بس مسکرا دیے۔

"میرا رشتہ برسوں پہلے اس کے ساتھ ختم ہو چکا اور اپنی آزادی کی شرط پر اس نے عاشر سے اپنا ہر تعلق، واسطہ ختم کر لیا تھا۔ اب وہ ہمارے لیے ایک اجنبی عورت ہے ہم اسے کسی بھی نام سے پکار سکتے ہو۔"

"میں بالکل بھی آپ کو اداس نہیں کرنا چاہتا، میں کل تک آپ کو ایک اور بڑی خوش خبری دوں گا۔ اب آپ تیار ہو جائیں، ابھی میں اور آپ ایک بہت ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ میں آپ کے پاس آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے، میں انتظار کر رہا ہوں۔" انہوں نے فون بند کر کے ایک گہری سانس لی اور اپنی وارڈ روب کے سامنے آ گئے۔

آج انہوں نے مریم کے بھائی سے ملاقات کرنا تھی، ان کا دل چاہا اپنا سب سے بہترین لباس پہنیں۔ اپنی پسندیدہ خوشبو لگائیں۔

کتنے مہینوں کے بعد تو انہوں نے خود کو دھیان سے آئینے میں دیکھا تھا۔

اور آئینہ کہہ رہا تھا، ماہ و سال کے اس سفر میں راجہ طارق محمود تم نے کچھ بھی تو حاصل نہیں کیا، سوائے آنکھوں کی سرخی اور چہرے کی پرسوز سنجیدگی کے۔

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وقت نے تمہارے جمال میں کوئی کمی نہیں کی، ہاں مگر تمہارا تھکا ہارا دل اس آئینے کو بالکل اچھا نہیں لگتا۔ آجاؤ زندگی کی طرف، جو سفر باقی ہے اس کے ساتھ انصاف کرو۔"

وہ آئینے کی اس صدا پر مسکرا دیے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، مجھے ابھی اپنے بچوں کی خوشیوں کے لیے بہت سا جینا ہے اور بھرپور توانائی کے ساتھ۔"

آئینہ گویا تائید کرتے ہوئے ان کی اس بات پر مسکرا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اتنی بھیانک، تاریک اور حبس آلود رات۔۔۔ شمائلہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

گرمی، پیاس، ذہن پر اعمال کا بوجھ، جسم و جاں، تھکن اور نیند سے نڈھال۔

کھردرے فرش والا سیلن زدہ ٹارچر سیل۔۔۔ شمائلہ کمال یہ ہو تم اور تمہارے سامنے ہے تمہارا انجام۔

"یہ میں کہاں آ گئی اور کیوں آ گئی؟" وہ اپنا سر گھٹنوں میں دیے اپنے ساتھ ہونے والے اگلے سلوک کی منتظر تھی۔

جب اسے عدالت میں پیش کیا گیا تھا تو وہاں اس نے صرف کاشف کو دیکھا تھا، اس کی نظریں بہت دیر تک کسی شناسا چہرے کو تلاش کرتی رہیں۔

"عاشر، اماں کوئی تو نظر آتا۔"

وہ آج بھی احمقانہ حد تک خوش فہم یا پھر دنیا کو اپنے پیچھے پاگل سمجھتی تھی۔

شاید یہ احساس برتری یہی تکبر اس کی زندگی کے روشن مقدر کو تاریکی میں دھکیل گیا تھا جو وہ اس کال کوٹھڑی میں اس وقت بالکل تنہا تھی۔

اس نے بہت سارے لوگوں کے لیے ایسی بے بسی کا سامان کیا تھا مگر یہ نہیں جانتی تھی، مکافاتِ عمل زندگی کا حصہ ہے جس کا آغاز ضروری نہیں کہ مرنے کے بعد ہی ہو، کبھی کبھی زندگی میں ہی عبرت کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

نشہ ٹوٹنے کے بعد قوت مدافعت بھی ختم ہو رہی تھی، وہ اپنے ہاتھوں کو کاٹنے نوچنے لگی۔

آنکھوں کے سوتے ہمیشہ کی طرح خشک تھے، نہ ان میں ندامت کے آنسو تھے اور نہ پچھتاوے کا احساس۔۔۔

بس غصہ تھا اپنی بے بسی کا اور ان یاروں دوستوں کی بے وفائی کا جو اس موڑ پر تنہا کر گئے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ پرامید تھی، یہ زیادہ دن نہیں چلے گا، اس نے آج اچھی طرح سوچنا تھا کہ وہ اس عذاب سے نکلنے کا سامان کس طرح کر سکتی تھی۔

آہ۔ انسان کس قدر خسارے میں ہے۔ اگر اسے اپنے سیاہ اعمال کے بدلے میں ملنے والی جہنم کی ایک رات کا بھی ادراک ہو جاتا تو شاید اس کا سر کبھی سجدے سے نہ اٹھتا۔

وہ نڈھال ہو کر ایک طرف کو گر پڑی تھی، اس کا زردی مائل چہرہ دھیرے دھیرے سیاہ ہو رہا تھا اور دل کی دھڑکنیں سست۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 400 روپے
☆ ایمان امید اور محبت، عمیرہ احمد قیمت: 200 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 350 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 180 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد قیمت: 450 روپے

شائع ہو گئے ہیں

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 2216361

www.pkdigest.com

رضیہ مہدی

کہانی زندگی کی

☼ ☼ ☼

اس گھر کی ہر ریت ہی عجیب تھی' ابھی عظیم شاہ کو دفنا کر آنے والے اپنے گھروں کو بھی نہ پہنچے تھے کہ اس کی موت کا غم طاق میں رکھ کر سعدیہ کو مرنے اور غرق ہونے کی دعائیں شروع ہو گئی تھیں۔

اور سعدیہ کو بھی پتا تھا یہ سب تو ہو گا' وہ تو اس گھر کے لیے مر چکی تھی۔ اب اگر ایک مرا ہوا انسان پھر سے سانس لینے لگے' زندہ ہو کر سامنے آن بیٹھے تو کس میں اتنا دم خم ہو گا کہ وہ اس کو گلے لگائے۔

وہ بھی ضبط کا پہاڑ اپنے اردگرد تان چکی تھی' اس لیے نہ تائی کی آواز سنائی دے رہی تھی' نہ ماں کی اور نہ ہی بہت سارے تماشا دیکھنے والے لوگوں کی اسے کوئی پروا تھی۔

وہ جو دیکھ آئی تھی جو کچھ جھیل کر یہاں پہنچی تھی' اس کے بعد یہ تو بہت کم تھا' اب اس کا ضبط بھی چٹان جیسا ہو گیا تھا' سو وہ سب کو سنتی رہی اور روتی رہی۔

اس نے سوچا تھا' جب سب چپ ہو جائیں گے تو وہ بولے گی لیکن اس سے پہلے ہی نعمان بول پڑا تھا۔

"پلیز آپ سب لوگ اس کا پیچھا مت لیں' موت کا گھر ہے' کچھ تو لحاظ کر لیں۔ لوگ کیا سوچتے ہوں۔"

"چپ کر' لوگ اس کو یہاں دیکھ کر کیا سوچ رہے ہیں' مجھے اس کی کوئی پروا ہے۔"

"مجھے اس کی کوئی پروا نہیں' میں نہ لوگوں کے نظروں پر پل رہا ہوں نہ مجھے اپنی زندگی ان کے سہارے گزارنی ہے۔ آپ لوگ نہ سمجھ میں آنے والے ماں باپ ہیں' کم از کم یہ تو اس سے پوچھیں۔ وہ کہاں تھی کیا گزری اس پر۔"

وہ براہ راست چاچا' چاچی سے مخاطب تھا اور سعدیہ حیرت سے نعمان کو دیکھ رہی تھی' یہ وہ نعمان تھا جو اس سے متنفر ہی رہتا تھا' اس وقت وہ اس کے لیے سب سے لڑ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے' اس کا بس نہیں چل رہا تھا' وہ نعمان کے قدموں میں بیٹھ جاتی۔

"سعدیہ اٹھو یہاں سے اور جاؤ جا کر اپنا حلیہ ٹھیک کرو' اب تم اپنے گھر میں ہو۔ بار بار تماشا بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس کا دبنگ انداز سب کو حیران کر گیا تھا۔

سفیر کی آنکھوں میں بھی عجیب سا تاثر ابھرا لیکن وہ نعمان کو اس حد تک تو جانتا تھا کہ وہ جو کہتا ہے' کر کے دکھاتا ہے۔

اس وقت اس گھر میں سعدیہ کا واحد غم گسار نعمان ہی تھا۔ سعدیہ عقیدت مندانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

تائی جو سب سے زیادہ بول رہی تھیں' انہوں نے چپ ہونے میں عافیت جانی۔

بڑی دیر بعد انہیں پھر احساس ہوا تھا کہ جو کچھ ان کے ساتھ ہو چکا ہے' اس کا مداوا تو شاید ممکن ہی نہیں۔ آنے والی نسلوں کو بھی شاید اس بات کا جواب درکار ہو گا کہ عظیم شاہ نے کورٹ کے احاطے میں خود کو گولی کیوں ماری تھی۔

لیکن یہ وہ ان کہی داستان تھی جو عظیم شاہ کی موت کے ساتھ ہی قبر کی تاریکی میں اتر گئی تھی۔

(باقی آئندہ) ☼ ☼

www.pkdigest.com

وہ بت بنی مسلسل ہر ایک طرف دیکھ رہی تھیں آنکھیں گو بالکل خشک تھیں مگر دل قابو سے باہر تھا وہ کمزور بھی تو اب بہت ہو چکی تھیں اس پر ہائی بلڈ پریشر اور شوگر نے جیسے ختم ہی کر دیا تھا ختم تو خیر وہ منصور کے ساتھ ہی ہو گئی تھیں مگر قسمت کے اس وار سے تو انہیں لگ رہا تھا کہ اب سنبھلنا مشکل ہی ہے۔ کچھ لوگ ان کے قریب آ کر انہیں دلاسا دینے لگے۔ ان کے منہ سے آواز ہی نہیں نکل پا رہی تھی رات سے روتے روتے جیسے وہ بے دم سے ہو رہی تھیں صبیحہ زور سے چیخ کر روئی تو سب ادھر متوجہ ہو گئے۔ لوگ اس کی جواں العمر بیوگی پر افسوس کر رہے تھے۔

یوں ہی بیٹھے بیٹھے وہ جیسے کہیں دور بہت دور کسی ایسے ہی منظر میں گم ہو گئیں۔

"تارا بی بی جائیے اپنے اماں کو اٹھا دیجیے میں اب انہیں ناشتا وشتا کرا کے چلوں کافی دیر ہو چکی ہے۔" کریمن بوا سامنے تخت پر کتابیں پھیلائے اپنی پڑھائی میں کھوئی ہوئی تارا کو مسلسل آوازیں دے رہی تھیں۔

اسے طوعاً و کرہاً اٹھنا ہی پڑا۔

"کیا ہے بوا جان کو ہی آ جاتی ہو۔ اب اگر اماں بے چاری سو رہی ہیں آرام سے تو۔" یہ کہتے کہتے انہوں نے جیسے ہی اماں کا پلنگ سے نیچے لٹکتا ہوا ہاتھ اٹھایا تو انہیں کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ ہاتھ نا صرف برف جیسا ٹھنڈا تھا بلکہ کچھ اکڑا اکڑا سا بھی تھا اندر بجنے والی گھنٹی سے گھبرا کر وہ زور سے پکارنے لگیں۔

"اماں، اماں ۔۔۔ اماں اگر ٹھیک ہوتیں تو ناراض ہوتیں کیا مردہ جگا رہی ہو مگر اماں تو واقعی ۔۔۔ وہ واپس پلٹیں اور بوا کو پکڑ کر کھینچتی ہوئی اماں کے کمرے میں لے آئیں۔ بوا نے انہیں ایک طرف ہٹاتے ہوئے اماں کی چادر ان کے سر تک کھینچ دی وہ چیخ چیخ کر روئیں مگر اماں نے ڈانٹنا ڈپٹنا تو کیا اپنی آنکھیں تک کھول کر نہ دیں تب بھابھی نے انہیں گلے لگا لیا۔ وہ ان سے لپٹ کر رونے لگیں۔

"ہٹو ہٹو انہیں جانے دو۔" بھابھی بھی اب بہت کمزور ہو گئی تھیں اور اپنے پیروں پر زور دے کر بمشکل چل پائی تھیں وہ بھابھی سے لپٹیں تو بہت روئیں صبیحہ کو بھی سب لوگ وہیں لے آئے۔ بھابھی نے انہیں گلے لگایا ہوا تھا صبیحہ کو بھی لپٹا لیا وہ دونوں ماں بیٹی کے ساتھ ساتھ خود بھی بہت روئیں۔

"مسعود مسعود۔" ان کا کلیجہ کھچا جا رہا تھا۔

وہ کتنی محبت سے مسعود کی خواہش پر اپنی بھتیجی بیاہ کر لائی تھیں مگر انہیں کہاں پتا تھا کہ وہ ان سے بھی زیادہ قسمت کی کھوٹی تھی۔ میاں کے ساتھ بمشکل پانچ چھ سال ہی گزار سکی اور بیوگی کی چادر اوڑھ کر بیٹھ گئی۔

"ایسا کرو ان کو کہیں لٹا دو بے چاری کمزور بھی تو کتنی ہو گئی ہیں۔"

"شنو اے بیٹی شنو اپنی امی کو کہیں لٹا دو دیکھو بے چاری کی حالت کیا ہو رہی ہے۔" انہوں نے کسی کی آواز سنی۔

"امی اٹھیے امی ۔۔۔" شنو کی آنسوؤں سے گندھی ہوئی آواز انہیں پھر سے ماضی میں کھینچ لے گئی۔

☼ ☼ ☼

"ب سے ب سے۔" شنو کی آنسوؤں سے گندھی ہوئی ۔۔۔ پھنسی پھنسی آواز بمشکل نکل رہی تھی۔

"آگے بھی تو پڑھو۔" انہوں نے بڑی مشکل سے خود پر جبر کیا۔ جی چاہ رہا تھا اس کی طبیعت سے ٹھکائی کر دیں۔ چار گھنٹے ہو چکے تھے اس کے ساتھ سر کھپاتے اور وہ ابھی تک الف اور بے سے آگے نہیں بڑھ پائی تھی۔

"ہاں ہاں شاباش ب سے۔" انہوں نے شنو کو چمکارا۔

"ب سے پنکھا۔" وہ بڑی مشکل سے بولی۔

ایک تو کمبخت بجلی کی آنکھ مچولی اوپر سے شدید گرمی اور اب ب سے پنکھا سن کر تو قوت برداشت

جواب ہی دے گئی اور انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب زور سے شنو کے سر پر دے ماری۔

شنو کو کوئی ایسی خاص چوٹ نہیں آئی تھی مگر موقع ضرور مل گیا تھا سو وہ حلق پھاڑ کر رونے لگی۔ ستارہ جانتی تھیں کہ ڈیڑھ دو گھنٹے کی چھٹی ہوئی۔ جہاں انہیں اپنے دو گھنٹے تلف کرنے کا افسوس تھا وہاں احساس ندامت بھی تھا بھلا وہ منصور کو کیا منہ دکھا پائیں گی صبح دفتر جاتے جاتے کتنے پیار سے کہہ گئے تھے۔

"اب مجھے شنو کی طرف سے اطمینان ہے اب تو اس کی ماں نا صرف گھر میں ہے بلکہ اچھی ٹیچر بھی ہے۔" انہوں نے میاں کے محبت بھرے جملے سے اپنے دل کو پگھلتا محسوس کیا اور ان کے جاتے ۔۔۔ ہی شنو کو لے کر بیٹھ گئیں انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ مہم آسان نہیں۔ تعلیمی میدان میں جھنڈے گاڑنا آسان تھا اور اپنی کلاس کے بچوں کو پڑھانا بھی اور بات تھی کہ وہ سیکنڈری اسکول کی ٹیچر تھیں اور ہمیشہ بڑی کلاس ملتی تھی۔ بے قدرے سمجھدار ہوتے تھے یہاں تو شنو کچھ تھی بھی نہیں اور پھر اس کی پڑھائی لکھائی پر کسی نے توجہ بھی کہاں دی تھی۔ پانچ سال کی ہو گئی تھی مگر الف اور ب سے آگے بڑھ ہی نہیں پائی تھی۔

وہ اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ شنو مسلسل رو رہی تھی اور تب ہی ان کی نظر سامنے کیاری سے مٹی نکال کر کھاتے ہوئے نوید پر پڑی وہ دوڑ کر گئیں اور اس کی پیٹھ پر دو دھپ جڑ دیے۔ اب دونوں باجے زور شور سے بج رہے تھے۔

طاہرہ کے لیے بچے سنبھالنا اور خاص طور پر روتے بچے سنبھالنا بہت دشوار کام تھا انہوں نے ایسے کام پہلے کہاں کیے تھے حالانکہ وہ اپنے بھائی بھابھی اور ان کے بچوں کے ساتھ ہی رہتی آئی تھیں مگر وہ بچوں کے کاموں کے سلسلے میں بالکل بے گانہ تھیں البتہ سجے سنورے بچوں کے لاڈ اٹھانا ان کے لیے سوئیٹس اور ان کی پسند کے فرائز سے خود بھی خوش ہونا اور ان کو بھی شاد کرنا انہیں خوب آتا تھا وہ کبھی ذمہ داری اٹھانے پر تیار نہیں ہوتی تھیں البتہ اپنے بھتیجے بھتیجیوں سے محبت انہیں بہت تھی بچے بھی انہیں چاہتے تھے وہ ان کے ساتھ کارٹون دیکھتیں۔ لوڈو اور کیرم کھیلتیں ہاں کبھی کبھار جب بھائی صاحب پر بچوں کو پڑھانے کا ولولہ اٹھتا اور وہ ان کو ڈانٹ ڈپٹ رہے ہوتے تو وہ ان کی کتاب کاپیاں سمیٹ کر اپنے کمرے میں پہنچاتیں اور ہوم ورک کروا دیتیں یا سبق یاد کروا دیتیں مگر پابندی سے ذمہ داری اٹھانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

بھابھی سے ان کی ہمیشہ خوب بنی وہ نند سے کبھی کوئی خراب رویہ نہیں رکھتیں اور خود وہ بھی کبھی ان کے لیے کسی آزار کا باعث نہیں بنیں اس لیے مزے سے گزارا ہو رہا تھا۔

ویسے بھی ان کی زندگی میں کسی اور طرف دیکھنے کی فرصت کہاں تھی۔ صبح اسکول کی تیاری اور واپسی پر تھک گئے بھئی آج کا تعویذ لگا کر جلد جلدی پھر چار گھنٹے کی مزے دار نیند اب چاہے گھر میں کوئی آئے کوئی جائے انہیں کوئی مطلب نہیں شام کو دوستوں کی طرف تیار ہو کر جانا یا پھر کسی نا کسی دوست کا آنا پہلے سے طے۔ اس کے ساتھ گپ شپ ٹی وی اور بھتیجا بھتیجی کے ساتھ کھیل کود۔ فلم دیکھنے جانا بھی ضروری تھا، ہر فلم کا پہلا شو اتفاق سے دو سیٹیں بھی ایسی ہی تھیں پورے سرکل میں سب ہی گھومنے، پھرنے کھانے پینے کے شوقین تھے سو مزے سے زندگی گزر رہی تھی۔

پتا نہیں کیا بات تھی ان کے رشتے تو بہت آتے تھے مگر بات زیادہ آگے نہیں بڑھ پاتی تھی۔ رشتہ ہونے کا ملال بھی ان کے کسی شوق پر حاوی نہیں ہو رہا تھا وہ جی بھر کر زندگی انجوائے کرنے والوں میں سے تھیں اور اپنے سارے حقوق پہچانتی تھیں۔ موڈی بھی تھیں اور جب موڈ بنتا تو کچن میں بھی چلی جاتیں اور جی بھر کر تجربات کرتیں جو اکثر گھر والوں کو پسند بھی آ جاتے ورنہ کچن میں جانے سے انہیں کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی البتہ ابا کا مزاج کچھ گرم پاتیں تو بھی بھابھی کے پیچھے

www.pkdigest.com

دبک جاتی تھیں۔

وقت بعض دفعہ احساس دلائے بغیر یوں دبے پاؤں گزر تا جاتا ہے جیسے مٹھی سے ریت پھسلے ان کے ساتھ بھی وقت نے یہی کیا وہ اپنے سر سے پہلے پہل تو سفید بال توڑتی رہیں مگر جب انہیں یہ اندازہ ہوا کہ اب یہ ممکن نہیں تو افسردگی ان پر چھانے لگی انہیں اپنے گھنیرے سیاہ بالوں سے عشق تھا۔ اماں جب تک زندہ رہیں۔

انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر خوب تیل لگاتیں کس کس کر چوٹیاں باندھتیں اور ان کے بال بڑھتے ہی جاتے خود وہ اپنے بالوں سے تب الجھتیں — جب باندھنے مشکل ہو جاتے مگر اماں کے بعد جانے کیا ہوا کہ آپ ہی آپ انہیں اماں ہی کی طرح اپنے بالوں سے عشق ہو گیا اب وہ ہزار جتن کرنے لگیں کہ ان کے بال سدا یونہی گھنے اور سیاہ رہیں مگر جب کوئلے کی کان میں راکھ سی بھرنے لگی تو ان کے دل نے تمام دلچسپیوں سے منہ موڑ لیا۔

انہی دنوں بھابھی کی ایک دور کی عزیزہ فوت ہو گئیں رشتہ داری تو بھابھی سے دور کی تھی مگر کیونکہ وہ بے چاری انڈیا سے بیاہ کر آئی تھیں اور یہاں میکے کا کوئی بھی نہ تھا تو وہ اس رشتہ داری کو بھی غنیمت جان کر بھابھی سے اپنا تعلق نبھاتی تھیں بھابھی بھی ان کا خیال رکھتیں — اب جو وہ — یوں جوانی ہی میں دنیا چھوڑ گئیں تو بھابھی بہت افسردہ بھی تھیں اور بار بار ان کے چھوٹے بچوں کے خیال سے ان کے گھر جاتی رہتی تھیں گھر میں بھی اب اکثر ان لوگوں کا تذکرہ رہتا تھا۔

طاہرہ کو بھی اپنی ہمدرد طبیعت کی وجہ سے ان بچوں سے ہمدردی سی ہو گئی وہ ایک آدھ مرتبہ بھابھی کے ساتھ وہاں گئیں بھی پھر کچھ وقت گزرا تو بھابھی کی اسی کزن کے میاں جو خود بھی کسی رشتے سے بھابھی کے کزن تھے کی آمد و رفت ان کے گھر میں بڑھ گئی وہ پریشان تھے اتنے چھوٹے بچوں کی پرورش تو آسان کہاں تھی۔ ان کو بھی اپنے گھر سے کچھ زیادہ سپورٹ نہیں ملی ہوئی تھی۔ بھابھی ہمدرد تھیں سو ان کے پاس آجاتے تھے۔ گھر میں آنا جانا شروع ہوا تو طاہرہ نے منصور کو دیکھا۔

"ارے یہ تو کہیں سے بھی تین بچوں کے باپ نہیں لگتے۔" ان کے دل نے سوچا پھر بھابھی سے اظہار بھی کر دیا۔

"بڑی جلدی شادی ہو گئی تھی بے چارے کی۔ ابھی ایسی کوئی خاص عمر نہیں اور اتنی بڑی ذمہ داری تن و تنہا اٹھانا۔" بھابھی کو اپنے کزن سے ہمدردی تھی۔

"بے چارے بن ماں کے بچے۔" وہ افسردگی سے بولیں۔

"تو شادی کر لیں منصور ماں مل جائے گی بچوں کو۔" اس نے پتہ نہیں کس جھونک میں کہہ دیا۔

"ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔ منصور پڑھا لکھا ہے۔ صورت شکل میں اچھا ہے۔ جاب اچھی ہے گھر اپنا ہے۔ سارے پوائنٹ پلس تو ہیں۔"

"یہ بات تو ہے۔" اس نے غور کیا تو بھابھی کی بات جچ گئی۔

"مگر دیکھو لوگ تو بچوں کو دیکھیں گے پھر یہ بھی ڈر ہے کہ جانے کیسی عورت آئے اور بچوں کا کیا حشر کرے۔ مشورہ دیتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔" بھابھی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ بھابھی کی بات نے اسے بھی ڈرا دیا۔

"چھوڑو ہمیں کیا۔" وہ اب اس موضوع سے بور ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

موضوع سے بور ہوئی تھی مگر منصور سے بور ہونا آسان نہیں تھا۔ منصور ہمہ صفت انسان ثابت ہو رہا تھا قدرے سنجیدہ مگر ہر موضوع پر معلومات رکھنے والا اسے منصور کی باتیں سننا اس سے باتیں کرنا کب اچھا لگنے لگا یہ اسے پتہ بھی نہیں چلا۔

پھر جب بھابھی نے منصور کی دوسری شادی کی بابت کچھ بتایا کہ اس کی مرحومہ بیوی کی رشتہ دار تھے وغیرہ وغیرہ تو طاہرہ کو اپنے دل میں ایک خلا سا محسوس

ہونے لگا وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

شام میں منصور بچوں کو لے کر آیا اور حسب عادت سب سے بات چیت شروع کی تو وہ یونہی گم سم سی بیٹھی رہی۔ پتہ نہیں منصور کو کیا ہوا وہ قریب آ بیٹھا۔

"کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں بس ایسے ہی۔" وہ کیا بتاتی۔

"چلو تم اپنی بات نہیں بتانا چاہتیں مت بتاؤ مگر مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے۔ ضروری بات سن رہی ہو نا تم۔"

"ہاں۔ ہاں۔" وہ سنبھل سی گئی۔

"دیکھو تارہ۔" وہ چونکی تارہ تو اسے بس خاص خاص لوگ ہی کہتے تھے۔

"مجھے پر پیچ باتیں کرنی نہیں آتیں مگر مجھے لگتا ہے کہ میں تمہاری الجھن کی سلجھن بتا سکتا ہوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

طاہرہ کو آج اس کی مسکراہٹ کچھ کہتی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ منصور نے کہا۔

"مجھ سے شادی کر دو گی۔"

"ایں۔" وہ چونک سی گئی۔

"ہاں تارہ مجھے تم میں ایک آئیڈیل عورت نظر آئی ہے۔ تمہیں معلوم ہو گا میری شادی ایک مجبوری کا سودا تھی۔ عارفہ میری بڑی خالہ کی بیٹی تھی اور اس کا وہاں خالہ کے بعد کوئی اور نہ تھا اماں نے مجبور کیا میں اسے یہاں شادی کر کے لے آیا گرچہ وہ بہت بے ضرر سی، محنتی سیدھی سادی تھی مگر مجھے ایسا لگتا تھا کہ کوئی کمی ہے زندگی میں تم ملیں تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے ذہن کو جس رفیق کی تلاش تھی وہ تم ہو۔ تم سے باتیں کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔"

وہ چپ چاپ سن رہی تھی اور کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔

"I love you" وہ بڑے جذب سے کہہ رہا تھا۔ اور طاہرہ جھینپ سی گئی اسے منصور اچھا لگتا تھا۔

بعد کے مراحل جلدی جلدی طے ہوئے گو سب نے اعتراض کیے۔

"تین بچوں کے باپ سے شادی۔ یہ تو بھاوج اپنا بوجھ اتار رہی ہے۔ تم بالکل راضی نہ ہونا۔" طاہرہ کی تایا زاد بہن کافی خفا تھیں۔

"تین تین بچے۔" اس کی دوست حرا چیخ اٹھی۔

"حرا ٹھیک کہہ رہی ہے تارہ یہ بچے پالنا بہت مشکل کام ہے تم منع کر دو۔" مریم نے ساتھ دیا۔

"بھائی جان ایسی بھی کوئی قیامت نہیں آ رہی کہ آپ تین بچوں کے باپ سے بیٹی بیاہ دیں۔" چچا اس کے ابا کو اس ظلم سے باز رکھنے کے لیے خود آئے۔

مگر بھابھی اور ابا دونوں سمجھ رہے تھے کہ یہ رشتہ برا نہیں منصور بہت سے لوگوں میں الگ ہی نظر آتا وہ ایک وجیہ اور پر خلوص انسان تھا۔ عمر میں وہ طاہرہ کے برابر ہی تھا۔ شکل و صورت میں طاہرہ سے اچھا تھا جبکہ جاب اس کی بہترین تھی اور تعلیم میں وہ اور طاہرہ ایک ہی جیسے تھے پھر سب سے بڑھ کر بھابھی دیکھ رہی تھیں کہ طاہرہ کے چہرے پر اب خوشی کے رنگ جھلملاتے رہتے تھے اور وہ خوشی خوشی تیاریوں میں حصہ لے رہی تھی۔

طاہرہ کی دوستوں کے اعتراضات بھی منصور سے مل کر دور ہو گئے وہ سب متفق تھیں کہ واقعی وہ ایک اچھی شخصیت کا حامل ہے اور طاہرہ کے ساتھ اس کا جوڑ اچھا لگ رہا ہے۔

یوں وہ میاں کے گھر آئیں اور تینوں بچوں نے استقبال کیا۔

بڑا مسعود کلاس نو میں پڑھتا تھا۔ انتہائی ہٹیلا، باپ کا منہ چڑھا جو کہہ دیتا کروا کر چھوڑتا کسی کی سننے کے لیے بالکل تیار نہ ہوتا۔

اس کے بعد شہناز جسے سب شنو کہتے تھے۔ پانچ سال کی ہو رہی تھی ابھی تک اسکول کا منہ نہیں دیکھا تھا۔

تیسرا چھوٹا سا سوکھا مریل کلانوید جو ہر وقت روتا رہتا تھا ہر وقت بھوکا طاہرہ نے بہت صبر کر کے اسے گود میں لیا۔

www.pkdigest.com

منصور کی محبت نے شادی کے بعد بہت جلدی اپنی جڑیں گہری کرلی تھیں طاہرہ نے خود سے عہد کیا کہ وہ اس محبت کے بھرم کو قائم رکھے گی۔ خود لٹ جائے گی مگر رشتے کو مضبوط رکھنے کے لیے جو بن سکا وہ کرے گی۔

کیا ہوا جو مسعود ہٹیلا اور خود سر ہے میں اسے اتنا پیار دوں گی کہ وہ میری سننے لگے گا کیا ہوا جو شہناز ضدی اور کند ذہن ہے میری توجہ سے وہ پڑھنے لکھنے لگے گی۔ میں اس پر دھیان دوں گی اس کی تربیت کروں گی۔ نوید ابھی چھوٹا ہے میں اسے ماں کا پیار دوں گی کبھی ان تینوں کو کوئی کمی محسوس ہونے دوں گی۔

یہ عہد کر تو لیا تھا مگر انہیں یہ بہت مہنگا پڑا کیونکہ تینوں ہی ٹیڑھی لکیر ثابت ہو رہے تھے جن کو سیدھا کرتے کرتے وہ خود ادھ موئی سی ہو گئی تھیں مگر ان ہی دنوں ان کی طبیعت خراب رہنے لگی۔

خوشخبری سن کر جہاں ان کے دل میں ڈھیروں گلاب کھل اٹھے وہیں تشویش بھی ہوئی اب کیا ہوگا ابھی تو کسی بھی محاذ پر کامیابی نے قدم نہیں چومے۔ میاں البتہ ان کی کسی تشویش کو خاطر میں نہیں لائے وہ خوش تھے اور اپنی خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔

پھر ان کی محنت آہستہ آہستہ رنگ لانے لگی مسعود کی ضدیں اور اڑیل پن کچھ کم ہونے لگا۔ شنو اسکول جانے لگیں گو روتے دھوتے جاتی تھیں مگر واپسی میں خوش خوش دکھائی دیتی تھیں اور سب سے بڑھ کر نوید اب پہلے جیسا مٹی کھانے والا کالا مریل سوکھا سڑا نہیں رہ گیا تھا۔ وہ اب کافی بدل سا گیا تھا اور کیونکہ وہ بھی اب دو سال سے اوپر کا ہو رہا تھا اس لیے طاہرہ نے اسے بھی قریب ہی واقع ایک چھوٹی سی نرسری میں داخل کروا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وقت کروٹیں بدلتا گیا پہلے ان کی گود میں فیضان آیا پھر مہناز اور اس کے بعد عدنان۔ مالک نے منصور کی دونوں بیویوں سے انصاف کیا تھا بیٹی بیٹا دونوں اتنے ہی اور اسی ترتیب سے طاہرہ کو ملے جیسے کہ ان کی پہلی بیوی کو ملے تھے۔ منصور اپنے سب ہی بچوں کو بہت چاہتے تھے مگر مسعود اور فیضان میں تو جانو ان کی جان تھی فیضان باپ کے التفات پر خوب خوش ہوتا تھا مگر مسعود کو لگتا تھا کہ اس کے حصے کی محبت و شفقت بٹ گئی ہے اس پر جھنجلاہٹ سوار ہو جاتی تھی اور وہ اپنے غصے کے اظہار میں کبھی کسی سے رعایت سے کام لینا کہاں جانتا تھا۔ طاہرہ مسعود کی یوں بات بے بات الجھتے دیکھتیں تو بہت کڑھتیں اور انہیں لگتا جیسے مسعود اور ان کے درمیان ابھی تک کوئی رشتہ ہی نہیں بن پایا ہے وہ خود کو ڈیپریس محسوس کرنے لگتی تھیں اور یوں کھنچاؤ بڑھتا ہی چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

مسعود کے برعکس شنو اور نوید فیضان، مہناز اور عدنان پر جان دیتے تھے۔ شنو جوں جوں بڑی ہو رہی تھی ان کی زبردست معاون ثابت ہو رہی تھی وہ گھر کے سب کاموں کو بہت جلدی سیکھ گئی البتہ پڑھائی میں اس کا دل ذرا کم کم لگتا تھا جبکہ مہناز شروع ہی سے پڑھائی لکھائی کی طرف مائل تھی اور وہ گھر کے کسی کام میں ڈوجو ماں کی تائید کے ہاتھ لگانے پر تیار نہیں ہوتی تھی۔

زندگی یوں ہی معمول پر چلتی رہتی کہ وہ انہونی ہو گئی جس کے لیے طاہرہ تیار نہیں تھیں۔ بچے منصور کا [illegible] ہو گیا۔ دماغی چوٹ میں وہ کئی دن تک موت و زیست کی کش مکش میں گرفتار رہے۔ طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اس مشکل سے کیسے نکلیں انہیں باہر کی دنیا کی کچھ خیر و خبر بھی کہاں تھی منصور ہمیشہ ان کے لیے چھپر چھاؤں بنے رہے کبھی کچھ سوچنا پڑا دیکھنا۔

منصور اسپتال سے گھر آ گئے۔ مگر اب وہ پہلے والے منصور نہیں تھے۔ جاب چھوٹ گئی اور دماغی اور جسمانی کمزوری کے ساتھ ساتھ مالی پریشانی نے انہیں

نڈھال سا کر دیا ایسے میں طاہرہ نے ہمت کی اور اپنی ڈوبتی ناؤ کو بہت حوصلے سے سنبھالا دیا ان کے اسکول کی جاب تو چل ہی رہی تھی ساتھ ساتھ انہوں نے ٹیوشن بھی پڑھانی شروع کر دیں۔ بچے بھی بڑے ہو رہے تھے خاص طور پر مسعود میٹرک کر چکا تھا اور اس نے بھی ان کا ساتھ دیا اور ٹیوشنز پڑھانے لگا لگتا تھا سخت حالات نے انہیں اور مسعود کو قریب کر دیا تھا۔ منصور اب بات بات پر جھنجلا جاتے تھے طاہرہ جنہوں نے کبھی گھر کے کسی کام کو مشکل ہی سے ہاتھ لگایا تھا اور ہمیشہ میاں کی حد درجہ محبت کی چھاؤں میں رہی تھیں اب جیسے یکایک چلچلاتی دھوپ میں آ گئیں ـــ باہر کی مصروفیات، منصور کے علاج کے لیے بھاگ دوڑ کے ساتھ ساتھ انہیں اب گھر کے کاموں سے بھی نبرد آزما ہونا پڑتا تھا یوں وہ جو ہمیشہ نکھری نکھری سی رہنے کی عادی تھیں اب بکھری بکھری الجھی الجھی اپنی ذات سے بے نیاز رہنے لگیں۔ شہناز نے چھوٹی سی عمر میں خود بخود کچن سنبھال لیا۔ طاہرہ کو لگا ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ دکھ اور تکلیفیں یوں ہی سب کو کھینچ کر ایک دائرے میں لے آتی ہیں۔

طاہرہ سوچتی تھیں یوں ہی مل جل کر باقی زندگی بھی گزر جائے گی کہ منصور کو ہارٹ اٹیک نے ایک مرتبہ پھر بیڈ پر ڈال دیا اور اس مرتبہ وہ موت سے نہ جیت پائے۔ طاہرہ غم زدہ تھیں تو بچے دلگرفتہ سب ہی بچے ابھی چھوٹے تھے مگر طاہرہ حد درجہ غم میں گو اپنا آپ بھولی ہوئی تھیں مگر انہیں احساس تھا کہ وہ چھ بچوں کی ماں ہیں۔

شہناز نے ایک مرتبہ پھر اپنی عمر سے زیادہ فراست کا ثبوت دیا وہ جہاں ایک طرف نڈھال پڑی ماں کی خبر گیری کر رہی تھی وہیں اس نے فیضان، مہناز اور عدنان کو بھی سمیٹ رکھا تھا۔ زندگی کے سفر کو تو آگے بڑھنا ہی ہے سو آگے بڑھ رہا تھا۔ مسعود کالج میں پڑھ رہا تھا اور شہناز میٹرک میں آ گئی تھی۔ طاہرہ کی جاب چل رہی تھی مگر اب اسے تھکن کا احساس رہنے لگا تھا۔ یہ جسمانی نہیں ذہنی تھکن تھی شادی کے بعد انہوں نے بہت بھرپور زندگی گزاری تھی میاں کو لوگوں سے ملنا جلنا پسند تھا اور انہیں تو گھومنے پھرنے کا شوق تھا ہی سو زندگی میں دور تک بوریت کا نام و نشان نہیں تھا جو وہ کہتیں منصور فوراً کرنے پر تیار ہو جاتے۔ وہاں جانا ہے۔ وہ کھانے کا دل چاہ رہا ہے۔ اس ریستوران کی بہت تعریف سنی ہے یا بہت دنوں سے کسی اچھے ہوٹل نہیں گئے۔ شام کا کوئی نہ کوئی پروگرام تیار رہتا اور منصور خوشی خوشی ہر بات مان جاتے تھے۔ گھر میں ہر وقت بوا رہتی تھیں جو کہ منصور کے گھر ان کی شادی سے بھی پہلے سے ملازم تھیں۔ اعتبار کے ملازمین بھی گھر کے فرد جیسے ہی ہوتے ہیں وہ دوسرے نوکروں سے کام کینے اور خود انتظام درست رکھنے کے تمام گر جانتی تھیں اس لیے طاہرہ اور منصور بے فکری سے نکل جاتے تھے بچوں کو ہر وقت ساتھ رکھنے کی کوئی مجبوری نہیں تھی بوا خود کہتی تھیں۔

"آپ جائیں آرام سے ہم ہیں نا۔"

طاہرہ خاموشی سے بیٹھی اپنا ماضی دہراتی رہتیں اور سوچتی رہتیں کہ خوشیوں کے دن اتنے مختصر کیوں ہوتے ہیں یہ اتنی جلدی گزر کیوں جاتے ہیں۔

اس اثناء میں طاہرہ کے بھائی اور والد کا بھی آگے پیچھے انتقال ہو گیا وہ اور بھی اکیلی ہو گئیں بھابھی بھی ان کی ہی طرح تنہا رہ گئیں اب وہ اپنے دکھ بھابھی کے کندھوں پر بھی نہیں رو سکتی تھیں ان کی سب دوستیں بھی ادھر ادھر ہو گئیں۔ سب اپنے اپنے دائروں میں قید تھے مگر طاہرہ کو لگتا تھا ان کے پاس وقت ہی وقت ہے گزرتا ہی نہیں کبھی کبھی بوا ان سے ملنے آتیں۔ تو وہ اپنے اچھے زمانے کو ان کے ساتھ ساتھ یاد کرتی تھیں اور آنسوؤں کو بہنے کا بہانہ مل جاتا تھا اور جب کوئی نہیں ہوتا تھا تو وہ خود اپنے آپ باتیں کرتی تھیں خود ہی سوال خود ہی جواب بہت جلدی انہیں ہائی بلڈ پریشر اور شوگر جیسی موذی بیماریوں نے گھیر لیا۔ فکرات کا نتیجہ یہی تو نکلنا تھا بھلا وہ پہلے کب جانتی تھیں کہ یوں منصور انہیں آدھے راستے میں چھوڑ جائیں گے بڑھتے ہوئے بچوں کے بڑھتے ہوئے اخراجات وہ کس

www.pkdigest.com

کس محاذ پر لڑتیں وہ تو شکر تھا مکان اپنا تھا ورنہ وہ کیا کرتیں۔

انہی دنوں کسی نے سمجھایا شہناز کی شادی جتنی جلدی ہو سکے اچھا ہے اس کا پڑھنے لکھنے میں بھی دھیان کم کم لگتا ہے۔

"شنو کی شادی اتنی جلدی۔" انہیں یہ بات پسند نہیں آئی "ابھی تو ہے وہ ابھی۔ ابھی سے ذمہ داریوں کا بوجھ اس کے کمزور کاندھے پر ڈالنا اچھا نہیں لگتا۔" انہوں نے خود کو سمجھایا مگر وہ اس بات پر قائم نہ رہ پائیں جب انہوں نے سنا کہ "اپنے آرام کے لیے طاہرہ بھلا شنو کی شادی ہونے دیں گی۔"

"مفت کی چاکری جو کروا رہی ہیں۔" کسی اور نے کہا۔

"بس دیکھ لو نصیب بے چاری بن ماں باپ کی بچی نے سارے گھر کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے اور یہ آزاد ہیں۔"

وہ اپنے کسی رشتہ دار کے گھر اچانک پہنچ گئی تھیں اور اتفاقاً" سنی ہوئی اس بات نے انہیں رنج سے چور کر دیا۔ ارے یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسا الزام بھی لگا سکتا ہے۔

پھر انہوں نے لوگوں کے کہنے سننے میں آکر شنو کے لیے رشتہ دیکھنا شروع کیا پھر جب ان کے میاں کے ایک دوست نے ایک لڑکے کی بہت تعریفیں کیں تو وہ بھی اس سے ملیں۔ لڑکا یہاں کراچی میں ملازمت کرتا تھا اور شکل و صورت میں ٹھیک تھا اس کے والدین اور سب رشتے دار حیدر آباد میں رہتے تھے۔ ان لوگوں کے اصرار پر طاہرہ حیدر آباد بھی گئیں ان لوگوں نے وہاں ان کی بڑی آؤ بھگت کی اگرچہ طاہرہ کو ان کی ــــ حالت زیادہ اچھی نہیں لگی مگر وہ لوگ شریف اور محنتی لگے۔

"بھابھی بغیر باپ کی بچی ہے شکل و صورت واجبی اور تعلیم بس میٹرک یہ رشتہ غنیمت ہے آج کل تو اچھے بچوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ آگے آپ کی مرضی" رشتہ لانے والے صاحب سمجھانے لگے اصرار بڑھا تو ان کی سمجھ میں بھی آگیا اور انہوں نے ہاں کر دی۔ ہاں کرتے ساتھ ہی ادھر سے شادی پر زور دیا جانے لگا۔

"بے چارا بچہ وہاں اکیلا رہتا ہے شادی ہو جائے گی تو گھر کا آرام تو ملے گا۔" ثاقب کی اماں نے بڑے قرینے سے کہا۔

"مگر ابھی شنو بہت چھوٹی ہے۔" وہ ہچکچا رہی تھیں۔

"تو ہمارا ثاقب بھی تو ابھی چھوٹا ہی ہے۔" سمدھن ہنس پڑیں۔

"پریشان نہ ہوں زیادہ دل چاہے گا تو پاس ہی بلا لیجیے گا۔ ہم لوگ تو اتنی دور ہیں۔"

وہ اب کیا کرتیں تیاریوں میں لگ گئیں جو جوڑا، زیور، کپڑا بنا سکیں بنایا اور اپنی طرف سے بہت کچھ دے دلا کر بیٹی کو رخصت کیا۔ بیٹی سسرال سے آئی تو انہیں بہت چپ چپ سی لگی۔

"ابھی کم عمر ہے شاید وہاں کے حالات سمجھ نہیں پائی ہے۔" انہوں نے خود کو سمجھایا۔

مگر جب بعد میں ثاقب نے شہناز کو حیدر آباد بھیج دیا اور خود کراچی میں ہی رہتا رہا تو انہیں اس وعدہ خلافی پر بہت حیرت ہوئی مگر اب صبر کے سوا چارہ ہی کیا تھا انہوں نے بیٹی کو بھی سمجھایا کہ شاید کچھ دنوں کی بات ہو گی یہ لوگ چاہتے ہوں گے کہ تم وہاں رہو اور وہاں کے لوگوں اور ان کی ریت رسموں سے مانوس ہو جاؤ۔

بے چاری شہناز تو چلی گئی مگر طاہرہ بہت بے چین ہو گئیں انہوں نے پیدا نہیں کیا تھا مگر پالا تو تھا پالے کی محبت پھر میاں سے کیا ہوا وعدہ وہ کرتیں تو کیا کرتیں۔ ان کے لیے وہاں کا چکر لگانا بھی آسان نہیں تھا اپنا گھر بار چھوڑنا، نوکری سے چھٹی ملنا کچھ بھی تو آسان نہیں تھا سو دل مسوس کر رہ گئیں۔

ثاقب سے انہوں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ۔

"اماں چاہتی ہیں شہناز وہاں ہی رہیں۔"

"مگر بیٹا انہوں نے تو مجھ سے کہا تھا کہ ــــ" وہ جملہ بھی پورا نہ کر پائیں اور وہ جلدی سے اٹھ کر چل دیا۔

"مجھے کچھ ضروری کام یاد آگیا ہے۔" طاہرہ کو کھانا پینا سونا کچھ بھی نہیں بھا رہا تھا بڑی مشکل سے آنکھ لگی

تو خواب میں شنو کو روتے دیکھا۔ دل ہل کر رہ گیا۔ صبح تک دعائیں پڑھتی رہیں پھر صبح کو نوید کو بھیج کر ابرار صاحب (جنہوں نے شادی کرائی تھی) کو بلوایا وہ کہیں شام تک آئے۔

"خیریت بھابھی مجھے کیوں یاد کیا۔"

"وہ بھیا شنو کی کچھ خیر خبر نہیں مل رہی ثاقب بھی کچھ نہیں بولتے۔ میں نے خواب میں بھی اسے پریشان روتے دیکھا ہے۔"

"ارے بھابھی حد ہو گئی۔ لڑکی والوں کو ذرا دل بڑے رکھنے ہوتے ہیں آپ یوں بات بے بات دل چھوٹا کریں گی تو بس چکا اس کا گھر۔ ثاقب بھی شکایت کر رہا تھا کہ اب وہ کیا بار بار آپ سے اجازت لے کر اپنی بیوی کو اپنے گھر بھیجے۔"

"تو بھیا دن ہی کتنے ہوئے ہیں شادی کو کوئی چوتھی چلا کوئی آنا جانا کچھ تو ہوتا۔"

"ارے چھوڑیں بھابھی یہ ریت رسمیں بچی اپنے گھر میں خوش ہے۔"

"کوئی مجھے بھی یقین دلا دے کہ وہ اپنے گھر میں خوش ہے۔" وہ ہاتھ مل رہی تھیں۔

"میں کہہ رہا ہوں نا، وہاں سب لوگ اچھے ہیں اور آپ بھی اپنے دل کو سنبھالیں ورنہ لوگ آپ کو ہی الزام دیں گے کہ بیٹی کو بسنے نہیں دیا۔ سوتیلی تھیں نا۔" ــــ وہ دھک سے رہ گئیں۔

دو چار دن کسی طرح بے چینی سے گزارے پھر مسعود کو حیدر آباد روانہ کیا۔ مسعود حیدر آباد سے آیا تو بہت ناراض تھا۔

"آپ نے وہاں کیا دیکھا تھا جو میری بہن کو وہاں رخصت کر دیا۔"

"تمہاری بہن۔" وہ زیر لب ہی کہہ سکیں منصور کے بعد وہ جیسے بزدل سی ہو گئی تھیں ورنہ پہلے کبھی انہوں نے کسی کے کہنے سننے کی کہاں پروا کی تھی۔

پھر جانے کتنے عذاب انہیں جھیلنے پڑے مگر وہ وہاں جا کر شنو کو لے ہی آئیں ــــ بیمار اور نڈھال سی شنو کو دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ شنو اتنی ڈری، سہمی سی تھی کہ رات کو سوتے ــــ سے اٹھ کر رونے لگتی۔ ادھر ادھر خلا میں خالی خالی نظروں سے دیر تک دیکھتی رہتی۔ وہ جسمانی اذیتوں کے نشانات تو چھپائے تھی مگر ذہنی اذیت نے اسے نارمل نہیں رہنے دیا تھا۔ طاہرہ نے اپنے دل کو سنبھالا حالانکہ بچی کی حالت نے ان کے ہاتھ پاؤں ہی نہیں پھلائے تھے دل بھی جیسے بے قابو کر دیا تھا مگر انہوں نے خود کو سنبھال کر اس کا علاج کروایا اور بڑی مشکل سے اسے اس درندے کے چنگل سے چھڑانے اور خلع لینے میں کامیاب ہوئیں وہ حیران تھیں کہ شکل سے معصوم سا نظر آنے والا ثاقب ذہنی مریض تھا اور وہ جسمانی اور ذہنی اذیت سے شہناز کو ٹارچر کرنے میں بہت ماہر تھا جس میں اسے اپنے خاندان کی پوری معاونت حاصل تھی انہوں نے ماں ہونے کا حق ادا کر

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے
خوبصورت سرورق
مضبوط جلد
آفسٹ چھپائی
قیمت: -/750 روپے
ڈاک خرچ: -/30 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

دیا اور اپنی محبت اور محنت سے اسے پھر سے زندگی کی راہوں پر گامزن کیا۔

حالانکہ انہیں لوگوں کے طعنے بھی سننے پڑے ہر جگہ ایک ہی بات کہ ماں سوتیلی ہے مگر شہناز جانتی تھی کہ یہ ماں ہی ہے جو چھپر چھاؤں بنی ہوتی ہے وہ ایک خراب دنیا قریب سے دیکھ کر آئی تھی اسے اپنے گھر کی چھوٹی سی دنیا بہت اچھی لگتی تھی۔ طاہرہ اپنی تقدیر کے آگے یوں سینہ سپر ہوئیں کہ مشکل کو بھی زیر کر کے رکھ دیا پھر لوگوں کی زبانوں کو بھی قرار آ ہی گیا۔

شہناز کے تجربے نے انہیں ڈرا دیا تھا پھر بھی سناز جوں ہی بڑی ہوئی انہوں نے اپنے قریبی سسرالی عزیزوں میں اس کی شادی کر دی۔ اسے شوہر اور سسرال اچھا ملا تو ان کے اندر گہرا اطمینان اور سکون اتر آیا۔ شہناز کی طرف سے فکر تھی مگر اس نے جاب کرنے اور آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ شادی کے لیے وہ بالکل تیار نہیں تھی۔

تب طاہرہ نے بیٹوں کے لیے لڑکیوں کا انتخاب شروع کیا مسعود کی خواہش پر بھابھی کے آگے دست سوال پھیلایا اور گوہر مراد پایا نوید کو انہوں نے اس کی ایک رشتے کی خالہ یعنی عارفہ (منصور کی پہلی بیوی) کی رشتہ کی بہن کی بیٹی سے بیاہا اور فیضان اور عدنان کے لیے وہ اپنے چھوٹے دیور کی بیٹیاں لے آئیں۔

گھر خوشیوں سے بھر گیا یہی تو وہ چاہتی تھیں ان کی محنت سے سینچے ہوئے ننھے ننھے پودے اب تناور درخت بن چکے تھے اور پھل دے رہے تھے پوتے، پوتیوں نواسے اور نواسیوں میں گھری وہ اپنے سب غم بھول چکی تھیں البتہ جب کبھی شہناز پر نظر پڑتی تھی تو آپ ہی آپ دل سے ایک آہ سی نکل جاتی تھی۔

وہ اب تھک رہی تھیں اس لیے ریٹائرمنٹ لے لی۔ بچے بھی یہی چاہتے تھے کہ اب وہ آرام کریں۔ شہناز ان کے ساتھ ساتھ رہتی تھی اور دونوں ماں بیٹی ایک ہی کمرہ شیئر کرتی تھیں۔ ان کے دکھ بیماری میں شہناز ان کا بہت خیال رکھتی تھی۔

طاہرہ سمجھ رہی تھیں کہ اب بساطِ زندگی لپیٹنے کا وقت قریب ہے۔ کوئی تعریف کرے نہ کرے وہ اکثر خود کو تھپکی دیتی تھیں کہ انہوں نے مشکل حالات میں بھی ضبط و برداشت سے کام لیا۔ صبر و شکر کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا اور آخر مشکلیں ہار ہی گئیں جیت بالآخر ان کی ہوئی مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔

مسعود اچانک ہی بیمار ہوا اور پھر جوں جوں دوا ہوتی گئی مرض بڑھتا ہی گیا ان کے سجدے طویل ہوتے گئے۔ وہ گڑگڑاتی رہیں مسعود کی زندگی کی بھیک مانگتی رہیں مگر مسعود اپنی حیات کم ہی لکھوا کر آیا تھا جبھی تو یوں بچوں، بیوی اور خود انہیں روتا چھوڑ کر چلا گیا۔ ساری زندگی مسعود سے ان کی پوری کوشش کے باوجود نہ بن پائی وہ سمجھتی تھیں کہ شہناز اور نوید کو تو ان کی قربانیوں کا احساس ہے مگر مسعود کو نہیں مگر جاتے جاتے مسعود نے جس طرح ان کا ہاتھ اٹھا کر اپنے لبوں سے لگایا تھا وہ اسی لمحے جان گئی تھیں کہ مسعود نہیں جا رہا ہے ان کی جان نکل رہی ہے۔

کوئی کسی کے ساتھ نہیں مرتا، مر بھی نہیں سکتا سب کو اپنی باری پر ہی جانا ہے سو وہ زندہ ہیں روز دل میں جہاں منصور کی یاد کے دیے جلاتی ہیں وہیں مسعود کی یاد بھی چپکے سے دامن پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

"امی آپ کیا مجھے بھول گئیں۔"

"نہیں میرے بیٹے تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔"

وہ اپنے آنسو پونچھتی ہیں اور دھندلائی ہوئی نظروں کے سامنے ... مسعود کی کتنی ہی تصویریں گزرنے لگتی ہیں۔ وہ یوں ہی اپنی یادوں میں دیر تک گم سوچتی رہتی ہیں کہ!

"کیا وہ سوتیلی ماں ہیں۔ بھلا ماں بھی کہیں سگی یا سوتیلی ہوتی ہے۔ ماں تو بس ماں ہی ہوتی ہے نا۔"

☼ ☼

ناولٹ

شگفتہ بھٹی

کشتۂ عافیت

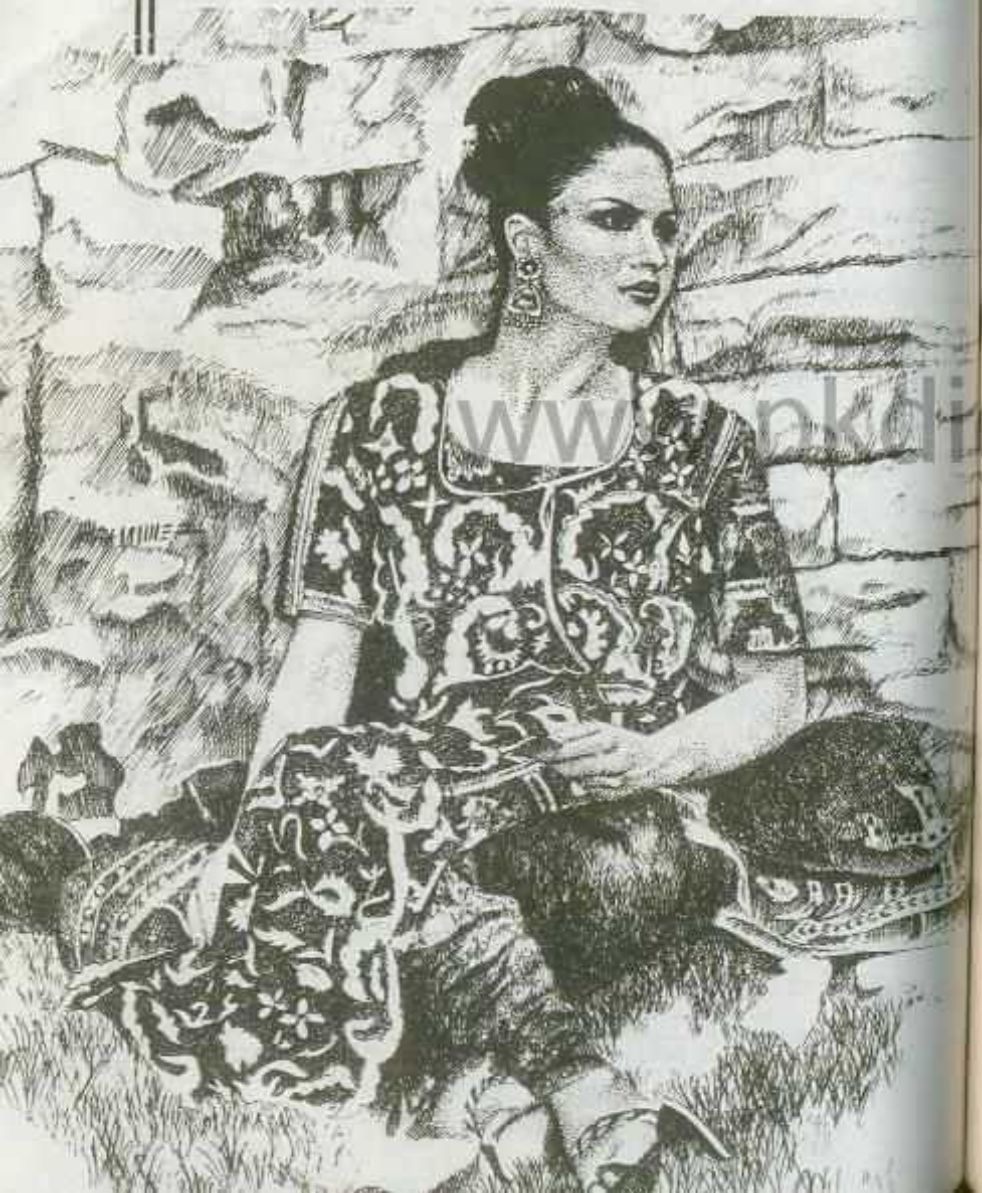

www.pkdigest.com

ہم پنڈال میں داخل ہوئے تو ہمارا شاندار استقبال کیا گیا وجیہہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ کنوپیوں کے اندر کا ماحول اتنا ماڈرن اور اتنا خواب آگیں تھا۔ مجھے خود یقین نہ آرہا تھا کہ یہ ایک گاؤں میں ہونے والا شادی کا فنکشن ہے۔

کنوپیوں میں تیز روشنیاں ہمارے پہلے قدم پر ہی بجھا دی گئی تھیں۔ اب پورے پنڈال میں سرخی مائل مدھم روشنی کا اک خمار تن چکا تھا۔ اسٹیج تک کے راستے پر دونوں طرف سے چھوٹے چھوٹے پٹاخے چھوٹتے اور ہمارے سروں پر تازہ گلاب کی پتیاں اور رنگین چمکیلی پتیوں کے لاتعداد چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی بارش ہونے لگتی۔ پورے پنڈال میں جگہ جگہ کھانے کی میزیں سجی ہوئی تھیں اور جہاں سے گزر کر ہم جا رہے تھے اس کے اطراف میں خوب صورت ماڈرن صوفوں کی قطاریں تھیں جن پر ایک سے ایک حسین چہرہ جلوہ افروز تھا۔ "باجی آگئے۔ ست بسم اللہ" ایک نازک اندام سی حسین لڑکی جوش سے آگے بڑھی اور اس نے وجیہہ کا بازو تھام لیا۔

"لاڈی! میرا شہزادہ! اج تے توچکاں مار دا پیا ایں۔" دوسری جانب کے پہلے صوفے سے ایک بڑی رعب دار عورت اٹھی اور وجیہہ کا ماتھا چومتی ہوئی بولی' اس نے اس طرف سے میرا بازو تھام لیا۔

"واہ! پسند تو تیری بڑی اعلا ہے۔ سوہنی جوڑی بنی ہے۔"

"چن تے چانی" والی مثال سچی ہوگئی۔" اس نے جھک کر سامنے سے میرا چہرہ دیکھا اور تعریف کرنے لگی۔

"باجی! آخر لاڈی کی چوائس ہے۔" وجیہہ بے حد خوش تھا۔

"ہاں باجی! یہ تو ہے۔ آپ کی پسند تو کبھی ماڑی (بری) ہوتی ہی نہیں' کیوں باجی؟" وہ خوب صورت سی لڑکی وجیہہ کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی۔

"بس کر۔ چپ رہ۔ ہر ویلے بولتی نہ رہا کر۔" وجیہہ نے اسے پیار سے آنکھیں دکھائیں۔ ہم دونوں چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ پھولوں کی پتیاں ہم پر نچھاور ہو رہی تھیں اور دونوں اطراف سے تعریف بھرے فقرے سننے کو مل رہے تھے۔ ایک بے حد مشہور نغمے کا میوزک دھیمے سروں میں مسلسل بج رہا تھا۔

اس خواب آفرین ماحول میں بڑا جادو تھا' بلکہ مجھے تو یہ سب جادو ہی لگ رہا تھا۔ ایک سحر انگیز خواب ہی معلوم ہو رہا تھا۔ ایسا خواب جس کے کبھی نہ ٹوٹنے کی دعا میرا دل ہولے ہولے مانگ رہا تھا۔

"اتنی پذیرائی' اتنی محبت' ایسا والہانہ استقبال۔" مجھے تو اس کی توقع نہ تھی' میرا تو خیال تھا کہ وجیہہ تو یوں بھی ایک زمیندار گھرانے کا چشم و چراغ ہے۔ یہ لوگ تو بے حد تنگ ذہن اور روایتی سے ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے ان کے ہاں مرد اپنی پسند اور مرضی سے شادیاں کر لیتے ہیں' لیکن ان بیویوں کو خاندان والے وہ اہمیت نہیں دیتے جو ان کی اپنی خاندان کی بہو' بیٹیوں کو نصیب ہوتی ہے۔ مگر میں تو بے حد خوش بخت ثابت ہوئی تھی۔ یہاں تو میرے استقبال میں شہزادیوں کے استقبال جیسا جوش اور پروٹوکول شامل تھا۔

"لاڈی تو مور بیاہ لایا ہے۔"

"لاڈی کی دلہن تو پری لگ رہی ہے۔"

"ہائے میرے اللہ! اتنی سوہنی۔"

"چل نی' چپ کر' نظر لگائے گی۔"

ہمارے اسٹیج تک آتے آتے ایسی ہی پذیرائی قدم قدم پر ہو۔

"آمیر ایتر۔ بسم اللہ کر۔" اسٹیج پر وجیہہ کی اماں پہلے سے موجود تھیں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر لاڈی کو اور دوسرے ہاتھ سے میرا ہاتھ تھام کے ہمیں اوپر چڑھایا۔

"نی اللہ وسائی' کتھے مر گئی ایں۔" جیسے ہی ہم اسٹیج پر پہنچے انہوں نے کسی کو قدرے غصے سے آواز دی۔

"جی بی بی جی۔" فوراً ہی ایک جوان سی عورت حاضر ہوگئی۔

"صدقے کا تھال لا۔" وہ ایک تحکم سے بولیں۔

"جی بی بی جی! یہ لیں۔" اس نے وہ تھال جو اس کے ہاتھ میں تھا آگے کر دیا۔

"لے میرے چن! ہاتھ لگا دے اسے۔ اور تو بھی۔" وجیہہ کی اماں نے اس تھال پر میرا اور وجیہہ کا ہاتھ رکھوایا۔

"جا لے جا۔ جا کر بخشو کو دے' ونڈ دے گا کیوں میں۔" انہوں نے اس تھال میں رکھے کپڑے اور روپے تقسیم کرنے کو کہا۔ جسے وہ فوراً ہی لے کر چلی گئی۔

ہم دونوں اسٹیج پر پڑے خوب صورت رنگین پیڑھوں پر بیٹھ چکے تھے۔ جن کی ساخت بالکل بادشاہی کرسیوں جیسی تھی۔ پورے پنڈال میں چاروں کونوں میں فل سائز ایل سی ڈی اسکرین نصب تھی۔ جس پر میری اور وجیہہ کی مختلف زاویوں سے لائیو ویڈیو چل رہی تھی۔ جسے اسٹیج کی بائیں جانب بیٹھے چند کیمرہ مین ایک بڑے ریوالونگ کیمرے سے بنا رہے تھے۔ میں نے چوری چوری ایک آدھ بار نظریں ادھر ادھر گھمائیں۔ میں ہر زاویے سے بے حد حسین دکھائی دے رہی تھی۔ میری ساس صاحبہ میرے ساتھ براجمان ہو چکی تھیں اور تقریباً" دس ہی منٹ کے بعد وجیہہ نے میرے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔ باہر مردانے میں یار دوست میرا انتظار کر رہے ہیں۔" پھر وہ رکا نہیں۔

"اماں جان! اب آپ اپنی نوں (بہو) کا خیال رکھیں۔ میں چلتا ہوں باہر۔" اس نے اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہا۔

"جا سوہنے جا۔ مرد ہر وقت بیویوں کے ساتھ جڑے بیٹھے اچھے نہیں لگتے۔" انہوں نے خاصی بلند آواز سے کہا اور ہاتھ پکڑ کے وجیہہ کو اٹھا کر وہاں خود بیٹھ گئیں۔

"اللہ وسائی۔" انہوں نے دوبارہ اللہ وسائی کو آواز دی۔

"جی بی بی صاب!" وہ دوبارہ کسی جن کی طرح حاضر ہوگئی۔

"ادھر کھڑی رہ اور تحفے اور لفافے لے کر رکھتی رہ لوگوں سے۔ دیکھ مجھے خود نہ پکڑنا پڑے' نہ ہی دلنشیں کو۔"

"دلنشیں؟" میرے کان کھڑے ہوگئے۔ اور پھر میں نے نوٹ کیا انہوں نے وہاں سب سے میرا تعارف اسی نام کے ساتھ کرایا۔

"دلنشیں۔۔۔ واہ! کیا نام ہے' اپنے نام کے مکمل معنی ہے آپ کی بہو تو۔" ایک بڑی ہی ماڈرن سی خاتون مجھے منہ دکھائی کا لفافہ دینے اسٹیج پر آئیں' تو اپنی ہیرے کی انگوٹھیوں والے ہاتھ سے میرے گال کو چھو کر میری تعریف کرنے لگیں' پھر میری ساس سے مخاطب ہوئیں۔ اس بار ان کے لہجے میں ذرا کاٹ تھی۔

"زینت بیگم! آپ کی بہو کے گھر والوں میں سے کوئی نظر نہیں آرہا۔"

"وہ۔۔۔ وہ سب تو لندن میں ہیں۔" زینت بیگم نے سفید جھوٹ بولا۔

"لن۔۔۔ دن۔۔۔ میں۔" وہ صاحبہ بھی چبا کر بولیں' حیرت اور طنز کے امتزاج کے ساتھ ان کے لبوں پر بڑی اداکارانہ مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ اب وہ میری دوسری جانب بیٹھ کر باقاعدہ زینت بیگم سے بات چیت کرنے لگی تھیں اور میں ان دونوں کی بناوٹ زدہ باتوں کے درمیان گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

"مسز فرخ! آپ کو تو پتا ہے نا لاڈی کوئی کورس کرنے لندن گیا ہوا تھا۔ وہیں پر یہ دونوں اکٹھے پڑھتے تھے۔ لاڈی کا دلنشیں پر دل آگیا۔ بس اس نے مجھے فون کر دیا۔ یہاں سے ہم لوگ چلے گئے اور وہاں پر ان کی شادی کر دی۔ ویسے ایک ولیمہ تو ہم نے وہاں لندن میں کر دیا تھا۔ اب آپ کو پتا ہے نا۔ یہاں اپنی برادری اور میل ملاپ بھی تو ہے۔ پھر میرے لاڈی کی شادی تھی۔ سب کو دعوت تو دینی ہی تھی۔"

زینت بیگم نے میرے بازو پر ہلکی سی چٹکی لیتے ہوئے اوپر تلے جھوٹ بولے۔ پھر بھی میں نہ تو چٹکی کی چبھن پر "سی" کر سکی اور نہ ہی اپنے دل دکھنے پر کہ مجھے تو جھوٹ بولنے والے اچھے ہی نہ لگتے تھے۔ یہی بات تو

www.pkdigest.com

میری ماما نے میری گھٹی میں ڈال دی تھی کہ حقیقت جتنی بھی تکلیف دہ ہو' سچ کیسا بھی کڑوا ہو۔ خواہ اپنی جان جانے کا خوف ہو یا عزت گھٹنے کا۔ مگر بولنا سچ ہی چاہیے۔ تبھی تو میں نے بھی وجیہہ کے معاملے میں ماما سے کوئی جھوٹ نہ بولا تھا۔ حتیٰ کہ ان کے سامنے کھڑی ہو کر اور ان کی آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر کے چھوڑ آئی۔ مگر جھوٹ کا سہارا نہ لیا۔

"تو! میری ماما!" اب جو میرے لبوں سے "سی" نکلی اسے میں ضبط نہ کر سکی کہ یہ چٹکی تو خود میری انگلیوں نے میرے دل پر بھری تھی۔

"میری ماما! اور یہ وجیہہ کی اماں۔" میں نے ذرا سی ترچھی نظر سے زینت بیگم کو دیکھا تو وہ مجھے خود سے کوسوں دور بیٹھی معلوم ہوئیں۔

"اماں! اب کیا آپ ہی بھرجائی کے ساتھ بیٹھی رہو گی یا ہماری باری بھی آئے گی۔" کچھ دیر کے بعد وہی لڑکی آ کر ماں سے لاڈ سے بولی۔

"آؤ نا' تم بیٹھو' یہ لو اپنی بھرجائی سے باتیں کرو' میں ذرا مہمانوں کو دیکھوں۔" وہ مسکراتی ہوئی اٹھیں۔

"دلنشیں! یہ تمہاری چھوٹی نند ہے صنوبار یہ" اور وہ' وہ' جو بلیک کیپری پر کلمدار گاؤن والی ہے نا' وہ' وہ دیکھو ایل سی ڈی اسکرین پر جس کا کلوز اپ آ رہا ہے اس وقت۔" زینت بیگم نے پہلے میری توجہ اشارے سے سامنے ذرا فاصلے پر کسی سے باتیں کرتی ہوئی اس لڑکی کی طرف کروائی جس نے پنڈال میں داخل ہوتے ہی وجیہہ کے بازو کو تھاما تھا۔ پھر ایل سی ڈی اسکرین کی طرف اشارہ کر کے مجھے بتایا۔

"وہ زویا ہے اس سے بڑی' یہ دونوں تمہاری نندیں ہیں اور ہاں ایک دیور بھی ہے تمہارا' تیمور' تیمی' آ جائے گا وہ بھی ابھی۔" انہوں نے مجھے ساری تفصیل بتائی اور صنوبار یہ کو میرے ساتھ بٹھا کر خود بڑے نخرے سے اسٹیج سے اتر گئیں۔

"اوہ مائی گاڈ! دلنشیں بھابھی! آپ کتنی آفت لگ رہی ہیں۔" صنوبار یہ نے میرے ساتھ چپکتے ہوئے اپنے حلق سے انگریزی تلفظ کی بگڑی ہوئی آواز نکالی۔

"جی شکریہ۔" میں نے مسکرا کر مختصراً کہا۔

"اللہ وسائی!" اس نے بھی بیٹھتے ہی اللہ وسائی کو آواز دی' جس کے ساتھ کھڑی ایک اور عورت تحائف اور لفافے سمیٹنے میں اس کی مدد کر رہی تھی۔

"جی صنوبی بی بی!" وہ فوراً" کارنش بجانے کے انداز میں جھکی۔

"اس بختاں کو بولو جا کر ذرا اس ویڈیو بنانے والے سے کہے میں بھرجائی کے ساتھ بیٹھی ہوں' میرے اچھے اچھے پوز اسکرین پر دکھائے۔"

اس نے اللہ وسائی کو سرگوشی کے انداز میں ہدایات دیں اور خود اپنا آپ درست کرنے لگی۔ خاص طور پر اس نے اپنا دوپٹہ گلے سے ہٹا کر کندھے کے ایک طرف لٹکایا اور ذرا تن کے بیٹھ گئی۔ اللہ وسائی کے ہونٹ فوراً" ہی بختاں کے کانوں سے لگے اور بختاں نے بجلی کی سی تیزی سے ویڈیو آپریٹر تک یہ اطلاع پہنچائی' جس پر ویڈیو آپریٹر نے مسکراتے ہوئے کیمرہ کا زوم صنوبی پر فٹ کر دیا۔ اب چاروں طرف صنوبی کے مختلف پوز نظر آ رہے تھے۔ وہ اچھی پیاری سی لڑکی تھی۔ مجھے اس کا یہ انداز بالکل فطری ہی لگا' جیسے ایک نوجوان لڑکی (جو کہ خوب صورت بھی ہو) کو توجہ حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے کہ سب اسے ہی دیکھیں' اسی کی تعریف کریں۔

"صنوبی! تم بہت پیاری ہو۔ ریئلی لکنگ پریٹی۔" میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے سے کہا تو وہ بے حد خوش ہو گئی۔

"لاڈی باجی تو واقعی ہمارے لیے چاند جیسی بھرجائی لائے ہیں۔" وہ میرے ساتھ اور بھی جڑ گئی' اور میں مسکرا دی۔

پھر کھانا شروع ہو گیا۔ لوگ مجھ سے ہٹ کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اللہ وسائی اور بختاں نے وہاں موجود بیروں کی مدد سے میرے سامنے کی میز پر بھی کھانا چنوانے کی کوشش کی۔ مگر میں نے منع کر دیا۔ جس پر ایک اور ——— اونچی لمبی خاتون اپنی ساڑھی سنبھالتی ہوئیں اسٹیج پر آ کر ذرا پوچھنے والے

انداز میں بولیں۔

"کیا بات ہے دلنشیں! کھانا کیوں منع کر دیا۔" وہ خاتون پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی اپنے ساتھ بیٹھی ویسے ہی نخروں والیوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں' اسٹیج پر میرے قریب نہ آئی تھیں' البتہ کئی بار میں نے صنوبی اور زویا کو ان کے ساتھ جھک کر باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

"جی۔ وہ میں یہاں سب کے سامنے کھا نہیں پاؤں گی۔" میں نے بغیر کسی جھجک کے سچ کہا کہ جھوٹ اور بناوٹ کی مجھے تو عادت تھی ہی نہیں۔

"رہنے دیں نا مما' بھرجائی اپنے کمرے میں جا کر کھا لیں گی۔" صنوبی نے میری حمایت میں کہا۔

"مما؟" بے ساختہ میرے لبوں سے نکلا۔

"او ہاں! دلنشیں بھرجائی! یہ میری مما ہیں بلکہ میری' زارا اور تیمی کی مما' اور لاڈی بھائی کی چھوٹی مما۔" صنوبی نے ان کا مکمل تعارف مجھ سے کروایا۔

"یعنی وجیہہ کی سوتیلی ماں۔" میرے ذہن میں ایک انجانی سی چبھن انہیں دیکھتے ہی جو ہوئی تھی یہ اس کا مطلب تھا۔ اف میری چھٹی حس۔ میں نے اپنی چھٹی حس کو ذرا سا جھڑکا جو بے حد تیز تھی اور مجھے بہت کچھ دوسروں کے بارے میں پہلے سے بتا دیا کرتی تھی۔

"مرضی ہے اس کی۔ لیکن اگر یہ سوچ رہی ہے کہ آج لاڈی اس کے ساتھ کھانا کھائے گا تو یہ بھول جائے۔ آج تو لاڈی زنانے میں آئے گا ہی نہیں۔ اس کے یار' دوستوں نے محفل سجائی ہے۔ پتا نہیں کہاں کہاں سے تو وہ انجوائے منٹ کے۔۔۔"

"مما! وہ کرنل صاحب کی مسز آپ کو بلا رہی ہیں۔" صنوبی نے اپنی ماں کی بات پوری ہی نہ ہونے دی اور انہیں دوسری طرف متوجہ کر دیا۔

"ہاں۔۔۔ وہ بیگم کرنل محی الدین۔ اور وہ ان کے ساتھ ایم این اے ضیاء بخاری کی مسز اور وہ۔۔۔" وہ بڑی ادا سے اپنی ساری سہیلیوں کے شوہروں کے نام اور مقام بتانے لگیں۔ اور پھر اسٹیج سے اتر گئیں یہ کہتی ہوئی۔

"صنوبی! بتا دینا لاڈی کو میں نے اس کی بیوی کو کھانے کا پوچھا تھا۔" وہ مجھے "بیوی" کہتے ہوئے جانے کیوں طنز سے مسکرائیں اور جانے مجھ پر کیا جتا کر گئیں' مجھے کچھ سمجھ نہ آئی۔ میرا دل تو وجیہہ کے آج رات زنانے میں نہ آنے کا سن کر ہی اداس ہو گیا تھا۔ پھر کون کون اسٹیج پر آ کر میرے ساتھ بیٹھتا رہا۔ تصویریں اور مووی بنواتا رہا۔ میری کتنی تعریف کرتا رہا۔ اور پھر کب وہاں صنوبی اور زویا نے بھائی کے ولیمہ پر لڈی ڈالی۔ اور ان پر ان کی دونوں ماؤں نے کتنے گڑ کڑاتے ہوئے نوٹ وار وار کر صدقہ کیے مجھے کچھ پتا نہیں چل سکا کیونکہ میرا دل اور دماغ تو وجیہہ کی طرف الجھا ہوا تھا۔ دراصل پچھلی دو راتیں میرے لیے زندگی کے دو خوبصورت سالوں جیسی گزری تھیں جن کے ایک لمحے میں بھی وجیہہ مجھ سے الگ نہ ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اس کی باتیں مجھے واقعی پریوں کے دیس میں لے گئی تھیں اور آج تیسری ہی رات اس کی طرف سے ہجر کا پیغام آ گیا تھا جو میرے لیے خاصا سوہان روح تھا۔ وہ نہیں تھا تو یہ سارے پنڈال کی پذیرائی میرے لیے پھیکی اور بے معنی تھی اور وہ آج دیکھنے والا نہیں تھا تو یہ سارا اسٹھار بے کار تھا۔ مجھے ایک دم سے سب برا لگنے لگا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ جاؤں' وہاں جہاں اس وقت وجیہہ موجود تھا۔ پتا نہیں کیوں یہ ماحول اور یہ سارے لوگ مجھے اپنے نہ لگ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

کوئی رات کے ڈیڑھ بجے مجھے پنڈال سے میرے کمرے تک لایا گیا۔ عجیب بات جو آج ہی میرے ساتھ ہوئی اور مجھے اس کے ہونے سے یہ بھی سمجھ آ گئی کہ یہاں کے لوگ کس فطرت کے ہیں' وہ یہ ہوئی کہ مہمانوں کے رخصت ہوتے ہی وجیہہ کی اماں زینت بیگم نے اللہ وسائی کو آواز لگائی۔ اسے وہ سارے تحائف اور لفافے اپنے کمرے میں پہنچانے کا حکم دیا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیں۔

www.pkdigest.com

"دلنشیں کو اس کے کمرے میں چھوڑ آنا' میں تو بہت تھک گئی ہوں۔" ان کے جانے کے بعد باقی سب بھی ایک ایک کرکے رخصت ہوگئے۔ زویا اور اس کی مما نے ویسے بھی مجھے کوئی خاص لفٹ نہ کرائی تھی' اس لیے وہ بھی دور سے ہی ٹاٹا بائے بائے کرتی ہوئی چلی گئیں۔ اسٹیج سونا ہوگیا۔ بیرے کھانے کے جھوٹے برتن سمیٹنے لگے۔ ویڈیو آپریٹر اپنے آلات باندھنے لگا اور ڈیکوریشن والے آکر ارد گرد کے گلدستے اور لائٹس ہٹانے لگے۔ مجھے اس وقت بے حد شرمندگی سی محسوس ہورہی تھی۔ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مصروف تھا اور میں جو دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی تھی اس سے لاتعلق۔ مجھے لگا بس میرا کردار یہاں تک کے شارٹ میں ختم ہوگیا ہے۔ میں نے یہ شارٹ اچھا دے دیا تھا' اس کی شاباشی سارے مہمان مجھے دے کر جاچکے تھے اور اب وہ سارے لوگ جو اس ڈرامے کے کردار تھے۔ ہدایت کار تھے یا کیمرہ مین و سیٹ ڈیزائنر وغیرہ۔ سب تھک چکے تھے۔ اب تو پیک اپ ہورہا تھا جس کا اشارہ زینت بیگم دے گئی تھیں۔

"آؤ بھرجائی! میں آپ کو آپ کے کمرے میں چھوڑ آؤں۔"

بالآخر صنوبی کو میرا خیال آہی گیا اور وہ مجھے وہاں سے لے جانے کے لیے آگئی ورنہ تو میرے جی میں یہ خیال بھی آنا شروع ہوگئے تھے کہ کہیں کسی کونے سے میرے لیے یہ آواز ہی نہ آجائے کہ دلنشیں بی بی اب اٹھو اور اپنے کمرے میں جاؤ۔ لیکن اللہ کا شکر کہ ایسا نہ ہوا تھا۔

"دیکھ کے بھرجائی۔۔۔ سنبھل کے۔۔۔" اسٹیج پر سے اترتے وقت میرا پاؤں مڑا تو صنوبی نے مجھے سنبھالا۔ میں اس کا ہاتھ تھام کے نیچے اتری۔ وہ مجھے باہر کھڑی ایک پجارو تک لائی تھی۔

"بسم اللہ کراں۔۔۔ سلام آکھاں بھرجائی۔۔۔" ایک بالکل وجیہہ جیسے شخص نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ بڑی بے تکلفی سے تھام لیا اور میرے لیے گاڑی کا دروازہ ٹھیک اسی انداز میں کھولا جیسا کہ وجیہہ کھولتا تھا۔ ایک لمحے کو تو میں چکرا ہی گئی۔ مجھے لگا وجیہہ ہی مجھ سے شرارت کررہا ہے لیکن جب وہ میرے لیے دروازہ کھول رہا تھا تو میں نے دیکھا اس کا قد اتنا بلند نہ تھا جتنا کہ میرے وجیہہ کا تھا۔

"تیمی باجی۔۔۔ ابھی رکو بختاں نے بھی آنا ہے۔" میرے وہم کو یقین میں صنوبی نے فوراً ہی یہ کہہ کر بدل دیا تھا۔

"بختاں کو لے کر جانا میری ذمہ داری ہے کیا؟ خود ہی آتی رہے گی۔" وہ قدرے بدتمیزی سے بولا اور اس نے دوسری جانب سے آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"باجی۔۔۔ وہ کس کے ساتھ آئے گی' سب جاچکے ہیں۔" صنوبی منمنائی تو وہ اس پر احسان کرتا ہوا بولا۔

"آج تو لے جاتا ہوں پر یہ کمی کمین میری گاڑی میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں۔"

اس نے بمشکل دو منٹ انتظار کیا اور جب بختاں ہانپتی ہوئی آئی تو اسے جھاڑتا ہوا بولا۔

"کتنے مرگئی تھی میں تیرے باپ کا نوکر ہوں کیا؟"

"نہیں جی ہمارے مائی باپ آپ۔۔۔ وڈیروں کے نوکر تھے اور ہم کمی آپ کے نوکر ہیں۔ معافی دے دو جی۔۔۔" وہ بے چاری مارے شرم کی زمین میں گڑی جارہی تھی۔

"چل چل بکواس نہ کر۔۔۔ اندر بیٹھ۔"

تیمور نے اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کی طرف دیکھے بغیر حقارت سے کہا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے بلکہ صد شکر ہے کہ میرا وجیہہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو ان میں سے لگتا ہی نہیں۔ اتنا بااخلاق' باادب اور تعلیم یافتہ۔ دراصل ان لوگوں میں تعلیم کی کمی بھی ہے نا۔"

"میں بھرجائی کو اپنا تعارف تو کرادوں۔" وہ میری طرف جھکتا ہوا بولا۔

"آئی ایم تیمور پیرزادہ' ایم بی اے فرام لمز۔ اب میرا ارادہ UK جانے کا ہے۔" اس نے بڑی شستہ انگریزی اور پھر اردو میں اپنا تعارف کراتے ہوئے میری جانب مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا بالکل وجیہہ کی طرح۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" مجھے مسکرا کر کہنا پڑا لیکن میرا دل اندر سے پریشان ہوگیا تھا۔ یہ لوگ کس قسم کے ہیں' ان کے چہروں پر کتنے نقاب ہیں اور زویا کی مما فخر النساء۔۔۔ سب لوگ ایک جیسے تھے' کبھی اتنے پولشڈ کہ اعلا تعلیم یافتہ محسوس ہوں اور کبھی اتنے اجڈ کہ ان کی بولی بھی ان کے اندر کی طرح پیوند کاری ہوئی سنائی دیتی ہے۔ نہ اردو نہ پنجابی' خاص انداز میں اکھڑ اور جھٹکے مارتا ہوا عجیب سا تلفظ جس میں نری یا محبت نام کی کوئی چیز بھی شامل نہیں ہوتی اور کبھی اتنی تیکھی کہ اندر تک چبھتی چلی جائے۔

"کیا سوچنے لگیں بھابھی جان ہم لوگ ایسے ہی ہیں۔ محبت کریں تب بھی اگلے کی جان نکال لیں اور دشمنی پر آئیں تو بھی جان لے کر ہی چھوڑیں۔" اس نے مجھے کھویا ہوا پاکر مجھے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"اوہ میرے اللہ۔۔۔ یہ واقعی بڑے پراسرار لوگ ہیں' سب ہی کو دلوں کے حال چہروں پر دکھائی دے جاتے ہیں۔ وجیہہ بھی تو میری خاموشی کے جوابات دے کر مجھے حیران کردیا کرتا تھا۔"

"ویسے بھابھی نے اگر خاندان سے ٹکر لی ہے تو ٹھیک لی ہے۔ میں ان کی جگہ ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔" وہ ذومعنی الفاظ میں میری تعریف کررہا تھا جو مجھے اس کے منہ سے اچھی نہ لگی۔

"اچھا تو آپ کے شوق کیا کیا ہیں؟" وہ راستے میں ہی مجھ سے بے تکلف ہورہا تھا۔

"جی کچھ خاص نہیں' بس مجھے اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے اور اچھی موسیقی۔"

"اچھی موسیقی۔۔۔ واہ پھر تو ہماری خوب بنے گی۔" اس نے میری بات کا آخری لفظ میرے لبوں سے اچک کر بات پوری کی اور سی ڈی پلیئر آن کردیا راحت فتح علی خان کی پرسوز آواز اور اس کی گاڑی کا بہترین اسٹیریو۔ میرا موڈ بہت اپ سیٹ ہونے کے باوجود مجھے اچھا لگا۔

گم سم گم سم پیار دا موسم
بجاں دیر نہ لائیں۔۔۔

"آہ۔ کتنا بڑا امتحان ہے' لاڈی باجی کو آج تو یہ ظلم نہیں ڈھانا چاہیے تھا۔" وہ میری طرف گہری گہری نظروں سے دیکھتا ہوا گنگنانے لگا۔ مجھے اس وقت اس سے عجیب سی وحشت ہونے لگی۔

"صنوبی! گھر کتنی دور ہے؟" میں نے پیچھے بیٹھی صنوبی سے پوچھا۔

"گھر جاکر کیا کریں گی بھرجائی۔۔۔ اچھا ہے آج کی رات اسی گاڑی میں لونگ ڈرائیو کرتے ہوئے گزار دیں۔" وہ بار بار مجھے احساس دلانے کی کوشش کررہا تھا کہ آج وجیہہ گھر نہیں آئے گا اور مجھے یہ رات تنہائی میں گزارنی ہوگی۔

"کیوں باجی! کیا آپ محفل موسیقی میں نہیں جائیں گے۔" صنوبی نے اپنے بھائی کو یاد دلانے والے انداز میں پوچھا۔

"میں یہ پروگرام اپنی بھرجائی کے نام پر مس کرنے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ بھرجائی ہم سے باتیں کرے۔" وہ پھر مجھ سے مخاطب تھا۔

"لیں جی ہمارے تو دونوں بھائی ہی گئے کام سے۔" صنوبی نے ہنستے ہوئے اپنے طور پر تو مذاق ہی کیا تھا مگر مجھے یہ بات بہت بری لگی لیکن یہاں میری مجبوری یہ تھی کہ میں اسے کچھ کہہ نہ سکی۔ اتنے میں گاڑی کے بریک چرچرائے اور اس نے ایک دم سے بریک لگا کر گاڑی کو روکا جس سے گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور میں باوجود کوشش کے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور تیمور پر گرنے کے انداز میں ٹکرا گئی۔

"بسم اللہ آکھاں۔۔۔" اس نے مجھے دونوں کندھوں سے تھام کے سنبھالا اور مسکراتے ہوئے نرمی سے چھوڑ دیا۔

"تیمی کبھی آپ کو گرنے نہ دے گا' آزما کر دیکھ لیجیے گا۔"

گاڑی رکی تو سب سے پہلے بختاں تیزی سے اتری اور اس نے گاڑی کے اگلے پچھلے دروازے کھولے۔

www.pkdigest.com

اس سے پہلے کہ وہ میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے نیچے اتارتی تیمور نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آؤ بھرجائی! اللہ کا نام لے کر اپنے گھر میں پیر دھرو۔ لاڈی پاجی کے آدھے کام میرے ہی ذمے ہوتے ہیں۔ لگتا ہے آپ کی ذمہ داری بھی بٹانی پڑے گی۔" وہ جب سے ملا تھا ایسی ہی باتیں کر رہا تھا اور باز ہی نہ آرہا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"تھینک یو تیمی! مجھے سہاروں کی عادت نہیں۔ میری ماں نے مجھے اعتماد سے جینا سکھایا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میرے منہ سے نکل گیا۔

"ویری گڈ مجھے بااعتماد لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ لائیک یو۔" اس نے ذرا بھی برا نہ منایا اور مجھے پھر بھی سہارا دے کر اندر تک لے آیا۔ یہ ایک خاصی بڑی حویلی تھی جس کی کئی راہداریوں سے گزر کر ہم ایک کمرے کے سامنے کھڑے تھے۔

"یہ ہے آپ کا کمرہ۔ میرا مطلب ہے حجلہ عروسی۔" وہ اب میرا ہاتھ چھوڑ کے دروازے کی چوکھٹ پر راستہ روک کے کھڑا ہو گیا' جہاں کچھ ہی لمحوں میں زینت بیگم' اللہ وسائی اور زویا بھی آگئیں۔

"بڑی دیر لگادی تیمی تو نے۔۔۔ دیکھ تو سہی کیا ویلا ہو گیا۔ بس پوچھنے ہی والی ہے۔" زینت بیگم نے ایک لمبی سی جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"آجائی اللہ وسائی۔۔۔ کتنے مرگئی۔۔۔" انہوں نے پھر اللہ وسائی کو پکارا۔ مجھے لگ رہا تھا اللہ وسائی کے بغیر تو وہ نوالہ بھی توڑ کے اپنے منہ میں نہ ڈالتی ہوں گی۔

"جی بی بی۔۔۔" اللہ وسائی سرسوں کا تیل لیے کھڑی تھی جسے زینت بیگم نے اس کے ہاتھ سے لے کر میرے کمرے کی چوکھٹ پر ڈالا۔ میں یہ سب بہت ہی حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ یہ سب کیا تھا' ہمارے گھر میں تو ایسی باتوں ایسی رسموں کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ میں نے اپنے خاندان کی کئی شادیاں دیکھی تھیں' کبھی کسی نے یہ کچھ نہ کیا تھا جو یہاں ہو رہا تھا۔

"بسم اللہ کر کے سیدھا پیر اندر رکھ۔ اللہ کرے تو میرے لاڈی کے لیے خوش بخت ہو۔" زینت بیگم نے مجھے گم سم دیکھ کر زبردستی پکڑ کر مجھے اندر دھکیلنے کی کوشش کی تو میں نے بغیر کچھ پوچھے اپنا دایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ اب اور آگے نہیں۔" تیمور نے پھر سے میرے سامنے کھڑے ہو کر اپنے دونوں بازو پھیلا دیے۔

"ہٹو تیمی! یہ ہمارا حق ہے تمہارا نہیں۔" زویا نے بھائی کے بازو نیچے کیے اور خود اس کی جگہ پر آگئی۔ میں اب بھی حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"چلو دلنشیں بھرجائی! نیگ نکالو پھر بیچ تک جانے دیں گے۔" وہ اپنا ہاتھ آگے کیے نیگ مانگ رہی تھی جس کا مجھے واقعی علم نہ تھا کہ کیا ہوتا ہے۔

"بھئی ان بچیوں کو کچھ دے دلا کر فارغ کریں' میرا مطلب ہے کوئی رقم یا تحفہ۔" تیمی نے میرے کان میں سرگوشی کر کے مجھے نیگ کا مطلب سمجھایا تو میں نے اسے پہلی بار شکریے کی نظر سے دیکھا اور اپنا پرس کھولا۔

"نہ۔۔۔ نہ بھرجائی یہ نہیں۔۔۔ پیسے بہت ہیں میرے پرس میں۔ ہو سکتا ہے آپ سے زیادہ ہی ہوں اس وقت۔" وہ تنک کر بولی۔

"تو پھر۔ جلدی کرو۔۔۔ بولو۔" میری جگہ تیمی نے اس سے پوچھا۔

"پاجی! آپ کا معاملہ نہیں ہے' آپ بیچ میں نہ آؤ۔" اس بار صوبی مجھے چھوڑ کے اپنی بہن کے ساتھ تھی۔

"واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ تم دو اور دلنشیں اکیلی۔" وہ میرے ہی ساتھ تھا۔

"بولو۔ بولو۔ کیا چاہیے؟" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

"مجھے تو وہ چاہیے۔" زویا نے بڑی بے تکلفی سے میرے گلے کی طرف انگلی کر کے کہا۔ میں سمجھی یہ وہ جڑاؤ ہار مانگ رہی ہے جسے دو دن پہلے وہ پار لر والی علینا للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ۔۔۔" میرا ہاتھ اس ہار پر اور میرا دل حلق میں

آپڑا۔ پتا نہیں کیوں مجھے خود یہ ہار بہت پسند آگیا تھا۔

"نہ۔۔۔ نہ۔۔۔ یہ۔۔۔ نہیں ایسے تو ہم سب کے پاس ہیں۔ مجھے تو یہ چاہیے۔" وہ قریب آکر میرے گلے میں پڑے ہوئے اس نازک سے ڈائمنڈ کے لاکٹ کو چھوتی ہوئی بولی۔ "یہ چاہیے۔"

"یہ۔۔۔؟" میرا حلق میں پڑا دل دوبارہ سے میرے سینے میں گرا اور ڈوب گیا۔

"یہ تو وجیہہ نے مجھے گفٹ کیا ہے۔" میری مری مری سی آواز نکلی۔

"لاڈی پاجی آپ کو پھر لادیں گے۔ پریشانی کیا ہے۔" وہ زبردستی میرے گلے سے وہ لاکٹ اتارنے کو تیار تھی۔

"زویا۔۔۔ بدتمیزی مت کرو۔" تیمور نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ روکا۔

"مجھے یہی پسند ہے اور نیگ میں اپنی پسند کی چیز لیتے ہیں۔" وہ منہ بسورنے لگی۔ حالانکہ عام طور پر میں کبھی اپنی کوئی چیز کسی دوسرے کو یوں دیا نہیں کرتی تھی جو میری فیورٹ ہوتی مگر اس وقت موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے میں نے وہ لاکٹ اتار کے اسے دے دیا۔

"او سو سویٹ بھرجائی! آپ کا دل تو لاڈی پاجی جیسا ہے۔" زویا نے وہ لاکٹ ندیدوں کی طرح اپنے گلے میں ڈالا اور پرے ہو گئی۔ اب میں صوبی کی طرف دیکھ رہی تھی کہ جانے وہ کیا مانگ لے۔ اس نے کچھ دیر مجھے ناپنے تولنے والے انداز میں دیکھا اور پھر ہنس کے بولی۔

"میرا نیگ میری بھرجائی کی مرضی کا۔ جو چاہے دے دیں۔" وہ میرے سامنے اپنی ہتھیلی پھیلا کے کھڑی پیار سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنا پرس بغیر کھولے اس کے ہاتھ میں دے دیا جس پر اس نے وہ پرس کھول کر اس میں سے چند ہزار روپے نکالے اور پرس واپس مجھے دے دیا یہ کہتے ہوئے۔

"بھرجائی! یہ تو رسمیں ہوتی ہیں ورنہ پیسوں کا کیا ہے۔" اس نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور مجھے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"چلو بھئی اب ہٹو' اب میری باری ہے۔ کمال ہے سب نے اپنا اپنا نیگ لے لیا' میں اکلوتا دیور ہوں' میرا بھی تو حق ہے۔"

اس بار تیمور تالی بجا کر انہیں ہٹاتا ہوا آگے آگیا۔

"یا اللہ خیر۔" میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"چلو بھرجائی! اپنا گوڈا (گھٹنا) سیدھا کرو۔" وہ بے تکلفی سے میری طرف بڑھا تو میری جان ہی نکل گئی۔ اب کون سی رسم رہ گئی ہے؟

"دلنشیں! دیور کو گھٹنے پر بیٹھنے دو۔" زینت بیگم نے آگے بڑھ کر باقاعدہ میرا گھٹنا سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

"اتنی بے شرمی کی رسم۔۔۔" میں نے حیا سے سمٹتے ہوئے اپنا گھٹنا چھڑانے کی کوشش کرنی چاہی۔

"آپ۔۔۔ آپ یہ رسم رہنے دیں' میں نیگ ایسے ہی دے دیتی ہوں۔"

"یہ رسمیں ہماری خاندانی ہیں اور بچوں کے نیگ ان کا حق اور شگون ہوتے ہیں۔ کوئی روپوں کا لالچ نہیں ہوتا بیگم صاحبہ!" فخر النساء بھی اپنے لمبے بالوں کا جوڑا کستی ہوئی آگئیں۔

"یہ سب تو ہمارے مذہب میں جائز نہیں ہے۔ رسمیں' شگون۔۔۔ یہ سب گناہ ہے' شرک ہے۔" نادانستہ ہی میرے منہ سے نکل گیا۔

"اچھا۔۔۔ تو یہ سب کیا ہے جو تم نے کیا؟" انہوں نے ایک دم ہی پینترا بدلا اور بڑے ہی کاٹ دار لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئیں۔

"چھوڑیں نا مما! آپ کیا لے کر بیٹھ گئیں۔" تیمور نے آگے بڑھ کر اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"ویسے بھی میں اتنا شیر جوان اور بھرجائی کا یہ اتنا سا گھٹنا' کہیں کچھ ہو گیا تو لاڈی پاجی کو کون جواب دے گا۔" وہ میرا بچاؤ کر رہا تھا مگر فخر النساء جو کہنا چاہتی تھیں' وہ کہہ کر ہی باز آئیں۔

"نہ توبہ ہے' یہ عورتوں کی باتیں ہیں' ہمارے خاندان کے رواج ہیں۔ یہ دو دن کی آئی ہمیں سکھائے گی کہ کیا سنت ہے کیا ثواب۔"

www.pkdigest.com

انہوں نے تیمور کی ایک نہ مانی۔

"چل بیٹھ تو اس کے گھٹنے پر۔ رسم پوری کر۔" وہ تو باقاعدہ لڑنے کو تیار تھیں۔ تیمور آگے بڑھ کر میرے سامنے بیٹھ گیا اور اس نے اپنا ایک ہاتھ میرے گھٹنے پر رکھ دیا۔ بیٹھا وہ پھر بھی نہیں۔

"لاؤ بھرجائی میرا نیگ دو۔" وہ مجھے مسکرا کر دیکھتا ہوا محبت سے اپنا ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔

"کک۔ کک۔ کیا لو گے؟" میرے خشک حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔ میری تو آواز بھی گھٹ چکی تھی۔ مارے ندامت اور غیرت کے میں تو اس وقت ان سب کے سامنے آنکھیں اٹھانے کے لائق نہ رہی تھی۔

"مجھے تو بس آپ کی کلیکشن سے کچھ چاہیے۔ کوئی اچھی سی کتاب جو آپ کی فیورٹ ہو۔" وہ اسی نرمی سے بولا۔

"پاجی! یہ کیا۔ آپ کے پاس کیا کتابوں کی کمی ہے۔ الماریاں کی الماریاں بھری پڑی ہیں۔" زویا نے پھر اپنی تند زبان کھولی۔

"آپ یہ لے لو یا پھر اس میں سے کچھ۔" میں چونکہ ان رواجوں کے متعلق زیادہ جانتی نہ تھی' اس لیے میں نے اپنے پرس میں سے روپے اور اپنے زیورات کی وہ زرین کام والی تھیلی اس کی طرف بڑھا دی جس میں کیا کیا کچھ موجود تھا' مجھے اس کی خبر بھی نہ تھی۔

"بی بی! زیادہ حاتم طائی بننے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو ہمارے ہی گھر کا ہے۔"

پتا نہیں کیوں فخر النساء مجھے ذلیل کیے جا رہے تھیں اور زینت بیگم بالکل خاموشی سے ایک طرف صوفے پر بیٹھی اللہ وسائی سے اپنے کندھے دبوا رہی تھیں۔

"اچھا مما! اب چپ کرو' بس بہت ہو گیا۔" ایک دم سے تیمور غصے میں آگیا۔

"حد ہوتی ہے وہ ابھی اپنے گھر میں داخل ہوئی ہے اور تم لوگوں نے ساس بہو والا تماشا کھڑا کر دیا۔" اب تیمی کھل کر میری حمایت میں اپنی ماں سے جھگڑ رہا تھا۔

"تیمی پاجی! آپ مما کے ساتھ بدتمیزی کر رہے ہیں۔" زویا نے بھائی کو جتلانا چاہا۔

"چپ کر مما کی چمچی۔۔۔ اور چل جا کر سو اپنے کمرے میں اور باقی سب بھی اٹھو' نہیں کرنے رواج رسمیں۔ گھنٹہ ہو گیا بکواس میں۔۔۔"

اب تیمور پیرزادہ اپنے پہلے والے روپ میں آچکا تھا' اس نے اپنا تہذیب یافتہ لبادہ اتار کے پرے پھینک دیا تھا۔ وہ تو اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ اتنا گرم ہو رہا تھا کہ دید لحاظ بھول گیا تھا۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پریشانی سے ٹھنڈے ہونے لگے۔

"تیمی پلیز۔۔۔" میں نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ملتجی نگاہوں سے اسے ایسا کرنے سے روکا۔

"اٹس آل رائٹ۔" وہ کچھ ٹھنڈا ہو کر زینت بیگم کے قریب صوفے پر جا بیٹھا۔

"لائیں سائیں! میں آپ کا سر دبا دوں۔" اللہ وسائی کو زینت بیگم نے ایک خاموش اشارہ کیا' وہ فٹ سے تیمور کا سر دبانے کو آگے بڑھی۔

"چھوڑ تو۔۔۔ پرے ہٹ۔۔۔ مر نہیں رہا میں۔" تیمور نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے پھر غصہ کیا تو وہ بے چاری سہم کر دور ہٹ گئی۔ میرے کمرے کا ماحول جو پہلے ہی فخر النساء کی آمد سے مکدر ہو چکا تھا اور بھی خراب ہو گیا۔

"چل نی اٹھ۔۔۔ ہو گئیں رسمیں۔۔۔ دفع ہو ادھر سے بلکہ ہم سارے ہی دفع ہو جاتے ہیں۔" فخر النساء نے نیچے بیٹھی بختاں کو ایک ٹھوکر خوامخواہ ہی رسید کی اور اپنی بیٹیوں کو چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی چل پڑیں۔

"چھوڑ دے یہ اس کا تحفہ۔ اور تو بھی۔۔۔ کیسے تحفے اور کیسے نیگ۔۔۔" انہوں نے زویا کے گلے سے لاکٹ گھسیٹا اور صغریٰ کے ہاتھ سے روپے اور انہیں میرے سامنے بیڈ پر پٹخ کے دے مارا۔

"ٹھیک ہی کہتے ہیں وڈو ڈیرے جو اپنے جن والوں کا نہ ہوا وہ کسی اور کا کیا ہو گا۔ کروا دیا نا سیاپا آتے

ہیں۔" وہ باقاعدہ میرے سامنے کھڑی ہو کر مجھے بڑا ہی سخت طعنہ دے کر گئیں اور میں زمین میں گڑ کر رہ گئی۔ ان کے پیچھے پیچھے ہی زینت بیگم اور اللہ وسائی بھی کمرے سے نکل گئیں۔

میں سر جھکائے بیٹھی اپنے ہاتھ موڑتی رہی اور میرے گالوں پر میرے آنسو پھیلتے رہے۔ یہ آنسو میں ضبط نہ کر پا رہی تھی۔ یہ اس درد کے بیچ میں بہنے والے آنسو تھے جو اس وقت میری نس نس میں بہہ رہا تھا جو فخر النساء کی زبان کے نشتروں کے لگنے سے ہو رہا تھا۔

"زبان کے زخم بے حد گہرے ہوتے ہیں۔ بہت تڑپاتے ہیں۔ ان کے گڑھے بھلے بھر جاتے ہوں مگر ان کے تو نشان بھی دھواں دیتے رہتے ہیں عمر بھر' اس لیے اپنی زبان کو ہمیشہ سنبھال کے استعمال کیا کرو۔"

ایک بار جب میں نے خاتون آپا کے ساتھ کچھ بدتمیزی کی تھی تو میری ماما نے مجھے کتنے پیار سے سمجھایا تھا۔ ان کی تب کی کہی ہوئی بات کا مطلب آج پوری طرح واضح ہو کر مجھ پر بیت رہا تھا۔

"ماما۔۔۔" میں نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچا مگر پھر بھی ایک سسکی "ماما" کہتے ہوئے نکل ہی گئی اور میرے آنسوؤں کے بہنے میں اور بھی روانی آگئی۔ تیمور چند لمحے تو بیٹھا مجھے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر یہ کہتا ہوا تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

"بھرجائی! کمرے کی کنڈی اندر سے لگا لینا' پالا ڈی کیا خبر کب آئے۔" اس کے جانے کے بعد میں مرے ہوئے قدموں سے اٹھی اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

☼ ☼ ☼

"ٹھک۔۔۔ ٹھک۔۔۔ ٹھک۔۔۔" کوئی کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ میں ہڑبڑا کے اٹھی اور بغیر کچھ بھی سوچے دروازہ کھول دیا۔

"سوری۔۔۔ سوری ڈارلنگ۔۔۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔۔۔" وجیہہ مسکراتا ہوا اندر آگیا۔

"وجیہہ! تم کہاں رہ گئے تھے۔" میں اسے اپنے سامنے پاتے ہی بے اختیار ہو گئی اور اس کے گلے سے لگ کر ہچکیاں لینے لگی۔

"ارے۔۔۔ رے۔۔۔ یہ کیا بھئی۔۔۔ یہ رونے دھونے کا پروگرام وہ بھی ابھی سے اور اس وقت۔" اس نے مجھے نرمی سے خود سے علیحدہ کیا اور بستر پر تقریباً گر سا گیا۔

"آجاؤ۔۔۔ آجاؤ۔۔۔ یار! میں بہت تھک گیا ہوں۔ میرا سر بھی درد سے پھٹا جا رہا ہے۔" وہ مجھے اپنی طرف بلاتا ہوا واقعی بے حد تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"وجیہہ تم۔۔۔" میں اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"شش۔۔۔ ش۔۔۔ دلنشیں نہ کچھ پوچھتی ہیں اپنے دولہا سے اور نہ ہی زیادہ بولتی ہیں۔ بھئی دلنشیں جو ہوتی ہیں' انہیں شرم جو آتی ہے۔"

اس نے میرے لبوں پر اپنی انگلی رکھ کے مجھے چپ کرایا اور میرے زانو پر اپنا سر رکھ کر بڑبڑاتا ہوا پل بھر میں گہری نیند سو گیا۔

"وجیہہ۔" میں اس کے الجھے اور بکھرے ہوئے بال سنوارتی ہوئی سوچنے لگی۔ "میری شادی سے لے کر اب تک جو کچھ ہو رہا تھا وہ کتنا غیر یقینی اور پراسرار تھا بلکہ شادی سے لے کر کیوں' شادی سے پہلے وجیہہ سے محبت۔۔۔

"محبت۔۔۔؟" میرے دل پر کسی نے چٹکی بھری۔

"پہلے سے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کی جانے والی محبت۔۔۔"

کوئی میرے اندر ہنس کر مجھ پر طنز کر رہا تھا۔

"کیا ایسے ہوتی ہے محبت؟ کیا محبت جان بوجھ کر کی جا سکتی ہے؟"

"یہ کیا ڈھکوسلے بازی ہے۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ دلنشیں بیگم؟" میرا اندر مجھے لتاڑنے لگا تھا۔

"اپنا خیال زبردستی اس کے دل میں اور اپنے دل میں اس کے خیال کو بسا کر اور ہر روز جان بوجھ کر مختلف طریقوں سے اس کی آبیاری کرتے رہنے کو تم نے محبت بنا دیا۔" "یہ محبت ہی تو تھی جسے مجھ پر اتنا غصہ آرہا

تھا۔ وہ محبت جو ہر انسان کے خمیر میں اس کی فطرت میں ودیعت ہوئی ہوتی ہے جسے اللہ انسانوں کے اندر سمو کر زمین پر بھیجتا ہے اور وہ محبت میرے اس رویے کو اپنی توہین سمجھ رہی تھی۔ واہ۔ واہ۔۔۔ تم اچھی ہو۔۔۔ نصیر احمد سے جان چھڑانے کے لیے تم نے وجیہہ سے راہ و رسم بڑھائی اور اس گھر کی گھٹن سے چھٹکارا پانے کے لیے اس طرح کی شادی کی اور ان سب کو نام دے دیا محبت کا۔ خود غرضی محبت نہیں ہو سکتی' یہ دونوں تو ایک دوسرے کی حریف ہیں۔"

"لیکن اب تو مجھے وجیہہ سے محبت ہے۔ سچ مچ کی محبت۔" میں نے اپنے طور پر اپنا دفاع کرنا چاہا۔

"او شٹ اپ پلیز۔" میرے اندر سے وہی آواز مجھ پر چڑھ دوڑی۔

"تو کبھی تو تم صرف وجیہہ سے متاثر ہو رہی ہو۔" مجھے آئینہ دکھانے کی کوشش کی گئی تو میں پریشان ہو گئی۔

"متاثر۔۔۔؟"

"ہاں متاثر۔۔۔ تم پہلے وجیہہ کے حسن سے متاثر ہوئیں پھر اس کے انداز سے اس کے فن سے پھر اس کی دولت سے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"ایسا نہیں ہے۔" میں نے ڈھیلے سے انداز میں کہا۔

"ایسا ہی ہے۔" کوئی ماننے کو تیار نہ تھا۔

"تو کیا یہ اس کی سزا کا عمل شروع ہو گیا ہے۔" میں نے رات کو ہونے والے سلوک کو سوچتے ہوئے خوف سے پوچھا۔

"سزا اور جزا کا عمل۔۔۔ اتنی جلدی شروع نہیں ہوتا۔" کوئی مجھے سر سے پاؤں تک گھور رہا تھا۔ "تم اتنی بے حوصلہ' اتنی کم ہمت کیوں ہو۔ ذرا سا وقت برا ہوا نہیں اور تم اپنی قسمت کو دوش دینے بیٹھ گئیں۔" میرا اندر مجھے سمجھا رہا تھا۔ بالکل ماما کے انداز میں۔ ماما بھی تو یہی کہتی تھیں کہ میں بے حد متلون مزاج اور بے صبری ہوں اور ایسی لڑکیاں تو اپنے بسے ہوئے گھر بھی اکثر خراب کر لیتی ہیں۔ میرا گھر تو ابھی بسا بھی نہ تھا۔

"میرا گھر۔۔۔" میں نے اپنے کمرے کو غور سے دیکھا۔ جدید فیشن کے فرنیچر سے آراستہ نرم گداز قالین سے۔۔۔ اور اس وقت تازہ گلابوں سے بھرا ہوا میرا کمرہ۔ او نادان لڑکی۔۔۔ جو تم دیکھ رہی ہو گھر ان چیزوں سے تعمیر تو پا سکتے ہیں مگر تعبیر نہیں۔ او خوابوں کی مسافر تعبیروں سے نظریں ملانا سیکھو۔ تمہارا گھر' تمہاری اور وجیہہ کی ذہنی ہم آہنگی سے بنے گا۔ تمہاری محبت سے تعبیر پائے گا۔" "ہماری تو بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے اور محبت۔۔۔ وجیہہ تو مجھ پر جان دیتا ہے اور مجھے بھی اس سے محبت ہے۔ رئیلی بلیوی۔" میں نے خود کو یقین دلانے کی پوری کوشش کی۔

"اچھا ٹھیک ہے' اگر ایسا ہے تو سامنے آجائے گا اور سنو۔۔۔ جب حقیقت کھلنے لگے تو رونے دھونے نہ لگنا بلکہ اگر تم وجیہہ سے محبت کی دعویدار ہو تو ہنس کر اس کے سب اچھے برے سلوک برداشت کرنا اور اسے بدلنے کی کوشش کرنا۔ یہی تمہاری محبت کی ابتدا ہو گی۔"

میرے دل پر گڑی ہوئی وہ چٹکی ایک دم سے کھلی اور پھر سے کہیں اڑ گئی۔

"کہاں؟" میں اپنے آپ کو ادھر ادھر سے ٹٹولنے لگی۔

"دلنشیں۔۔۔ میری جان۔۔۔" وجیہہ نے مجھے نیند میں ہی پکارا اور بند آنکھوں سے میری گردن میں ہاتھ ڈال کر مجھے اپنے اوپر جھکا لیا۔

"آئی لو یو۔۔۔ مائی سویٹ ہارٹ۔۔۔ آئی لو یو۔۔۔" وہ بڑبڑاتا ہوا مجھے نیم باز نظروں سے دیکھتا ہوا بڑے موڈ میں تھا۔

"وجیہہ۔۔۔ پلیز۔۔۔" میرا دم اس کی سانسوں سے آتی ہوئی عجیب سی تیز بدبو میں گھٹ رہا تھا۔ یہ سگریٹ کی بو تو نہ تھی۔

"تو پھر۔۔۔؟" میرے دماغ میں ڈھیر ساری چونٹیاں رینگنے لگیں۔

"وجیہہ۔۔۔ تم نے پی رکھی ہے۔" میں نے اسے

www.pkdigest.com

پرے کرتے ہوئے قدرے نفرت سے پوچھا۔

"ہاں بھئی، تمہاری محبت کا خمار ہی اتنا تھا کہ میں نے پی لی۔" وہ اتنا ہی میرے قریب ہو رہا تھا جتنا میں اسے پرے کرنا چاہ رہی تھی۔

"بڑا سرور۔۔۔ بڑا نشہ ہے تمہارے قرب میں۔ دیکھو نا، میں ساری محفلیں چھوڑ کے آگیا ہوں۔" وہ اس وقت میرے قرب کا خواہاں تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک درخواست تھی۔ وہ اس وقت ایک مرد تھا، صرف ایک مرد جس کی پناہ گاہ ایک عورت کے وجود میں ہی ہوتی ہے، جہاں اسے سکون ملتا ہے اور اگر اس کی اپنی عورت اسے اپنا وجود پیار کے ریشم سے بن بن کے جانثاری سے بچھا بچھا کے پیش نہ کرے تو پھر وہ مرد اپنے گھر کا راستہ بھول جاتا ہے اور گھر سے باہر بے شمار جھوکے ایسے ہوتے ہیں جن میں ایسے ہی ریشمیں جال تنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک تھکے ہوئے بکھرے ہوئے بے چین اور بے قرار مرد کو تو ان لمحوں میں سکھ اور قرار کے ریشمیں بستر ہی درکار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے حجروں میں ہوں یا باہر کے جھوکے کے اندر۔"

میری ماما میری سماعتوں میں سرگوشی کر رہی تھیں اور میں اپنے پہلو میں بے قرار اپنے محبوب کو دیکھ رہی تھی جو آج گلابوں کے ڈھیر پر بھی بساند سے بھرا ہوا تھا۔

"دلنشیں۔۔۔" اس کا تھکا ہوا چہرہ ایک بار پھر میری طرف متوجہ تھا۔

"ڈو یو لو می؟" اس کے انداز میں خمار کے ساتھ ساتھ معصومیت بھی تھی۔ میرا جی تو چاہا کہ اپنی ناک کو چٹکی کے اندر دبا کے مسل دوں اور ابکائی کرتی ہوئی باتھ روم میں گھس جاؤں۔

"آئی لو یو رنگی۔" میرے لبوں سے بے ساختہ نکلا اور میری انگلیاں اس کے الجھے بالوں میں نرمی سے پھرنے لگیں۔

"تم بہت اچھی ہو دلنشیں۔۔۔ بہت پیاری۔۔۔ بہت خوبصورت۔۔۔" وہ ایک چھوٹے سے بچے کی طرح اپنا چہرہ میرے ہاتھ تھام کے ان پر رگڑنے لگا۔

"اور تم لاڈی۔۔۔ تم بھی بہت اچھے ہو، بہت پیارے۔۔۔ بہت خوبصورت۔۔۔"

"وجیہہ کہو دلنشیں! تمہارے ہونٹوں سے اچھا لگتا ہے۔" اور میں نے اسے کئی بار پیار سے پکارا۔

"وجیہہ۔۔۔ وجیہہ۔۔۔ وجیہہ۔۔۔" حالانکہ ہر بار ایسا کرنے پر میری آنکھوں کو کئی کئی اشکوں کا خراج پیش کرنا پڑا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح میری زندگی ایک نئی ڈگر پر چل پڑی تھی، بہت سی حقیقتیں میرے سامنے کھل چکی تھیں جو بے حد تلخ تھیں مگر وہ حقیقتیں تھیں جنہیں ماننے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔ میں انہیں تسلیم نہ بھی کرتی تب بھی وہ اٹل رہتیں، اس لیے میرے پاس انہیں تسلیم کر لینے کے سوا کوئی اور راستہ بھی تو نہ تھا۔ ماما کے گھر سے نکلتے وقت میں نے ویسے ہی بہت بڑی بڑی قسمیں کھائی تھیں۔ وہاں کا تو میں نے خود پر کھانا تک حرام کر لیا تھا لیکن ماما مجھے یاد بہت آ رہی تھیں۔ کیسی سچی اور کھری بات کہی تھی میری ماما نے کہ "جا تو رہی ہو ہمیں چھوڑ کے لیکن یاد رکھنا ابھی تمہارے قدموں سے والدین کے گھر کی مٹی بھی نہ چھوٹی ہوگی اور وہ تمہیں یاد آنے لگیں گے۔" ماما مجھے یاد آ رہی تھیں اور پاپا بھی۔

رات جب وجیہہ کا خمار گہری نیند میں بدل گیا اور وہ بے خبر بے سدھ ہو گیا تو میرے پہلو سے سارا چین اور آنکھوں سے پوری نیند غائب ہو گئی۔ جب دلنشیں لاڈی کو پرسکون اور مطمئن کر کے سلا چکی تھی، عصمہ پورے حواسوں میں آگئی اور دلنشیں کے گلے لگ کے خوب روئی۔ وہ رونا جو وہ اپنی ماں کے گلے لگ کر نہ بہا سکی تھی، تب عصمہ نے اسے سمجھایا۔

"اب زندگی کے اس پورے سچ کو پورے دل سے قبول کر لو اور اسی طرح سے جیو جیسے وجیہہ چاہتا ہے کیونکہ تم نے وجیہہ سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ تمہاری ایک بات مان لے تو تم اس کی عمر بھر مانتی رہو گی۔ اب مانتی رہو عمر بھر۔"

میں اپنے ہی قول میں گرفتار ہو چکی تھی، لہٰذا کیا

کرتی؟

"ارے بھرجائی! تم جاگ گئیں۔ گڈ مارننگ۔" میں اپنے کمرے کی بیرونی کھڑکی کھولے کھڑی تھی، جب وہ جانے کہاں سے آن ٹپکا اور بڑی بے تکلفی سے میرے روبرو کھڑا ہو کر حال چال پوچھنے لگا۔

"آپ کو رات کوئی ڈرور تو نہیں لگا نا۔ نیند تو آگئی تھی۔ ساری رات جاگتی تو نہیں رہیں اور یہ کیا بھرجائی! آپ کی آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں۔ کیا روتی رہی تھیں؟" وہ خود بخود بولتا جا رہا تھا اور پے در پے سوالات کر رہا تھا۔

"نہیں، ایسا کچھ بھی نہیں ہوا جو تم سوچ رہے ہو اور ویسے بھی وجیہہ تو تم لوگوں کے جاتے ہی آگئے تھے۔" میں نے مسکراتے ہوئے بالکل نارمل انداز میں اسے بتایا تو وہ غیر یقینی انداز میں "پاجی رات کو محفل سے اٹھ کر آگئے تھے" کہتا ہوا کھڑکی سے آنکھیں لگا کر اندر جھانکنے لگا۔ جہاں وجیہہ ابھی تک بے خبر سو رہا تھا۔

"واہ جی ماننا پڑے گا بنگال کا جادو ہی نہیں بلکہ وہ پیار کا جادو ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔" وہ میری طرف شرارت سے دیکھتا ہوا بولا۔

"مان لو تو اچھی بات ہے۔" میں نے خود کو مکمل طور پر دلنشیں کے وجود میں سموتے ہوئے کہا۔

"بھرجائی۔۔۔ میں آتا ہوں، ابھی اندر۔ مل کر ناشتا کریں گے۔" وہ ہنستا ہوا دوسری جانب چلا گیا جہاں سے یقیناً کوئی دروازہ اندر حویلی میں آتا ہوگا۔ تب ہی تو اگلے پندرہ منٹ کے بعد ہی وہ ہمارے کمرے میں موجود تھا۔ وجیہہ کی کمر پر دو ہتڑ مار کے اسے جگاتا ہوا۔

"لاڈی پاجی! اب اٹھ بھی جاؤ، دیکھو میرا بھوک سے برا حال ہے۔" وہ اپنے پیٹ پر بچوں کی طرح ہاتھ پھیرتا ہوا لاڈی سے کہہ رہا تھا۔

"سونے دے نا یار!" وجیہہ نے کسمسا کر کروٹ لی۔ مندی مندی آنکھوں سے لمحہ بھر کو اسے دیکھا اور پھر سو گیا۔

"لاڈی پاجی! اٹھو ناشتا کر لو پھر سو جانا۔ بھرجائی بھی انتظار کر رہی ہے۔" وہ اس کی دوسری جانب جا کر اسے جگانے لگا۔

"اُفوف۔ کیا ہے یار! ناشتا ہی تو کرنا ہے۔ کر لو تم اور تمہاری بھرجائی۔"

لاڈی نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"دیکھ لو پاجی! کیا کہہ رہے ہو؟" وہ بھلا کب باز آنے والا تھا۔

"یار! جو تیرا جی کرے، سمجھ لے اور مجھے نہ ستا۔ میرا نشہ ابھی اترا نہیں ہے۔"

وجیہہ نے ایک شرارت کی نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے کہا۔ مجھے تیمور کے سامنے یہ بات اچھی نہ لگی اور اس سے بھی گراں گزری مجھ پر تیمور کی اگلی بات جو اس نے اپنے بھائی کی آنکھوں کا خمار دیکھ کر کہی تھی۔

"اترے گا کیسے پاجی! ڈبل رنگ چڑھے ہیں۔ ولایتی بھی اور دیسی بھی۔"

"اف میرے اللہ۔۔۔ یہ دو بھائیوں کے درمیان ہونے والی گفتگو تھی۔ وہ بھی ایک نئی نویلی دلہن کے سامنے۔" میں تو مارے شرم کے پانی پانی ہو گئی۔ مجھے لگا وجیہہ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میری عزت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔ میری حیا کا پلو کسی نامحرم کے سامنے سرکا دیا ہے۔

"بختاں۔۔۔ او بختاں۔۔۔" وہ بختاں کو آوازیں دیتا ہوا باہر چلا گیا اور میں نے فٹافٹ اپنا دوپٹہ اور بھی پھیلا کر اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ میں اس کے سامنے کچی جو ہو گئی تھی۔

"وجیہہ۔۔۔ تم بھی اٹھ جاؤ پلیز۔ دیکھو میں تمہارے بغیر ناشتا نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے پیار سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ کچھ دیر "کیا ہے کیا ہے، نہ کرو، پلیز سونے دو" کرتا رہا پھر تکیہ مجھ پر مارتا ہوا اٹھ ہی بیٹھا۔

"بڑی ضدی ہو تم بھی، بھلا میرے ساتھ ناشتا کر کے کیا ہو جائے گا۔" وہ بسورتا ہوا باتھ روم جانے کے لیے اٹھا۔

www.pkdigest.com

"تمہارے بغیر ناشتا مجھے بالکل پھیکا لگے گا اور تمہارے ساتھ کھانے سے مجھے اپنے لیے عزت اور تحفظ کا گہرا احساس محسوس ہوگا۔ میرا دل بڑھے گا۔"

میں نے آگے بڑھ کر اس کے سلیپر اس کے پیروں کے سامنے کر دیے۔

"او تھینک یو۔" وہ خوش ہو کر بولا اور سلیپر پیروں میں گھسیٹتا ہوا باتھ روم کی طرف بڑھا۔

"اٹس مائی پلیژر ی لارڈ۔" میں نے ادب سے جھک کر اپنے سینے پر ہاتھ باندھے۔

"ی لارڈ! اچھا لگا۔ اچھا ہے۔" وہ میرے ی لارڈ کہنے کو انجوائے کرتا ہوا دہراتا ہوا نہانے چلا گیا اور میں اس کے لیے وارڈروب سے کپڑے نکالنے لگی۔ اس کی وارڈروب بھری پڑی تھی۔ شلوار کرتے، تھری پیس سوٹ، جینز، ٹی شرٹس۔ سب طرح کے لباس تھے اور ہر ایک میں اس کی چوائس بڑی شاندار تھی۔ قیمتی کپڑا، اچھے رنگ اور بہترین سلائی۔ اس کا ذوق بہت ہی اعلا تھا۔ مجھے اس کے لباس اچھے لگے۔ ہینگروں پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے میں نے ایک کرتا شلوار نکال لیا۔ آف وائٹ سلک کا شاندار کرتا اور لٹھے کی کلف دار سفید شلوار میرے پاپا بھی تو شام کو ایسا ہی لباس پہنا کرتے تھے مگر وہ سلک وغیرہ نہیں پہنتے تھے، صرف کاٹن یا واش اینڈ ویئر پسند کرتے تھے۔

"میرے پاپا۔ میرے پیارے پاپا۔" مجھے اپنے پاپا اچانک ہی یاد آگئے۔ ان کا گورے داڑھی والا شفیق سا چہرہ میری نظروں میں گھوم گیا اس طرح سے کہ میری آنکھیں گیلی ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

"چلو بھرجائی! بڑی اماں کا حکم ہے کہ ناشتا سب اکٹھے ہی کریں گے۔ ویسے بھی آج گھر کے باقی لوگوں سے بھی تو آپ کا تعارف ہونا ہے۔" تیمور پھر ایک نئی اطلاع لے کر آگیا۔ اس کے ہاتھ مجھے تھامنے کے لیے آگے بڑھے تھے مگر اسی لمحے وجیہہ نے باتھ روم کا دروازہ کھولا۔

"ارے پاجی بھی اٹھ گئے ہیں۔ بھرجائی! آپ کا جادو چڑھ رہا ہے پاجی پر۔ بولے گا۔ بولے گا۔ ایک دن سر چڑھ کے بولے گا۔" وہ وجیہہ کے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔

"تم چلو تیمی! ہم آتے ہیں۔" وجیہہ نے جلد ہی اسے رخصت کر کے گویا مجھ پر احسان کیا۔ میں نے دل ہی دل میں اس کے ٹلنے کا شکر ادا کیا اور وجیہہ کو تیار ہونے میں مدد کرنے لگی۔

"میں تو تیار ہو جاؤں گا مگر تم نے اپنی صورت دیکھی ہے۔" وجیہہ نے مجھے کندھوں سے تھام کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"کیا ہوا میری صورت کو؟" میں نے بھی اس کے کندھے تھام لیے۔

"دیکھو ذرا، کیا یہ پرسوں والی صورت ہے؟" اس نے مجھے آئینے کے سامنے کر دیا۔ واقعی میرا چہرہ لاکھ مسکراہٹ سے سجا ہوا تھا مگر فریش نہ تھا اور میری آنکھیں رات بھر رونے کی وجہ سے متورم تھیں۔

"سوری وجیہہ! مجھے رات نیند نہیں آئی۔" مجھ سے کوئی بہانہ نہ بن سکا تو میں نے اپنی نگاہیں اس کی نگاہوں سے چھڑا کر جھکا لیں۔

"صرف رات کے لیے معافی لیکن آئندہ کبھی ایسا نہ ہو۔" اس نے میری آنکھوں کو ہولے سے پیار کے ساتھ چھوا۔

"کبھی نہیں ہوگا وجیہہ۔" میری جلتی ہوئی آنکھیں ایک ٹھنڈے میٹھے لمس کو پا کر پھر سے ستارہ ہو گئیں۔

"اچھی بات ہے، ورنہ مجھے نمکین آنکھیں اچھی نہیں لگتیں جن کے کنارے گیلے اور متورم رہتے ہوں۔ عورت ہی دل لبھاتی ہے جس کی آنکھیں اور ہونٹ ایک ساتھ مسکراتے ہوں۔" اس نے میرے گالوں پر ایک ہلکی سی شرارت بھری چٹکی لی اور پھر مجھے کہا۔

"چلو اب فٹافٹ تیار ہو جاؤ، بس اتنی دیر میں جتنی دیر میں میں اخبار کی شہ سرخیاں دیکھتا ہوں۔"

☼ ☼ ☼

وہ ناشتے کی میز تھی یا بحری جہاز کا ڈائننگ ٹیبل، ایک لمبی سی میز کے گرد کرسیاں ہی کرسیاں تھیں۔ تقریباً پچیس کرسیاں تو ہوں گی۔ وجیہہ کی دونوں ماؤں اور بہن بھائیوں کے علاوہ آج اس کے دونوں وہ ماموں بھی ناشتے پر موجود تھے جو میرے نکاح کے گواہان تھے۔ دونوں ہی مجھے بڑے پیار سے ملے تھے اور خوش تھے۔ شہاب الدین، وجیہہ کے بڑے ماموں اور نادرہ بیگم ان کی بیگم۔ ان دونوں کے ساتھ ایک بے حد نخریلی سی لڑکی بیٹھی تھی جس کا نام صنوبی نے افشاں بتایا تھا اور افشاں کا ایک بھائی بھی تھا، مراد پیرزادہ جو کہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلا تعلیم کی ڈگری لینے گیا ہوا تھا اور جس کے بارے میں وجیہہ نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ وہ زویا کا منگیتر ہے، مراد کا نام سن کر زویا نے ایک ادا سے کرسی پر پہلو بدلا تھا جس میں نخوت اور تکبر صاف جھلک رہا تھا۔

"اور یہ افشاں چھوٹے پاجی کی منگیتر ہے۔" صنوبی نے پہلے افشاں اور پھر تیمور کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ البتہ وجیہہ کے چچا اور چھوٹے ماموں نواب الدین کی فیملی میں سے کوئی موجود نہ تھا۔

وجیہہ کے دو ماموں تھے جبکہ ایک چچا اور دو پھوپھیاں بھی تھیں مگر اس کے ددھیال والے ان سے خفا تھے، اس لیے وجیہہ کی شادی پر بھی نہ آئے تھے جس پر وجیہہ کی دونوں مائیں خوش تھیں کہ چلو اچھا ہے ان کا آنا جانا چھٹا۔

وجیہہ کے والد بھی کہیں نہیں تھے، حالانکہ حیات تھے۔ ان کا ذکر بھی کسی نے نہیں کیا تھا، نہ ہی کبھی وجیہہ نے ان کے بارے میں کوئی بات کی تھی، نہ کبھی یونیورسٹی کے دنوں میں نہ ہی ان دنوں میں لیکن کیوں؟ یہ بات میرے دل میں ایک ایسا سوال بن کے پچھلے تین چار دنوں سے پل رہی تھی جس کا جواب میں کسی نہ کسی کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

میں خود کسی سے پوچھ نہ سکتی تھی اور مجھے کوئی اور بتا بھی نہ رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں اور اپنے بیٹے کی شادی میں کیوں شریک نہیں ہوئے۔ آج زینت بیگم اور فخر النساء کا موڈ بھی بہت اچھا تھا۔ فخر النساء اب رات والی فخر النساء نہ لگ رہی تھیں جس پر میرے جی کو کافی تسلی ہوئی۔ اب تو وہ بڑے پیار سے مجھے پوچھ رہی تھیں۔

"ولنشیں بیٹی! یہ آملیٹ تو کھاؤ۔ دے نی شمو آگے ہو کے وھڈی نوں کو یہ پلیٹ۔"

"جی بس شکریہ۔" میں جو پہلے ہی آملیٹ لے چکی تھی، نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔

"نہ تم تو کچھ کھاتی ہی نہیں ہو۔ ایک تو تم آج کل کی لڑکیاں۔ یہ ڈائٹنگ کے چکر میں بہت رہتی ہو۔" انہوں نے مجھے محبت جتانے والے انداز میں سرزنش کی۔

"جی میں ڈائٹنگ نہیں کرتی۔" میں نے سچ کہا کیونکہ میں واقعی ڈائٹنگ نہیں کرتی تھی۔

"کیا مطلب؟ آپ نے اتنا فٹ فگر کیسے رکھا ہوا ہے پھر۔" افشاں نے پہلی بار مجھ سے بات کی، وہ بھی بڑی فضول اور کھلی سی جس کا جواب میں پورے خاندان کے سامنے کیا دیتی۔

"بتاؤ نا بھرجائی! آپ اتنی اسمارٹ کیسے ہو پھر۔" زویا کو بھی میری اسمارٹنس کا راز جاننے کا شوق ہوا۔

"مناسب کھانا اور کام کاج کرتے رہنا۔" میں نے عام سے انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہائے اللہ تو کیا آپ کے گھر ملازم نہیں تھے، آپ خود کام کاج کرتی تھیں۔" افشاں پھر بڑے بھونڈے انداز میں بولی۔

"ملازم تو تھے لیکن میری ماما کہتی تھیں، لڑکیوں کو گھر کے کام ضرور کرنے چاہئیں۔ میں تو ایک وقت کے لیے لان میں بھی گھاس کاٹنے والی مشین تک چلا لیا کرتی تھی۔" میں یونہی اس سے باتیں کرنے لگی۔

"وہ تمہارے گھر کا چھوٹا سا لان ہوگا مگر یہاں یہ شوق پورا کرنے کی کوشش نہ کرنا، یہاں تو ایک ایک کنال کے لان ہیں اور پھر ہماری عورتیں زنان خانوں

www.pkdigest.com

سے باہر بے پردہ نہیں جاتیں۔"

زینت بیگم نے ذرا سمجھانے والے انداز میں کہا تو نرمی سے ہی تھا مگر کہا دل دکھانے کے لیے ہی تھا۔ کس قدر تکبر ہے ان لوگوں کے اندر اپنے بڑے پن اور دولت زمین کا۔ میں نے انہیں "جی اچھا" کہتے ہوئے دل میں سوچا۔

"چھڈو اماں جان۔۔۔ ایس ویلے کوئی چنگیاں گلاں کرو۔۔۔" تیمور نے پھر سے میری حمایت لی اور سب کے سامنے لی جس پر زینت بیگم کا منہ ٹھیک ویسا ہی نیلا پڑ گیا جیسا رات فخر النساء کا پڑا تھا۔

"اچھا تے فیر تو دس۔۔۔ پیاردی کی گل اے تیرے کول۔۔۔" وہ جلد ہی خود کو نارمل کرتے ہوئے بولیں۔

"پیاردی گل تے پیار کرن والے جانن۔۔۔ کیوں پاجی تے بھرجائی جی۔۔۔"

تیمور نے پھر کھلے الفاظ میں میرا نشانہ لے لیا۔ حالانکہ میں محسوس کر رہی تھی کہ ایسا وہ نادانستہ اور سادہ دلی سے کرتا تھا یعنی اس کی تو عادت ہی ایسی تھی مگر مجھے ایسی باتیں اور ایسے انداز بھلا کب بھاتے تھے۔ لہٰذا میں سر جھکا کر چائے پینے لگی۔

"تیمی صاحب! بات یہ ہے کہ ہم آج مری کے لیے نکل رہے ہیں۔" وجیہہ جو بالکل چپ چاپ ناشتا کرنے میں مصروف تھا ہنس کر بولا۔

"اچھا کتنے دنوں کے لیے؟" زینت بیگم نے ذرا فکرمندی سے پوچھا۔

"دیکھو اماں! کتنے دن میرا جی لگتا ہے وہاں۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"لاڈی! تو جانتا ہے نا اس مہینے کی بیس تاریخ کو پیشی ہے۔" وہ وجیہہ کو کچھ یاد کروا رہی تھیں۔

"مجھے یاد نہیں تھا نہ ہی میں یاد کرنا چاہتا ہوں۔" وجیہہ نے ناشتے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا جس کا مطلب تھا اسے یہ بات اور یہ ذکر اس وقت اچھا نہ لگا تھا۔

"تے نا سمجھی پتر۔۔۔ تو کیوں فکر کرتا ہے۔ یہ ہے نا تیرا چھوٹا بھرا۔۔۔ یہ چلا جائے گا پیشی پر۔" فخر النساء نے وجیہہ کا موڈ خراب ہوتا دیکھ کر معاملے کو سنبھالنے والے طریقے سے کہا۔

"نا ماما جی۔۔۔ میں کیوں جاؤں، بخشو مجھے بھی۔۔۔ میرا کیا لینا دینا ان پیشیوں سے۔" وہ بھی جانے کیوں بدک گیا۔

"اوئے قسمی دونوں نہ جاؤ، میں خود چلا جاؤں گا کچہری۔"

وجیہہ کے بڑے ماموں شہاب الدین نے مسکرا کر اپنی خدمات پیش کیں اور اس وقت اس معاملے کو رفع دفع کر دیا جس پر دونوں بھائیوں کے منہ پھول گئے تھے۔

"اماں تو بھی نا۔۔۔ اچھا بھلا ماحول خراب کر دیتی ہے۔" وجیہہ بالکل اس انداز میں کھانے کی میز سے اٹھ کھڑا ہوا اور جا کر ذرا دور بچھے صوفوں پر بیٹھ گیا جیسے رات تیمور نے کیا تھا۔ کس قدر مماثلت تھی دونوں بھائیوں میں۔ شکلیں بھی اتنی مشابہ کہ پہلی نظر میں کوئی دیکھے تو جڑواں سمجھے۔ ایک سی چال ڈھال، ایک سا لہجہ، ایک سی ادائیں، لباس، پسند ناپسند اور عادات۔ اف۔۔۔ دونوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ایک دوسرے کی کاپی کرتے ہیں۔ کم از کم مجھے تو یہی لگنے لگا تھا۔

"ہاں بھئی، ٹھیک ہے۔ اب تم دونوں کے موڈ خراب کرتی ہوں میں۔" زینت بیگم نے پھولے منہ کے ساتھ اپنی کرسی چھوڑی اور وہیں جا بیٹھیں اور پھر آہستہ آہستہ سب ہی وہاں جا بیٹھے۔ یہاں تک کہ میں بھی۔ اچھے خاصے خوشگوار ماحول پر ایک دم سے حبس طاری ہو گیا تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ پوچھوں کس کی پیشی ہے جو دونوں بھائی اتنا کترا رہے ہیں اور کیوں؟

"بس آپی! اب تم تو رونا بند کرو۔ بچے ہیں سمجھ جائیں گے۔" میں نے دیکھا فخر النساء بڑی محبت سے زینت بیگم کی دلجوئی کرنے لگی تھیں۔

یہاں اور بہت کچھ عجیب اور پراسرار تھا، وہیں پر یہ بات بھی بڑی عجیب سی تھی کہ زینت بیگم اور فخر النساء آپس میں خالہ زاد بہنیں بھی تھیں اور سوتنیں بھی۔

دونوں کے بیچ میں اب تک جو میں نے دیکھا وہ تو محبت ہی تھی۔ اب ان کے دلوں میں کچھ اور بھی تھا، اس کی خبر انہیں ہی ہوگی لیکن بظاہر دونوں ایک دوسرے پر اور ایک دوسرے کی اولاد پر جان چھڑکتی تھیں۔ یہی حال ان سوتیلے بچوں کا بھی تھا جن میں سگوں سے کہیں زیادہ محبت تھی۔ وجیہہ چونکہ سب بھائی بہنوں میں بڑا تھا، اس لیے اس گھر پر اسی کی چلتی تھی اور سب اس کی عزت کرتے تھے۔ تیمور کی اپنے بھائی میں جان تھی اور یہ سب ایک خاندان کی مضبوطی کے ستون تھے۔ ان کے بیچ روایتی زمینداروں والے حسد اور دشمنیاں نہ تھیں۔ یہ بھی کچھ عجیب سی بات تھی۔ اگرچہ بہت اچھی تھی، یہ سب آپس میں باتیں کرتے تھے اور میں خاموشی سے ان کے جائزے لیا کرتی تھی۔

"دیکھو نا پاجی! ان بچوں کو کیسے ہر پیشی پر مجھے کورا سا جواب دے دیتے ہیں۔" زینت بیگم اب بھی شہاب الدین سے اسی پیشی والی بات پر گلہ کر رہی تھیں۔ میری توجہ پھر سے ان کی طرف ہوئی۔

"تو تو بھی رہنے دیا کر۔۔۔ انہیں ضرورتاً ہوتی ہیں تو نے یہ باتیں جن سے یہ چڑتے ہیں۔" شہاب الدین نے نرم لہجے میں بہن کو ڈانٹا۔

"کیوں نہ بتاؤں، انہیں احساس تو کرنا چاہیے، ان کے لہو تو سفید ہو گئے ہیں، میرا دل تو تڑپتا ہے نا ان کے لیے۔"

وہ اب بھی باقاعدہ آنسو بہا رہی تھیں اور وجیہہ اور تیمور کو شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اپنے دل کو سمجھا لو اماں کہ وہ اس شخص کے لیے تڑپنا چھوڑ دے۔" وجیہہ پھر غصے سے بولا۔

"کیسے سمجھا دوں، وہ کوئی غیر تھوڑی ہے، تمہارا باپ ہے آخر، میرا سہاگ ہے۔" وہ قدرے بلند آواز سے بولیں۔

"نہیں ہے وہ ہمارا باپ، وہ ایک قاتل ہے، صرف قاتل۔۔۔"

وجیہہ غصے سے کانپتا ہوا اٹھا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

"قا۔۔۔ تل۔۔۔ قاتل۔۔۔ وجیہہ کا باپ ایک قاتل ہے؟"

میرے چاروں طرف اس دلخراش خبر کی بازگشت گونجنے لگی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

طنز و مزاح سے بھرپور کالم

باتیں انشاء جی کی

قیمت: -/300 روپے

ڈاک خرچ: -/30 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

مکمل ناول

نایاب جیلانی

طلوعِ محبت

۴

چوتھا اور آخری حصہ

"تم بھی کیا سوچتی ہوگی کہ زندگی میں ایک ہی شادی کی ہے اور ہنی مون کا مزا نہیں چکھا۔" زیان سے کسی سیدھی بات کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسے ویسے بھی پٹڑی سے اترتے دیر نہیں لگتی تھی۔ زیان کی بے باک نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ عنوہ کانوں تک سرخ ہوگئی۔

"کبھی کوئی بات سیدھے طریقے سے بھی کرلیا کریں۔ ایک ہی شادی' لاحول ولا قوۃ۔" اس نے تپ کر کہا تو زیان سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔ عنوہ سوچ رہی تھی سب ایک ہی شادی کرتے ہیں' ہر کوئی آپ جیسا تو نہیں۔

"میں نے غلط بات تو نہیں کی' بعض لوگ کرتے ہیں دو تین چار شادیاں جیسا کہ تمہاری ممی اور میری ماں۔" وہ کچھ کہتے کہتے ایکدم ہی لب بھینچ کر اٹھ گیا تھا۔ عنوہ کے مارے شرمندگی کی رخسار تپنے لگے۔

"ایک تو ممی کے ایسے حوالے میری جان لے کر چھوڑیں گے۔" اس نے افسردگی سے سوچا۔ پاپا کی ڈیتھ کے بعد ممی نے دوسری شادی کرلی تھی' ایک طویل عرصہ بورڈنگ میں گزارنے کے بعد وہ اس وقت گھر آئی تھی' جب ممی نے اپنے دوسرے شوہر سے طلاق لے کر ایک مرتبہ پھر آزادانہ لائف گزارنا شروع کردی تھی۔

ممی کے اور اس کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا' اس کے باوجود وہ ان کے ساتھ رہنے پر اس لیے مجبور تھی کہ اسے دوسروں کی انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت ہوچکی تھی۔

جب وہ مری میں فلفتھ اسٹینڈرڈ کی اسٹوڈنٹ تھی' تب اس کی ملاقات رمیز سے ہوئی تھی۔ رمیز اس سے کئی سال سینئر تھا۔ شروع شروع میں جب وہ ممی کو مس کرتے ہوئے دھاڑیں مار مار کر رویا کرتی تھی' تب اس کے کلاس فیلوز اور روم میٹ تک اس سے کتراتی کتراتی رہتی تھیں۔

"پور گرل' نانی بے بی۔ ماما کا بچہ۔" ہر کوئی باآسانی اسے تحقیر اور مذاق کا نشانہ بنا کر انجوائے کرتا تھا۔ سب اسے روتا دیکھ کر چھیڑتے تھے۔ رمیز کا گروپ اس کے قریب سے گزرا تو عنوہ کے اردگرد کھڑے ہجوم کو دیکھ کر رک گیا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" رمیز نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"اس کا فیڈر گم ہوگیا ہے۔" کسی منچلی نے شرارتاً کہا تھا۔

"بے بی کو لالی پاپ دو۔" سب بے فکرے چہرے کھیل کود میں مصروف تھے۔ ایک وہی غمگین اور اداس بیٹھی تھی۔ اس دوران رمیز نے اس کی بہت ہیلپ کی۔ اس نے سب بچوں کو جھڑکا جو کہ عنوہ کو ستانے کا پلان بنائے بیٹھے تھے۔ سینئرز کا رعب دیکھ کر سب بچے بھاگ گئے۔ یوں عنوہ کو ایک ہمدرد سہارا میسر آگیا۔ رمیز اس لیے بھی اس کا خیال رکھتا تھا کہ وہ دونوں ایک ہی شہر سے تھے۔ ایک دن رمیز بھی بہت افسردہ سا سب سے الگ تھلگ بیٹھا تھا۔ عنوہ نے

www.pkdigest.com

پوچھا تو اس نے آزردگی سے بتایا۔

"میں اپنی آپی کو مس کر رہا ہوں۔"

"تمہاری آپی بھی ہیں رمیز!" عنوہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں' آپی بھی ہیں اور دو بھائی بھی۔ لیکن وہ تینوں مجھ سے بہت بڑے ہیں۔" وہ اسے تفصیلاً بتانے لگا تھا۔ اس پل عنوہ کی آنکھوں میں حسرتیں کروٹ لے رہی تھیں۔ ایک گھر' بہن' بھائیوں کا تصور۔ وہ گویا ذہنی طور پر رمیز کے گھر اس کے بہن' بھائیوں کے درمیان پہنچ چکی تھی۔

"تمہاری آپی پڑھتی ہیں؟" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

"ارے نہیں تو' ان کی شادی ہو چکی ہے اور تمہارے جتنے تو ان کے بچے ہوں گے۔" رمیز چونک کر ہنستے ہوئے بتانے لگا۔ اگر رمیز اس سے اپنی ہر بات شیئر کر لیتا تھا تو وہ بھی ممی کے بی ہیویئر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر دیتی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی رمیز کو بتانے لگی۔ ننھے منے سے دکھ' چھوٹی چھوٹی محرومیاں' رمیز اس کا بہت خیال رکھتا تھا' اسکول میں کسی کی جرات نہیں تھی کہ عنوہ سے کوئی الٹا سیدھا مذاق یا چھیڑ چھاڑ کرتا۔

اکثر رمیز اسے چڑانے کی غرض سے کہتا۔

"عنوہ! مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہاری "ماں" ہوں۔ میرے کلاس فیلوز بھی یہی کہتے ہیں' مگر اب تم مجھے "ممی ممی" نہ کہنا شروع کر دینا۔"

صرف ایک سال تک رمیز کا اور اس کا ساتھ رہا تھا' پھر رمیز کسی اور کالج میں چلا گیا' اپنی بہت سی اچھی یادیں چھوڑ کر۔ اگر وہ حقیقت پسندی سے پچھلے ایک سال پر نگاہ ڈالتی تو اسے رمیز کا رویہ صرف اپنے ساتھ غیر معمولی نہیں محسوس ہوتا تھا' وہ بہت نرم دل رکھنے والا ہمدرد لڑکا تھا۔ اسے سب کا احساس اور خیال رہتا تھا' وہ ان لوگوں میں سے تھا جو خود تکلیفیں اٹھا لیتے ہیں' مگر اپنے سے وابستہ لوگوں تک کسی بھی آنچ کو پہنچنے نہیں دیتے۔ زندگی کے پلیٹ فارم پر بہت سے لوگ ملتے ہیں' مگر کچھ اپنی یادوں کی وجہ سے نقش چھوڑ جاتے ہیں' ذہن میں محفوظ رہ جاتے ہیں۔ رمیز بھی انہی لوگوں میں سے تھا۔

اسکول میں رمیز کو سب پسند کرتے تھے۔ کلاس فیلوز' فرینڈز' ٹیچرز اور وہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ اس کی تربیت اور اس میں موجود خوبیوں کا سارا کریڈٹ اس کی مدر کو جاتا ہے۔ ایک دن وہ اپنے فرینڈز سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے سنبھالنے اور میری تعمیر کرنے والے ہاتھوں میں محبت کی گرمی' ایثار کے جذبے موجود تھے' اس لیے ایک اچھی عمارت تعمیر ہونے کا امکان ہے۔ میں نے بہت ہی محبت کرنے والی اور خود کو فنا کر کے دوسروں کی خوشیاں سلامت رکھنے والی عظیم ماں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ لوگوں کی نظر میں وہ ہماری اسٹیپ مدر ہیں' مگر میں کہتا ہوں' ماں صرف ماں ہوتی ہے' سگی یا سوتیلی نہیں۔"

"ایسی مدر کہاں ہوتی ہے۔" عنوہ یاسیت سے کئی پہر سوچتی رہتی۔

اور کل شام اتنے سالوں بعد اس نے نیو فیشن بوتیک میں بالکل اچانک غیر متوقع رمیز کو دیکھ لیا تھا اور نا صرف دیکھا بلکہ اس میں ظاہری تبدیلیوں کے باوجود پہچان کے مراحل بھی طے کر لیے تھے۔ اس کے ساتھ ایک بزرگ خاتون اور ایک خوش شکل لڑکی بھی کھڑی کسی ڈریس پر دلائل دے رہی تھی اور بزرگ خاتون قدرے تحمل سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"زرہ ایسے کپڑے نہیں پہنتی' پھر لینے کا فائدہ' تم کچھ اور دیکھ لو۔"

"رمیز۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے رمیز کو مخاطب کر ہی لیا تھا۔ وہ اپنا نام سن کر چونکا' پلٹا اور پھر ٹھٹک کر بغور اسے دیکھنے لگا۔ آنٹی اور لڑکی بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"نہیں پہچانا۔" عنوہ نے مایوسی کے عالم میں دائیں

بائیں سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"عنوہ۔" ایک دم ہی کچھ فلیش ہوا تھا۔ پونی ٹیل جھلاتی' روتی دھوتی گلابی گلابی سی بچی گھاس پر پھسکڑا مارے بیٹھی تھی۔ رمیز کو بہت کچھ یاد آ گیا اور عنوہ کی یادداشت پر بھی شدید حیرانی ہوئی' جبکہ عنوہ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

"تم نے مجھے پہچان لیا ہے رمیز۔" ایک بہت اچھا' پرانا اور گمشدہ دوست اچانک سامنے دیکھ کر فطری سی خوشی نے عنوہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

"یقیناً۔" رمیز نے مسکرا کر کہا اور پھر ماں کی طرف متوجہ ہو کر تعارف کی رسم نبھائی۔

"امی! یہ عنوہ ہے' مری میں ہم ساتھ تھے' مگر یہ مجھ سے کافی جونیئر تھی۔ پہلی ملاقات میں یہ مجھ سے روتی دھوتی ملی تھی' مگر وہ بات کافی پرانی ہے۔ اس عنوہ سے آج کی عنوہ مختلف لگ رہی ہے۔ خوش باش اور پراعتماد۔ امیزنگ یار! یہ کس کا کمال ہے عنوہ!"

"آپ نے تعارف کروایا ہے یا ہمیں مطلع کیا ہے کہ عنوہ پہلے بہت رویا کرتی تھیں۔" ثمن نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور قدرے تپ کر بولی۔

"میں ثمن ہوں' بدقسمتی سے ان کی بھانجی۔ اکثر اپنے جاننے والوں سے میرے ماما جان میرا تعارف کروانا بھول جاتے ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔" ثمن نے بہت پرجوش انداز میں اس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"کیا کر رہی ہو آج کل؟" اب وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"فارغ۔" عنوہ نے ہاتھ جھاڑے اور اس کی طرف یوں دیکھا گویا کہہ رہی ہو۔

"تم لیڈیز بوتیک میں کیا کر رہے ہو؟" وہ کچھ بتانا چاہ رہا تھا' جب ثمن جھٹ سے بولی۔

"ارے آپ فارغ ہوتی ہیں' پڑھتی وڑھتی نہیں ہیں۔ میری نانو کہتی ہیں' خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ بے شک پوچھ لیں نانو سے۔ پاس ہی تو کھڑی ہیں۔" ثمن' رمیز کے آنکھیں دکھانے کے باوجود پٹر پٹر بول رہی تھی۔ شگفتہ بیگم کپڑوں کی طرف متوجہ تھیں۔

"میں نے ماسٹرز کیا ہے اور میری شادی ہو چکی ہے۔"

"ارے سچ۔" ثمن نے ایک دلفریب چیخ ماری۔ رمیز نے بھی اس کے پراعتماد انداز کو خوشگوار حیرت سے ملاحظہ کیا تھا۔

"آپ شاپنگ کرنے آئی ہوں گی یقیناً۔" ثمن نے اس کے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگ دیکھ کر اندازہ لگایا۔ وہ رانیہ کے لیے کچھ ڈریسز خریدنے کی غرض سے مارکیٹ آئی تھی۔

"ہوں۔ میں نے تقریباً" شاپنگ کر لی ہے' اب واپس جانے لگی تھی جب رمیز پر نظر پڑی۔ رمیز! میں بھی بہت چینج آ گیا ہے۔" وہ بھرپور صحت مند نوجوان مرد کے روپ میں کھڑا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"ماما! آپ انہیں نوائٹ نہیں کریں گے۔" چلبلی سی ثمن نے رمیز کو ٹھوکا دے کر کچھ یاد کروانا چاہا تھا۔

"کیوں نہیں' نکاح تو سادگی سے ہو رہا ہے۔ البتہ ولیمہ کا کارڈ تمہیں مل جائے گا۔ اپنا ایڈریس تو بتاؤ۔"

"تمہاری شادی ہو رہی ہے' فنٹاسٹک۔" وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی تھی۔

"میں ضرور آؤں گی' تم ایڈریس نوٹ کر لو۔"

"عنوہ بیٹے! کتنے بچے ہیں آپ کے؟" شگفتہ بیگم اپنی خریداری مکمل کر کے اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ عنوہ ان کے سوال پر بے حد جھینپ گئی۔

"ابھی تو نہیں ہیں۔" اس نے سرخ چہرے کے ساتھ سر جھکائے جواب دیا۔ انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولیں۔

"اللہ جلد گود ہری کرے۔ عورت ماں بن کر ہی مکمل ہوتی ہے۔" ان کے لہجے میں شفقت اور نرمی تھی۔ عنوہ حد درجہ متاثر ہوئی۔

www.pkdigest.com

"میری امی بہت گریٹ ہیں۔" بہت پہلے رمیز کے بولے گئے چند الفاظ ذہن کے پردے پر لہرائے تو عنوہ کو سچ مچ ان کے "عظیم" ہونے کا یقین آگیا۔ اس نے پہلی مرتبہ ایک سوتیلی ماں کا اپنے بچوں سے والہانہ انداز ملاحظہ کیا تھا۔

"یہاں تو اپنی کوکھ سے پیدا کرنے والی مائیں اولاد کو کسی "سزا" کی طرح قبول کرتی ہیں۔" اس نے تنفر سے سوچا۔

☼ ☼ ☼

"یہ نبیل نے تمہارے لیے موبائل دیا ہے۔" کرن ایک خوب صورت پیکنگ میں لپٹے موبائل فون کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ سارہ یوں اچھل کر دو فٹ دور ہوئی گویا ریڈ کلر کے گفٹ پیک کی بجائے کوئی زہریلا خطرناک اژدھا ہو۔ اس کو کاٹنے، ڈسنے کے لیے بے تاب۔

"مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔؟" اس نے خوفزدہ انداز میں آنکھیں پھیلائیں۔ ایک سرسری سی ملاقات کے بعد یہ تحائف کا لین دین کم از کم اس کی سوچ سے بالاتر تھا۔ کرن کی سالگرہ میں اسے دیکھا تھا، بظاہر خوش شکل، شوخ اور ذہین۔۔۔ کھلنڈرا نوجوان۔۔۔ مجموعی تاثر اچھا تھا، مگر اب اس چیپ حرکت پر اسے اپنی سوچ میں ردوبدل کرنا پڑا۔ کچھ دیر ہنسنے بولنے کا شاید انعام تھا۔ گفٹ پیک۔

"اتنی انجان مت بنو، میری کزن کی راتوں کی نیندیں اڑادی ہیں اور اب بھولی بن کر مجھے چکر دینے کے "چکر" میں ہو۔" کرن نے ہنسی دبائی تو سارہ کو غصہ آگیا۔

"اس کے منہ پر مارنا یہ تحفہ۔"

"اتنا ہینڈسم لڑکا کسی اور کو ایسی "آفرز" کرتا تو شاید وہ لڑکی خود کو کچھ اور ہی مخلوق سمجھنے لگتی اور ایک تم ہو۔" کرن نے حد درجہ تاسف سے اسے گھورا تو وہ زہرخند ہوئی۔

"میں "ان" گھٹیا لڑکیوں میں سے نہیں ہوں۔" اس نے نوٹس بناتے ہوئے رکھائی سے کہا تو کرن اپنے لہجے کو بدلتے ہوئے بولی۔

"دوستی کی آفر ہی تو کی ہے اس نے، تم خوامخواہ غصہ کرنے لگی ہو اور فرینڈز کو گفٹ وغیرہ تو دیتے ہی رہتے ہیں۔"

"اول تو میں اسے اپنے دوستوں کی فہرست میں شامل ہی نہیں سمجھتی اور دوم دوستی کے لیے میرا معیار کچھ اور ہے۔" سارہ نے بے نیازی سے کہا تو کرن چبھتے لہجے میں بولی۔

"میں آپ کا "معیار" جاننا چاہ رہی ہوں۔"

"مگر میں آپ کو بتانا نہیں چاہتی۔ دیکھو کرن! ہم اچھی فرینڈز ہیں، تم کیوں ایک غلط بات پر مجھے قائل کرنے کی کوشش میں وقت ضائع کر رہی ہو۔ تم جس طبقے سے تعلق رکھتی ہو، وہاں ایسی باتیں معیوب نہیں سمجھی جاتیں، مگر میرا ماحول، تربیت اور ماں کی نصیحتیں جو مجھے گھٹی میں پلائی گئی ہیں، ان کا تقاضا یہ ہے کہ میں ان چمکتی دمکتی باتوں سے گریز کروں۔" وہ اس ایک سرسری ملاقات میں نبیل کی آنکھوں سے ٹپکتے پیغام کو سمجھ چکی تھی۔ اس نے بہت سوچا تھا، ہر پہلو کو سامنے رکھ کر آدھی آدھی رات تک جاگتی رہی اور اس کا نتیجہ انکار کی صورت میں سامنے آچکا تھا۔

وہ اپنی روایات سے بغاوت کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اگرچہ اچھی زندگی کے خواب کس کو برے لگتے ہیں، مگر یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے بے زار تھی یا اپنے گھر کے مسائل، معاشی پریشانیاں اسے زہر لگتی تھیں بلکہ اپنی ماں کے "تفکر" کا احساس اسے اپنی دوسری بہنوں جتنا ہی تھا۔ بس وہ اظہار کے طریقوں سے نابلد تھی۔ کرن شاید اس کی باتوں سے قائل ہوچکی تھی، لہٰذا اس کے گال پیار سے تھپتھپا کر گفٹ اٹھائے واپس چلی گئی۔ سارہ نے اس آزمائش میں کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کی اور کتابوں کی

طرف متوجہ ہوگئی۔

وہ کرن کو جواب دے کر اور مایوس لوٹا کر ہلکی پھلکی ہوچکی تھی۔ ان کی دوستی پہلے طرح قائم دائم تھی۔ اکثر وہ کرن اور نادیہ کے ہمراہ پزاہٹ اور آئس کریم پارلر تک چلی جاتی تھی، اسے اپنی دوستوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا اچھا لگتا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس پر دقیانوسی خیالات کی مالک، گنوار پن اور اجڈ لڑکی کا لیبل لگ جائے۔ وہ سب شوخ، چنچل، آزاد خیال لڑکیاں اسے تحقیر بھری نظروں سے دیکھیں اور اس کا مذاق بنانے کی کوشش کریں۔ اسے اپنی عزت نفس اور انا بہت عزیز تھی۔ بہت سے دن کوئی انوکھا واقعہ رونما ہوئے بغیر گزر گئے تھے، جب ایک دن کرن پھر سے نبیل کا پیغام لے آئی۔

"سارہ یار! وہ ایک مرتبہ تم سے ملنے کو بے چین ہے۔ وہ تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ اس نے میری بہت منتیں کی ہیں کہ ایک مرتبہ میں تمہیں اس سے ملوادوں۔ یار! میں بھی تو تمہارے ساتھ جاؤں گی، بات سن لینے میں کیا حرج ہے۔" وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

"سوری کرن!" وہ آخری سیڑھی سے اترتے ہوئے بولی۔

"میں اس سے ایک دفعہ بھی ملنے کی خواہش نہیں رکھتی۔" اس کا انداز حتمی تھا، گویا وہ مزید بات سننے کی خواہش نہیں رکھتی تھی۔ اب وہ دونوں گراؤنڈ میں آچکی تھیں۔ سنہری دھوپ کی حرارت نے قدرے پرسکون کیا تھا، ورنہ لائبریری میں تو مسلسل دانت بج رہے تھے۔

"تو گویا تم نبیل کے سامنے کمزور ہونے سے ڈرتی ہو۔ مان لو سارہ! کہ اس کی پرسنالٹی بہت چارمنگ ہے۔" کرن نے مختصر الفاظ میں بہت گہری بات کہہ دی تھی۔ چند لمحوں کے لیے سارہ بالکل گم سم سی رہ گئی۔

"میں اس کی باتوں کے سحر سے خوف زدہ ہوں۔" اس نے چپکے سے اعتراف کرلیا تھا، مگر بظاہر مضبوطی سے بولی۔

"ایسی بات نہیں۔"

"اول۔۔۔ ہوں۔۔۔ ایکچوئیلی! تم اندر سے گیلی نرم مٹی کی طرح ہوچکی ہو، مگر ظاہر نہیں کرتیں۔ تمہیں وہ اچھا بھی لگتا ہے اور اپنے ماحول اور اسٹیٹس کی وجہ سے اس سچائی کو تسلیم نہیں کرنا چاہتیں۔ اگر تمہیں وہ اتنا ہی ناپسند ہی تو یہی بات اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ دینا، اپنی نفرت کا اظہار اس کے منہ پر کرنا۔ میں مان جاؤں گی کہ سارہ عبدالرحمٰن بہت سچی، کھری اور مضبوط لڑکی ہے۔" کرن کی آنکھوں میں بھرپور چیلنج کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ سارہ کو ایکدم جلال آگیا تھا اور اس نے اس چیلنج کو قبول کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وہ آج کے دور کی سمجھ دار، باشعور اور پراعتماد لڑکی تھی، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس میں جذباتیت بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس نے اپنی جلد بازی اور غصے کی بدولت ایک غلط فیصلہ کرلیا تھا۔

"تعجب ہے لوگ میت پر روتے ہیں۔ جس کا جسم مردہ ہوچکا۔۔۔ بے حس، بے جان اور اس پر نہیں

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے
فوزیہ یاسمین
قیمت ۔۔۔ -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com

روتے جس کا دل مردہ ہو جائے۔ اللہ کی یاد سے غافل رہنے والا مردہ ہی تو ہے۔ زنگ آلود، کھردرا، بے رنگ بے کار لوہے جیسا دل..... اور یہی دل کی موت ہی تو تشویش ناک ہے ورنہ جسم اور روح کی جدائی کا معاملہ تو سب کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ موت کوئی تکلیف یا پریشانی کا باعث نہیں۔ موت اللہ کی طرف سے مومن کے لیے تحفہ ہے۔ جنہوں نے قلم پکڑے ہیں وہ کبھی غلط تو نہیں لکھتے۔" بابا صاحب کی آواز بیٹھک سے باہر تک آرہی تھی اور درمکنون کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"اس تحفے سے اللہ مجھے کیوں نہیں نوازتا وہ تو جانتا ہے میرے اندر اب جینے کی تمنا نہیں رہی۔ پھر مجھے مزید آزمائش میں کیوں ڈال رکھا ہے۔ میں ان آتی جاتی بوجھل، پشیمان اور ندامتوں کے بوجھ سے بھاری سانسوں سے آزادی چاہتی ہوں۔ میری ان تھکی تھکی غمزدہ نم آنکھوں کو گہری پرسکون اور طویل نیند کی آرزو ہے۔ مجھے گہری نیند سونا ہے۔ ان آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب اترے ہیں۔ صحراؤں کی ریت اڑ رہی ہے، اس قدر چبھن ہے۔ اتنی اذیت ہے۔ یہ وجود اب مٹی کا ڈھیر بن جانا چاہتا ہے۔ مجھے مٹی کی سوندھی باس اور گیلی گیلی پرنم خوشبو اپنی طرف بلا رہی ہے مگر بیچ میں نہ جانے روح اور جسم کا تعلق ٹوٹنے میں کتنا فاصلہ اور وقت درکار ہے۔

میں نے اندھیروں سے اجالوں تک کا کٹھن، طویل اور صبر آزما سفر طے کر لیا ہے۔ میں آج ایسے ہی بے خوف اور نڈر ہوں جیسے روشنی اور میٹھی، ٹھنڈی دودھیا چاندنی میں ہوتی ہوں۔ کیونکہ اب میں جان گئی ہوں، پہچان گئی ہوں اور اس حقیقت کو پالیا ہے میں نے کہ میرا پروردگار خاموشیوں میں، تنہائیوں میں، ظلمتوں کے بھیانک سائے میں بھی میرے ساتھ ہے۔ اس دل نے اب ظاہری اور نفسانی لذتوں سے منہ موڑ لیا ہے۔ اس مردہ دل میں اک نئی روح نے جنم لیا ہے۔ مردہ دلوں کے لیے تصوف مشکل ترین ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تصوف روح کی غذا ہے۔ جس سے نفس باطل شرمندہ ہوتا ہے۔ دل زندہ ہوتا ہے اور روح باطن کی آنکھ سے دیکھنے والی بن جاتی ہے۔ تصوف سے انسان اللہ کا برگزیدہ بن جاتا ہے۔ نفسانی لذتیں زہر بھرے پیالے کی مانند لگتی ہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس نے بھی تصوف کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں جانے کی تیاری ہے؟" وہ ابھی ابھی آفس سے آیا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ریڈ سوٹ میں ملبوس بنی سنوری سی عنوہ کو دیکھ کر زیان نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ سے مطلب؟" بال سلجھاتے ہوئے اس نے آئینے میں نظر آتے زیان کے عکس کو دیکھ کر کہا اور دوبارہ سے اپنے سنہری لچھے دار چمکیلے بالوں میں برش چلانے لگی۔ بھرپور ناراضی کے طور پر زیان کی طرف پشت بھی کر لی گئی تھی۔ زیان کے لبوں کی تراش میں ایک خوب صورت مسکراہٹ چمک اٹھی..... وہ دبے پاؤں ڈریسنگ ٹیبل پر دھیرے دھیرے چلتا ہوا عنوہ کے بالکل قریب آن پہنچا اور پھر اس کے نازک شانوں پر ہاتھوں سے دباؤ ڈالتے ہوئے قدرے آگے کی طرف یوں جھکا کہ نازک سی عنوہ اس کے پورے وجود میں گویا چھپ سی گئی تھی۔ اس نے بانہوں کی زنجیر سے بنا کر اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔ عنوہ نے مچل کر حصار توڑنا چاہا۔ زیان نے اس کا ارادہ بھانپ کر بازوؤں کے گھیرے کو مزید تنگ کر کے اسے خوب بھینچا تو وہ خفگی کے اظہار کے طور پر خوامخواہ چلانے لگی۔

"چھوڑیں مجھے..... ورنہ مار ڈالوں گی۔"

"تو مار ڈالو۔" زیان نے اپنا چہرہ اس کے گال سے رگڑا تو وہ تنتنا اٹھی۔

"مجھے چھونے کی ضرورت نہیں۔" عنوہ پھنکاری۔

"کیوں غصے سے بل کھا رہی ہو؟" اس نے ایک اور بھرپور شرارت کر ڈالی تھی۔ عنوہ کو رونا آگیا۔

"یعنی میری خفگی، ناراضی کوئی معنی نہیں رکھتی۔" وہ دکھی دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

"ارے..... ارے یہ کیا..... بن بادل کے برسات، عنوہ جان، جانم..... کیا ہوا ہے؟" اپنے سینے پر آنسوؤں کی نمی اور دو شفاف قطرے ہاتھوں پر گرتے محسوس کر کے وہ چونکا، ٹھٹکا اور پھر عنوہ کو اپنی طرف گھما ڈالا۔

"کیوں رو رہی ہو؟" زیان پریشان سا ہو گیا تھا۔ عنوہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

"بولتی کیوں نہیں ہو کوئی تکلیف ہے؟ درد ہے؟ پی پی تو لو نہیں۔" وہ تفکر کے عالم میں اسے جھنجوڑ کر سختی سے بولا تھا مگر عنوہ نے رونے کا شغل جاری رکھا بلکہ اتنی توجہ پا کر مزید آنسوؤں میں روانی آگئی۔

"بتاتی کیوں نہیں ہو؟ کیا جان لو گی۔" وہ کس قدر پریشان لگ رہا تھا۔ عنوہ کو دل ہی دل میں حد درجہ خوشی محسوس ہوئی۔

"اچھا ہے..... کچھ دیر ہوتے رہیں پریشان، مجھے اتنا انتظار کروایا ہے۔ اب میں بھی تھوڑی دیر تک یوں ہی ستاؤں گی۔"

"تمہاری ممی کا تو فون نہیں آیا؟" اب وہ رونے کی وجہ تک پہنچنا چاہ رہا تھا۔ عنوہ خاموشی سے سوں سوں کرتی رہی۔ زیان نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ آنکھیں رونے کی وجہ سے اور بھی شفاف اور گلابی مائل ہو گئی تھیں۔ ننھی سی ناک سرخ کر لی تھی اس نے رگڑ رگڑ کر..... زیان نے اس کے شانوں سے ہاتھ ہٹائے اور پھر بلند آواز میں مس نینی کو بلانے لگا۔ عنوہ ایک دم گڑبڑا سی گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں مس نینی کانپتی لرزتی بیڈ روم میں داخل ہوئی۔

"کیوں رو رہی ہے یہ کیا کوئی گھر میں آیا تھا یا پھر کسی کا فون آیا ہے؟" مس نینی کی بے وجہ ہی درگت بننے والی تھی۔ عنوہ فوراً ہی سنبھل گئی۔ آنسو سرعت سے پونچھے اور مس نینی سے مخاطب ہوئی۔

"آپ جائیے مس نینی! میں ٹھیک ہوں۔ انہیں تو بس وہم ہو جاتا ہے۔" اس نے بے ربط انداز میں کہا تھا۔ مس نینی نے اجازت طلب نظروں سے زیان کی طرف دیکھا اور پھر جانے کا سگنل پا کر باہر نکل گئی۔ عنوہ اطمینان سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

"اب بتاؤ کیوں مگرمچھ کے آنسو چھم چھم برسائے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" عنوہ چلائی اور پھر کلاک پر نگاہ پڑی تو اس کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"شرم نہیں آتی دیر سے گھر آتے ہوئے۔ صبح ایک سو بیس مرتبہ یاد دہانی کروائی تھی کہ شام کو جلدی تشریف لے آئیے گا۔ ایک فرینڈ کے ولیمے میں شرکت کرنی ہے مگر آپ....."

"او سوری یار!" زیان نے سر پر ہاتھ مار کر اپنے جھلکتے پن کو کوسا اور پھر عنوہ کی طرف بغور دیکھنے لگا۔

"اب جلدی سے تیار ہو جائیے۔ رمیز اور ثمن نے دو مرتبہ فون بھی کیا ہے۔" عنوہ وارڈ روب سے اس کے کپڑے نکالتے ہوئے بولی تھی۔ اب مزید ناراضی میں وقت ضائع کرنے سے بہتر تھا خود بخود ہی صلح کر لی جائے۔

"ایسا ہے عنوہ! کہ تم اکیلی ہی چلی جاؤ۔ آج ایک ہنگامی میٹنگ کی وجہ سے سارا دن مصروفیت رہی ہے۔ سچی بہت تھک چکا ہوں میں۔ بہت نیند آرہی ہے۔" زیان نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور جوتوں سمیت بیڈ پر ڈھے گیا۔

"تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔ تمہاری خفگی کی وجہ سے اجازت دے رہا ہوں ورنہ دل تو نہیں چاہ رہا تمہیں اس وقت بھیجنے کو۔ گھر میں رہتیں۔ کوئی ہماری خدمت شدمت کر کے ثواب کماتیں۔"

"تو آپ نہیں جائیں گے۔" عنوہ نے مایوسی سے کہا اور دوبارہ سے وارڈ روب کھول کر کپڑے پیکنگ کرنے لگی۔

"سوری جانم! غصہ مت کرنا..... اچھے موڈ کے ساتھ ولیمے کی دعوت اڑا کر آؤ۔" وہ تکیہ منہ پر رکھ

www.pkdigest.com

چکا تھا۔ عنوہ نے بے دلی سے لائٹس آف کیں اور دھیرے سے دروازہ بند کر کے باہر آگئی۔ کوریڈور کے آخری سرے پر مس نینی کھڑی تھی۔ عنوہ اک لمحے کے لیے مس نینی کے قریب رکی اور بولی۔

"صاحب کھانا نہیں کھائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے کمرے میں ٹھنڈا دودھ پہنچا دیجیے گا۔"

"اوکے میم۔" اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔

عنوہ تیز تیز چلتی پورچ تک آئی۔ ڈرائیور پہلے سے ہی گاڑی نکالے منتظر کھڑا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر بیک ڈور کھولنے لگا۔

ولیمے کی ارینجمنٹ مغل اعظم میں تھی۔

ولیمے کی دعوت چونکہ وسیع پیمانے پر تھی اسی لیے دونوں ہال کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ عنوہ کو ایک چیز بہت پسند آئی تھی۔ مردوں اور خواتین کا انتظام الگ الگ کیا گیا تھا۔ ثمن اسے دیکھتے ہی لپک کر آگئی۔ آج تو اس اول جلول حلیے والی ثمن کی سج دھج بھی دیکھنے کے قابل تھی۔

"عنوہ آپی! اتنی دیر سے آئی ہیں آپ' اور وہ بھی اکیلی۔۔۔ آپ کے ان کو دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔"

"زیان بہت بزی تھے۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"ننانوے فیصد عورتوں کی طرح جھوٹ مت بولیے وہ مصروف تھے۔ انہیں کام تھا۔ بے چارے تھکے ہوئے تھے۔" ثمن کھلکھلائی تو عنوہ جھینپ سی گئی۔

"آیئے میں آپ کو اپنی پیاری سی مامی سے ملواتی ہوں۔" ثمن اس کا ہاتھ تھامے اسٹیج کی طرف لے گئی تھی جہاں پیاری سی کامنی سی تیکھے نقوش اور گورے رنگ والی تھی سنوری سی شرمائی لجائی دلہن لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی۔

"دیکھیے ہٹو بھئی' ہمیں بھی دیکھنے دو۔" ثمن نے جھنجلا کر ایک دو لڑکیوں کو ٹھوکے دیے اور پھر زروہ کے قریب پہنچ کر بولی۔

"مامی! ان سے ملیے یہ عنوہ آپی ہیں۔۔۔ ماما کی فرینڈ۔۔۔ اب ہماری بھی پکی فرینڈ بن چکی ہیں۔"

"بیسٹ وشز فار آلانگ اینڈ ہیپی میرڈ لائف۔" عنوہ نے اپنا ملائم ہاتھ اس کے نازک گداز حنائی ہاتھ کی طرف بڑھا کر نرمی سے دبایا اور بہت خلوص سے نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔ وہ زروہ کے برابر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ رمیز کی چوائس ہیں یا پھر اس کے گھر والوں کی؟" کافی دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔

"یہ عمدہ چوائس ہماری بانو کی ہے۔ پھر باقی سب کی بھی پسندیدگی شامل ہو گئی تھی۔" ثمن نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ صوفے کے پیچھے کھڑی تھی۔ اسی پل دو خوب صورت لڑکیاں ایک ساتھ اسٹیج پر آئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے بہت غور سے عنوہ کی طرف دیکھا۔۔۔ شاید پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ دراصل وہ کب سے زروہ آپی کے ساتھ محو کلام اس لڑکی کو نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

"کہاں دیکھا ہے میں نے انہیں۔" منیبہ مسلسل سوچ رہی تھی۔ تنگ آکر اس نے ذہن پر زور ڈالنا ہی چھوڑ دیا۔

"یہ زروہ مامی کی بہنیں ہیں۔" ثمن نے ایک مرتبہ پھر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہیلو۔۔۔ السلام علیکم۔" دونوں نے بیک زبان مختلف الفاظ ادا کیے۔ عنوہ نے دلچسپی سے سارہ اور منیبہ کو دیکھا۔ پھر ثمن نے ان سب سے عنوہ کا تعارف کروایا۔ زروہ کی امی' بہنیں' شگفتہ آنٹی' زرین اور اپنی تمام فرینڈز سے۔

"ارے یہ تو احمق ہے۔ تم کیوں اس کے ساتھ گھسٹتی جا رہی ہو۔" چونکہ مووی بن رہی تھی اسی لیے رمیز کو بھی بلوایا گیا تھا۔ جوں ہی وہ اسٹیج سے اترا عنوہ کو ثمن کی سہیلیوں کے جھرمٹ میں دیکھ کر چکرا گیا۔ وہ گھبرائی' بوکھلائی ان کے تابڑ توڑ سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔ رمیز نے ان کے قریب آکر اچھا خاصا انہیں ڈیٹ کر کہا تھا۔ اور ساتھ اسے بھی گھر کا۔

"تم بس موت میں ہی ماری جانا عنوہ! میں تو سوچ رہا تھا کہ تم بدل گئی ہو مگر تم تو بالکل پوپی ٹیل چھلانے والی عنوہ ہو۔ ویسی ہی بامروت اور گھبرائی بوکھلائی سی۔ نہیں نکالا کرو تین جواب دو۔ خود بخود منہ بند ہو جائیں گے۔"

"رمیز! یہ مجھے ماڈلنگ کے مشورے دے رہی ہیں۔ اگر زیان یہاں ہوتا تو ان مشورے دینے والیوں کی خیر نہیں تھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے رمیز کو بتایا اور شادی کی مبارک باد دی۔

"تمہارے زیان صاحب نہیں آئے۔۔۔؟"

"ایکچوئلی! ایک ایمرجنسی میٹنگ کی وجہ سے وہ آفس سے لیٹ آئے تھے۔ چونکہ تھکے ہوئے تھے اسی لیے میں نے زور نہیں دیا۔ تمہاری شادی کی پہلی دعوت ہماری طرف ہو گی میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ تمہیں ضرور آنا ہو گا زروہ کو لے کر۔" اس نے زروہ اور رمیز دونوں کو خلوص سے انوائٹ کیا تھا۔ زروہ نے مسکرا کر ہامی بھری تھی۔ یعنی عنوہ نے اس کی مسکراہٹ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کی دعوت قبول کر چکی ہے۔

"اللہ حافظ آنٹی!" وہ رمیز اور زروہ کو وش کرنے اور گفٹ اور کیش دینے کے بعد شگفتہ بیگم کی طرف بڑھ آئی۔

"جا رہی ہو بیٹے!"

"جی آنٹی! کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ ساڑھے بارہ تو بج چکے ہیں۔ پوری زندگی میں پہلا لیٹ نائٹ فنکشن اٹینڈ کیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا تو شگفتہ بیگم کے برابر بیٹھی فاخرہ بھی مسکرا دی تھیں۔

"دیکھ! بابا کے ساتھ آئی ہو یا بھائی کے ساتھ۔" خالہ قمری پان کی گلوری چپکے سے منہ میں رکھتے قریب آگئی تھیں۔

"میں ڈرائیور کے ساتھ آئی ہوں۔"

"اتنی رات ہو گئی ہے۔ زیور گہنا پہن رکھا ہے۔ احتیاط سے جانا اور ہاں آیت الکرسی کا ورد بھی کرتی رہنا پورے سفر کے دوران۔" انہوں نے عادتاً سمجھایا تو عنوہ کو اس خیر عورت کی اپنے لیے فکر مندی بہت اچھی لگی تھی۔ اور جب وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تو اچانک کچھ خلش ہوا۔

"آیت الکرسی کا ورد کرتی رہنا۔" عنوہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان چند الفاظ نے اسے گویا اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ وہ سحر زدہ سی انہی لفظوں میں کھوئی رہی۔

"کیا بہت ہی طاقت ہے ان لفظوں میں۔" اس نے حیرانی سے سوچا اور آیت الکرسی کو ذہن میں دہرانے لگی۔

مگر بہت بچپن میں قاری صاحب سے لیا گیا سبق حافظے سے نکل گیا تھا مگر عنوہ کو ان چند لمحوں میں گویا جستجو بے تاب کر رہی تھی۔ ان لفظوں کو اپنی زبان سے ادا کرنے کے لیے وہ بے حد بے چین تھی۔ اسے گھر جا کر کچھ کتابوں کا مطالعہ کرنے کی جلدی تھی۔

☼ ☼ ☼

اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم بے ساختہ نسوانی قہقہے اور گمبھیر مردانہ ہنسی کی آواز سن کر ٹھٹک گئے تھے۔

"زیان۔" اس کے لبوں سے اک سرد آواز نکلی۔

"ساتھ کون ہے؟" وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگنے لگی۔۔۔ شدید غصے کے عالم میں اس نے سٹنگ روم کے آبنوسی دروازے کی ناب گھمائی اور ہلکا سا دروازے کو پش کیا۔ سامنے کاؤچ پر نیم دراز بے حیائی کا نمونہ ماریہ جلوہ افروز تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر رکھے صوفے پر زیان بیٹھا تھا۔ عین وسط میں رکھی گلاس ٹیبل پر شغل کے تمام لوازمات ترتیب سے رکھے تھے۔ عنوہ کے اندر آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے خوب سانس کھینچ کر اس بدبو کو محسوس کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ بو کس چیز کی ہے۔ یوں بھی اس انتہائی غلیظ بدبو سے اس کی بچپن سے ہی آشنائی تھی۔ اس کی ماں کا فیورٹ ڈرنک تھا۔

عنوہ کو اس پل نہ جانے کیا ہوا۔ منہ پر ہاتھ رکھے

www.pkdigest.com

سسکیاں روکتی وہ بھاگتی ہوئی اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ ضبط کی تمام تر طنابیں چھوٹ گئی تھیں۔ وہ بیڈ پر اوندھی لیٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

نہ جانے کتنے پل، کتنے لمحے اور کتنے گھنٹے بیت گئے تھے۔ جب کلک کی آواز سے دروازہ کھلا اور کوئی سست قدموں سے چلتا ہوا اس کے برابر ڈھے گیا۔ عنوہ نے شدت گریہ سے سرخ آنکھیں کھول کر اپنے قریب لیٹے زیان کی طرف دیکھا جو نجانے کیا کیا بڑبڑا رہا تھا۔ ان تین مہینوں میں پہلی مرتبہ عنوہ نے اسے یوں مدہوشی کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ زیان نے پینا پلانا چھوڑ دیا ہے مگر اس کے اکثر اندازے غلط ہی ثابت ہوتے تھے۔

"ماریہ نو سالوں سے بھڑکتی آگ کو پھر سے دہکا گئی ہے۔" زیان نے نفرت سے اونچی آواز میں کہا اور پوری قوت سے شرٹ کو اس طرح کھینچا کہ تمام بٹن ٹوٹ کر جابجا بکھر گئے تھے۔ پھٹی ہوئی شرٹ کا گولا بنا کر اس نے کارپٹ کی طرف اچھال دیا تھا۔ عنوہ سمجھ رہی تھی کہ اسے بہت چڑھ گئی ہے مگر زیان پورے ہوش و حواس قائم رکھے ہوئے تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھا اور بغیر لڑکھڑائے روم فریج سے ایک لیٹر کی پیپسی کی بوتل نکال کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ صرف تین منٹ میں اس نے پوری بوتل خالی کر کے اچھال دی تھی اور خود صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے پوری سرخ انگارہ آنکھیں کھولے عنوہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جو حق دق سی مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"عنوہ! تم گھبرا رہی ہو؟" وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ زیان سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔ وہ یقیناً "بہت خوفزدہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

"تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟" زیان دھیرے سے مسکرایا۔ نہ جانے کیوں عنوہ کو یہ مسکراہٹ زخمی سی لگی تھی گویا بہت ہی مشکل مرحلے سے گزر کر محض کسی دوسرے کو بہلانے کی غرض سے مسکرا دینا۔

"تم جانتی ہو "خندہ مینا" کے کیا معنی ہیں۔" اب وہ بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

اس کے سیاہ بالوں کی جڑوں میں سے اچھی خاصی ٹھنڈ کے باوجود پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ اس کی سفید صحت مند گردن پر بھی پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"تم کہاں جانتی ہو گی؟" وہ ہولے سے مسکرایا۔ ویسی ہی اذیت ناک زخمی سی مسکراہٹ۔

"ایسی باتیں اس ماریہ کو پتا ہوتی ہیں یا پھر دریہ کو معلوم تھا۔ تم جانتی ہو عنوہ! دریہ کو خندہ مینا کی آواز بہت پسند تھی۔ وہ مجھ سے زیادہ پیگ پر پیگ چڑھاتی تھی۔ میں چیختا رہ جاتا تھا مگر وہ پیے جاتی تھی۔ اسے شیشے کے گلاس میں شراب انڈیلتے وقت جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ بہت پسند تھی۔ صرف اس آواز کو سننے کے لیے وہ پیگ پر پیگ بنائے جاتی۔ نہ جانے کیا کشش تھی اس آواز میں۔۔۔ اسے مجھ سے زیادہ شراب کی آواز سے دلچسپی تھی۔" وہ گردن سے پھسلتے پسینے کے قطروں کو ہاتھوں کی پشت سے پونچھتا کہہ رہا تھا۔ عنوہ کی الجھنوں میں ایک اور الجھن کا اضافہ ہو چکا تھا۔

"دریہ۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"نہ جانے کتنی پرتیں ہیں تمہاری زیان! اتنے دبیز پردوں میں تمہاری ذات چھپی ہے۔" اس نے اذیت سے اپنے نچلے لب کو دانتوں سے چبایا یہاں تک کہ اک ننھی سی خون کی بوند ٹپک پڑی تھی۔

"نہ جانے میں کیوں اس کو یاد کر رہا ہوں۔ میری زبان پر اس ناپاک غلیظ دریہ کا نام آیا بھی کیسے؟" اب وہ حیرانی سے خود کو مخاطب کر کے دو چار گالیوں سے نواز رہا تھا۔

"بڑی بے شرم اور بے غیرت عورت تھی۔ میری روح کا ناسور۔ میری زندگی کا عذاب، پہلے میری محبتوں کا محور تھی پھر نفرتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور اب میں نے اس نفرت کے پودے کو بھی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ اچھا کیا ہے نا عنوہ! اب دیکھو نا محبت ہو یا نفرت انسانوں سے کی جاتی ہے مگر میں تو سرے سے اسے انسانوں کی لسٹ سے خارج کر چکا ہوں۔ بلکہ وہ تو عورت بھی نہیں۔۔۔ اک خونخوار بلی

تھی۔ جس نے میری زندگی کے نو سالوں کا رس چوس لیا ہے اگر تم نہ ملتیں عنوہ! تو میں۔۔۔ سانسوں کے اس سلسلے کو ہی ختم کر ڈالتا۔" اب وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر اس نے عنوہ کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ مگر وہ چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ زیان اپنی دھن میں مگن کہہ رہا تھا۔

"وہ زہریلی ناگن تھی۔ کوبرے جتنا زہر تھا اس میں میں نے ہاتھ لگایا اور نیل نیل ہو گیا۔ گندی عورت۔" وہ نفرت سے پھنکارا اور پھر اس کی طرف رخ کر لیا۔

"مگر تم ایسی نہیں ہو، سب سے مختلف ہو، سب سے الگ۔ بہت خالص، شفاف، بہت ہی پاکیزہ، مقدس۔ تمہیں خاص طور پر اللہ نے میرے لیے بنایا ہے۔ تم گوہر، موتی، لعل یا عقیق ہو۔ جی چاہتا ہے اک خوشبو سے بھری ڈبیا میں بند کر کے تمہیں اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا لوں۔ تم جو ہی ہو یا روبل۔۔۔ یا پھر گل مان ہو یعنی پھول کی جان۔۔۔ کسی پہاڑ کے عین وسط سے نکلنے والی آبشار، پانی کے صاف شفاف چادر ہو۔ ٹھنڈا میٹھا گھنٹیاں بجاتا جھرنا ہو۔ میری روح کا اطمینان ہو۔ میرے دہکتے دل کو تمہاری قربت کی ٹھنڈک نے گلزار کر دیا ہے۔ عنوہ! میں تمہیں پا کر بہت خوش ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں نے سارے جہان کی خوشیاں سمیٹ لی ہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں تم کیوں رو رہی ہو عنوہ!" وہ لرز رہی تھی، کانپ رہی تھی۔ اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ زیان چونک گیا تھا اور پھر نیند سے بوجھل، بمشکل آنکھیں کھولے اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارے آنسو تو بہت قیمتی ہیں عنوہ!" وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔

"رانیہ روئے، دریہ بھی روئے۔ دنیا کی ساری عورتیں دھاڑیں مار مار کر روئیں مگر عنوہ تم کبھی بھی نہ رونا۔ مجھے عورت کے آنسو وحشت میں مبتلا کر دیتے ہیں اور تمہاری آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ جب تم روتی ہو تو میں پریشان ہو جاتا ہوں۔ میرا دل پریشان ہو جاتا ہے۔" زیان نے اس کے بھیگے گلابی چہرے کو ہاتھ سے چھو کر کہا۔ اس نے تنفر سے زیان کے ہاتھ جھٹکے اور خود کھسک کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زیان کا منہ کسی مضبوط شے سے باندھ دے، یہاں تک کہ اس کی آواز نہ نکلے۔

"تمہیں سمیل آ رہی ہے نا۔۔۔ اس کی سمیل ہوتی ہی بری ہے۔ مجھے بھی اب اچھی نہیں لگتی، مگر اس نے نہ جانے کون کون سے زخموں سے کھرنڈ اتار ڈالے ہیں کہ مجبوراً" غم بھلانے کے لیے مجھے تھوڑی سی پینا پڑی ہے۔ یہ آخری مرتبہ پی ہے۔ اب کبھی منہ نہیں لگاؤں گا۔ میں جانتا ہوں تمہیں ڈرنک کرنے والے لوگ برے لگتے ہیں۔ میں تمہاری نظروں میں صرف اچھا رہنا چاہتا ہوں۔ مگر دیکھو نا عنوہ! تمہاری ممی بھی تو چین ڈرنکر ہے۔ وہ بھی غم بھلانے کے لیے پیتی ہیں۔

تم تیئس سال اپنی ماں کے ساتھ رہی ہو اور تمہیں پتا بھی نہیں کہ تمہاری ماں بھی بہت روگی تھی۔ انہیں بھی محبت کی چاہ تھی۔ وہ بھی دریہ جیسی ہیں۔ بے حیا اور بدبخت۔ ان کے ماتھے پر بھی ندامت کے داغ ہیں۔ جنہیں وہ شراب کے نشے میں دھت رہ کر دھونا چاہتی ہیں۔ بھلانا چاہتی ہیں۔ انہیں ضمیر کے کوڑے چین نہیں لینے دیتے۔ تمہیں پتا ہے، تمہاری ماں کو کس سے محبت تھی؟" وہ آنکھیں مسل کر نیند کو بھگانا چاہ رہا تھا۔ اب کے عنوہ چونکی تھی پہلی مرتبہ اس کے دل میں خواہش جاگی کہ وہ بولتا رہے۔ شاید کچھ راز کچھ بھید کھلنے والے تھے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"تمہارے باپ سے ہاشم فریدی سے۔" وہ بہت زور سے ہنسا تھا۔

"تمہاری ماں کو ہاشم فریدی سے اس وقت محبت ہوئی جب وہ امبرین (گالی) کو اس کی خواہش کے مطابق طلاق دے کر ہمیشہ کے لیے کہیں چلا گیا تھا۔ سننے میں آیا تھا ہاشم فریدی نے خودکشی کر لی تھی۔" وہ خاموش ہوا تو عنوہ کو لگا اس کے دل کی دھڑکنیں بھی رکنے لگی ہیں۔

www.pkdigest.com

"بولو زیان! ورنہ میرا دل رک جائے گا۔" وہ چلا کر بولی تھی۔ زیان نے اس کی بڑبڑاہٹ نما التجا کو نہیں سنا تھا۔ اب وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اٹھائے خود پر اسپرے کر رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ سے بیڈ پر آبیٹھا۔

"اب تو سمیل نہیں آرہی۔" وہ بہت معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ عنوہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں اپنی ممی سے بھی سمیل آتی ہوگی۔ وہ تو بہت ڈرنک کرتی ہیں۔ اسموکنگ بھی کرتی ہیں۔" اس نے کنپٹیاں دبانا شروع کیں تو عنوہ نے میکانکی انداز میں قدرے اس کے قریب کھسک کر اپنے نرم ہاتھوں سے زیان کے سر کو دبانا شروع کر دیا۔

"تمہاری ممی کے سارے گناہ معاف' انہوں نے تمہیں میرے حوالے کر کے مجھ پر عظیم احسان کیا ہے۔ عورت کی وفا اور محبت پر یقین سا آنے لگا ہے۔" اپنی پیشانی پر عنوہ کے ہاتھ کا مہربان لمس محسوس کر کے اسے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہونے لگا تھا۔

"دریہ اور تمہاری ممی میں ذرہ بھر فرق نہیں۔" اس کی ذہنی رو پھر سے بھٹک گئی تھی۔ عنوہ کا رواں رواں کان بن گیا تھا۔ اس نے سرگوشی نما آواز میں پوچھا۔

"دریہ کون تھی زیان!"

"ہے ایک بھولی بسری یاد عورت کے نام پر دھبا تھی۔" اس نے حقارت سے کہا اور آنکھیں موند لیں۔

"تمہاری ممی ایک چین ڈرنکر ہے شرابی عورت' ایسی غلیظ کردار کی عورتوں کی کون عزت کرتا ہے۔ وہ جو تمہارا باپ تھا نا غیرت کے مارے دنیا سے پردہ پوش ہو گیا تھا۔ عجیب بات ہے نا دریہ تمہاری ماں جیسی اور میں تمہارے باپ جیسا۔" عنوہ کو یوں محسوس ہوا تھا کہ زیان کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔ حالانکہ اس کی آواز میں ذرہ برابر آنسوؤں کی آمیزش یا لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔

"میرے تمہارے ساتھ بہت سے رشتے بنتے ہیں عنوہ! اسی لیے میں نے سوچا تمہیں امبرین جیسی عورت کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔ اس نے تو پہلے ہی کے ساتھ تمہارے رشتے کی بات کر لی تھی۔ مجھے بروقت خبر پہنچی تو میں نے امبرین کو باتوں میں الجھا کر شیشے میں اتار لیا۔ مجھے بہت سالوں بعد پتا چلا تھا کہ میرے تمہارے ساتھ دہرے تعلق ہیں۔ امبرین بھی جانتی تھی۔ بس تم بے خبر ہو۔ کتنی معصوم ہو تم کتنی شفاف آنکھیں ہیں تمہاری۔ کتنے نرم ملائم ہاتھ ہیں تمہارے گویا روئی کے گالے۔ تم ایک مقدس راز کی طرح معلوم ہوتی ہو۔ میں نے تمہیں بہت چاہا ہے عنوہ! یوں لگتا ہے مجھے صرف تم ہی سے محبت تھی۔ تم ہی سے محبت ہے۔ باقی سب سراب تھے' وہم تھے تم ہی صرف حقیقت ہو۔ میری زندگی کا سب سے بڑا سچ۔" اب اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ عنوہ کے زانوں پر سر رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"صبح بخیر۔" وہ عنوہ کو واش روم' سٹنگ روم' ڈائننگ ہال ہر جگہ تلاش کرنے کے بعد کچن کی طرف گیا تو وہیں کرسی پر اسے بیٹھے دیکھ کر مسکراتا ہوا اندر آگیا۔ وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ سجائے سوچوں کے سمندر میں ڈوبی بہت افسردہ سی بیٹھی تھی۔ زیان کو فریش اور مسکراتا کھلکھلاتا دیکھ کر حیران سی ہوئی۔ غیر ارادی نگاہ کلاک کی طرف اٹھی تھی۔ دن کے دو بج رہے تھے۔

"مس نینی! بریک فاسٹ ملے گا۔" وہ کپ بورڈ میں چاول اور دالوں کے جار ترتیب سے رکھتی مس نینی سے مخاطب ہوا تھا۔

"یس سر! انکراب تو لنچ بھی ریڈی ہے۔"

"ٹھیک ہے' ابھی صرف اناس کا جوس دے دو۔" زیان سر ہلاتا اسے مکمل نظر انداز کرتا واپس بیڈ روم میں جا چکا تھا۔ مس نینی نے پندرہ منٹ میں جوس تیار کیا اور عنوہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"میم! آپ لے کر جائیں گی؟"

"مجھے کوئی شوق نہیں خدمتیں کرنے کا۔" اس نے

دل میں سوچا اور بظاہر مسکرا کر کہا۔

"آپ ہی لے جائیں میں ذرا لان میں جا رہی ہوں۔" وہ لان میں کچھ دیر بے مقصد ٹہلتی رہی اور مسلسل زیان کی ان تمام باتوں کو سوچتی رہی جو اس نے مدہوشی میں کہہ دی تھیں۔

"جو کچھ زیان نے ممی کے بارے میں کہا ہے یقیناً سچ ہوگا۔" وہ تھک کر نرم و ملائم گھاس پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

"یہ دریہ کون ہے؟" اچانک خیال آنے پر وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"شاید رانیہ کو اس کے بارے میں پتا ہو؟ مگر وہ بھلا مجھے کیوں بتائے گی۔ یہ لڑکی بھی ایک معمہ لگتی ہے۔" اس کی نگاہیں اوپر کو اٹھیں۔ سفید ریلنگ کے پیچھے ایک چہرے نے جھلک دکھائی تھی۔ یقیناً" رانیہ اسے دیکھ کر پھر سے گوشہ نشین ہو چکی ہوگی۔

"اس لڑکی کا سارا دن کمرے میں بند رہ کر دل نہیں گھبراتا۔" وہ بے ساختہ ہی رانیہ کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے رانیہ سے بے حد ہمدردی محسوس ہوتی تھی۔

وہ لاؤنج سے ہوتی ہوئی کچن کے قریب آرکی۔

"کوئی ڈش ٹرائی کر کے دیکھتی ہوں۔ مگر بناؤں گی کیا؟ مجھے تو کچھ پکانا آتا ہی نہیں۔" اس نے کھانا بنانے کا ارادہ ترک کیا بیڈ روم میں جانے کا سوچا۔ مگر زیان کی موجودگی کی وجہ سے وہ تذبذب کا شکار تھی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ اندر داخل ہو گئی۔

"آیئے جناب! آپ کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔" بڑے ہی خوشگوار لہجے میں کہا گیا تھا۔ عنوہ کو سخت غصہ آیا۔

"آپ کے ترکش میں جتنے بھی تیر ہیں۔ سب ایک ہی دفعہ اتار دیجیے میرے ناتواں دل میں۔۔۔ کیوں قسطوں میں مارنا چاہتے ہیں۔" اس کی آنکھوں سے دھواں سا نکلنے لگا تھا۔ وہ بیڈ روم پر اک طائرانہ نگاہ ڈال کر پھیلا وا سمیٹنے لگی۔

زیان گھر میں موجود ہو تو پھر کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نظر نہیں آسکتی تھی۔ زیان چونک سا گیا۔ اس کے لہجے میں چھپے طنز کو وہ با آسانی سمجھ چکا تھا۔ وہ یقیناً" گزری رات کا حوالہ دے رہی تھی۔

"میں نے نہ جانے کیا کیا بکواس کی ہوگی۔ دھت تیرے کی' زیان خبیث سنبھل جا اب خیر نہیں۔ موڈ تو کافی بہتر لگتا ہے مگر طعنے تشنے سننے کی تیاری کر لینی چاہیے۔" اس نے سوچتے ہوئے سر جھٹکا اور گلا کھنکارتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کون سے تیروں کا ذکر فرما رہی ہیں؟"

"میری ممی' رانیہ اور اپنی زندگی کے جتنے ابہام ہیں ایک ہی دفعہ واضح کر دیں۔ تمام حقیقتوں سے پردہ اٹھا دیں تاکہ جو میرے اندر اضطراب اور بے چینی ہے اسے تو کنارہ ملے۔" اس نے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری ایش ٹرے ڈسٹ بن میں الٹی۔۔۔ اور ٹیبل کو اچھی طرح رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔

"یہ کون سے بے ہودہ کام کر رہی ہو؟" زیان نے ناگواری سے ٹوکا۔ عنوہ دلجمعی سے میز صاف کرتی رہی۔ پھر ہاتھ دھونے واش روم میں چلی گئی۔ واپس آئی تو زیان کو گہری سوچوں میں گم پایا۔

"اس کلموہی' واہیات ماریہ کے آنے سے آپ کی تمام تر تھکاوٹ دور ہو گئی تھی اور میں نے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو سخت نیند کا بہانہ بنا کر مجھے ٹال دیا تھا اور میرے جانے کے بعد اس لومڑی کو گھر بلوا کر شغل فرمانے لگے۔" عنوہ نے گہرے کاٹ دار لہجے میں کہا تو زیان کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"میں نے اس کلموہی' واہیات ماریہ کو نہیں بلوایا تھا بلکہ وہ خود ہی آفس کی کوئی فائل لے کر آئی تھی۔ الٹا میرا بھیجا کھاتی رہی۔ منحوس نے ایسا دل جلایا ہے کہ ابھی تک دھواں نکل رہا ہے۔ رو رہا ہوں اس وقت کو جب اس کے ساتھ پارٹنر شپ کا فیصلہ کیا تھا۔ حشام کے سمجھانے کے باوجود۔"

"آئندہ اس گھر میں شراب' شباب کی کوئی محفل سجائی تو ہر شے کو آگ لگا دوں گی۔" عنوہ نے وارننگ دینے والے انداز میں سختی سے کہا تو زیان نے اس کا بازو پکڑ کر قریب بٹھایا اور بولا۔

www.pkdigest.com

"میں لعنت بھیجتا ہوں شباب، شراب پر اور تم بھی ایک دفعہ جانے دو اب صرف اتنا بتا دو نشے میں کچھ الٹا سیدھا تو نہیں بول دیا تھا میں نے۔"

"آپ میری ممی، پاپا کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ پلیز زیان مجھ سے کچھ مت چھپایئے گا۔ میں رات بھر جاگتی رہی ہوں۔ آپ نے میرے پاپا کا ذکر کر کے میرے اندر کب سے کنڈلی مارے حسرتوں کو جگا دیا ہے۔ والدین کا ساتھ، ان کا شفقت بھرا سایہ کتنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک محبت بھرا ماحول اور پیرنٹس کی سچی توجہ و محبت کیا معنی رکھتی ہے۔ یہ کوئی مجھ سے پوچھے۔ ایک ٹوٹے خاندان کے بچے کی شخصیت بہت سے حصوں میں بٹی ہوتی ہے۔ اور ماں جس کے دم سے گھر بنتا ہے اگر اس کی زندگی کے شرمناک پہلو آپ کی زندگی کے ساتھی کو معلوم ہوں تو پل پل ایک نہ ختم ہونے والی اذیت رگوں میں اترتی محسوس ہوتی ہے۔ آپ شاید میرے احساسات تک نہیں پہنچ سکتے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خودکشی کر لوں۔" اس نے ایک دم زیان کے شانے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ زیان نے بوکھلا کر اسے بہت نرمی اور محبت سے اپنی بانہوں میں سمیٹا۔

"لعنت ہو تم پر زیان عبیث! نہ جانے کیا کیا بکتے رہے ہو۔" اس نے خود کو لعن طعن کرتے ہوئے عنوہ کے آنسو پونچھے۔

"عنوہ جان! تمہیں اتنا حساس ہونے کی ضرورت نہیں۔ بھاڑ میں گئیں ممی، خبردار جو تم نے آنسو بہائے۔ ایسی ماؤں کو تو شوٹ کر دینا چاہیے۔ اگر تم بہت سی محرومیوں کا شکار رہی ہو تو ادھر بھی معاملہ ویسا ہی تھا۔ یوں سمجھو میں تمہاری ممی کو جانتا تک نہیں۔ ہمارے پیرنٹس نے ہمیں کچھ بھی نہیں دیا مگر ہم اپنے بچوں کو بہت کچھ دیں گے اب تم اور کتنا انتظار کروانے کے چکر میں ہو۔ سنا دو ہمیں بھی کوئی خوشخبری کان ترس گئے ہیں مگر کسی اچھی خبر کے دور دور تک آثار نظر نہیں آ رہے۔" اس کا انداز بڑا ہی بھرپور گدگدانے والا تھا۔ عنوہ کو ڈھیروں شرم نے آن گھیرا کسی ننھے منے بچے کی قلقاریاں۔ اس کی معصوم سی مسکان، دودھ میں بھیگے گلابی ہونٹ خوابوں کا اک جہان اس کی سنہری آنکھوں میں آبسا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک ہفتے بعد شگفتہ بیگم کے نہ چاہنے کے باوجود زرین نے زروہ کا ہاتھ کھیر میں ڈلوا کر گویا رسم پوری کی اور نیا ارشاد بھی ساتھ ہی جاری کر دیا۔

"اپنی گھر گرہستی خود سنبھالو بنو! امی سے اب چولہا چوکی نہیں سنبھالا جاتا اور کام والیوں کے ہاتھ کا پکا نہ تو امی کو پسند ہے نہ رمیز کو۔"

"جی اچھا آپا!" اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔ وہ خود بھی فارغ بیٹھنا پسند نہیں کرتی تھی۔ پورے گھر کا جائزہ تو وہ پہلے بھی لے چکی تھی۔ تین منزلوں پر مشتمل یہ کوٹھی جدید اور قدیم طرز کا اچھا خاصا نمونہ تھی۔ باقی گھر کی تو قدرے بہتر حالت تھی۔ رانی صفائی، دھلائی وغیرہ کر دیتی تھی البتہ کچن میں آ کر اس کا دماغ اچھا خاصا گھوم گیا تھا۔ اس قدر گندگی اور بے ترتیبی ان کا گھر اگرچہ بہت پھیلا اور معمولی سا تھا مگر صفائی ستھرائی کی وجہ سے سب میں ممتاز نظر آتا تھا۔ اپنے اردگرد کے تمام مکانوں میں زروہ کو اپنا صاف ستھرا مکان ماں کی سلیقہ مندی کا منہ بولتا ثبوت لگتا تھا۔ یہی نفاست فاخرہ نے سب بچیوں کو گھٹی میں گویا پلا دی تھی۔ صفائی نصف ایمان ہے اس بات پر ان کا پورا پورا یقین تھا۔ زروہ کے چہرے پر ایسے تاثرات ابھرے تھے کہ شگفتہ بیگم قدرے شرمندہ سی ہو گئیں۔

"بیٹی! اصل میں زرین کا اکثر پی پی رہتا ہے اور میں بھی گھٹنوں کے درد کے باعث بالکل ناکارہ ہو گئی ہوں اور رہ گئی ثمن تو آج کل کی بچیوں کا تو کچن کے نام سے ہی جی گھبرانے لگتا ہے۔۔۔ اسی لیے۔"

"امی! پلیز، آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے کچھ کہا تو نہیں ابھی دیکھیے گا میں کیسے ہر شے چمکا دوں گی۔" زروہ ان کے شرمندہ انداز پر خود بھی شرمندہ ہو گئی تھی۔ پھر جو اس نے کمر کسی تو شگفتہ بیگم کے منع

کرنے کے باوجود کچن کی حالت بدل کر رکھ دی۔ مگر اس کی اپنی حالت پہچانی مشکل ہو رہی تھی۔

آج ڈنر پر خوب اہتمام کیا تھا اس نے۔۔۔ مونگرے گوشت، کچے قیمے کے کباب، چانپیں پلاؤ، میتھی اور پالک کی بھجیا اور میٹھے میں کھوئے کی پڈنگ وہی اور ثمن کی تو گویا عید ہو گئی تھی۔ رمیز نے بھی ستائشی نظروں سے میز کی طرف دیکھا اور زروہ کے نکھرا پے کو دل ہی دل میں سراہا۔

"مامی! جیو ہزاروں برس۔" وہی نے نعرہ لگایا تھا۔

"ہائے۔۔۔ بددعا تو نہ دو۔" زروہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تو ثمن قل قل ہنسنے لگی تھی۔

"مونگرے گوشت خالہ کے بہت فیورٹ ہیں۔ کیا خیال ہے انہیں لے نہ آؤں۔" امی نے نانو کی طرف دیکھ کر کہا تو انہوں نے بخوشی اجازت دی اور بولیں۔

"شکر ہے میرے بچے کو بھی نیکی کا خیال آیا۔" کچھ دیر بعد خالہ بھی آ گئی تھیں اور ڈنر بہت ہی خوشگوار ماحول میں کیا گیا۔

"رمیز! شکرانے کے نفل پڑھو۔۔۔ کیسی نیک صورت، نیک سیرت بیوی ملی ہے۔ عورت گھر بنانے والی ہو تو مرد کے بھاگ جاگ اٹھتے ہیں۔" خالہ نے نہال ہو کر زروہ کا ماتھا چوما۔

"ایسی نیک صورت، نیک سیرت خاتون میرے لیے بھی ڈھونڈ لیں۔ ابھی سے ہی کوشش کریں گی تب ہی گوہر مطلوبہ ملے گا نا۔" وہی کی زبان پر کھجلی ہونے لگی تھی۔ خالہ نے اسے محبت بھری دھپ لگائی۔

"تو فکر نہ کر۔ میری نظر میں ہے ایک لڑکی۔"

"ہائے۔۔۔ خالہ! کون ہے وہ بتایئے نا۔" ثمن اور وہی تو پیچھے ہی پڑ گئے تھے۔ زرین کب سے دیکھ رہی تھی مگر خاموش صرف خالہ کی وجہ سے تھی جن کے سامنے بول کر بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں تھا اسے۔ ویسے بھی خالہ کے سامنے کس کی چلتی تھی۔ اگلے دن رمیز آفس جانے لگا تو زروہ نے میکے جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔

"آج جانا ضروری ہے۔۔۔ کل چلی جانا۔"

"میں امی سے بھی اجازت لے چکی ہوں۔" زروہ نے ٹھنک کر کہا۔

"اوکے، ریڈی ہو جاؤ۔۔۔ تمہیں آفس جاتے ہوئے چھوڑ جاؤں گا اور واپسی پر تیار رہنا۔ ماش کی دال کی طرح انتظار کی ضرورت نہیں۔" رمیز نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تو زروہ خوشی کے عالم میں چادر اوڑھی، پرس پکڑا۔۔۔ سینڈل پہن کر بالکل تیار ہو کر آئینے میں خود کو دیکھا اور رمیز کے پیچھے باہر نکل آئی۔

"اوہو رمیز! مجھے یاد نہیں رہا آپ کو بتانا کہ عنوہ کا فون آیا تھا۔ وہ ہمیں ڈنر پر انوائٹ کر رہی تھی۔" گاڑی میں رمیز کے برابر بیٹھ کر زروہ نے اچانک خیال آنے پر اسے بتایا تھا۔

"ہوں، چلیں گے کسی دن۔" رمیز نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"عنوہ آپ کی فرینڈ ہے؟"

"میری میں ہم ساتھ تھے۔ اس وقت میں اے لیول کر رہا تھا جبکہ یہ تو فنتھ اسٹینڈرڈ میں ہو گی شاید۔ پھر میں تو آپا کے ہزبینڈ کی ڈیتھ کے بعد ادھر آ گیا تھا۔ اس کے بعد ہمارا کوئی رابطہ نہیں رہا بیچ کے سالوں میں، تمہیں مزے کی بات بتاؤں شادی ہے ایک ہفتہ پہلے میری عنوہ سے اتفاقاً ملاقات ہوئی تھی اور مجھے ابھی تک حیرانی ہے کہ اس نے مجھے پہچان کیسے لیا ہے۔"

"بہت اچھی نیچر کی لڑکی ہے۔" زروہ نے اس کی نرم طبیعت کی تعریف کی۔

"بروکن فیملیز کے بچے یا تو اپنے ماحول سے متنفر ہو کر بگڑ جاتے ہیں یا سنور جاتے ہیں۔ عنوہ دوسری طرح کے لوگوں میں شمار ہوتی ہے۔" رمیز نے احتیاط سے موڑ کاٹا اور زروہ کو گاڑی سے اتر کر گھر تک چھوڑنے آیا۔

"آپ اندر نہیں آئیں گے۔"

www.pkdigest.com

"نہیں' ابھی تو میں لیٹ ہو جاؤں گا۔ واپسی پر بیٹھیں گے کچھ دیر کے لیے' اوکے تم اپنا خیال رکھنا اور شام کو تیار رہنا۔" رمیز واپس چلا گیا تھا اور وہ رمیز کو اس وقت تک دیکھتی رہی تھی جب تک وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلا نہیں گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آغا کے گھر میں نہ جانے کون لڑکی رہنے کے لیے آئی ہے۔" بیگم افراسیاب نے اخبار میں گم شوہر کو مخاطب کیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ مجھ سے کچھ کہا ہے آپ نے۔" خان افراسیاب نے چونک کر بیگم کے بگڑے تاثرات والے چہرے کی طرف دیکھا۔

"نہیں' دیواروں سے باتیں کر رہی ہوں۔" پلوشہ بیگم جل کر بولی تھیں۔

"آغا کے گھر میں تو اکثر و بیشتر مہمان آتے رہتے ہیں۔ اور پھر اس کے اسکول کی ٹیچرز کا بھی آنا جانا لگا رہتا ہے۔ تم کس کی بات کر رہی ہو۔" انہوں نے لاپروائی سے اخبار سمیٹ کر چشمہ بھی اتار کر میز پر رکھا۔

"میں اس لڑکی درمکنون کی بات کر رہی ہوں۔" پلوشہ بیگم کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔ جوان بیٹیوں کی ماؤں کو اکثر ایسے خدشے لاحق رہتے ہیں خصوصاً" جب کوئی اچھا لڑکا بھی بطور داماد کے نظر آ رہا ہو۔ عیشہ کے بھی کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"درمکنون۔" وہ زیر لب بڑبڑائے تھے۔

"ہاں آغا ذکر تو کر رہا تھا اس بچی کا۔ بڑی نیک اور بھلی طبیعت کی لڑکی ہے۔"

"میں نے اس کی اچھائیوں کے قصے سننے کے لیے نہیں بات چھیڑی۔" انہوں نے جھنا کر کہا۔

"آپ ذرا ڈھکے چھپے لفظوں میں بات کریں آغا سے اپنی عیشہ کے لیے۔ عبدل مجھے بہت پسند ہے۔ ایسے ہیرے لڑکے کہاں ملتے ہیں۔"

"عبدل بھائی سے۔" عیشہ ٹھٹک سی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے کچن میں داخل ہو کر کوکنگ رینج پر رکھے کوکر اور فرائنگ پین کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر تمام لذیذ کھانوں کا جائزہ لیا اور پھر مطمئن سی ہو کر مس نینی کے ساتھ کھانا ٹیبل پر لگانے لگی تھی۔ آج حشام نے ان کے ساتھ ڈنر کرنا تھا مگر فیکٹری میں اچانک کچھ مسئلہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے زیان نے اسے فون کر کے آنے سے منع کر دیا تھا اور اسے فیکٹری بھیج دیا۔

"کیا مطلب؟ حشام بھائی نہیں آئیں گے۔" عنوہ نے زیان کی گفتگو سے اندازہ لگایا۔

"میں نے اسے فیکٹری بھیج دیا ہے۔ چند ورکرز کا آپس میں جھگڑا ہو گیا ہے۔ شاید ایک دو شدید زخمی بھی ہوئے ہیں۔" زیان نے موبائل آف کر کے چیئر گھسیٹی اور عنوہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"پھر تو پولیس کیس بن جائے گا۔" اس نے فکر مندی سے کہا۔

"حشام سنبھال لے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ ایسے چھوٹے موٹے مسئلے ہوتے ہی رہتے ہیں۔" اس نے چائنیز فش پلاؤ کی ڈش اپنی طرف کھسکائی۔ معمول کے مطابق اس نے پہلے عنوہ کے پلیٹ میں چاول ڈالے۔ وہ اسی طرح وقتاً فوقتاً اس کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ رکھتا رہتا تھا بقول زیان کے وہ کھانے پینے کے معاملے میں حد درجہ لاپروا تھی۔

"آج حشام تم سے ایک ضروری بات کرنے کے لیے آنا چاہ رہا تھا مگر لگتا ہے بے چارے کی قسمت ٹھنڈی ہے۔" زیان نے پلیٹ پر جھکی عنوہ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ چونکی۔

"کون سی بات؟"

"ایکچوئلی! وہ حنا کو پرپوز کرنا چاہتا ہے۔"

"ہائے۔۔۔ سچ۔" عنوہ کھلکھلائی۔

"بالکل سچ۔" زیان نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ یعنی عنوہ کی ایکسائٹمنٹ دیکھ کر اسے بات بن جانے کا سگنل مل چکا تھا۔

"تو پھر حشام بھائی اپنے پیرنٹس کو حنا کے گھر بھیجیں گے۔ مگر اس سے پہلے میں حنا کی رائے لوں گی۔ ابھی کرتی ہوں اسے فون۔" وہ خوشی سے چہک رہی تھی۔

"کتنی سمجھ دار ہو گئی ہو عنوہ تم میرے ساتھ رہ کر۔" زیان نے اسے چڑایا۔

"کیا میں پہلے احمق تھی۔"

"ہاں کچھ کچھ۔" وہ مزے سے بولا۔

"آپ حشام بھائی سے کہیں اپنے ممی پاپا کو حنا کے ابو کے پاس تو بھیجیں۔ باقی معاملات تو ہوتے رہیں گے۔"

"بھئی حشام کی طرف سے تمہیں پرپوزل دینا ہو گا۔" وہ نیپکن سے ہاتھ پونچھ کر اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

عنوہ بھی زیان کو اٹھتے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کھانا تو کھاؤ۔" زیان نے اسے باہر نکلتے ہوئے ٹوکا۔

"کھا چکی ہوں۔" اس کی بھوک تو ویسے بھی اڑ چکی تھی۔ حنا اس کی بہت اچھی فرینڈ تھی اور حشام جیسا ہینڈسم نوجوان اگر اسے پرپوز کر رہا تھا تو اس کی اکلوتی دوست ہونے کے ناتے عنوہ کا خوش ہونے کا پورا پورا حق بنتا تھا۔

"کھاتی کہاں ہو۔ سوکھتی ہو' اتنی کم خوراک' تو چڑیا کا بچہ کھاتا ہو گا۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔ مجھے اپنی ڈائٹ کا بھی خیال رکھنا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے گوشت کا پہاڑ بن جاؤں اور آپ کو ایک اور شادی کرنے کا موقع فراہم کر دوں۔" عنوہ اپنے بیڈ روم میں آ کر دھپ سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اچھا' تو اس لیے تم خود کو فٹ رکھنا چاہتی ہو۔" زیان کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں

"تو اور کیا؟" اس نے سادگی سے کہا اور تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"دراصل میں چند دن پہلے رمیز کے گھر گئی تھی۔ انہیں انوائٹ کرنے کے لیے وہیں رمیز کی ایک خالہ جان سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ رمیز کی مسز زروہ کو مشورے دے رہی تھیں شوہر کو مٹھی میں کرنے کے۔ میں نے بھی ان کی باتیں ذہن نشین کر لی تھیں۔"

"مثلاً" کس قسم کے مشورے۔" زیان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہی کہ عورت کو اپنے شوہر کے لیے ہر وقت بنی سنوری رہنا چاہیے۔ ورنہ باہر کی بھوتنیاں چمٹ جاتی ہیں۔" اس کی آنکھوں کے سامنے ماریہ کا چہرہ آ گیا تھا۔

"بہت ہی بے حیا ہے ماریہ! مردوں کو ہکانے کے لیے فضول قسم کی ڈریسنگ کرتی ہے اور پھر زیان جیسے شاندار بندے کے ساتھ کی خواہش بھی ہو گی یقیناً" اسی لیے بن سنور کر آگے پیچھے پھرتی رہتی ہے۔ مگر میں اس چڑیل کے دام میں زیان کو پھنسنے نہیں دوں گی۔"

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت۔۔۔ -/250 روپے
اِک نکتۂ ایمان
سعدیٰ حمید چودھری
قیمت۔۔۔ -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com

وہ مسلسل سوچتے ہوئے منہ کے زاویے بھی بگاڑ رہی تھی۔ زیان نے کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ ایکدم چونک سی گئی۔

"خالہ جان نے تمہیں اور کیا کیا پٹیاں پڑھائی ہیں۔" زیان کے پوچھنے پر وہ جوش سے بتانے لگی۔

"ان کا نام قمر النساء ہے۔ سب انہیں قمری خالہ کہتے ہیں۔ اتنی پیاری اور میٹھی باتیں کرتی ہیں۔ پتا ہے زیان! انہوں نے اچانک مجھ سے پوچھا کہ میں نماز پڑھتی ہوں۔ سچی مجھے اتنی شرمندگی ہوئی کہ حد نہیں۔ شکر ہے اس وقت میں اور خالہ اکیلی بیٹھی تھیں۔ زروہ اور آنٹی نماز پڑھنے جا چکے تھیں۔ پھر جب میں نے سچ بولا اور خالہ کو بتایا کہ مجھے نماز نہیں آتی تو انہوں نے میرے سر پر بوسہ دیا۔ سچ بولنے کے انعام کے طور پر پھر مجھے نماز پڑھنا سکھائی۔ اپنے پاس سے دو تین اسلامی کتابیں بھی بطور گفٹ دی ہیں۔ مجھے تو ان کی باتوں نے بہت لطف دیا ہے۔ اسی لیے آج میں نے پانچوں نمازیں پڑھی ہیں اور میں آج بہت خوش اور مطمئن ہوں اور اس بات پر بہت رنجیدہ بھی کہ میں زندگی کے اتنے سال اس لذت سے محروم رہی ہوں۔ زیان! کیا آپ کو نماز پڑھنا آتی ہے۔ مثلاً" قیام' رکوع اور سجدے میں کیا پڑھتے ہیں؟" اس نے قمری خالہ کی طرح بالکل اچانک اس پر گھیرا تنگ کیا تھا۔ زیان جو بغور اس کی باتیں سن رہا تھا ایکدم گڑبڑا گیا۔

"ہاں۔۔۔ نہیں تو۔"

"اف۔۔۔ تو چلیں میں آپ کو سکھا دوں گی۔ آپ ایسا کریں' پہلے وضو کر کے آئیں کیا وضو آتا ہے؟ نہیں آتا ہو گا۔ پہلے وضو کرنا سکھاتی ہوں۔ ذرا بھی مشکل نہیں میں نے تو دو منٹ میں سب ذہن نشین کر لیا تھا۔" وہ جوش کے عالم میں بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"آئیے بھی۔"

"عنوہ! کل سے پڑھیں گے نماز۔" زیان گھبرا کر بولا تھا۔

"مگر آج کیوں نہیں۔" وہ بضد ہوئی تھی۔

"ابھی باہر چلتے ہیں۔ لانگ ڈرائیو کا مزا ہمیشہ رات کو آتا ہے۔" زیان نے اسے لالچ دینا چاہا تھا۔ مگر وہ اس کی باتوں میں نہیں آئی تھی۔

"پہلے نماز پڑھ لیں پھر باہر چلیں گے۔ میں آپ کو ضرور نماز سکھاؤں گی۔"

"اچھا' ابھی رہنے دو۔۔۔ کل فجر کی پڑھ لوں گا۔"

"مگر عشا کی کیوں نہیں۔" عنوہ کو غصہ آ گیا تھا۔

"میرے خیال میں یہ والی نماز لمبی ہوتی ہے۔" زیان کے عذر نے اسے شدید صدمہ پہنچایا تھا۔

"اور صبح والی میں آپ کی نیند ڈسٹرب ہو گی۔ مجھے پتا ہے آپ چار بجے نہیں اٹھیں گے۔ میں نے الارم سیٹ کر رکھا ہے۔ کل سے میں تہجد بھی پڑھا کروں گی۔ خالہ کہہ رہی تھیں کہ دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں عبادت کرنی چاہیے۔ آپ کو پتا ہے زیان! نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ رات کے تیسرے پہر کی عبادت کا اپنا ہی لطف ہے۔ یوں لگتا ہے تیئس سالوں کی بے چینیاں ختم ہو گئی ہیں۔ اللہ کا بھی حکم ہے کہ رات کے تیسرے پہر سے کچھ دیر پہلے اپنے پہلو کو خوابگاہ سے دور کر دینا چاہیے۔ اب اٹھ بھی چکیں۔" اس نے زبردستی زیان کو اٹھا کر واش روم کی طرف دھکیلا۔

"میں آؤں۔۔۔؟" عنوہ نے پوچھا۔

"جی نہیں' مجھے وضو کرنا آتا ہے۔" زیان نے پلٹ کر جواب دیا اور پھر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

"ہاں' عید کی نماز تو پڑھتے ہوں گے ضرور۔" عنوہ نے اندازہ لگایا اور زیان کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

"تم نے ابھی حنا کو فون بھی کرنا ہے۔" واش روم سے باہر نکل کر زیان نے عنوہ سے کہا۔ مقصد صرف اس کا دھیان بٹانے کا تھا مگر وہ تو مکمل تیاری کر کے بیٹھی تھی۔ جائے نماز بچھا کر اوپر تسبیح بھی رکھی تھی۔

وہ پوری دلجمعی اور خلوص نیت سے زیان کو نماز کا طریقہ بتا رہی تھی اور وہ بغیر ٹوکے خاموشی سے سمجھ رہا تھا۔

"کتنی پیاری لگ رہی ہو عنوہ! جی چاہ رہا ہے بانہوں میں بھینچ کر تمہیں پورا گھما ڈالوں۔ مگر اس وقت میں خالص اللہ کے لیے کھڑا ہوں۔ نماز پڑھ کے تم سے نپٹوں گا۔ اب تم آرام سے بیڈ پر جا کر لیٹ جاؤ۔ کیونکہ مجھے نماز پڑھنا آتی ہے اور میں صرف عید کی نہیں جمعہ کی نماز بھی اکثر پڑھتا ہوں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے نماز کی نیت کر چکا تھا جبکہ عنوہ کی آنکھیں تحیر سے پھیلتی چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

جب سے ممی فرانس گئی تھیں عنوہ ایک مرتبہ بھی گھر نہیں گئی تھی۔ آج نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ اٹھ کر عنوہ ولا میں ویرانیاں اور خالی پن دیکھنے چلی آئی تھی۔

"مکینوں کے بغیر گھر کھنڈر ہوتے ہیں۔" اس نے آزردگی سے سوچا۔ یہ وہ گھر تھا جسے ممی نے فروخت کر دیا تھا۔ جس کا خریدار زیان عبیث تھا۔ اور اس نے صرف عنوہ کی اس گھر سے جذباتی وابستگی کی وجہ سے نہ صرف اسے خریدا بلکہ عنوہ کی ملکیت میں بھی دے دیا تھا۔ نہ جانے وہ کتنی دیر لان کے وسط میں کھڑی رہتی۔ زینو بابا کسی کونے سے نکل کر سامنے آ گئے تھے۔

"ارے' بابا! آپ ابھی تک یہاں ہیں؟" عنوہ نے حیرت سے پوچھا۔ اس کے خیال میں ممی تمام ملازمین کو فارغ کر گئی تھیں۔

"جی بیٹا۔" انہوں نے حلاوت سے جواب دیا اور بولے۔

"اندر چلیں نا۔۔۔ یہاں تو بہت ٹھنڈ ہے۔"

"نہیں بابا! اندر تو بہت گھٹن ہو گی۔ میں یہیں ٹھیک ہوں آپ بتائیں صحت کیسی ہے اور آپ کا پوتا تو اب ٹھیک ہے نا؟"

"صحت تو اب دن بدن بگڑتی جاتی ہے۔ اور بچہ بھی اب کچھ بہتر ہی ہے۔۔۔ زیان صاحب نے بڑے اچھے ہسپتال میں کمال کو داخل کروایا ہے۔ دن میں تین تین ڈاکٹر چیک کرنے کے لیے آتے ہیں ورنہ سرکاری ہسپتال میں تو کوئی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے۔ کسی کو کوئی پروا نہیں ہوتی۔ سرکاری ہسپتالوں کے ڈاکٹروں کو تنخواہ سے غرض ہوتی ہے۔" زینو بابا نے رنجیدگی سے کہا۔

"زینو بابا! آپ کو تنخواہ کون دیتا ہے؟" اچانک خیال آنے پر عنوہ نے پوچھا تو زینو بابا محبت اور عقیدت سے بتانے لگے۔

"زیان صاحب مجھے تنخواہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اب تو میں بالکل فارغ ہوتا ہوں۔ مجھے خوف تھا بڑی بیگم کے جانے کے بعد مجھے نوکری سے فارغ نہ کر دیا جائے مگر زیان صاحب نے کسی کو گھر سے نہیں نکالا۔ بلکہ سب کو تنخواہیں دیتے ہیں میری طرح چوکیدار اور مالی بھی ویلے روٹیاں توڑتے ہیں اور جب میں شاہ قدوس کی حویلی بابا صاحب کے پاس جاتا ہوں تو وہ بھی بڑی امداد کرتے ہیں۔ زیان صاحب کی طرح بڑے سخی ہیں وہ۔"

"بابا صاحب کون؟" عنوہ چونکی۔

"میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا ان بزرگ ہستی کا اللہ لوک ہیں جی۔۔۔ بڑے ہی نیک اور برگزیدہ۔"

"آں۔۔۔ ہاں' یاد آیا۔ آپ نے کہا تھا مجھے بھی لے کر جائیں گے ان کے پاس۔" عنوہ نے جوش کے عالم میں کہا تو زینو بابا خوشی سے سر ہلانے لگے۔

"آپ جب کہیں گی میں آپ کو لے چلوں گا۔"

"زینو بابا! اب میں چلتی ہوں پھر آؤں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے واپس گاڑی تک آئی۔ آج وہ زیان کی سوک لے کر آئی تھی۔ گھر جانے کی بجائے اس نے سوچا حنا سے ہی مل لیا جائے۔ مگر اس سے پہلے وہ کے ایف سی چلی آئی تھی۔ حنا کے لیے برگر پیک کروا کر جوں ہی وہ پلٹی اس کی نگاہ رمیز اور زروہ پر پڑی۔ انہوں نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ عنوہ مسکراتے ہوئے ان کے قریب آئی۔

"تم ہمیں جوائن کر سکتی ہو۔" زروہ نے پرجوش انداز میں اس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"تو تھینکس' ابھی میں جلدی میں ہوں۔ گھر

www.pkdigest.com

آوں گی خالہ جان سے ملے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں اور ویسے بھی مجھے کباب میں ہڈی بننا پسند نہیں۔" اس نے شریر لہجے میں کہتے ہوئے سر جھٹکا۔ زروہ نے بہت پسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سرخ چمکیلا سا ریشمی اسکارف' اور بڑا سا سوٹ کے ہم رنگ دوپٹہ لپیٹے وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

"تم اکیلی آئی ہو؟" رمیز نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں؟ پوری بٹالین کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔" وہ شرارتاً مسکرائی۔

"تمہارے صاحب کیا بہت زیادہ مصروف ہوتے ہیں۔ جب بھی دیکھو اکیلی دندناتی رہتی ہو۔ تمہیں خالہ نے نہیں بتایا کہ خواتین کو اکیلے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔" رمیز کے انداز میں بھی بھرپور شرارت تھی۔ اس کے ساتھ زروہ بھی مسکرانے لگی۔

"مجھے تو لگتا ہے تم اکیس توپوں کی سلامی کے بغیر نہیں آؤ گے۔" عنوہ نے بے ساختہ اس کے نہ آنے کا شکوہ کیا تو وہ فوراً" معذرت کرنے لگا تھا۔

"ابھی نئی نئی لاہور میں پوسٹنگ کروائی ہے۔ حکام بالا کو اچھی رپورٹ دینے کی وجہ سے مصروفیت حد سے زیادہ ہے۔ ان شاء اللہ کچھ دن تک لگائیں گے چکر۔"

"اوکے' چلتی ہوں میں آپ لوگوں کا کافی قیمتی ٹائم ضائع کرنے پر معذرت۔" جاتے جاتے وہ زروہ کی طرف دیکھ کر شرارتی انداز میں مسکراتی گلاس ڈور دھکیل کر پارکنگ کی طرف بڑھ گئی تھی اس بات سے بے نیاز کہ دو گہری سیاہ آنکھوں نے اس کا گاڑی تک پیچھا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حنا کے ابو فارن سروسز میں تھے آج کل ریٹائرڈ لائف انجوائے کر رہے تھے اور جب سے ان کی بہن نے منگنی توڑنے کا اعلان کیا تھا۔ اس دن سے ہی وہ بہت بیمار رہنے لگے تھے۔ اور اب عنوہ اس کے لیے ایک بہترین پرپوزل لے کر آئی تو انہیں گویا زندگی کی نوید مل گئی تھی۔ وہ پھر سے گویا جی اٹھے تھے۔

حنا کو خبر ہوئی تو اس نے اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کیا تھا۔

"مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔ میں ابو کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"عمر کے ہجر میں جوگ لینے کا ارادہ ہے۔" عنوہ نے اسے چڑایا تو وہ تپ اٹھی۔

"بھاڑ میں جائے عمر' مجھے تو اس کا نام بھی بھول گیا تھا۔ خوامخواہ دل سڑانے کے لیے یاد کروا دیا ہے۔"

"یہ بتاؤ۔۔۔ حشام بھائی تمہیں کیسے لگتے ہیں۔ صرف اچھے' برے یا بہت اچھے؟"

"نہ اچھے نہ برے اور نہ ہی بہت اچھے۔" حنا بھی اسی کے انداز میں بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے بدمزا سا ہو کر کہا۔

"تم نے دیکھا تو تھا اس دن پارٹی میں حشام بھائی کو۔"

"ہر کسی کی شرافت اس کے ماتھے پر تو لکھی ہوتی ہے۔" حنا نے گویا چڑ کا جواب دیا تھا۔

"حشام بھائی بہت اچھے ہیں۔ زبان کے سب دوستوں سے مختلف ہیں۔"

"اچھے ہی ہوں گے' تم یہ لو۔" حنا نے ڈرائی فروٹ کی ٹرے اسے تھمائی۔ اور خود ابو کے لیے چائے بنانے لگی۔ اس نے وال نٹ اور ڈیٹس کے علاوہ باقی خشک میوہ جات کچن کی سلیب پر رکھ کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ حنا کو ہنسی آگئی جانتی تھی کہ اسے ڈرائی فروٹس کچھ زیادہ پسند نہیں ہیں۔

"مکہ سے انکل لائے تھے کھجوریں۔ بہت عمدہ باغ کی ہیں۔ بہت ہی لذیذ اور خوشبودار۔" حنا نے اس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا تھا۔

"تم سوچ کر جواب دینا۔ قسمت بار بار مہربان نہیں ہوتی۔" اس نے سنجیدگی سے اخروٹ کھاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"میں لنچ کی تیاری کرنے لگی ہوں۔ کھانا کھا کر جانا۔" وہ سر ہلاتے بولی تو عنوہ کو یاد آیا۔

"نہیں یار! میں نے جلدی گھر پہنچنا ہے۔ رانیہ کو

English
SHAMPOO
CONDITIONER
بال لہرائیں
زندگی سے
English
EGG
SHAMPOO
CONDITIONER
go fresh....
Protein Hair Treatment
English
BLACK SHINE
SHAMPOO
CONDITIONER
go fresh....
Black Shiny Hair Treatment
English
HAIR TREATMENT
SHAMPOO
CONDITIONER
WITH UV PROTECTION
go fresh....
UV Protection Hair Treatment
English
AMLA
SHAMPOO
CONDITIONER
go fresh....
Herbal Hair Treatment
www.pkdigest.com

رات سے فیور تھا۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گی۔"

"تمہاری ہمدردیاں کہیں گلے نہ پڑ جائیں۔" حنا نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"وہ بیمار ہے۔ تکلیف میں ہے' ہمدردی کی مستحق ہے۔ ایک انسان ہونے کے ناتے میں اتنی بے حسی نہیں برت سکتی۔" اس کا انداز دو ٹوک تھا۔ چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔ آنکھوں میں پہلے کی طرح اضطراب کے سائے ہلکورے نہیں لے رہے تھے۔

"تم میں کچھ نیا پن محسوس ہو رہا ہے۔" حنا کہے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"یوں سمجھ لو' زندگی کا اصل مقصد معلوم ہو گیا ہے۔" عنوہ نے چمکتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بتایا۔

"تم نے ابو سے بات کر لی ہے؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"کون سی بات؟" عنوہ نے جان بوجھ کر بے نیازی سے کہا۔

"یہی' حشام کے پرپوزل کی۔"

"کون سا حشام؟" اس نے حنا کو چھیڑا تو وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"بکو نہیں' سیدھی طرح بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں؟" وہ اب بھی باز نہیں آئی تھی۔

"تم نے' یعنی عنوہ زیان عبیث نے ابو سے بات کی ہے حشام کے پرپوزل کی۔" حنا نے بہت ہی تحمل سے اپنی بات دہرائی تو عنوہ ہنس ہنس کر دہری ہو گئی۔

"ہمیں گھی سیدھی انگلیوں سے نکالنا آتا ہے۔" اس نے فخریہ کہا تو حنا اپنی بے ساختگی پر شرمندہ ہو گئی

"انکل نے بخوشی حشام بھائی کے پرپوزل کو قبولیت کی سند بخش دی ہے۔" عنوہ نے اسے مزید ستانے کا ارادہ ترک کر کے سنجیدگی سے بتایا تھا۔

"ویسے انہوں نے مجھے' تمہاری رائے جاننے کے لیے بھی کہا تھا۔ اب میں انہیں جاتے ہوئے خوشخبری سنا کر جاؤں گی کہ بنو دلہنیا بننے کے لیے دل و جان سے راضی ہے۔" اس نے شرارت سے حنا کی ناک دبائی تو وہ بری طرح شرما کر خوامخواہ بال سنوارنے لگی تھی۔

حنا اسے گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے عنوہ کو اس زور کا چکر آیا تھا کہ وہ اگر فرنٹ ڈور پر ہاتھ نہ رکھتی تو یقیناً" اس نے پورے قد سے ڈھے جانا تھا۔ ساتھ میں اس زور سے ابکائی بھی آئی کہ اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ حنا بھی گھبرا کر تقریباً" بھاگتے ہوئے اس تک آئی۔

"عنوہ! تم ٹھیک ہو؟" حنا نے بوکھلا کر اسے دونوں ہاتھوں سے تھاما۔

"آؤ اندر چلتے ہیں۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔" وہ بے حد گھبرا گئی۔

"نہیں' میں ٹھیک ہوں۔ شاید ان ڈی جیشن یا فوڈ پوائزن کی شکایت ہے۔ رات کو میں نے کچھ الٹا سیدھا کھا لیا ہو گا۔" عنوہ نے قدرے سنبھل کر ٹشو سے منہ صاف کیا اور گاڑی کی طرف بڑھی۔

"میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گی۔ پہلے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ آؤ تم بیٹھو۔" حنا نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ مجبوراً" عنوہ کو دوسری طرف اس کے برابر بیٹھنا پڑا۔

"زیان بھائی کے فیملی ڈاکٹر کے پاس جاؤ گی؟"

"ہاں' ڈاکٹر خرم کے کلینک چلتے ہیں۔" اس نے کنپٹیاں دباتے ہوئے کہا تھا۔ کلینک میں کافی رش تھا۔ عنوہ نے زیان کا کارڈ اندر بھجوایا تو فوراً" ہی اسے بلوا لیا گیا۔

"خیریت تو ہے بھابھی! مجھے بلوا لیا ہوتا۔ آپ نے کیوں زحمت کی۔" ڈاکٹر خرم نے شائستگی سے اس کے سلام کا جواب دے کر کہا۔ عنوہ دل ہی دل میں اس وی آئی پی ٹریٹمنٹ پر حیران ہوئی۔

"زیان کا حوالہ کتنا مضبوط ہے۔" اس نے بے اختیار سوچا۔

ڈاکٹر خرم نے سرسری سا چیک اپ کرنے کے بعد اپنی ساتھی ڈاکٹر مریم سے کچھ بات کی۔ ڈاکٹر مریم نے سر ہلا کر عنوہ کو ایک دوسرے روم میں کچھ ٹیسٹ کروانے کی غرض سے بھیج دیا تھا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے

بعد جب وہ رپورٹس لے کر باہر آئی تو حنا کو اپنا بے چینی سے منتظر پایا۔

"کیا ہوا ہے؟ اتنی دیر لگا دی تھی۔" حنا نے بے تابی سے کہا۔

"ہوا تو کچھ نہیں مگر ہو جائے گا۔" اس کے لبوں پر بڑی ہی پیاری میٹھی سی مسکان چمک رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" حنا چونکی۔

"کیسے بتاؤں۔" اس نے شرما کر کہا تو حنا گویا سارا معاملہ سمجھ گئی۔

"اب پھوٹ بھی چکو کہ میں خالہ بننے والی ہوں۔" حنا نے بے ساختہ اسے خود سے لپٹا کر بڑے ہی محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم کے ایف سی میں کس سے ملنے گئی تھیں؟" اس نے ہنستے' مسکراتے اور بے حد خوشی کے عالم میں گنگناتے ہوئے بیڈ روم میں قدم رکھا تو زیان کی سرد سی آواز نے اس کے پیروں کو گویا کر لیا تھا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟" ویسا ہی پتھریلا اور سرد سا انداز عنوہ کی ساری خوشی ملیا میٹ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی رپورٹس ٹیبل پر رکھیں اور خود قدرے نڈھال سی صوفے پر ڈھے گئی۔

"میں حنا کے لیے برگر پیک کروا کر جوں ہی پلٹی تو رمیز پر نظر پڑی تھی۔ سو میں نے سوچا ان سے بھی علیک سلیک کر لی جائے۔ میجر رمیز وہ ہی ہے جس کے ولیمے پر میں گئی تھی۔ انہوں نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اسی لیے مجھے رکنا پڑا۔ کتنا برا لگتا کہ میں یوں اجنبیوں کی طرح گزر جاتی۔ انہیں تو میں ڈنر پر انوائٹ بھی کر چکی ہوں۔ مگر آپ یوں کیوں غصے سے مجھے گھور رہے ہیں۔ آپ کی آنکھیں کیوں اس قدر ریڈ ہیں؟ کیا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں؟" وہ ایک دم روہانسی ہو کر بے ربط بولے جا رہی تھی۔

"بھاڑ میں گیا شک..... مجھے یہ بتاؤ رمیز کے ساتھ لڑکی کون تھی؟" زیان کے لہجے میں بے حد سنجیدگی تھی یوں کہ عنوہ کی ریڑھ کی ہڈی سنسنانے لگی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا زیان اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔

"اب بتا بھی چکو ورنہ مار ڈالوں گا سب کو۔" وہ وحشت زدہ سا بول رہا تھا۔ عنوہ ایک دم ٹھٹک گئی۔ پہلے بھی وہ ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر یوں ہی اپ سیٹ ہو گیا تھا۔

"آخر معاملہ کیا ہے؟" اس نے حیرانی سے سوچا اور بولی۔

"وہ زروہ تھی رمیز کی مسز بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ اس کی بیوی تھی۔" نہ جانے زیان کیسی تصدیق چاہ رہا تھا۔ عنوہ نے زور شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں نے ان کا ولیمہ اٹینڈ کیا ہے اور اکثر ان کے گھر جاتی رہتی ہوں۔"

"اب آئندہ تم ان لوگوں سے میل جول نہیں رکھو گی۔" زیان کی آنکھوں سے سرخی آہستہ آہستہ غائب ہونے لگی تھی۔ اس کا برہم' آتش فشاں جیسا مزاج بہتر ہو رہا تھا۔ اس کے ماتھے کی پھڑکتی رگ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اب زیان کا موڈ ٹھیک ہے اور غصہ ختم ہو چکا ہے۔

"مگر کیوں؟" عنوہ کو یہ پابندی سخت زہر لگی۔

"ہر بات کی گہرائی میں نہیں جاتے۔" اب وہ اطمینان سے فریج کھولے کولڈ ڈرنک نکال رہا تھا۔

"آپ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ میں نے آنکھیں بند نہیں کر رکھیں۔ آپ مجھ سے کیا کچھ چھپانا چاہتے ہیں۔ ایک معمہ اوپر رہتا ہے دو پزل یہ ہیں۔ اس دن فائیو اسٹار میں بھی نہ جانے کون تھی جسے دیکھ کر آپ کا پارہ چڑھ گیا تھا۔" اس نے غصے سے چیخ کر کہا۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے کہ تم آئندہ رمیز کی فیملی سے نہیں ملو گی۔" زیان نے دو ٹوک انداز میں کہا اور پیپسی کا ٹن خالی کر کے دیوار سے دے مارا۔ اسے عنوہ کا تفتیشی انداز زہر لگ رہا تھا۔

www.pkdigest.com

"رانیہ سے نہ ملوں۔۔۔ زروہ سے بھی نہ ملوں۔ کچھ پوچھوں بھی نہ۔ کچھ جاننے کی کوشش بھی نہ کروں تو پھر میں کروں کیا۔" اس نے غصے سے بھنا کر کہا۔

"کرنے کے اور بھی بہتیرے کام ہیں کھوجی بننے کی ضرورت نہیں۔ کلب جوائن کرلو۔ کسی این جی او کی ممبر شپ لے لیتا ہوں۔ ویسے بھی تمہیں ہمدردیوں کا بخار چڑھا رہتا ہے۔ سب سے اچھا کام تو گھر سنوارنے کا ہے۔ بچے پیدا کرنے کا ہے۔ اسی کے بارے میں سوچو۔ کوئی پلاننگ کرو۔ چھوٹا سا ننھا منا بے بی اب آجانا چاہیے۔ مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں عنوہ! اگر زندہ بچے جیتے جاگتے۔ ہنستے مسکراتے۔ اگر اولاد مر جائے تو بہت دکھ ہوتا ہے نا۔" زیان کو یوں محسوس ہوا تھا بالکل اس کے قریب چھوٹا سا گلابی بچہ بہت شدت سے رویا تھا اور آخری ہچکی لے کر دم توڑ گیا۔ اس کا دل گویا چکی کے پاٹوں میں کسی نے مسل ڈالا تھا۔ ایک دم اسے نہ جانے کیا ہوا۔ وہ ٹیبل کو ٹھوکر مارتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکلتا چلا گیا تھا جبکہ عنوہ ششدر سی رپورٹس پکڑے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

بے مقصد لاہور کی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ مینٹلی اپ سیٹ تھا۔ اب اسے ڈولتی ناؤ کو کنارے لگ جانا چاہیے۔ اپنی زندگی کی الجھنوں اور ابہام کو وہ خود بھی ختم کرنا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لائر حسن سے رابطہ کیا۔ وہ اس کا دوست بھی تھا۔ حسن نے موبائل پر اسے بتایا کہ وہ فارغ ہے۔ اسی لیے اس نے گاڑی کا رخ حسن کی چیمبر کی طرف موڑ لیا تھا حسن اسے دیکھ کر اپنی سیٹ سے اٹھا اور بہت تپاک سے ملا۔

"کہاں غائب تھے۔ اتنے دنوں بعد شکل دکھائی ہے۔"

"وہ ہی مصروفیت کا ازلی رونا۔۔۔ ابھی تو حشام کا ساتھ ہے تبھی کچھ فرصت کے لمحات میسر آجاتے ہیں۔" زیان پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"اور سے بیویاں بھی دو دو۔۔۔" حسن نے ٹکڑا لگایا تو زیان بھی سنبھل کر سیدھا ہو گیا تھا۔

"اسی سلسلے میں آیا ہوں۔" اس نے تمہید باندھی۔

"کھل کر بتاؤ میں سمجھا نہیں؟" اس نے الجھن بھری نظروں سے زیان کی طرف دیکھا۔

"پیپرز تیار کروانے ہیں۔" زیان نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسے پیپرز؟" حسن چونک سا گیا۔

"ڈائیورس کے پیپرز تیار کردو۔"

"مگر کیوں؟ کیسے طلاق دینا چاہتے ہو۔" حسن نے الجھ کر کہا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔ ایسے فیصلے جذباتیت میں نہیں کیے جاتے۔"

"میں بہت سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ نو سال کم نہیں ہوتے۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ تم پیپرز ریڈی کردو۔ میں سائن کردوں گا۔"

"مگر۔۔۔" حسن نے کچھ کہنا چاہا۔

"نو' اگر مگر۔۔۔ جو کہا ہے' اتنا ہی کرو۔ مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

"پھر بھی ایک مرتبہ اور سوچ لو۔ اتنا بڑا فیصلہ لمحوں میں نہیں کرتے۔"

"تمہیں کیا پتا کہ یہ فیصلہ لمحوں پر نہیں سالوں پر مشتمل ہے۔ بہت خود کو جلایا ہے۔ انتقام کی آگ نے بہت بے اطمینان رکھا ہے۔ اب مجھے بھی سکون چاہیے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ میں رانیہ کو طلاق دے دوں نہ وہ مجھے نظر آئے گی نہ ہی اس سے وابستہ یادیں لہو لہان کریں گی۔ اور پھر یہ اس پر ظلم ہرگز نہیں اس بے چاری کو بھی اس نام نہاد بندھن کے بوجھ سے آزادی مل جائے گی۔ ہم سب نے اپنے اپنے حصے کی سزا بھگت لی ہے۔ ویسے بھی اب بجھی راکھ کو کریدنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تم طلاق کے پیپر تیار کر کے بھجوا دینا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا تو حسن چیخ اٹھا۔

"نہ چائے نہ ٹھنڈا ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو۔"

"پھر بھی سہی' ابھی جا کر میں نے ایک خاتون کی منتیں کرنی ہیں۔ جو میرے شدید رد عمل پر الجھی اور روٹھی ہوئی انتظار کر رہی ہوگی۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حسن بھی بریف کیس اٹھا کر ہنستا ہوا اس کے ساتھ باہر نکلا۔

"ڈراپ کردوں؟" زیان نے آفر کی۔

"نہیں' میرا ڈرائیور آگیا ہوگا۔ مجھے ڈراپ کرنے کے چکر میں تم مزید لیٹ ہو جاؤ گے اور ابھی تو تم نے منتیں کرنے کا پیپر ورک بھی کرنا ہوگا۔ الفاظ بھی ترتیب دینے ہوں گے۔ ڈائیلاگز سوچنے میں وقت لگے گا۔ میں تو حیران ہوں کہ زیان عبیت بھی اب کسی کی منتیں کرنے کے لیے کانفسس ہو سکتا ہے۔ یہ دن بھی دیکھنے تھے میں نے' اچھے بھلوں کے کس بل نکل گئے پھر ہم جیسے مسکین شوہروں کی بات ہی کیا ہے۔ ہماری بیگم بھی ماتھے پر بل ڈالے انتظار فرما رہی ہوں گی۔ مجھے بھی گھر جا کر صفائیاں پیش کرنی ہوں گی کہ میں کسی حسینہ کے ساتھ نہیں بلکہ تمہارے ساتھ تھا۔ پھر نصف بہتر صاحب نے تمہیں فون کھڑکا کر تصدیق کرنے کے بعد مجھ غریب مسکین کو کھانا پیش کرنا ہے۔ ہائے ہم جیسے مظلوم شوہر۔" جب تک حسن کی گاڑی نہیں آگئی تھی وہ اسی طرح دہائیاں دیتا رہا تھا۔ زیان مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ گھر آیا تو رات کے دس بج رہے تھے۔ عنوہ بیڈ پر کمبل تانے سو رہی تھی یا پھر سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"عنوہ جان!" زیان نے بڑے دلار سے پکارا۔

"اونہہ' عنوہ جان کی جان ہی جلاتے رہیے گا۔" عنوہ نے جل کر سوچا اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"سونے کا ڈرامہ کس خوشی میں کر رہی ہو۔ جگا تو میں نے تمہیں لینا ہے چاہے زبردستی ہی سہی۔" زیان نے اٹھ کر کمبل اس کے منہ پر سے کھینچا تو وہ کسمسانے لگی۔

"اٹھ بھی چکو۔" اس نے نرمی سے عنوہ کے گال تھپتھپائے تو اسے مزید سونے کا ناٹک کرنا مشکل لگا۔

"جب تک میں نے آنکھیں نہ کھولیں یہ اسی طرح مجھے ستاتے رہیں گے۔ جانتے بھی ہیں میں جاگ رہی ہوں اور ناراض بھی ہوں مگر۔۔۔"

"یہ ٹھنڈا پانی تمہارے اوپر گرنے ہی والا ہے۔" زیان کی دھمکی کی اثر نے عنوہ کو سچ مچ گڑبڑا دیا تھا۔ اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں اور بغور زیان کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ خالی تھے اور وہ قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"ہو گئی نیند پوری۔" بڑی ہمدردی سے پوچھا گیا تھا۔ عنوہ کو بلا کا غصہ آیا مگر ضبط کر گئی۔

"کہاں کی خاک چھان کر آئے ہیں؟"

"دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں آوارہ گردی کر کے آیا ہوں۔" زیان کے درست اندازے اکثر عنوہ کو شرمندہ کر دیتے تھے۔

"یہی سمجھ لیں۔" اسے بھی مبہم گفتگو کرنا آگئی تھی۔

"میں حسن کی طرف گیا تھا۔" زیان صوفے پر بیٹھ کر شوز اتارتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟"

"ایک تو تم سوال بہت کرتی ہو۔" زیان نے ٹائی کا گولا بنا کر عنوہ کی طرف اچھالا پھر اچانک یاد آنے پر سیدھا ہوا۔

"تم نے حنا کے فادر سے بات کی تھی۔"

"ہاں' مگر حشام بھائی کے پیرنٹس۔"

"اوف۔۔۔ کہاں سے وہ پیرنٹس امپورٹ کرے۔۔۔ بھئی اگر اس کے والدین ہوتے تو میں تم جیسی احمق کو کیوں کہتا۔ ڈائریکٹ رشتہ نہ بھجوا دیتے۔" زیان نے خفگی سے کہا تو وہ تپ اٹھی۔

"مجھے کیا خبر کہ ان کے پیرنٹس حیات نہیں ہیں اور مجھے احمق کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود کو بہت عقلمند سمجھتی ہوں۔" عنوہ نے فخر سے کہا۔

"اے عقلمند' دانشمند خاتون آپ گئی تھیں حنا کے

www.pkdigest.com

گھر بات کی آپ نے اس کے والد محترم سے کیا کہتے ہیں حشام کے ہونے والے سسر صاحب کہ حشام کو اپنی فرزندی میں لینے کی خواہش ہے کہ نہیں۔"

"میں نے انکل سے بھی بات کرلی تھی اور حنا سے بھی پھر جب میں گھر آنے لگی تو مجھے زور کا چکر آیا اور پھر وومٹنگ شروع ہو گئی۔ میں نے سمجھا مجھے فوڈ پوائزن ہو گیا ہے مگر حنا زبردستی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ اور پتا ہے ڈاکٹر نے کیا کہا۔" مزید بتاتے ہوئے ڈھیروں شرم نے آن گھیرا تھا۔ اس نے تمام تر خفگی بھلائے رپورٹس زیان کی طرف بڑھا دی تھیں اور وہ ایسے دیکھ رہا تھا گویا بہت ہی غیر متوقع، حیرت انگیز اور انوکھا واقعہ رونما ہوا ہے۔ جب بات سمجھ میں آئی تو اس نے عنوہ کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اس کی آنکھوں سے جگر جگر روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ ایک عجیب کیفیت کے زیر اثر اس کی طرف بڑھا تھا۔

☼ ☼ ☼

ادھر سے گزرتے بابا صاحب کی نگاہ درمکنون کے چہرے پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ ان کے کرے سانولے ملیح چہرے پر تحیر تھا۔ وہ اس کے چہرے پر کچھ کھوج رہے تھے۔ کچھ ایسا جو برسوں کی ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جسے حاصل کرنے کے لیے دل کا خالص ہونا ضروری ہے۔ جس کے لیے طویل صبر آزما انتظار کرنا پڑتا ہے۔ جو کسی معمولی انسان کو عطا نہیں کیا جاتا۔ جسے اللہ اپنے پیارے بندوں کے دلوں میں ڈال کر ان کے رخ اپنی طرف موڑ لیتا ہے۔

یہ عشق کا راز تھا۔ یہ معرفت کے جام تھے۔ یہ چھپا ہوا بھید تھا۔ جو درمکنون نے پالیا تھا۔ اس نے ہجر سے وصال تک، وجود سے ذات تک محب سے محبوب تک۔ ذلت سے عزت تک، زوال سے عروج تک کا سفر طے کرلیا تھا۔ اس پر بخشش و کرم اور رحمت بیکراں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس نے حقیقی تصوف شریعت کی پابندی، احکام الٰہی کی پیروی سے حاصل کرلیا تھا۔ اپنے نفس کو دنیاوی لذتوں سے پاک کرکے اس نے وہ چیز حاصل کرلی تھی جسے عام انسانی آنکھ دیکھ نہیں سکتی تھی۔

نم آنکھوں اور لرزتے ہونٹوں سے اب وہ عبدالباری سے کہہ رہے تھے۔

"باری بچے! درمکنون دنیاوی اور نفسانی محبتوں سے بہت آگے تک نکل چکی ہے۔ اب اسے کسی چاہت، الفت اور محبت کی چاہ نہیں کہ اس نے حقیقی عشق کا لطف پالیا ہے۔"

درمیانہ ساقد... سانولا رنگ، معمولی نقوش اور سادہ لباس والے بابا صاحب کا دل نہیں ایک سمندر تھا... محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جس میں محبت نفرت کے، حزن و ملال کے ذرات بھی جمع تھے۔ بابا صاحب! جن کے عشق میں اس بستی کا ہر فرد مبتلا تھا۔ لوگ عقیدت کی حد تک انہیں چاہتے تھے۔ کچھ لوگ محبت کے لیے ان کے پاس آتے تھے کچھ لوگ ضرورت کے لیے جنہوں نے دنیا کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ وہ مخلوق کی غم خواری کرتے رہے تھے یہاں تک کہ ان کے دل سے تمام رنج اور غم ایسے دھل گئے گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ انہوں نے اہل زمین پر رحم کیا تو آسمان والے نے ان کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے تھے۔ اس دل میں اب کوئی حسرت نہیں تھی بس ایک تمنا کے علاوہ ہر شے سے جی اچاٹ ہو گیا تھا۔ یہ تمنا ان کی زیست کا حاصل تھی۔ کبھی کبھی رات کے کسی پہر وہ خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھتے تھے اور پھر پوری رات ان کی روتے اور گڑگڑاتے گزر جاتی۔ انہوں نے اپنے دل کے ٹکڑے کو بے رحم موجوں کے حوالے کردیا تھا۔

"یا اللہ! اس کی حفاظت فرمانا۔ یا اللہ! اسے محفوظ رکھنا۔" وہ سجدے میں سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مامی جی!" وصی کچن کے دروازے میں کھڑا بڑی معصومیت سے دھیمی آواز میں پکار رہا تھا۔ آٹا گوندھتی زروہ نے ذرا سا رخ پھیر کر وصی کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

"کیا بات ہے وصی!"

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ جھجک کر تھوڑا سا آگے ہوا۔

"ہاں، بھئی بولو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔" زروہ نے مصروف سے انداز میں آٹا پاؤل میں رکھا اور پھر برنر آن کیا۔

"آپ ناراض تو نہیں ہوں گی۔"

"یہ تو بات کی نوعیت کے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔ آیا ناراض ہونا چاہیے یا نہیں۔" زروہ نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا تو وہ قدرے گھبرا گیا۔

"نہیں، پھر رہنے دیں۔"

"ارے، اب تو ضرور بتانا پڑے گا۔" زروہ نے اصرار کیا تو وصی کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔

"میں آپ کی خفگی افورڈ نہیں کرسکتا۔"

"یعنی معاملہ گمبھیر ہے۔" زروہ نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"خیر اتنا بھی نہیں ہے اگر سمجھا جائے تو۔" وصی کے فلسفیانہ انداز پر زروہ ہنسنا کر پلٹی۔

"پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو، اب بتا بھی چکو۔"

"میں نے آپ کو بتانا تھا کہ کل آج کل لان میں بہت کوئی رہی ہے۔"

"وصی کے بچے..." زروہ نے کفگیر پکڑ کر لہرایا تو وہ ہنسنے لگا اور بولا۔

"اگر آپ کا تعاون حاصل رہا تو ان شاء اللہ بچے بھی جلد ہوں گے۔"

"بس فضول بولتے رہنا۔ کام کی بات نہ کرنا۔" وہ سر جھٹک کر پھلکے بنانے لگی تھی۔

"کام کی بات کی طرف ہی دھیرے دھیرے بڑھ رہا ہوں۔" وصی کا انداز ہنوز وہی تھا۔ یعنی غیر سنجیدہ۔

"اگر آپ نے میکے جانا ہو تو میں ڈرائیوری کے لیے حاضر ہوں۔"

"کیا یہی کہنے کے لیے خوفزدہ تھے اور..." زروہ کی بے تحاشا ہنسی نے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

"نہیں کچھ اور بھی کہنا ہے۔" وصی نے خفگی سے کہا۔

"ہاں اور بھی اونگیاں بونگیاں مارلو۔" وہ ہنسی دباتے ہوئے بولی۔

"آپ سارا دن اکیلی کام میں لگی رہتی ہیں۔ مجھے آپ پر بہت ترس آتا ہے۔"

"تو میں اپنی خوشی سے کام کرتی ہوں۔ مجھے کوئی مجبور نہیں کرتا۔" زروہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہیں۔" وصی جھنجلایا۔

"تو سمجھا دو نا۔" اس نے مسکراہٹ دبائی۔

"کسی کو ہیلپ کے لیے لے آئیں۔"

"اپنے بونگے مشورے پاس ہی رکھو۔" زروہ نے خفگی سے کہا۔

"کام والی تو آتی ہے۔ اور کہے لے آؤں اور کہاں سے لاؤں۔"

"اپنے گھر سے۔" وصی نے بے ساختہ کہہ کر زبان دانتوں تلے دبالی تھی۔ زروہ ایک دم پلٹ کر وصی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"سوری مامی! اگر آپ کو برا لگا ہے تو مجھے معاف کر دیں۔"

"تم نے ایسا کیوں کہا؟ اپنی امی کو جانتے ہو نا۔ پتا نہیں مجھے کیسے برداشت کرتی ہیں۔ انہوں نے طوفان اٹھا دینا ہے۔" زروہ حد درجہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"وہ میرا ہیڈک ہے۔ ماما میرے ساتھ ہیں۔ صرف آپ کی رضامندی چاہیے۔" وہ بہت سنجیدہ اور مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا۔ زروہ چونکی۔

"کیا رمیز بھی جانتے ہیں۔ تم نے بات کی ہوگی رمیز سے۔"

"مامی! آپ امی کی فکر نہ کریں۔ وہ زبان کی کرخت ہیں مگر میری خوشی سے بڑھ کر انہیں کچھ بھی عزیز نہیں۔" وصی نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو زروہ نے

www.pkdigest.com

بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور بولی۔
"تمہاری خوشی کیا ہے؟"
"سنیہہ" زروہ کے پکارنے کے باوجود وہ دھیرے سے بڑبڑایا اور پھر بھاگ گیا تھا۔
زروہ نے باقی کا کام بہت ذہنی کشمکش کے عالم میں بتایا تھا۔ رات کو رمیز کافی لیٹ آیا تو زروہ کو جاگتے پا کر قدرے حیران ہوا۔
"ابھی تک جاگ رہی ہو؟"
"ہوں۔۔۔ آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔
"مگر میں نے تو تمہیں فون کر دیا تھا کہ آج میں دیر سے آؤں گا۔ تم سو جاتیں۔" رمیز نے نرمی سے کہتے ہوئے بریف کیس میز پر رکھا اور خود ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ یونیفارم چینج کر کے نائٹ سوٹ پہنے باہر آیا تو زروہ کو گہری سوچوں میں گم دیکھ کر حیران رہ گیا۔
"کوئی مسئلہ ہے؟ کہیں آپا نے تو کچھ نہیں کہہ دیا۔" رمیز آپا کے تیز مزاج سے واقف تھا اسی لیے قدرے فکر مند سا ہو گیا۔
"زروہ! کیا بات ہے؟ یہ مراقبہ کس خوشی میں۔" وہ اس کے برابر لیٹتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف موڑ کر نرمی سے بولا۔
"آپ سے وصی نے سنیہہ کے متعلق کوئی بات کی ہے۔" زروہ نے بغیر تمہید کے بات شروع کی تو رمیز نے اک اطمینان بھری سانس خارج کی۔
"ہوں۔۔۔ وہ سنیہہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"
"مگر ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے اور سنیہہ بھی اور پھر سب سے مشکل ترین مرحلہ زرین آپا ہیں۔ ہنگامہ کھڑا کر دیں گی۔ وصی سے کہیں سنیہہ کے خیال کو دل سے نکال دے۔" زروہ نے جھرجھری لے کر کہا۔
"وہ سنیہہ کو پسند کرتا ہے۔ شادی کرنا چاہتا ہے اور ابھی صرف منگنی کریں گے اور زرین آپا کو سمجھانا میرا کام ہے۔ تم پریشان مت ہو۔ میں ہوں نا۔" رمیز تو گویا تمام معاملہ طے کیے صرف اسے انفارم کر رہا تھا۔
"آپا کے طنز کون برداشت کرے گا۔" زروہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔
"ارے کچھ نہیں کہیں گی آپا! وصی ان کا بیٹا ہے۔ اس کے لیے آپا کے دل میں بہت گنجائش ہے اور اس کی بیوی کے لیے بھی ضروری ہو گی۔" رمیز نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔
"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ وصی آپا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ان کی امیدوں کا واحد مرکز۔ وہ اس کے لیے کوئی اپر کلاس سے لڑکی لائیں گی۔" زروہ نے اپنے خدشات کو زبان دی تو رمیز نے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا۔
"تم کیوں اسٹیٹس کانشس ہو رہی ہو۔"
"آپا کی بات کر رہی ہوں۔" زروہ جھنجلائی۔
"ابھی تو فی الحال اپنی کوئی بات کرو۔ آپا سے بھی نبٹ لوں گا۔" رمیز نے ٹیبل لیمپ آف کر کے زروہ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ وہ جھینپ کر تکیے میں منہ چھپا گئی۔

☼ ☼ ☼

پرل کانٹینینٹل کے تھرڈ فلور سے بذریعہ لفٹ وہ سیکنڈ فلور تک آیا۔ اسے یوکوہاما (جاپان) سے آئے مسٹر وانگ اور یان سین سے ملنا تھا۔ یہ اس کی پہلی جاپانی وفد سے ملاقات تھی۔ حشام ہی انہیں ایئرپورٹ سے لے کر آیا تھا۔ جاپانی ڈیلی گیشن نے پہلا سیمینار کراچی میں اٹینڈ کیا تھا۔ زیان اور حشام نے بھی شرکت کی تھی مگر بطور خاص زیان ان سے مل نہیں سکا تھا۔ وہ "ون سیون" نمبر دہراتا جوں ہی کوریڈور سے ہوتا ہوا ترتیب سے نمبرز دیکھتا ون سیون کے بند دروازے پر لکھا نمبر پڑھ کر غیر ارادی مڑا تو ایک روئی روئی نسوانی آواز سن کر چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کوریڈور کے آخری سرے پر ایک وحشت زدہ لڑکی تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے قریب گزرنے کے چکر میں بری طرح ٹکرا گئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک نوجوان بھی

لپکتا ہوا آن پہنچا تھا۔ وہ لڑکی اس قدر خوفزدہ اور گھبرائی ہوئی تھی کہ اس سنسان سوئے ہوئے کل میں ایک انسانی وجود کو دیکھ کر اور غیبی امداد سمجھ کر خوف کے مارے اس کے پورے وجود کے پیچھے چھپ کر بھنچی آواز میں چلائی۔
"مجھے اس بھیڑیے سے بچاؤ۔ اللہ کے واسطے مجھے بچاؤ۔" زیان کو چند لمحے ہی لگے ہوں گے پوری صورت حال کو سمجھنے میں دوسرے ہی پل وہ سامنے موجود نوجوان سے الجھ پڑا تھا۔
"کیا ہو رہا تھا یہاں؟" زیان نے سرد آواز میں پوچھا۔
"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ درمیان میں مت آئیں۔" اس نے اپنے ماتھے پر چمکتا پسینہ پونچھ کر کہا۔
"ہمارا کوئی ذاتی معاملہ نہیں۔۔۔ یہ جھوٹا' بے غیرت مجھے دھوکے سے لایا ہے۔" زیان نے اپنے پیچھے کھڑی لڑکی کے چلانے کی آواز سن کر مڑ کر دیکھا تو اسے لگا گویا پرل کانٹینینٹل کی پوری عمارت اس کے وجود پر ڈھے گئی ہے۔
"سارہ۔" اس کے ساکت لبوں سے اک شعلہ نما آواز نکلی تھی۔ دوسرے ہی پل نہ جانے کتنے ہی بھرپور تھپڑ اس کے رخساروں پر زیان نے مارے تھے۔ اس کی آنکھوں سے گویا خون چھلک رہا تھا اور منہ سے گالیوں کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔ نبیل صورت حال کو بگڑتے دیکھ کر جان بچانے کی غرض سے بولا۔
"یہ میری بیوی ہے۔"
"جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے مجھے دھوکے سے یہاں بلوایا تھا اور۔۔۔" سارہ کے باقی الفاظ منہ میں ہی دبے رہ گئے تھے۔ زیان اسے چھوڑ کر نبیل کی طرف پھنکارتا ہوا بڑھا تھا۔ لاتوں اور گھونسوں سے نبیل کو مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔۔۔ نبیل کو بالوں سے پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے دو تین مرتبہ اس کا سر دیوار پر مار کر وہ زخمی شیر کی طرح پلٹا تھا۔ ہوٹل کی انتظامیہ بھی الرٹ ہو گئی تھی۔ نبیل کی حالت تشویشناک تھی۔ اس کے سر سے بھل بھل خون کے فوارے ابل رہے تھے اور شاید وہ بے ہوش بھی ہو چکا تھا۔
"سر! پرابلم کیا ہوئی؟" منیجر نے متفکر پوچھنا چاہا تھا۔ زیان اسے بھی دھکیل کر سارہ کا ہاتھ سختی سے پکڑے کھینچتا ہوا سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ وسیع و عریض ہال میں موجود کئی لوگوں نے تحیر سے انہیں اپنے قریب سے گزرتے دیکھا تھا۔
پارکنگ میں آ کر زیان نے فرنٹ ڈور کھولا اور پہلے اسے دھکا دے کر بٹھایا پھر گھوم کر دوسری طرف سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ جتنی اسپیڈ سے اس نے گاڑی پارکنگ سے نکالی تھی سارہ کا دل جو پہلے ہی سینہ توڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھا اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ ہونٹ بھینچے' ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا خاموشی سے گاڑی بھگائے جا رہا تھا اور سارہ مسلسل سر جھکائے آنسو بہاتی اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے کرن کے سامنے نبیل کا منہ توڑ دینے کا چیلنج قبول کیا تھا۔ سارہ نے اپنے قول کے مطابق نبیل کی آفر کو اس کے منہ پر مارا تھا اور تفخر سے اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی مگر وہ بھی ایک نمبر کا خبیث تھا۔ پوری پلاننگ کر کے اس نے سارہ کو بلوایا تھا۔ اس دوران کرن کو بہانے سے واش روم میں بھیج کر اسے دھمکاتا ہوا اوپر لے آیا تھا اور اگر زیان نہ ہوتا تو اس بھیڑیے نے نجانے کیا حشر کرنا تھا۔ وہ مسلسل روتے ہوئے سوچ رہی تھی اور کانپ رہی تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
آسیہ سلیم قریشی کے 3 دلکش ناول

کتاب کا نام	قیمت
وہ جیسی بھی دیوانی سی	450/- روپے
آرزو بکھر آئی	400/- روپے
تھوڑی دور ساتھ چلو	400/- روپے

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ایک شرح 45/- روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.pkdigest.com

سارہ کو اس پل اپنے اعتماد اور بولڈنیس سے نفرت محسوس ہوئی تھی جو اسے اندھی کھائی میں گرانے کو تیار تھے۔

اسے یوں لگ رہا تھا سنیہہ اسے دیکھ کر روئے جا رہی ہے۔ سارہ کو اپنی چھوٹی بہن کی باتیں یاد آ رہی تھیں اور دل اتھاہ گہرائی میں ڈوب رہا تھا۔

"عورت کے پاس ایک ایسی آنکھ کا ہونا ضروری ہے جو مقابل کے اندر تک اتر جائے۔" سارہ کے سینے میں گویا کسی نے نیزے کی انی گھونپ دی تھی وہ درد کی شدت سے کراہی۔

"تم نے سچ کہا تھا سنیہہ۔" اس نے گاڑی کی پشت سے سر ٹکا اور بلند آواز میں رونے لگی۔

اس کے پاس نہ وہ آنکھ تھی جو مقابل کے اندر تک اتر جاتی نہ وہ قوت تھی جو اچھے اور برے میں تمیز کرتی نہ اس نے باطن میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔ کتنا گھمنڈ تھا اسے کہ وہ آج کے دور کی باشعور اور بولڈ لڑکی ہے۔ اگر نبیل اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہو جاتا تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہ سکتی تھی اور پھر اس کی بیمار ماں یہ صدمہ کبھی بھی برداشت نہ کر سکتی۔

"میری بہنوں کو کون سا خوف لاحق تھا۔ کیا یہی' جس نے آج مجھے ذلتوں کے گڑھے میں اتار دینا تھا۔"

"بند کرو یہ ڈرامہ۔" زیان نے چلا کر کہا تو اس کے سوچوں کو بھی بریک لگ گئے مگر آنسو ایک تواتر سے جاری تھے۔

"میرا کوئی قصور نہیں زیان بھائی! وہ مجھے تنگ کر رہا تھا اور میں اسے بتانے آئی تھی کہ میری امی کی تربیت بہت مضبوط ہے۔ میں کسی شیطان کے بہکاوے میں نہیں آنے والی۔"

"تم وہاں لینے کیا گئی تھیں۔ میں نے پہلے بھی تمہیں فائیو اسٹار میں دیکھا تھا۔ اس وقت بھی یہی۔۔۔ تمہارے ساتھ تھا۔" زیان نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"جیسی ماں ویسی بیٹی۔" اس کے لبوں سے زہر میں بجھے الفاظ نکلے تو سارہ تڑپ اٹھی۔

"مجھے گالیاں دے لیں۔ مار لیں بلکہ جان سے ہی ماردیں مگر میری ماں کو گالی مت دیں۔"

"بتاؤ کیوں گئی تھیں تم اس کے ساتھ۔" زیان نے چلا کر کہا۔

"میری دوست کرن کی سالگرہ تھی۔ وہ ہی مجھے زبردستی لے کر گئی تھی۔ نبیل اس کا کزن ہے۔" اس نے روتے ہوئے بتایا تو زیان نے لب بھینچ لیے۔

"آپ نے مجھے پہچانا کیسے زیان بھائی!" سارہ نے سسکتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔ زیان نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ اسے کیا بتاتا کہ اس گھر کے تمام مکین آج تک اس کے حافظے میں اول روز کی طرح محفوظ ہیں۔ اس کے دوست کہتے تھے کہ اگر زیان کسی شخص سے ایک مرتبہ مل لے اور پھر چالیس سال بعد دوبارہ اس شخص سے زیان کی ملاقات ہو تو وہ بغیر کسی تردد کے اسے نا صرف پہچان لے گا بلکہ پہلی ملاقات کا پورا حال بھی سنا ڈالے گا۔ اس نے نا صرف سارہ بلکہ زرہ کو بھی پہچان لیا تھا اور اسے مبین اور مہک کے چہرے بھی یاد تھے اور فاخرہ کو تو کبھی وہ بھولا ہی نہیں تھا۔ اس کی زندگی کے ناسور۔

"زیان بھائی! آپ امی کو کچھ نہ بتائیے گا۔ وہ صدمے سے مر جائیں گی۔" اس نے بھنچی آواز میں روتے ہوئے التجا کی تھی۔ زیان کچھ نہیں بولا تھا بس خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔

"افسوس اس بات کا ہے کہ اس گھر کی لڑکیاں اتنی آزاد خیال کیسے ہو گئی ہیں۔ تمہاری ماں نے اپنے اصول بدل لیے ہیں؟" اس کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ سارہ اذیت سے لب کچلتی رہی۔

"جیسی ماں ویسی بیٹی۔" سارہ کو یوں لگا گویا زیان نے اس کے منہ پر تیزاب پھینک دیا ہے۔ اسے خالہ قمری کی ایک بات یاد آئی۔

"اولاد کے پاپ ماں کے کھاتے میں لکھے جاتے ہیں۔ قصور بچوں کا ہو۔ مجرم ماں ٹھہرائی جاتی ہے۔ کمبخت نے جنا جو ہوتا ہے۔ اری ماں کب چاہے ہے بچہ بگڑ جاوے۔"

"میری نیک' فرشتہ صفت بھلی مانس ماں بے جرم کے معتوب ٹھہرائی جائے گی۔" اس نے بھیگ بھیگ کر روتے ہوئے کہا۔

ماں کا اور خود اپنا زیان کی نظروں سے گر جانے کا غم اسے کھائے جا رہا تھا۔ گاڑی اب اندرون شہر لاہور کی غلیظ اور تاریک گلیوں میں داخل ہو رہی تھی۔ سارہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور سرعت سے آنسو چادر کے پلو سے رگڑ رگڑ کر پونچھے۔ زیان نے ایک مرتبہ بھی اس سے گھر کا پتا نہیں پوچھا تھا۔

"تو کیا زیان بھائی کچھ بھی نہیں بھولے نہ یہ گلیاں نہ یہ سبز چوبارے والا ہمارا ٹوٹا پھوٹا مکان اور نہ ہی ہماری ماں سے کی جانے والی نفرت۔" وہ ڈوبتے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ گاڑی ایک جھٹکے سے اشرف کی دوکان کے قریب رکی۔ گلی میں جا بجا کوڑے کے ڈھیر گٹر کا بدبودار غلیظ پانی۔ ننگے کمزور اور میلے کچیلے بچے۔ کواڑوں سے جھانکتی عورتیں اور بالکل عین مکان کے سامنے بے سروسامانی کی حالت میں کھڑی اس کی ماں' روتی بلکتی سنیہہ اور مہک اور پوری گلی میں نوحہ کناں ان کا بدرنگ ٹوٹا پھوٹا سامان بکھرا پڑا تھا اور اس کا نڈھال بھائی لڑکھڑاتے قدموں سے سامان کا ڈھیر لگا رہا تھا اور گالیاں بکتا چاچا رؤف۔

"تو کیا اس ذلیل نے مکان خالی کروا لیا ہے۔" اس نے لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیا۔

"آؤ' آؤ' تم بھی دیکھ لو۔ میری منگ کو آگے بیاہنے کا انجام۔ میں شہر سے گیا تھا دنیا سے نہیں۔ تیری ماں نے چار دنوں میں مکاری کے ساتھ اسے بیاہ دیا۔ اب دھکے کھاتا گلیوں اور بازاروں میں یہ تیرا بیمار بھائی تو کچھ کرنے جوگا نہیں۔ بدبخت عورت! اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔ اتنا سستا مکان اسی لیے کرائے پر دے رکھا تھا۔ سسرال سمجھ کر قدر کی تھی مگر تم لوگ عزت کے قابل ہی کہاں تھے۔ بیس سالوں سے بٹھا رکھا تھا۔" وہ کفر بکتا چیخ چلا رہا تھا اور گلی میں تماشا دیکھتی عورتوں کا بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ان عورتوں نے حیرانی سے چمکتی گاڑی میں سے نکلتی سارہ اور اس کے پیچھے آتے ایک خوش پوش نوجوان مرد کو دیکھا تھا۔ سارہ کی نظریں اپنی ماں کے رنگ بدلتے زرد یاں گھلے چہرے پر تھیں جو ایک ٹک زیان عبیث کو دیکھے جا رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا گویا نگاہوں کے راستے دل میں اتار رہی ہیں اس وجیہہ چہرے کو۔ ان حسین سحر طراز آنکھوں کو جن میں آج بھی نفرت تھی حقارت تھی۔

آج نو سال بعد وہ پھر انہی راستوں پر کھڑا تھا۔ یہ وہ ہی گلیاں تھیں۔ ویسے ہی لوگ تھے۔ وہ ہی مکان تھا۔ اسی چوبارے کی سبز کھڑکی میں جھانکتا اس کا چہرہ جسے زیان عبیث نے زندگی کا حاصل سمجھا تھا۔ جس سے زیان عبیث نے بے پناہ محبت کی تھی اور پھر بے شمار نفرت بھی نہ اس محبت کو کوئی حد تھی نہ اس نفرت کا کوئی شمار تھا۔

"زیان! میرا بچہ۔۔۔ میری جان۔" فاخرہ کے خشک لب پھڑپھڑائے۔ وہ دو قدم لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھیں۔ یوں کہ زیان اور ان کے درمیان چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

"جب چار دیواری کمزور ہو تو چور نقب لگانے آ جاتے ہیں۔ مجھے تیرے مضبوط سہارے کی آج ضرورت ہے۔ دیکھ میرا سر ننگا ہو رہا ہے۔ اسے اپنی بدنصیب ماں کی التجا سمجھ لے زیان! آج میرے اس یقین کو جھٹلا دے کہ تو عبیث جیسے پتھر کی اولاد ہے۔"

"میں آپ کے اس یقین پر مہر لگا کر جا رہا ہوں کہ میں اسی عبیث فریدی کا پتھر دل بیٹا ہوں۔ میرے باپ کے بارے میں اور کچھ مت کہیے گا۔ میرا باپ بدکار تھا۔ گناہ گار تھا مگر آپ کی طرح منافق نہیں تھا۔ بے درد نہیں تھا۔ اس نے مجھے محبت نہیں دی تو آپ کی طرح دھتکارا بھی نہیں تھا۔ آج جو کچھ میں ہوں اپنے باپ کی وجہ سے ہوں۔ مجھے بھی اس وقت ان بانہوں کی گرمی کی ضرورت تھی۔ اس وجود کے سہارے کی ضرورت تھی مگر اب نہیں۔ مجھے جینے کے تمام ڈھنگ معلوم ہو گئے ہیں۔ جس طرح آپ نے مجھے دھتکارا تھا اسی طرح میں آپ کو یہ باور کروا کر جا رہا ہوں کہ گزرے برسوں کے دوران یہ نفرت مزید نشوونما پاتی

www.pkdigest.com

رہی ہے۔ نفرت کا پودا جڑ پکڑ گیا ہے۔ یہ نفرت میری آخری سانسوں تک برقرار رہے گی۔ نہ آپ کو زیان کی اس وقت ضرورت تھی اور نہ زیان کو اب آپ کی چاہ ہے۔ نفرتوں کے اس سلسلے کو قبر تک میرے ساتھ جانا ہے۔ آپ کی بیٹی کو باحفاظت آپ تک پہنچا دیا ہے۔ اسے میرا احسان سمجھیے گا۔۔۔" وہ آخری حقارت بھری نگاہ ان پر ڈالتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا دور بہت دور نکلتا چلا گیا تھا۔ اپنی ماں کے دل سے بھی دور۔

"میں نے آخری مرتبہ تجھے روکا زیان! اب تیرے نام کا آنسو میری آنکھ میں نہیں اترے گا۔" انہوں نے مبین کا بازو تھاما اور زیر لب بڑبڑائیں۔

"اماں! پتھروں سے سر نہیں پھوڑتے۔ اس سے میری رانیہ کا تو پوچھ لیا ہوتا۔ وہ تو ہماری یاد میں تڑپتی ہو گی۔" مبین نے تھکے تھکے لہجے میں کہتے ہوئے تینوں بہنوں کو ساتھ لگا لیا۔

"بھائی! اب ہمیں یہاں نہیں رہنا۔" مہک نے مبین سے لپٹ کر کہا۔ یہ لٹا پٹا قافلہ انجانی منزل کی طرف چل پڑا تھا۔ نڈھال وجود اور غمزدہ دل لیے وہ ان گندی گلیوں سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

زرین تک وصی کے ارادوں کی بھنک پہنچ چکی تھی۔ رمیز نے کل رات ہی اس سے بات کی تھی۔ جی تو چاہ رہا تھا رمیز کو کھری کھری سنا دے مگر بھائی اگرچہ وہ چھوٹا ہی تھا مگر کچھ معاملوں میں زرین اس سے دبتی بھی تھی۔

وہ صبح سے وصی کا انتظار کر رہی تھی مگر اسے بھی شاید ماں کے ارادوں کی خبر ہو گئی تھی۔ اس لیے جل دے کر نکل گیا تھا۔ مگر اب زرین اس کا انتظار کرتے ہوئے خوب بھنا بھی رہی تھی۔ جوں ہی وصی کی بائیک کی آواز آئی وہ پہلے سے ہی اٹھ کر اس کے کمرے میں پہنچ چکی تھی۔

وصی گنگناتا کمرے میں داخل ہوا اور ماں کو دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے تمام کبوتر طوطے ہوا میں پرواز کر گئے۔

"کیا ماما نے امی کو بتا دیا ہے۔ یا اللہ خیر۔" اس نے بے ترتیب دھڑکنوں کو ڈپٹا اور فلمی اسٹائل میں زرین کے پاؤں چھو کر گنگنایا۔

"میری پیاری امی جان!
میرے سارے امتحان
تیرے ہی دم سے آسان ہوئے۔"

"آج پھر سے لیٹ آئے ہو؟" زرین نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا اور اپنے پیروں سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

"شادی کر دیں۔ رمیز ماما کی طرح جلدی جلدی گھر آ جایا کروں گا۔" اس نے خوشامدی مسکان لبوں پر سجا کر کہا۔ آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"بہت اتاولے ہو رہے ہو شادی کے لیے۔" زرین تو آگ بگولا ہو کر رہ گئی تھی۔

"یہ آج کل کے بچے نہ شرم ہے نہ حیا۔" اس نے تلخی سے سوچا اور وصی کو گھورنے لگی جو بہت معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

"شادی کے لیے میں منگنی کے لیے اتاولا اور باؤلا ہو رہا ہوں۔"

"تمہارے لیے نومیہ کی بھانجی میں نے دیکھ رکھی ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی منگنی کر دوں گی۔" زرین نے لہجہ بدل کر وصی کو پچکارنے کے سے انداز میں کہا تھا۔

"نومیہ مامی کی بھانجی۔۔۔ قطعاً" نہیں، کبھی بھی نہیں۔ اس سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں خودکشی کر لوں۔۔۔ میرے نویز ماما کی جو حالت کر رکھی ہے اس کی خالہ جان نے ویسی ہی درگت میری بھی بنا کر رکھ دیں گی۔ نویز ماما کی طرح میں بھی اپنی سندھ بدھ بھول جاؤں گا۔" وصی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"مجھ سے خود نویز نے بات کی تھی۔ اکلوتی ہے بیٹا، اچھی خاصی پراپرٹی کی مالک۔" زرین نے اسے لالچ دینا چاہا۔

"معذرت کے ساتھ امی! ویسی ہی سطحی سوچ۔ وہ بھی میرے بارے میں اور پھر بیٹا بی اکلوتی مجھے لے

اڑے گی۔ گھر داماد بنائیں گے خود نومیہ مامی بھی ایک دن کہہ رہی تھیں۔" وصی نے ماں کو خوفزدہ کرنا چاہا تھا۔ زرین کو قطعاً" اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"جھوٹ مت بولو۔"

"سچ کہہ رہا ہوں امی! انہوں نے مینا کے شوہر کو گھر داماد بنانا ہے۔ وہ قربانی کا بکرا میں بنوں یا کوئی اور۔۔۔ ان لوگوں کے یہی خطرناک ارادے ہیں۔" وصی نے پرزور لہجے میں ماں کے گھٹنوں پر دباؤ ڈال کر کہا۔

"مگر نویز نے میرے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں کی۔" زرین نے حیرت سے کہتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"میری واحد پوتی ایسے ہی اٹھا کر دے دوں۔"

"امی! مجھے کسی ڈیکوریشن پیس کو گھر نہیں لانا زروہ مامی جیسی لڑکی ہو تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں شادی نہیں کروں گا۔" اس کا فیصلہ اٹل تھا۔ زرین بھنا کر رہ گئی۔

"زروہ کی بہن کا بھوت جو سر پر سوار ہے مگر وصی تم جو مرضی کہہ لو بینا نہ سہی کوئی اور دیکھ لوں گی مگر منیہ میری بہو ہرگز نہیں بنے گی۔"

"مگر کیوں؟ کیا وجہ ہے؟" وصی نے غصے سے کہا۔

"امی! پلیز یوں مت کہیں۔ ماما کے حوالے سے وہ سب ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔ اور یہ خاص میری خواہش ہے۔ اس میں منیہ کا کیا قصور۔" اس نے نرمی سے ماں کے ہاتھ تھامے اور مزید بولا۔

"امی! زروہ مامی بہت اچھی ہیں۔ یہ صرف میں ہی نہیں کہہ رہا۔ نانو بھی کہتی ہیں، ماما اور ممن بھی ان کے گرویدہ ہیں۔ ان کی اچھی عادتوں کی وجہ سے، وہ سب کا احساس کرتی ہیں۔ سب کا خیال رکھتی ہیں۔ کم از کم وہ نومیہ اور شامی جیسی بالکل نہیں۔ اور اندر سے تو آپ بھی ان کی اچھائیوں کو تسلیم کرتی ہیں مگر زبان سے اظہار نہیں کرتیں۔ ہماری نانو کا انتخاب بیسٹ ہے۔ اب دیکھیں نا، مامی اتنے دنوں سے ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ جو مرضی کہہ لیں، انہوں نے کبھی پلٹ کر آپ کو جواب نہیں دیا۔ ورنہ جب نویز ماما لوگ ادھر رہتے تھے تو ہر وقت ایک سرد جنگ رات دن سب کو ذہنی اذیت میں مبتلا رکھتی تھی۔" وصی نے چوٹ ٹھیک جگہ لگتی دیکھ کر گلا۔ کھنکارا اور ماں کے ہاتھ دباتے ہوئے کہنے لگا۔

"امی جان! میں آپ پر کچھ باتیں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ نویز اور نوید ماما اس وقت الگ ہو گئے تھے جب ہم دونوں بہت چھوٹے تھے اور رمیز ماما بھی اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہوئے تھے۔ آپ جانتی ہیں نانو کی تمام تر قربانیوں کو نویز ماما بھی تسلیم کرتے ہیں مگر انہوں نے اپنا گھر بچانے کی خاطر نانو کو چھوڑ دیا تھا اور یہ صرف آپ کی وجہ سے ہوا تھا۔ آپ اور شامی کی ہمہ وقت لڑائیوں کی وجہ سے ماما لوگوں نے نانو سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اب وہ لوگ نانو کو اپنے گھر لے کر جانا چاہتے ہیں مگر نانو نہیں مانتیں صرف اس لیے کہ آپ کا دل نہ دکھے۔ نانو صرف آپ کی خاطر زروہ مامی جیسی لڑکی ڈھونڈ کر لائی ہیں تاکہ ہم سب مل جل کر رہیں۔ امی! آپ زروہ مامی کی نہیں درپردہ نانو کے انتخاب کی نفی کرتی ہیں۔ نانو کو بہت تکلیف ہوتی ہے جب آپ مامی سے تلخی کلامی کرتی ہیں مگر انہوں نے کبھی آپ کو نہیں جتایا۔" وصی خاموش ہوا تو زرین بے چین سی ہو گئی اور حیرت سے سوچنے لگی کہ یہ وصی کس قدر باریک بینی سے تجزیہ کرتا رہا ہے۔

"امی! ایک بات اور میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ آج میں جتنے بھی آپ کے سامنے دعوے کروں انہیں سچ نہ مانیے گا اگر میری بیوی بھی آپ کی بھابھیوں جیسی ہوتی تو مجھے بھی گھر بچانے کی خاطر آپ کو چھوڑنا پڑے گا۔ اگر بینا بیگم جیسی کوئی آ گئی نا۔ تو جب آپ کو نانو کی طرح گٹھیا کا درد ہوا تو کسی نے تخت پر بٹھا کر خدمت نہیں کرنی، احساس نہیں کرنا نہ ہی پھر آپ بیٹھ کر حکم چلا پائیں گی۔" وصی نے بات کے اختتام پر شرارتی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا تو زرین گہری سوچوں میں ڈوبی بغیر کچھ کہے گم سم سی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اور وصی ہرا کا نعرہ لگا کے واش روم میں گھس گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

www.pkdigest.com

وہ معمول کے مطابق چیک اپ کروا کے جوں ہی کلینک سے باہر آئی تو آسمان نے موٹی موٹی بوندیں برسانا شروع کردی تھیں۔ گھر سے نکلتے وقت تو بارش کا یوں ٹوٹ ٹوٹ کر برسنے کا کوئی ارادہ نہیں لگتا تھا۔ مگر اب لمحوں میں جل تھل ہوگئی تھی۔

اس نے احتیاط سے گاڑی اسٹارٹ کی اور موبائل پر حنا کا نمبر پریس کیا۔ وہ لوگ ابھی تک ہسپتال میں تھے۔ رات کو انکل کی طبیعت خراب ہوگئی تھی جس کی وجہ سے حنا نے ان کو ایڈمٹ کروا دیا تھا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ حنا نے کال ریسیو کی۔

"انکل کی طبیعت کیسی ہے؟" عنوہ نے چھوٹتے ہی پوچھا تو اس کی بھیگی آواز سنائی دی۔

"اب پہلے سے بہتر ہیں۔"

"کب تک ڈسچارج کریں گے انکل کو۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ابھی کچھ بتایا نہیں ڈاکٹرز نے..... زیان بھائی اور حشام آئے تھے۔" حنا نے بتایا تو محض اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے وہ شرارتاً بولی۔

"زیان تو بھائی ہوئے۔ حشام کو کس خوشی میں بھائی نہیں بنایا۔"

"حشام کو تم بھائی بنالو۔" حنا نے اس کی شرارت سمجھ کر کہا۔

"اوہو، مینڈکی کو بھی زکام ہوگیا ہے۔" عنوہ نے اسے چھیڑا تو وہ چڑتے ہوئے بولی۔

"مینڈکی کسے کہا ہے؟"

"تمہیں۔"

"زیان بھائی کے ساتھ رہتے ہوئے تم بہت تیز ہو گئی ہو۔ پہلے ایسی نہیں تھیں۔ بولنا بھی نہیں آتا تھا۔ ادھر تمہارے صاحب صبح اپنے دوست کے ہمراہ آئے تھے۔ ابو کی طبیعت پوچھ کر ان کے سامنے ہی پتا ہے کیا فرمانے لگے؟" حنا جل سی ہو کر اسے کچھ بتاتے ہوئے رکی تو عنوہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیا فرمایا تھا زیان نے۔"

"بس کچھ نہ پوچھو۔" حنا کو ڈھیروں شرم نے آن گھیرا۔

"بول بھی چکو۔" اس نے مصنوعی غصے سے حنا کو جھاڑا تو وہ جلدی سے بولی۔

"ابو کے سامنے ہی کہنے لگے تم دونوں کو ریڈور میں جا کر گفت و شنید کرلو اور پھر ابو کو بطور خاص مخاطب کر کے موصوف نے بتایا کہ انکل! یہ آپ کی عیادت کرنے نہیں حنا سے کچھ بات کرنے آیا ہے باقی آپ خود سمجھ دار ہیں۔ جہاں ابو بے چارے خجل ہو کر مسکرائے وہیں حشام کا رنگ بھی اڑ گیا اور میرے بارے میں تو تم پوچھنا بھی مت۔ جی چاہ رہا تھا زمین پھٹے یا پھر جادو کی چھڑی سے میں غائب ہو جاؤں۔ سچ بہت ہی منہ پھٹ ہیں تمہارے شوہر نامدار۔"

"اللہ توبہ! زیان بھی حد ہی کرتے ہیں۔" عنوہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی اور دوسری طرف حنا نے بھنا کر یہ کہتے ہوئے فون بند کیا۔

"تم سے ہمدردی کی توقع نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

عنوہ نے ہنسنے کی وجہ سے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا اور موبائل ڈیش بورڈ پر پھینک کر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔ گھر آئی تو مس نینی نے بتایا۔

"میم! آپ کے خانساماں زینو بابا کا فون آیا تھا۔ ان کے پوتے کی طبیعت خراب ہے۔"

"اوہو..... میں نے انہیں کچھ پیسے دیئے تھے۔ زیان تو اس وقت دفتر ہوں گے۔ فون کر کے پوچھتی ہوں۔" وہ سوچتے ہوئے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی تھی۔ زیان کی سیکرٹری نے کال ریسیو کی تھی۔

"زیان سے بات کروائیں۔"

"میڈم! آپ کچھ دیر بعد فون کیجیے گا۔ سر میٹنگ روم میں موجود ہیں۔ کوئی بھی کال اس وقت ریسیو نہیں کریں گے۔" سیکرٹری نے شائستگی سے کہا تو وہ سرعت سے بولی۔

"آپ انہیں بتائیں عنوہ کا فون ہے۔"

"سوری میڈم! سر غصہ کریں گے۔"

"مس سیکرٹری! آپ انہیں بتائیے کہ مسز زیان بات کر رہی ہیں۔" عنوہ نے تنک کر کہا تو سیکرٹری گھبرا

اٹھی۔

"آپ پہلے بتا دیتیں۔ آپ سر کی مسز ہیں میں ابھی بات کرواتی ہوں۔"

"کیا بات ہے عنوہ! تم ٹھیک تو ہو؟ کیوں فون کیا ہے؟" کچھ دیر بعد زیان کی آواز ایئرپیس سے ابھری تھی۔ وہ تیز تیز بول رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ طبیعت بھی فرسٹ کلاس ہے۔ ابھی ڈاکٹر کے پاس سے ہو کر آ رہی ہوں۔" عنوہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس کے فون کرنے کی وجہ سے پریشان ہو گیا ہے۔ کیونکہ آج سے پہلے اس نے کبھی زیان کو آفس فون جو نہیں کیا تھا۔

"مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔" اس نے اپنے فون کرنے کی وجہ بیان کی تو زیان نے خفگی سے کہا۔

"میری جان نکال کر رکھ دی ہے۔ پہلا خیال یہی آیا تھا کہ تم کہیں بیمار نہ ہوگئی ہو۔ تمہاری طبیعت بھی تو ایسی ہو رہی ہے آج کل، میرا تمام اندرونی نظام ہلا کر رکھ دیا ہے تم نے ابھی تک ہارٹ بیٹ نارمل نہیں ہو رہی۔ کمال کرتی ہو یار! پہلے بھی بتایا تھا اگر پیسوں کی ضرورت ہو تو بلا جھجک سیف میں سے نکال لینا۔"

"میں کیا اتنی خاص ہوں آپ کے لیے؟" اس نے بڑے شوخ انداز میں پوچھا تھا۔

"اس دلبرانہ انداز پر بے ہوش نہ ہو جاؤں میں۔ یوں مت کہو، ایسا نہ ہو کہ میں تمام فائلیں بھاڑ میں جھونک کر بھاگتا ہوا گھر آ جاؤں اور پھر دروازہ..... ارے یار! آگے کچھ نہیں بولتا..... مت گھورو مجھے۔"

"ہیں، انہیں کیا ہوا ہے؟" عنوہ نے حیرت سے سوچا۔ دوسری طرف زیان کی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ یقیناً" اس کے ساتھ آفس میں کوئی اور بھی موجود تھا۔ عنوہ کے رخسار تپنے لگے۔

"ایک تو زیان بھی دائیں بائیں دیکھے بغیر شروع ہو جاتے ہیں۔"

"سوری عنوہ! گھر آ کر بات ہوگی۔ یہ حشام خبیث شرم سے دہرا ہو رہا ہے۔ اس کی گھوریوں کی مجھ میں تاب نہیں ہے۔ اوکے اپنا خیال رکھنا اور بچی بھی ٹھیک طرح سے کر لینا میری جان پر احسان کرتے ہوئے۔"

عنوہ فون کریڈل پر رکھ کر بالوں میں ہاتھ چلاتی مسکراتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ سیف کی چابی دراز میں سے نکال کر اس نے لاک کھولا۔

"اف اتنے نوٹ۔" عنوہ نے جھرجھری لے کر ترتیب سے رکھی نوٹوں کی اونچی ڈھیری کو دیکھ کر سوچا، پیسو، فرانک، بولیوانو ـــــ پونڈز اور نہ جانے کون کون سے ملکوں کی کرنسی اکٹھی کر رکھی تھی۔

"ایک وقت ایسا آیا تھا جب مجھ پر دولت اکٹھی کرنے کی دھن سوار ہوگئی تھی۔ یہ سب میری محنتوں اور جنون کا حاصل ہے۔ ان میں بلیک منی کا کچھ حصہ نہیں۔" ایک مرتبہ زیان نے نجانے کس دھن میں اسے بتایا تھا۔ ورنہ اسے تو اپنے ماضی کے بارے میں بات کرنا سخت ناپسند تھا۔

عنوہ نے صرف بیس ہزار روپے نکال کر لاکر بند کرنا چاہا مگر اس بوے سے سیف میں موجود ایک اور سیف کو دیکھ کر قدرے ٹھٹک گئی۔ پہلے یہی سوچا کہ زیان کی کچھ ضروری چیزیں یا کرنسی وغیرہ ہی ہوگی مگر پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے ہاتھ میں پکڑی چابیوں کے گچھے میں سے سب سے چھوٹی گولڈن کلر کی چابی سے لاک کھولا تو کلک کی آواز کے ساتھ چھوٹا سا دراز خود بخود باہر نکل آیا تھا۔ عنوہ نے اشتیاق سے دراز میں جھانکا۔ تین چار فائلیں۔ ایک موٹی سی چین جس کے عجیب سی انسانی شکل والے لاکٹ میں Durya لکھا تھا۔

اس نے فائلوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر بے زاری سے دراز میں پٹخنے لگی تو نچلی فائل سے اک تصویر جھانکنے لگی تھی۔ عنوہ نے کھینچ کر تصویر کو نکالا اور ہاتھ میں پکڑ کر بغور دیکھنے لگی۔ اس کے دل کی رفتار معمول سے ہٹ کر تھی۔

ایک ہنستی مسکراتی لڑکی کی بہت دلکش تصویر تھی۔ خصوصاً" آنکھیں بہت خوب صورت تھیں اور نچلے ہونٹ کے پاس بھورا سا تل بہت جاندار لگ رہا تھا۔ گویا اس تل میں اس کے پورے چہرے کی خوب

www.pkdigest.com

صورتی تھی۔ عنوہ نے تصویر کو ہر اینگل سے دیکھا تھا۔ تصویر کی بیک سائیڈ پر واضح لفظوں میں لکھا تھا۔
Durya my love۔

عنوہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے دراز بند کیا اور تصویر اٹھا کر باہر چلی آئی۔ مس نینی نے حیرت سے بھاگ کر سیڑھیاں چڑھتی عنوہ کو دیکھا تھا اور پھر خود بھی دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پیچھے آگئی۔

"رانیہ! میں تم سے کچھ پوچھنے آئی ہوں۔ پلیز سچ سچ بتانا۔۔۔ کیا زیان کی زندگی میں ہم دونوں کے علاوہ بھی کوئی عورت تھی۔"

مس نینی کو زور کا چکر آیا تھا۔ اس نے حیرت سے بت بنی رانیہ کی طرف دیکھا تھا جو ساکت صامت اس طرح کھڑی تھی گویا کبھی دوسرا سانس لے گی ہی نہیں۔ رانیہ کے چہرے کی رنگت پہلے زرد اور پھر سفید پڑ گئی۔

بہت پہلے عنوہ کی چھٹی حس نے جو ہنٹس اسے دیئے تھے۔ وہ سب بے بنیاد نہیں تھے۔ زیان کی وہ باتیں جو اس نے عالم مدہوشی میں کی تھیں ان کی کڑی اسی نام سے کہیں نہ کہیں ضرور ملتی تھی۔

"گندی عورت۔۔۔" زیان کا آنکھیں انداز پردہ اسکرین پر لہرایا تو وہ خود کڑی سے کڑی ملانے لگی۔

"بے حیا اور بے غیرت عورت تھی' میری روح کا ناسور۔۔۔ میری زندگی کا عذاب۔" عنوہ کی رگیں تن سی گئیں۔

"دریہ' مائی لو۔" تصویر کے پیچھے چمکتے الفاظ۔

"دریہ تمہاری ماں جیسی۔۔۔ میں تمہارے باپ جیسا۔" وہ پھر سے الجھنے لگی۔ آخر یہ کچھ بتاتی کیوں نہیں۔۔۔ زیان اسے مار تو نہیں دے گا۔ یہ کیوں اتنی خوفزدہ ہے؟ کیا کوئی عورت اپنے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت دے سکتی ہے؟ اور شوہر بھی ایسا جس نے کبھی اس کا نام لینا گوارا نہیں کیا۔ جو اس کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں رانیہ کے پتھر وجود میں حرکت ہوئی اور وہ لرزتے قدموں سے چلتی ہوئی صوفے پر ڈھے گئی۔ اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔

عنوہ بے تابی سے اس کے قریب گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھ کر التجائیہ بولی۔

"رانیہ! پلیز مجھ سے کچھ مت چھپانا۔ مجھے یقین ہے تم جانتی ہو گی کہ یہ تصویر والی لڑکی کون ہے؟" اس نے دوپٹے میں چھپائی دریہ کی تصویر رانیہ کے سامنے کی تو وہ وحشت کے عالم میں چلانے لگی۔

"میں نہیں جانتی یہ کون بلا ہے۔ ناسور ہے یہ' دیمک ہے جس نے مجھے چاٹ لیا۔ لاؤ میں اسے پھاڑ دوں۔ آگ کے حوالے کر دوں۔ اس نے مجھے جلایا ہے۔ میں اسے جلا دوں۔" وہ بلند آواز میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

"کیا تعلق ہے اس لڑکی کا زیان سے؟" اس نے سختی سے رانیہ کو بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"مجھے نہیں پتا۔" رانیہ نے تنفر سے کہا۔

"تم سب جانتی ہو' بس مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"یہی سمجھ لو۔" اس کا انداز مبہم تھا۔

"دریہ کا زیان سے کیا رشتہ ہے؟" عنوہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے پوچھا تو وہ نظریں چرا کر چلائی۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ ہزار مرتبہ بھی یہی کہوں گی۔ چاہے تم جو مرضی کر لو۔ کسی چھینی سے میرا سر پھاڑ دو۔ کوئی خنجر میرے سینے میں اتار دو۔ کسی بھالے سے دل چیر دو۔ کسی موچنے سے آنکھیں نوچ لو۔ یا کسی کدال سے زمین کھود کر مجھے زندہ اس میں دفن کر دو۔۔۔ میں یہی کہوں گی کہ مجھے کچھ نہیں پتا۔"

"زیان تمہارا شوہر ہے اور تم اس کا ماضی نہیں جانتیں تو سالوں سے اس کے ساتھ ہو۔" عنوہ نے حیرت سے کہا تو وہ چبھتے لہجے میں چنگھاڑی۔

"وہ میرا نہیں صرف تمہارا شوہر ہے۔" رانیہ نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔

"اس کے نکاح میں ہو۔ کیوں؟ کس لیے؟ طلاق کیوں نہیں لیتیں اس سے' چھوڑ کیوں نہیں دیتیں اسے؟" اس نے زہریلے انداز میں کہا۔

"اپنے حصے کا عذاب بھگت رہی ہوں۔" رانیہ غصے

کے عالم میں شاید پھٹ پڑتی مگر جوں ہی مس نینی پر نظر پڑی وہ خوفزدہ ہو کر خاموش ہو گئی۔ عنوہ نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا اور پھر گہری سانس کھینچ کر غصے سے پلٹی۔

"کیا لینے آئی ہیں یہاں؟ ہماری کوئی حیثیت نہیں اس گھر میں۔ اپنی مرضی سے کچھ بول بھی نہیں سکتے۔ ہمیں سانس بھی آپ سے پوچھ کر لینا چاہیے۔"

"میم! پلیز آپ نیچے چلیے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں' بی پی لو ہو جائے گا۔ صاحب کو پتا چلا تو وہ طوفان کھڑا کر دیں گے۔" مس نینی پر اس کے چیخنے چلانے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"آپ جا سکتی ہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میم! غصہ مت کریں۔ رانیہ بی بی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتیں۔ آپ نے جو پوچھنا ہے صاحب سے پوچھیے۔ ہم میں سے کوئی بھی زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ نہ رانیہ بی بی نہ میں۔" مس نینی نے معنی خیزی سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھمائیں۔

"آپ اس تصویر کو جانتی ہیں؟" نتائج کی پروا کیے بغیر عنوہ نے ہاتھ میں پکڑی تصویر مس نینی کی آنکھوں کے سامنے لہرائی تو وہ اک پل کے لیے تو ششدر رہ گئی تھی۔

"یہ تصویر آپ کو کہاں سے ملی؟"

"میری بات کا جواب دیں۔" عنوہ زچ ہو کر چلا اٹھی۔ مس نینی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں اور پھر بغیر کچھ کہے تیزی کے ساتھ سیڑھیاں اتر گئی تھی۔ یقیناً" زیان کو باخبر کرنے لگی تھی مگر عنوہ پر تو سب کچھ جان لینے کا بھوت سوار تھا۔ مس نینی کے ملتے ہی اس نے تشکر بھرا سانس خارج کیا۔

"دریہ کون سی زروہ کو تو جانتی ہو گی؟" اس نے بہت سوچ سمجھ کر رانیہ کو گھیرا تھا۔ اس کی توقع کے عین مطابق وہ چونک اٹھی۔

"تم ملی ہو ان سے؟" رانیہ کے لبوں سے سرگوشی نما آواز نکلی۔

"ہاں۔۔۔"

"کب؟ کس جگہ؟ کیسے جانتی ہو تم انہیں۔" اس نے بے قراری سے کہا۔

"جیسے تم دریہ کو جانتی ہو اور مجھے بتانا نہیں چاہتیں بالکل اسی طرح میں زروہ کو جانتی ہوں اور تمہیں بھی نہیں بتاؤں گی۔" عنوہ جان بوجھ کر مبہم سا مسکرائی تو رانیہ بے چین ہو گئی۔ اس کی بے چینی آنکھوں سے ہویدا تھی۔ کچھ ماضی کے پردوں پر لہراتی یادیں اس کی نگاہوں میں کرچیاں چبھونے لگی تھیں۔

"مبین۔۔۔" اس کے لبوں سے اک نوحہ نما آہ برآمد ہوئی اور دوسرے ہی پل وہ دوڑتے ہوئے دروازہ لاک کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ نجانے کون کون سے زخموں سے ٹانکے ادھڑ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مبین۔" عنوہ زیر لب بڑبڑائی۔

"یہ مبین کون ہے؟" اس نے جھنجلا کر سوچا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیڈ پر ڈھے گئی۔

"لو جی ایک اور نئی کہانی۔" اس نے تھک کر سوچا۔

"میں تو پاگل ہو جاؤں گی اس الجھے ریشم کو سلجھاتے سلجھاتے۔" عنوہ نے پیروں کی انگلیاں دباتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ اسی پل ماریہ دندناتے ہوئے بغیر ناک کیے اس کے بیڈ روم میں چلی آئی۔ عنوہ تو اس بدتہذیبی پر سلگ کر رہ گئی تھی۔ اس نے تمام ممنوز بھلا کے یکدم چلا کر کہا۔

"کسی کے بیڈ روم میں انٹر ہونے سے پہلے ناک کر لینا چاہیے۔"

"اس وقت تو زیان آفس میں ہوتا ہے۔ اسی لیے میں۔۔۔" ماریہ نے معنی خیزی سے اونچا سا قہقہہ لگایا تو اس نے تیکھے انداز میں طنزیہ کہا۔

"اسی لیے آپ منہ اٹھا کر بغیر ناک کیے اندر گھس آئی ہیں۔"

"تم تو اچھا خاصا بول لیتی ہو۔ اس دن پارٹی میں تو بھیگی بلی بن کر بیٹھی تھیں۔" ماریہ نے شرمندہ ہونا کہاں سیکھا تھا۔

www.pkdigest.com

"مگر اس بلی کے تو پنجے بھی تیز ہیں اور دانت بھی۔" وہ بلاوجہ ہی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ عنوہ نے ناگواری سے اسے دیکھا اور بولی۔

"تم ذرا احتیاط سے رہنا۔ کہیں تم میرے ہدف کا نشانہ نہ بن جانا۔"

"میں سمجھی نہیں۔" ماریہ نے آنکھوں میں آئی نمی کو ٹشو کے ساتھ نزاکت سے صاف کیا۔

"بلی کے پنجے تیز ہوں تو وہ حملہ بھی کر سکتی ہے۔" اس نے مبہم انداز میں مسکرا کر کہا۔

"کچھ کچھ مشکل پسند بھی ہو۔ آخر ایک مشکل ترین مہم جو اور پتھر کے آدمی کا ساتھ ہے۔ جس کے اعصاب اس قدر مضبوط ہیں کہ کوئی حادثہ اس پر اثر نہیں کر سکتا جو ہر ڈارکیسٹ آورز (بدترین وقت) میں فولاد کی دیوار بن جاتا ہے۔ ورنہ زیان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ضرور سوسائیڈ کر لیتا۔" ماریہ اسے غائبانہ سراہتے ہوئے بولی تھی۔

"کون سا بدترین وقت۔۔۔ میرا نہیں خیال کہ زیان کی زندگی میں ایسا کوئی وقت آیا ہو گا۔" اس نے چونک کر کہا۔

"اونہہ۔۔۔ تم کتنا جانتی ہو اسے؟" ماریہ نے بھنویں اچکا کر ناقابل فہم انداز میں اسے دیکھا۔

"اور تم بتاؤ، تم کتنا جانتی ہو زیان کو۔" وہ کچھ ٹھٹک کر حیرت زدہ سی بولی تھی۔

"ماریہ کچھ نہ کچھ ضرور دریہ کے بارے میں جانتی ہو گی بلکہ رانیہ کے متعلق بھی۔" اس کے ذہن میں کچھ اسپارک ہوا تھا۔

"بچپن سے جانتی ہوں زیان کو۔ امریکہ میں بھی ہم ساتھ تھے۔" اسی پل ماریہ کا سیل فون بج اٹھا تھا۔ وہ فون پر مصروف ہو گئی۔ عنوہ اسے بے زاری سے سن رہی تھی۔

"کب آئے پاکستان، اوہو یہاں لاہور میں ہو۔ کیوں نہیں، آج شام کو ملیں گے۔ تم ہوٹل میں کیوں ٹھہرے ہو، زیان کو نہیں بتایا ہو گا ورنہ وہ تمہیں کبھی بھی ہوٹل میں رکنے نہ دیتا۔ بہت ڈفر ہو تم املاک۔ کہاں سے آئے ہو؟ اچھا اچھا، عمرہ کرنے گئے تھے۔ ابھی تک مولوی ہو۔۔۔ میں نے سمجھا کچھ بدل گئے ہو گے۔ ہاں، میں اس وقت زیان کے بیڈ روم میں موجود ہوں۔" ماریہ نے ایک آنکھ دبا کر بہت گھٹیا سا اشارہ کیا تھا۔ وہ خفت سے سرخ پڑ گئی۔

"ارے یار! ہماری ایسی قسمت کہاں۔۔۔ زیان نہیں گھاس ڈالنے والا۔" ماریہ کھلکھلائی۔ سیل فون کان سے ہٹایا اور اسے ہولڈ کرنے کا کہہ کر عنوہ کو بتانے لگی۔

"زیان کا اور میرا بیسٹ فرینڈ ہے املاک ہم اسے ملا کہتے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں۔" عنوہ نے جل کر سوچا۔ ماریہ پھر سے فون پر مصروف ہو گئی تھی۔

"تمہارے لیے بھی ایک گڈ نیوز ہے۔ زیان شادی کر چکا ہے۔" یہ خبر کچھ حاسدانہ انداز میں دوسری طرف پہنچائی گئی تھی۔ عنوہ چونک سی گئی۔

دوسری طرف املاک اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ جوش تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے اتنا خوفناک جھوٹ بولنے کی۔" ماریہ نے ناگواری سے کہا۔

"تمہارے لہجے سے حسد کی بو سونگھ کر مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ زیان کی بیوی کم از کم تم نہیں ہو سکتیں۔ پھر اس کے بیڈ روم میں کس خوشی میں موجود ہو؟" املاک نے خوشدلی سے طنز کا تیر پھینکا تھا۔ ماریہ جلبلا سی گئی۔

"ہم فرینڈز بھی تو ہیں۔"

"فرینڈز صرف ڈرائنگ روم اور لاؤنج تک محدود ہوتے ہیں۔ بیڈ روم میں بیوی سوٹ کرتی ہے۔" املاک نے اپنے طنز کی وضاحت مزید طنزیہ انداز میں کی تھی۔

"جو تمہیں نہیں چاہتا اس کے پیچھے کیوں ہلکان ہو رہی ہو؟ جو تمہیں چاہتا ہے اس کی طرف توجہ دو۔"

"اور مجھے کون چاہتا ہے۔" اس کے انداز میں حد درجہ رکھائی تھی۔ عنوہ پوری توجہ سے ماریہ کی طرف

متوجہ تھی۔

"تم خوب اچھی طرح جانتی ہو۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا۔

"بہت دعائیں کی تھیں خانہ کعبہ کی چھاؤں میں بیٹھ کر اللہ تمہیں ہدایت دے مگر تم ابھی تک بے ہدایتی پھر رہی ہو سنبھل جاؤ ماریہ! اور اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ نہ کل نہ آج اور نہ ہی آئندہ فیوچر میں زیان تمہارا ہو گا۔ تو پھر زندگی کے اتنے قیمتی سال کیوں ضائع کر رہی ہو۔"

"اتنی دور سے اپنا پیسہ اور وقت برباد کر کے مجھے لیکچر دینے آئے ہو؟" ماریہ نے تنک کر کہا تو املاک دھیمے سے ہنس دیا۔

"میں اسلام آباد کی ایک یونیورسٹی میں بطور لیکچرار تعینات ہوا ہوں۔ مگر اس سے بھی پہلے میں زیان سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکچرار شپ نے تو بہانہ فراہم کر دیا ہے۔ میں تو صرف زیان کو اس سود و زیاں کی بھیانک کھائی سے نکالنے آیا تھا۔ اسے صرف اتنا بتانے کہ اس کی ذات کو اندھیروں کے سپرد کرنے والے خود بھی بے اطمینان ہیں۔ ان میں سے ایک فریق تو اپنی ہیروں کی کان، جاہ جلال شان و شوکت کو چھوڑ کر ایک مرفک حادثے کا شکار ہو گیا تھا جبکہ دوسرا فریق خود کو کھو کر کچھ نہ کچھ تو پا گیا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ میں سمجھی نہیں۔" ماریہ ایک دم بے حد سنجیدہ لہجے میں بولی تھی۔ عنوہ نے اس کی آنکھوں میں بلکورے لیتے اضطراب کو حیرانی سے دیکھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دہرایا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ اب تو بالکل بھی نہیں۔ اگر زیان نے مشکل سے ہی سہی اپنی زندگی کو ایک دفعہ پھر سنوارنا چاہا ہے تو ہمیں اور تمہیں کوئی حق نہیں اس کے زخموں سے کھرنڈ اتار دیں۔" املاک نے گہری سنجیدگی سے کہا تو ماریہ بے چین سی ہو گئی۔

"تم دریہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتے تھے؟" ماریہ نے پر سوچ لہجے میں کہا تو عنوہ کو یوں محسوس ہوا کہ گویا وہ سانس لینا ہی بھول گئی ہے۔

☼ ☼ ☼

بہت دنوں سے زروہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ زرین اس سے کچھ کہنا چاہتی ہیں مگر کہہ نہیں پا رہیں۔ زروہ نے سوچا وہ خود ہی ان کی مشکل آسان کر دے مگر صبح سے ہی وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ پہلے رمیز کو آفس بھیجا۔۔۔ پھر کچن کا پھیلاوا سمیٹنے لگی جب رمیز نے آفس سے فون کر کے اپنے کسی دوست کی فیملی کی آمد کا بتایا۔ یعنی ڈنر پر اہتمام لازمی کرنا تھا۔ کوئی کرنل صاحب اپنی نئی نویلی بیوی کے ہمراہ آ رہے تھے۔ کچن میں تین ٹین ڈشز سے نبرد آزما زروہ نے کوئی چوتھی مرتبہ زرین کو پلٹتے دیکھا تو پکار بیٹھی۔

"آپا! کچھ چاہیے؟"

"نن، نہیں تو۔" زرین نے پھیکے سے انداز میں کہا تو زروہ چونکی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی اور قدرے جھجکتے ہوئے اس کے قریب آ گئی۔

"زروہ! میں نے جو تمہیں ہفتہ بھر پہلے برا بھلا کہا ہے۔ اس کی معذرت چاہتی ہوں۔ تمہاری خاموشی اور آنسوؤں نے مجھے احساس گناہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس حالت میں تمہیں ذہنی اذیت سے دوچار کیا ہے میں نے۔۔۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔ دراصل میں نے بہت کم عمری میں ہی ایسے تکلیف دہ حالات کا سامنا کیا ہے کہ میرے اندر تک تلخی اتر آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنی اتنی اچھی ماں سے بھی بدکلامی کر جاتی ہوں جنہوں نے ہمیں صرف جنم نہیں دیا لیکن پیدا کرنے والی ماں سے بھی زیادہ محبت دی ہے۔ دراصل شادی کے بعد۔۔۔" زرین بھرائی آواز میں سب کچھ کہتی چلی گئی تھی جبکہ زروہ نے آپا کو ساتھ لگا کر خود بھی آنسو بہانا شروع کر دیے تھے۔ آپا کے دکھ اس کے دل پر دستک دے رہے تھے اور دور کھڑی

www.pkdigest.com

شگفتہ بیگم کو اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔ انہیں لگا کہ تمام تر زرین کی تلخ کلامیوں اور رمیز سے زروہ کی شادی کے دوران اس کی جھڑپوں کا انعام مل گیا ہے۔

اور ادھر زروہ آپا کو مطمئن کرنے کے بعد آنسو صاف کرتی پچھلے ہفتے ان کے ساتھ لڑائی میں اپنی خاموش جنگ کو شاباش دے رہی تھی۔ بعض دفعہ خاموشی ہمیں وہ کچھ دے دیتی ہے جو ہم زبان سے مانگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

رمیز کی محبت، ساس کی توجہ اور اہمیت کے باوجود اس کے دل میں ایک چبھن سی تھی۔ آپا اسے ناپسند کرتی ہیں یہ بات اسے بے اطمینان رکھتی تھی مگر آج وہ پورے دل کے ساتھ خوش ہو رہی تھی۔ آج اس کے بنائے کھانے پر، ڈریسنگ پر اور چھوٹی موٹی گھریلو باتوں پر آپا نے کوئی تنقید نہیں کی تھی۔ رمیز گھر کے خوشگوار ماحول اور آپا کو ہنستے دیکھ کر حیران ہوا اور پھر زروہ کے کان میں سرگوشیانہ بولا۔

"لگتا ہے آپ نے میدان مار ہی لیا ہے۔"

اور زروہ سوچ رہی تھی کہ امی کے پڑھائے سبق اصل زندگی کا حسن اور زیور تھے۔ اس نے ان تمام نصیحتوں، ماں کی انمول باتوں کو گرہ سے باندھ کر انہیں اگلی نسل میں منتقل کرنے کے لیے ذہن میں بھی محفوظ کر لیا تھا۔

حسن اخلاق، نیکی، بھلائی، رحمدلی، شفقت یہی تو اصل جہیز ہوتا ہے جو ہر ماں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹی کو دے کر رخصت کرے۔ تھوڑی سی تکلیف کے بعد عمر بھر کا سکھ اس کا نصیب خود بخود بن جائے گا۔

رمیز نے اس گھر میں اس کی پہلی رات کے آغاز میں ہی بہت کچھ باور کروا دیا تھا۔ اسے اپنی بہن اور اس کے بچوں سے قلبی اور جذباتی لگاؤ تھا جبکہ ماں سے والہانہ عقیدت، اس نے زروہ سے کہا تھا کہ وہ نومیہ اور ثنا کا رول پلے نہ کرے۔ اگر اس نے ویسا کرنے کی ذرہ بھر بھی کوشش کی تو پھر اس کا ٹھکانہ یہ گھر نہیں ہو گا۔ اور زروہ اس محبت بھری چھاؤں سے نکل کر اپنی ماں کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی اور نہ ہی اپنی ماں کو کسی اور عظیم صدمے سے دوچار کرنا چاہتی تھی جن کا دل پہلے ہی اولاد کے دکھوں سے گھائل تھا۔ ایک ہفتہ پہلے زرین نے ایسے ایسے توہین آمیز الفاظ اس کے بارے میں اور سنیہہ کے متعلق کہے تھے کہ زروہ کے پورے وجود کے پرخچے اڑ گئے۔ اس نے ایسی ذلت کا کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔

اگر زرین کے مقابل کوئی اور ہوتی تو شاید رمیز کا ساتھ نہ پا کر کب کی اپنے آشیانے کو کم عقلی کی بنا پر چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔ مگر زروہ نے بہت زیادہ ہمت، صبر اور برداشت کا درس اپنی ماں سے وراثت میں لیا تھا۔ اس کی ذات کو جب تک آپا رگیدتی رہیں، وہ کمال ہمت اور ضبط کا دامن تھامے خاموشی سے ان کی لعن طعن سنتی رہی مگر جب بات کردار اور سنیہہ کے بے داغ وجود تک پہنچی تو اس سے مزید ہمت کا مظاہرہ نہیں کرنے ہوا تھا۔ وہ ایک دم صدمے کی شدت سے پھٹ پڑی۔

"آپا! آپ کے الزام بے بنیاد ہیں۔ سنیہہ کا اس قصے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ میں اپنی بہن کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"خوب جانتی ہوں میں ان آوارہ لڑکیوں کے لچھن بوبو بن کر لڑکوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ڈھونگ رچاتی ہیں۔ تمہیں اگر خوش قسمتی سے اچھا گھر مل گیا ہے تو ضروری نہیں تمہاری دوسری بہنیں بھی اونچے محلوں کے خواب دیکھنے لگیں۔ پہلے اپنی اوقات دیکھ لو۔ اس گندے محلے اور بوسیدہ مکان میں کون شہزادہ گلفام آئے گا۔ یہ تو میری بھولی ماں کی آنکھوں پر سادگی اور شرافت کی ایسی پٹی بندھی ہے کہ وہ تم لوگوں کا اصل چہرہ دیکھ ہی نہیں سکیں۔ میں جانتی ہوں تم سب کتنی شریف اور کتنے پانی میں ہو۔" زرین نے تنفر کہا اور اپنی دھونکنی کی مانند چلتی سانسوں کو ہموار کرنے لگی۔ وصی کے کمرے میں جانے سے پہلے وہ زروہ سے دو دو ہاتھ کرنا چاہ رہی تھی۔ جس کا موقع اسے امی کے کمرے میں جانے کے فوراً بعد میسر آ گیا

تھا اور اب وہ زروہ کے زرد متغیر چہرے کو بڑے تفاخر کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔

"آج آپ مجھ پر میری اوقات واضح کر دیجیے۔" اس نے انتہائی غصے کے عالم میں بھی ادب و احترام سے پہلو تہی نہیں کی تھی۔ اس کے لہجے میں نرمی اور حلاوت برقرار تھی۔

"بظاہر تم سب بہت نیک نظر آتی ہو؟" زرین نے معنی خیزی سے کہا تو وہ ایکدم جلبلا اٹھی۔

"آپ کی مبہم گفتگو کا آخر کیا مقصد ہے؟"

"مقصد بھی واضح کر دیتی ہوں۔" اس نے جان بوجھ کر زروہ کی بے بسی اور ہلکورے لیتے اضطراب کو دیکھ کر مزا لیا۔

"سنیہہ اور وصی کا رشتہ کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ مزید تمہاری ماں کے فریب میں آنے والے نہیں۔ اچھی طرح اپنی بہن کو بھی سمجھا دینا۔" زرین کا انداز آگ لگانے والا تھا۔ زروہ کو لگا وہ پورے قد سے ڈھے گئی ہے۔

"میں خود بھی نہیں چاہتی کہ میری معصوم بہن کو ناقدرے لوگوں کا ساتھ ملے۔ آپ میں وہ حس ہی نہیں پائی جاتی آپا! جو نیک اور بد میں تمیز کر سکے۔"

"ایسی فلسفیانہ گفتگو کر کے تم رمیز کو قائل کیا کرو۔ یقیناً" وہ تمہاری لچھے دار باتوں میں الجھ کر میرے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔" وہ ابھی تک اسی بات پر سلگ رہی تھی کہ رمیز نے آخر کیوں اپنی سالی کا نام وصی کے ساتھ لیا ہے۔ اسے پختہ یقین تھا کہ زروہ نے ہی رمیز سے اپنی بہن کے لیے بات کرنے کو کہا ہے۔ لہٰذا زرین کے تمام تر غصے کا رخ خود بخود زروہ کی طرف مڑ چکا تھا اور زرین کے لفظوں کے تیر اس کے دل میں پیوست ہو رہے تھے۔

"تمہاری بہن سارہ کے بھی رنگ ڈھنگ بدلے بدلے لگ رہے ہیں۔ ذرا احتیاط برتنا۔ ورنہ ایک مرتبہ پھر بدنامی کی کالک چہروں کو سیاہ کر دے گی۔" زرین نے پھنکار کر کہا۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" زروہ پھٹ پڑی۔

"تمہاری ایک کزن گھر سے بھاگ گئی تھی نا؟" زرین نے بڑی معصومیت سے پوچھا تھا۔ زروہ کو یوں لگا گویا ایک پل میں ہی اس کے قدموں کے نیچے سے زمین سرک گئی ہے۔

"ایک لڑکی کا انتہائی قدم پورے خاندان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ شکر کرو تمہارا رشتہ اچھی جگہ ہو گیا ہے۔ تم ایک عزت دار خاندان کی بہو ہو۔ ورنہ ایسی لڑکیاں جو اپنا مفاد سوچ کر گھر سے بھاگتی ہیں ان کے پچھلوں کو تمام عمر ان کی کرنی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔" آپا اس کے بے داغ وجود پر کیچڑ اچھال کر اور اس دکھتے پس بھرے زخم پر نمک چھڑک کر چلی گئی تھیں جس نے تاحیات یوں ہی تکلیف دیتے رہنا تھا۔ جس پر کسی مرہم کا کوئی اثر نہیں ہونا تھا۔ یہ وہ گھاؤ تھا جسے کسی کی مسیحائی سے بھرنا نہیں تھا۔ تا زندگی درد دینا تھا۔ اذیت دینی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ در پہ نجانے تھی کون۔ جس کے بارے میں اس کے اردگرد کے تمام لوگ جانتے تھے اور ایک وہ ہی بے خبر تھی۔" اسے اپنی "بے خبری" پر رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔ کوئی بھی شخص اس راز سے پردہ اٹھانے کو تیار نہیں تھا۔ جو عنوہ کے نزدیک کوئی ایسی تلخ حقیقت تھی جس کا ذکر کسی کے لبوں سے اس نے ابھی تک نہیں سنا تھا۔ آخر کوئی تو ایسی بات ضرور تھی جس کی پردہ پوشی کی جا رہی تھی۔

"زیان نے کیوں اپنی زندگی کے ان پہلوؤں کو مجھ سے پوشیدہ رکھا ہے۔ کیا وہ مجھ پر اعتبار نہیں کرتا؟ اسے مجھ پر اعتماد نہیں؟ اسے کون سا خوف لاحق ہے؟ شاید یہی کہ میں اسے چھوڑ نہ دوں؟ یا پھر وہ ایک مرتبہ پھر توڑ پھوڑ کا شکار ہونے سے خوفزدہ ہے؟ اگر میں اسے اپنے اعتماد میں لوں اور وہ مجھ پر بھروسہ کر کے اپنی ماضی کے پوشیدہ رازوں سے پردہ اٹھا دے تو یہ بہتر طریقہ ہے۔ اگر میں کسی اور سے حقیقت معلوم کروں گی تو مجھے بہت [illegible] گا۔

www.pkdigest.com

"مان لو عنوہ کہ تم زیان کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہو۔ وہ ہی زیان جو تمہاری کرپٹ ماں کا انتخاب ہے۔ وہ ہی زیان جو تم سے عشق کا دعوا کرتا ہے اور جو دھیرے دھیرے تمہارے دل کے تمام دریچے کھول کر اس پر قابض ہو چکا ہے۔" اس نے نم آنکھوں کو چپکے سے صاف کیا۔

زیان دو دن پہلے باربادوس فلائی کر گیا تھا۔ مہینے میں دو دو تین تین مرتبہ اسے بیرون ملک جانا پڑتا تھا۔ مگر عنوہ سے شادی کے بعد اس نے ملک سے باہر جانا کم کر دیا تھا۔ اب حشام ہی زیادہ تر ابراڈ کے ٹور زاپنے ذمے لے چکا تھا۔ وہ یوں ہی بے ارادہ چلتی ہوئی پہلے لاؤنج اور پھر گول زینہ گھوم کر اسٹڈی روم میں آگئی۔ پہلے اس نے نماز ظہر ادا کی اور پھر کمپیوٹر آن کر کے زیان کی میل چیک کرنے لگی۔ زیان نے تو نہیں البتہ ممی نے اسے یعنی عنوہ کو ای میل بھیجی تھی۔ عنوہ حیرت سے آنکھیں پھیلائے کمپیوٹر اسکرین کو کتنے ہی پل دیکھتی رہی تھی گویا یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ آیا یہ اس کی ممی کا نام ہی لکھا ہے یا پھر نظر کا دھوکا ہے۔

"میری پیاری بیٹی عنوہ!" اس کی نگاہیں آغاز میں ہی الجھ گئی تھیں۔ ممی اور عنوہ کو اس طرح مخاطب کریں۔ ایسا دن تو قیامت تک نہیں آسکتا تھا۔

وہ ماؤں کی اس قسم میں سے تھیں جنہیں اولاد زندگی کا سب سے بڑا جھنجھٹ معلوم ہوتی ہے۔ وہ اولاد کو اپنی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی تھیں۔ اسے تیئس سالوں میں ایک بھی ایسا دن لمحہ پل یاد نہیں آرہا تھا جب ممی نے اسے "میری پیاری بیٹی" کہہ کر مخاطب کیا ہو۔

"میں آج تمہیں بہت سے تلخ سچ بتاؤں گی۔ اس آگہی کے عذاب کو تمہارے حوالے کرنا تمہیں ذہنی اذیت سے دوچار کرنا ـــــ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا مگر اب حالات کچھ اور ہیں۔ تمہارے جیسی بیٹیوں کو ہمارے جیسے گھرانوں میں پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ میں ایک ایسی بدبخت عورت ہوں جس کی کوکھ سے عنوہ نے جنم لیا۔ اللہ نے صرف تجھے شکل و صورت میری جیسی دی ہے مگر تمہاری تمام تر عادتیں، مزاج اپنے باپ جیسا ہے۔

تمہیں ایسے تو ہر بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ میں تمہیں آغاز سے بتاتی ہوں۔ لیکن اس سے پہلے میں تمہیں کچھ اور بتا دوں۔ میری انگلیاں اس وقت حرکت نہیں کر سکتیں، اس کے لیے مجھے مس ٹینا کی ہیلپ لینا پڑی ہے۔

میں اس وقت فرانس کے شہر پولیس کے ایک معمولی سے ایریا میں موجود تین کمروں کے فلیٹ میں زندگی کی آخری گنی چنی سانسیں پوری کر رہی ہوں۔ آج سے ڈیڑھ ماہ پہلے پیرس سے واپسی پر "پولیس" میں واقع سینٹ پیری کے گرجا گھر کے سامنے سے گزر رہی تھی جب ایک کار ایکسیڈنٹ میں دونوں ٹانگوں سے محروم ہو کر محتاجی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔ اس کے علاوہ میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو چکی ہوں۔ جس کا ذکر تمہارے سامنے کرتے ہوئے میرا سر شرمساری سے جھکا ہوا ہے مگر یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ آگے انکشافات تمہیں مجھ سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیں گے۔

کینسر کے علاوہ میرے پیٹ کے اوپر عجیب سی ہیئت کا ـــــ پھوڑا بن گیا تھا۔ شروع میں بد احتیاطی کی وجہ سے پھیلتا چلا گیا۔ جب ڈاکٹرز کو دکھایا تو اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ ڈاکٹرز کی تشخیص کے مطابق یہ لیپریسی (کوڑھ) کا مرض تھا تمہیں میری بیماریوں کے متعلق جان کر کراہیت محسوس ہو رہی ہو گی۔

ـــــــــــــــــــــــ میرا وجود گندگی کا ڈھیر ہے۔ جس پر جتنا کوڑا پھینکیں اتنی اذیت کم ہو گی۔ کفارہ ادا کرنے کا وقت گزر چکا ہے اب صرف سزا پانے کے عمل سے گزر رہی ہوں۔

میں اپنی زندگی کے ابتدائی خوشگوار ایام کا بتا رہی تھی۔ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد میں بوریت کا شکار تھی۔ چونکہ ممی پاپا تو تھے نہیں اور کوئی قریبی عزیز بھی نہیں تھا سوائے ایک پھوپھی کے۔ پاپا نے لو میرج کی تھی جس کے نتیجے میں وہ اپنی فیملی سے کٹ چکے

www.pkdigest.com

تھے۔ لیکن ان کی ڈھنڈھور میری ایک پھوپھی آئی تھیں ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا بھی تھا۔ بہت ہی بدصورت ـــ سانولا سا رنگ' درمیانہ سا قد اڑے اڑے سے حواس والا یہ لڑکا جس پر دوسری نگاہ ڈالنے کو جی نہیں مانتا تھا۔ یہ ہاشم فریدی تھا۔ میری پھوپھی شاہ قدوس کا دوسرا بیٹا۔ تمہارا حقیقی باپ۔ بہت ہی کم گو' قدرے دیوھا' صوم و صلوۃ کا پابند۔ اس وقت ہاشم دو مرتبہ حج کر چکا تھا اور دونوں مرتبہ اپنی ماں کو لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کرنے گیا تھا۔

پھوپھی اماں مجھے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی تھیں مگر میں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ تو شکل و صورت سے ہی ملانی لگ رہی تھیں۔ میرا اور ان کا ساتھ ناممکن ہی تھا۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے جب میرا پھوپھی اماں کے بڑے بیٹے سے تعارف ہوا۔ وہ اپنی ماں کے کہنے پر میرا حال پوچھنے کی غرض سے آیا تھا۔ پھوپھی اماں نے میرے لیے بہت سے تحائف بھیجے تھے۔

وہ عبیث فریدی تھا۔ جسے دیکھ کر میں پہلی نظر میں ہی دل ہار بیٹھی تھی۔ وہ بہت حسین تھا بہت ہی خوش مزاج۔ ہاشم اور عبیث میں مشرق اور مغرب جتنا فرق تھا۔ پھوپھی اماں ایک بہت بڑے جاگیردار کی بیوی تھیں۔ اسلام آباد سے کچھ ہی آگے ان کا خوب صورت گاؤں تھا۔ جس سے انہیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ہاشم اور اس کی ماں کی عادتیں اس قدر ملتی تھیں جبکہ عبیث ان ـــ سے بہت مختلف تھا۔ دونوں ہی اعلا تعلیم یافتہ تھے۔ عبیث شہر میں اپنے بزنس کو پھیلانے میں مصروف تھا جبکہ ہاشم کو اپنی آبائی زمینوں سے دلچسپی تھی۔ اس نے زراعت کے حوالے سے تعلیم حاصل کی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ پھوپھی اماں کو عبیث سے زیادہ ہاشم سے محبت تھی۔ عبیث ان کے نزدیک بگڑا ہوا نوجوان تھا۔

عبیث کی اور میری بے تکلفی ہمیں ایک دوسرے کے بہت قریب لے آئی تھی۔ وہ کوئی غیر نہیں میری پھوپھی کا بیٹا تھا۔ میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ عبیث بھی دل و جان سے رضامند تھا مگر ایک عجیب مسئلہ یہ تھا کہ عبیث اس شادی کو گھر والوں سے خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ کیوں؟ کس لیے؟ کیا وجہ تھی یہ میں نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مگر میں اپنے ارمان دل میں دبائے رکھنے والی نہیں تھی۔ میں نے شادی کی شاپنگ کے ساتھ ساتھ دور دور تک اپنے دوستوں اور ممی کے رشتے داروں کو انوائٹ کیا تھا۔ عبیث نے مجھے ایک بھاری بھرکم چیک پکڑا دیا تھا اور میں دل کھول کر شاپنگ کر رہی تھی۔ ممی کے بعد بہت سے کرانسز کی وجہ سے میرے اندر دبی خواہشات کو روزن مل گیا تھا۔ میں بہت خوش تھی۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی صرف چند قدم کے فاصلے پر تھی اور دوسرا عبیث کی مالی پوزیشن دیکھ کر بھی میں مطمئن تھی۔ یعنی میں نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا۔

ایک بڑے ہال میں ہماری شادی کی ارینجمنٹ تھی۔ لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہال میں ہنسی' قہقہوں اور میوزک کے شور میں کچھ ناگوار آوازیں بھی ابھری تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد یہ شور میرے کانوں تک آن پہنچا۔

میں ڈریسنگ روم میں موجود تھی۔ اور آوازوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب ایک دم دھاڑ سے دروازہ کھلا۔ پھوپھی اماں کو دیکھ کر میرے حواس معطل ہو گئے تھے۔ ان کے پیچھے ایک بہت ہی حسین مگر سادہ سی اداس آنکھوں والی لڑکی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی انگلی تھامے ایک بچہ بھی تھا۔ اور کچھ ہی دیر بعد منظر بدل گیا۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئی تھیں۔ پھوپھی اماں اس لڑکی سے میرا تعارف کروا رہی تھیں اور میرے سر پر آسمان آن گرا۔

"یہ فاخرہ ہے۔ عبیث کی بیوی اور یہ میرا پوتا زیان۔" انہوں نے شعلہ بار نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کسی نے میرے حلق

پر چھری رکھ کر بے دردی سے چلا دی ہے۔ میری چاہتوں کا تاج محل زمین بوس ہو چکا تھا۔

"سارے خاندان والے تھو تھو کر رہے ہیں۔ کالک مل دی اپنے عزت دار باپ کے منہ پر اور گالی بنا دیا اپنی عبادت گزار ماں کو۔ اپنے ساتھ ساتھ تجھے بھی خوار کر کے رکھ دیا ہے اس بے غیرت نے مگر میں تجھے بھری محفل میں رسوا نہیں ہونے دوں گی میری بچی۔ اس کمینے نے تجھے دھوکے میں رکھا ہو گا یقیناً" پتا نہیں اور کون سے پاپ دیکھتے ہیں میں نے اس کے۔ اللہ اٹھا کیوں نہیں لیتا مجھے۔" وہ بھک بھک کر روتے ہوئے میری پیشانی چوم کر بولی تھیں۔ میں اس وقت جس ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار تھی۔ پھوپھی اماں جو کچھ کہہ رہی تھیں مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ عبیث نجانے کہاں چلا گیا۔ پھوپھی اماں روتی دھوتی باہر نکل گئی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد منظر پھر سے بدلا۔ دو تین بزرگ اندر داخل ہوئے۔ میرے سر پر چادر ڈال دی گئی۔ مولوی صاحب مجھ سے اجازت اور مرضی معلوم کر رہے تھے۔ پھوپھی اماں مجھے خود سے چمٹائے رو رہی تھیں۔

"یہاں سائن کرو۔" کسی نے میرے ہاتھ میں قلم پکڑایا۔ میں نے ایجاب و قبول کا مرحلہ خود فراموشی کے عالم میں طے کیا۔ میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وجود لرز رہا تھا اور میں بے ہوش ہو چکی تھی۔

جب میں نے ہوش کی دنیا میں قدم رکھا تب میری خوابوں کی دنیا اجڑ چکی تھی۔ ایک بدصورت شخص کو میری زندگی کا ساتھی بنا دیا گیا۔ یہ حقیقت تسلیم کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میں نے چیخ چیخ کر ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ میرے اندر نفرتوں کے چشمے ابل پڑے۔

مجھے ہاشم فریدی سے اتنی نفرت تھی کہ میں نے کئی مرتبہ اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ میری نفرتوں کے باوجود نجانے وہ کسی مٹی کا بنا تھا۔ کبھی اس کے ماتھے پر ناگواری کی ایک سلوٹ بھی نمودار نہیں ہوتی تھی۔ وہ میرا خیال رکھنے کی اپنی سی کوشش کرتا تھا جواباً" میں اسے دھتکار کر رکھ دیتی۔ مجھے ہاشم سے نفرت تھی اپنی پھوپھی سے نفرت تھی۔ فاخرہ سے نفرت تھی۔ مجھے ہر اس شخص سے نفرت تھی جو مجھے عبیث سے دور کرنے کا سبب بنا۔ میرے دل سے عبیث کا خیال فنا ہی نہیں تھا کہ میں کسی اور طرف توجہ دیتی۔ میں نے زندگی کے سات قیمتی سال عبیث کی یاد میں جلتے گزار دیے تھے۔ اور وہ ہاشم میرے پلٹ آنے کی خوش فہمی دل میں لیے نجانے کون سے معجزے کے انتظار میں تھا۔

ان سات سالوں میں بہت سے واقعات رونما ہوئے۔ عبیث نے فاخرہ کو طلاق دے دی تھی۔ پھوپھی اماں کی زندگی میں وہ ایسا قدم اٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ فاخرہ ان کی بہت ہی پسندیدہ اور نیک سیرت بہو تھی۔

ایک لوئر مڈل کلاس گھرانے کی فاخرہ سے پھوپھی اماں کو نجانے کیوں اتنی انسیت تھی۔ عموماً" مائیں بیٹوں کو اونچے گھرانوں میں بیاہنے کے خواب دیکھتی

www.pkdigest.com

ہیں مگر میری پھوپھی اماں اپنے حسین و جمیل بیٹے کے لیے گلی کا گند اٹھالائی تھیں۔

میرے نزدیک دولت کا پیمانہ بھاری تھا اور شرافت اور نیکی کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ اس دوران ایک اور عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ فاخرہ طلاق کے بعد اپنے بھائی کے گھر جا چکی تھی۔ ایک دن وہ نجانے کس سے ہمارے گھر کا ایڈریس لے کر چلی آئی۔ وہ ہاشم سے ملنے کے لیے آئی تھی۔ اس کی گود میں صرف ڈیڑھ ماہ کا بچہ تھا۔ اس نے ہاشم کو بتایا کہ عبدالباری اس کی طلاق کے دو ماہ بعد پیدا ہوا ہے اور یہ کہ وہ عبدالباری کو عبیث کے حوالے نہیں کرنا چاہتی۔

فاخرہ اس لمحے ایک ایسی مجبور، بے بس اور حالات کی ستائی ماں لگ رہی تھی جو اپنے دل کا دوسرا ٹکڑا یوں دوسروں کے سپرد کرتے ہوئے خود پوری خالی ہو چکی تھی وہ اس قدر تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی کہ ہاشم جیسا نرم دل بندہ خود بھی اس کے ساتھ آنسو بہانے لگا۔ اسے اپنے بڑے بھائی کے اس انتہائی قدم نے بہت رنجیدہ کیے رکھا تھا۔ وہ کئی کئی دن گم سم رہا۔ مگر اپنی اولی بزدلی کی وجہ سے عبیث سے کچھ بھی باز پرس نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ وہ عبیث سے اتنی سی بات بھی نہیں کہہ سکا تھا کہ زیان کو اس کی ماں سے کبھی کبھار ملنے دے۔

فاخرہ عبدالباری کو ہاشم کے حوالے کر کے چلی گئی تھی۔ جاتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

"ہاشم بھائی! بہت مجبور ماں ہوں۔ اپنے دونوں بچوں کو خود سے دور کر دیا ہے۔ عبیث زیان کو لے کر ملک سے باہر چلا گیا ہے اور عبدالباری میں آپ کی گود میں ڈال کر جا رہی ہوں۔ میرے مزدور پیشہ بھائی کے پاس میرے لیے روٹی ضرور ہے مگر میرے بچے کو رکھنے کے لیے وہ تیار نہیں۔ ان کی اپنی اولاد صرف دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کمانے والا اور اتنے کھانے والے۔ وہ باری کو یتیم خانے بھجوانے لگے تھے مگر میری التجاؤں پر نرم پڑ گئے۔ میں اسے آپ کی اور اللہ کی امان میں دے کر جا رہی ہوں۔ اس کی شخصیت اپنی جیسی بنائیے گا۔ اسے عبیث فریدی نہ بننے دیجیے گا۔ جب میں زندگی کے کسی موڑ پر اپنے بیٹے کو دیکھوں تو میرا سر فخر سے بلند ہو جائے۔ زیان اور باری کی جدائی کی کسک تاحیات ناسور بن کر چاٹتی رہے گی مگر ان حالات میں مجھے دوسرا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میرے بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر سینے سے لگائیے گا۔ یہ آپ کے سگے بھائی کی اولاد بھی ہے۔"

فاخرہ چلی گئی تھی۔ شکستہ قدموں سے۔ یہی شکست تو میں دیکھنا چاہتی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں جھوموں، ناچوں۔۔۔ خوب اونچے اونچے قہقہے لگاؤں۔ مگر فاخرہ کے چند الفاظ میری تمام خوشی کو ملیا میٹ کر گئے تھے۔

"عبیث ملک سے باہر چلا گیا ہے زیان کو لے کر۔"

یہ حقیقت مجھ سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ پھر جب یقین ہو گیا کہ واقعی وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے تو مجھ پر ایک جنونی کیفیت طاری ہو گئی۔ انہی دنوں میں نے اسموکنگ کرنا شروع کر دی تھی۔ مجھے اس دنیا سے نفرت ہو چلی تھی۔ مزید کچھ سال چپکے سے کھسک گئے۔ میں نے دل کو خوش کرنے کے بہت سے بہلاوے میں خود کو بھی بہلا ہی لیا تھا۔ میں نے کبھی بھی عبیث کو برا بھلا نہیں کہا تھا۔ اس نے میرے ساتھ فریب کیا تھا مگر میں نے اس کے تمام گناہ خود بخود معاف کر دیے تھے۔ وہ میرا محبوب تھا میں نے اس کو بے تحاشا چاہا تھا۔ اگر عبیث نہ ہوتا تو میں ہاشم کی طرف متوجہ ہو جاتی مگر پھر وہی بدصورتی کی پھانس۔

انہی دنوں عبیث کے واپس آنے کی خبر میرے لیے خوشیوں کا پیامبر بن کر آئی تھی۔ مگر اس دفعہ بھی میں تہی داماں رہی۔ وہ کسی اور کی زلفوں کا اسیر ہو چکا تھا۔ میں ایک دفعہ پھر تہی داماں رہ گئی تھی۔

آج سوچتی ہوں تو خود سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ اس وقت کی احمقانہ جذباتی محبتیں۔ مگر مجھے پھر بھی ہدایت نہیں آئی تھی کیونکہ میں ہدایت پانا ہی نہیں چاہتی تھی۔

میرے ممی پاپا نے مجھے بہت ناز و نعم سے پالا تھا۔ میری ہر خواہش بن کہے پوری کی۔ پاپا اعلا عہدے پر فائز تھے۔ ہم ساری زندگی سرکاری بنگلوں میں رہے۔ پاپا نے اپنا گھر بنایا ہی نہیں تھا۔ عیش و عشرت میں بچپن اور جوانی گزری۔ کبھی دکھ اور صدمہ چھو کر نہیں گزرا تھا۔ اب جو یہ دل لگانے کی سزا نہ چاہتے ہوئے بھی روگ بنی چاٹ رہی تھی۔ میرے لیے عبیث کا رویہ بہت تکلیف دہ تھا۔ اس نے مجھے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اکثر پارٹیز میں وہ یوں اجنبی بن کر گزر جاتا گویا جانتا ہی نہ ہو۔ میرے لیے یہ صورت حال انتہائی اذیت ناک تھی۔

ان دنوں میں بہت رویا کرتی تھی۔ اس طرح ایک جذباتی لمحے نے مجھے ہاشم کے سامنے پسپا کر دیا اور تم اس کے لبوں کی دعا بن کر ہماری تلخ ترین زندگی کا حصہ بنے آ گئیں۔ میں آج تمہارے سامنے ہر اعتراف کر لینا چاہتی ہوں۔ مجھے تمہاری آمد کی ذرہ بھر خوشی نہیں تھی اور ہاشم کو خوش دیکھ کر میرے اندر آگ بھڑک اٹھتی تھی۔

اگر اس رات پھوپھی اماں اور ہاشم نہ آتے تو میں اس وقت عبیث کے ساتھ ہوتی۔ میرے اندر سے یہ کانٹا کبھی نکلا ہی نہیں تھا۔

وہ عبدالباری اور تم میں مگن تھا۔ تم دونوں میں اس کی جان بند تھی اور میری جان ہاشم کو مسرور دیکھ کر جلتی رہتی تھی۔

پھر ایک دن میں اپنی سوسائٹی کی دیگر ایسی ہی ذہنی طور پر ٹوٹی پھوٹی عورتوں کی طرح ڈرنک کر کے گھر آئی تو ہاشم کے ضبط کے تمام تر پیمانے چھلک پڑے۔ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ مجھے خوب مارا اور میں زخمی شیرنی کی طرح بس دھاڑتی رہی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے خلع لینے کا فیصلہ کر لیا۔

ابھی ہماری علیحدگی نہیں ہوئی تھی۔ یہ اس سے کچھ دن پہلے کی بات تھی جب ملک قاسم کی پارٹی میں کئی پیگ پینے کے بعد۔۔۔ میں بالکل نیم بے ہوش ہو گئی اور تمام رات ادھر ہی پڑی رہی اور اپنی نسوانیت کے پندار اپنی انا کے بت کو پاش پاش کیے جب میں نے گھر میں قدم رکھا تو ہاشم میری حالت دیکھ کر حد درجہ متوحش رہ گیا اور اس وقت نجانے میری ذہنی رو کیوں اس قدر بہک گئی تھی کہ میں نے تمام تر اعتراف بے خوفی سے کر لیے۔ شاید ہاشم کو میرے اس قدر گر جانے کی توقع نہیں تھی۔ مگر اس وقت اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔

اگلی صبح خاموشی سے آنگن میں اتری تھی۔ تازہ اخبار لان میں پڑا تھا اور اس اخبار میں موجود میری اور ملک قاسم کی تصویریں دیکھ کر ہاشم گویا پاگل ہی ہو گیا۔

مجھے آج بھی اس کی وحشت سے پھٹی پھٹی آنکھیں یاد آتی ہیں تو میرا خود کو ختم کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ مگر اپنے ہاتھوں سے خود کو مارنا بہت مشکل کام ہے۔ میری جیسی عورتیں ایسے کام نہیں کر سکتیں۔ مگر ہاشم نے یہ کام کر دکھایا تھا۔ اس نے خودکشی کر لی۔ اگر بروقت اسے ٹریٹمنٹ نہ ملتا تو اس کی زندگی بچنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد پہلا کام اس نے مجھے طلاق دینے کا کیا۔ میری دلی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ میرے دل اور ذہن سے ایک بھاری بوجھ ہٹ گیا۔

تم سوچ رہی ہو گی کہ ہاشم سے اتنی نفرت کے باوجود میں نے اتنے سال اس کے ساتھ کیوں گزارے۔ اس میں بھی میرا ذاتی مفاد شامل تھا۔ جب اتنے خسارے اور نقصان اپنی جھولی میں لے لیے تھے تو آخری فائدہ میں کیوں کر چھوڑتی۔

نکاح کے وقت پھوپھی اماں نے جو کچھ میرے تحفظ کے لیے مجھے تحریری طور پر لکھ کر دیا تھا۔ اس میں یہ بات واضح لکھی تھی کہ اگر میں خود سے طلاق لیتی یعنی کورٹ کے ذریعے تو پھر مجھے فیکٹری اور کوٹھی دور بینک بیلنس میں سے کچھ نہ ملتا۔

اب میری دیرینہ خواہش بھی پوری ہو گئی تھی یعنی کہ طلاق مل چکی تھی اور فیکٹری اور کوٹھی کے ساتھ لاکھوں کا بینک بیلنس بھی۔

کورٹ کے فیصلے کے مطابق تم ہمیشہ کے لیے میری کسٹڈی میں آ چکی تھیں۔ ہاشم نے تمہیں لینے کی خاطر عدالت میں کیس دائر کیا تھا جبکہ میں نے صرف

www.pkcities.com

اسے شکست دینے کی خاطر تمہیں پانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

ایک رات چپکے سے ہاشم، عبدالباری کو لے کر نجانے کہاں چلا گیا تھا شاید اپنی آبائی زمینوں پر۔۔۔ میں نے پھر کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میں نے خود کو مصنوعی بہلاووں سے بہلا لیا میری زندگی کا محور پارٹیز، سیاحت، ہنگامے اور بلا گلا رہ گیا۔

پھر ایک دن اچانک میری فاخرہ پر نگاہ پڑ گئی۔ اس کے ساتھ دو بچیاں تھیں۔ درمکنون اور رانیہ، یہ دونوں اس کی بھتیجیاں تھیں۔ نجانے کیا سوچ کر میں نے اپنی گاڑی اس کے رکشا کے پیچھے لگا دی۔

اندرون شہر لاہور کی گلیوں کے آغاز نے مجھے حد درجہ بدمزا کیا تھا مگر پھر بھی میں اس کے پیچھے نجانے کیا دیکھنے چلی آئی تھی۔

مولوی عبدالرحمن قریبی مسجد کے امام۔۔۔ فاخرہ کے دوسرے شوہر، پانچ بچوں کے باپ اس تعارف نے مجھے اک پل کے لیے ضرور تکلیف سے دوچار کیا تھا۔

محلوں سے اٹھ کر وہ ایک مرتبہ پھر مشقت کی چکی میں پس رہی تھی مگر اتنی پرسکون، اتنی مطمئن اس قدر سرشار اسے اطمینان میں دیکھ کر میرا اطمینان رخصت ہو گیا تھا۔

فاخرہ بے قراری سے عبدالباری کا پوچھ رہی تھی۔ میں اسے کیا بتاتی کہ مجھے تو خود پتا نہیں تھا کہ عبدالباری اور ہاشم کہاں ہیں۔

وہ اتنی ذلتوں کے بعد نہ جانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ ایک مرد کو جب کوئی عورت ٹھکراتی ہے تو اس کی مردانہ انا بلبلا اٹھتی ہے۔ ہاشم بھی تو ایک مرد تھا جسے میں نے اتنی مرتبہ دھتکارا اسے اتنا ذلیل کیا کہ وہ دنیا سے جی چرا کر نجانے کہاں چھپ گیا تھا۔ ایک اور بات عنوہ! میں نے ہمیشہ تمہیں ہاشم سے متنفر کرنا چاہا ہے مگر ہاشم بلاشبہ ایک نیک طبیعت، باکردار اور بہترین شخص تھا۔ جو خوش قسمتی سے بن مانگے مجھے مل گیا تھا مگر میں نے اس کی قدر نہیں کی اس کی محبت کو حسن کے ترازو میں تولتی رہی۔

جس رات وہ اپنے ہی گھر سے شکستہ قدموں کے ساتھ نکلا تھا۔ اس رات میں نے اسے یہ باور کروا کر بھیجا تھا کہ تمہاری بیٹی بھی تم جیسے بدصورت انسان کو بطور باپ متعارف کرواتے ہوئے شرمندگی محسوس کرے گی جیسی شرمندگی میں اپنے سرکل میں تمہیں متعارف کروا کر محسوس کرتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنا سب کچھ ہار کر مجھے ایک نہ ختم ہونے والی سزا کے حوالے کر کے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد قدرت نے اس کی محبت میرے دل میں ڈال کر مجھے محبت کی ناقدری کی ایسی سزا دی کہ میں تمام عمر ایک پچھتاوے کی آگ میں جلتی رہوں۔ میں نے اس نارسائی کے غم کو بھلانے کی خاطر خود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اندھی کھائی میں گرا دیا۔

جب پچھتاوے کے ناگ مجھے بہت ڈستے تھے تو میں بے تحاشا ڈرنک کرتی تھی۔ تمہارے لیے اپنی ماں کا ماضی کوئی قابل فخر نہیں ہے مگر تمہارے اطمینان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تم ہاشم فریدی جیسے نیک متقی اور پرہیزگار شخص کی بیٹی ہو۔

تم اس سوسائٹی کی لڑکیوں جیسی نہیں۔ تم اس ماحول میں قطعاً" ان فٹ تھیں۔ لوگ پیٹھ پیچھے مجھے کہتے تھے کہ امبرین کی بیٹی نجانے کس پر ہے اور میرا دل فخر کے ایک احساس سے جھوم اٹھتا تھا کہ تم ہاشم فریدی کی بیٹی ہو۔ اس کی طرح دھیما بولنے والی میٹھی طبیعت اور اعلا خیالات کی مالک۔

میرے اندر ایک اور احساس زیان بھی لمحہ لمحہ مجھے ڈستا رہتا ہے کہ میں نے تمہاری شادی تمہاری چاہ کے بغیر کر دی۔ نجانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ زیان تمہارے لیے بہت سوفٹ ایموشنز رکھتا ہے۔ اور شاید اس لیے بھی کہ میں تمہارا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہتی تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ تمہارے تایا عبیث فریدی کا وہ بہت لاڈلا بیٹا تھا۔ اس لیے بھی کہ وہ تمہیں بہت چاہتا تھا۔ اس کی چاہت کی پیمائش بھی میں نے اپنے طریقے سے کی تھی۔

تم سمجھو گی کہ میں نے تمہاری شادی ایک بزنس

ڈیلنگ کے تحت کی ہے ہرگز نہیں، عنوہ! میں تو صرف زیان کے دل میں موجود تمہاری محبت کا اندازہ لگانا چاہتی تھی جو کہ سو فیصد کامیاب رہا۔

اس کا بزنس بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہے اور سب سے زیادہ پرافٹ ایبل اس کی پیرس میں موجود گلاس فیکٹری اور ہوٹل تھا۔۔۔ جسے میں نے قانونی طور پر اپنے نام کرنے کے لیے کہا تو وہ خاموشی سے اس ڈیل پر رضامند ہو گیا۔ بزنس مین کبھی خسارے کا سودا نہیں کرتا۔ اس کے دوستوں نے حشام نے سب نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس کا فیصلہ اٹل تھا۔ مجھے لگا یہی تمہارے لیے بہترین انتخاب ہے۔ اگرچہ شروع میں میرا ازلی لالچ اور مفاد عود آیا تھا مگر میں ۔۔۔ یہاں آتے ۔۔۔ ہی ہوٹل اور فیکٹری اور اپنا تمام ٹریننگ بیلنس پاکستان میں موجود ٹرسٹ کو ٹرانسفر کر چکی ہوں۔

میں نہ اچھی بیٹی تھی نہ بیوی اور نہ ماں۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ شاید اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔ مگر اس کی رحمت سے مایوسی گناہ ہے۔ اور میں ناامید ہو کر مزید گناہ گار نہیں ہونا چاہتی۔

مجھے پتا چلا تھا کہ تم گری ایشن کے مراحل سے گزر رہی ہو۔ تمہاری ماں کے لیے یہ خبر اس جلتی بجھتی زندگی میں اک پل کو ٹمٹمانے والی دیئے کی مانند ہے۔ تم بہت اچھی ماں بنو گی۔ یہ مجھے یقین ہے۔ زیان اور تم دونوں ہی ایک ٹوٹے خاندان کے بچے ہو مگر میری جان اپنے آنے والے بچوں کو بہت اچھا گھر ملو اور محبت بھرا ماحول دینا۔ زیان کی کچھ عادتیں تمہارے لیے ناقابل برداشت ہوں گی۔ وہ رفتہ رفتہ خود ہی اپنی بری عادتوں کو ترک کر دے گا۔ اور رہا سوال رانیہ کے متعلق تو بیٹا! اس کہانی کی گہرائی میں اتر کر کیا کرو گی۔ کوئی بھی رانیہ تمہاری حیثیت تک نہیں پہنچ سکتی۔ جو تم ہو، وہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

زیان نے بھی بہت کچھ کھونے کے بعد تمہیں اور حقیقی خوشیوں کو پایا ہے۔ تم اس کے ساتھ کبھی بھی الجھنا مت۔ ایک دن وہ تمہیں تمام تر سچائی بتا دے گا اور ہاں اس نے رانیہ کے بارے میں بھی حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ تم حیران ہو گی کہ میں اتنی باخبر کیسے ہوں۔ تو میری جان! یہ جو زیان ہے نا۔ بہت مشکل آدمی ہے۔ اسے سمجھنا تقریباً" ناممکن ہے۔ مجھ سے بے زاری اور کچھ کچھ نفرت کے باوجود وہ مجھے صرف عنوہ کی ماں سمجھ کر روز فون کرتا ہے۔ روزانہ میرے چیک اپ کے لیے ایک ڈاکٹر آتا ہے۔ مس ٹینا کو تنخواہ بھی زیان دیتا ہے۔

زیان مجھ سے بہت چڑتا تھا۔ شاید اس لیے بھی کہ میں اپنی ازلی حاسدانہ فطرت کی وجہ سے اکثر فاخرہ کے متعلق طنز کرتی رہتی تھی۔ وہ صرف عبیث کو جانتا ہے۔ اپنے باپ کو جس کے بارے میں زیان کی رائے کچھ اچھی نہیں۔ وہ فاخرہ کو نہیں جانتا کہ اس کی ماں کا کتنا بڑا ظرف ہے۔ اس نے پہاڑ جتنا صدمہ کیسے اپنے دل پر جھیل لیا۔ ایک ماں کے لیے اولاد سے جدائی کا فیصلہ موت کے برابر ہے۔ وہ عورت اپنی ہر آزمائش میں کامیاب رہی ہے۔ ایک بدکردار شوہر سے ہر طرح کا ظلم ستم سہہ کر وہ صرف اپنے بچوں کے لیے ہی نباہ کرنا چاہتی تھی مگر اس کی قسمت بہت اچھی تھی جو عبیث نے خود ہی اسے چھوڑ دیا۔ اسے مولوی عبدالرحمن جیسا نیک شوہر اللہ کی طرف سے تحفے میں ملا تھا۔ زیان سے کہنا اپنی دکھی، بے بس ماں کو اس کے ناکردہ گناہ کی اتنی بڑی سزا نہ دے۔

اور میری تمام گڈ وشز عنوہ کے لیے۔ جو دنیا کی سب سے اچھی بیٹی ہے۔ ایسی ہی بیٹیاں آنکھوں کا نور ہوتی ہیں۔ فرمانبردار اور اللہ کی رضا میں راضی ہونے والی تقدیر کے فیصلوں سے ٹکرانے والے تمام عمر میرے جیسی زندگی گزارتے ہیں۔ اور اس زندگی سے موت اچھی ہے۔ اس سے پہلے کہ ——

میری زندگی کے پچھتاوے تمہاری زندگی میں زہر گھولیں۔ جب میں نے اس حقیقت کو جان لیا تو خاموشی سے تم سے دور چلی آئی۔ اب کوئی تمہیں امبرین کے حوالے سے طعنہ نہیں دے گا۔

اگر تم اپنے باپ سے ملنا چاہتی ہو تو شاہ قدوس کی

www.pkdigest.com

حویلی چلی جانا۔۔۔ وہاں فاخرہ کا عبدالباری بھی ہو گا۔ زیان کا چھوٹا بھائی، تم اسے فاخرہ کا پیغام دینا۔ وہ زیان نہیں ہے۔ ضرور اس کی پیاس کو سیراب کرنے آئے گا۔ یہ تاکید میں اس لیے کر رہی ہوں کہ بہرحال کچھ نہ کچھ فاخرہ کی موجودہ زندگی میں میرا بھی قصور نکلتا ہے۔ میرے حسد اور بغض نے اسے ان حالوں تک پہنچا دیا ہے۔ یا پھر میں ایک ماں کو تمہارے توسط سے اس کے بیٹے سے ملوا کر کم از کم ایک نیکی اپنے نامہ اعمال میں لکھوانا چاہتی ہوں۔ میری پیاری بیٹی! اپنی ماں کی آخری خواہش سمجھ کر اسے ضرور پورا کرنا اور ہو سکے تو زیان کے دل پر چھائی بدگمانیوں کی دھول کو بھی صاف کرنے کی کوشش کرنا۔ نجانے کب سانسوں کا یہ سلسلہ ٹوٹ جائے۔ اب ویسے بھی جینے کی خواہش نہیں رہی اور اس طرح جینے کی تو بالکل بھی نہیں۔

جب تم ہاشم سے ملنے جاؤ گی تو تمہیں کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہو گی۔ وہ تمہاری صورت دیکھ کر تمہیں پہچان لے گا۔ یہ میرا دعوا ہے۔

میں ہاشم سے معافی مانگنے کے خود کو قابل نہیں سمجھتی۔ البتہ تم سے ضرور التجا کروں گی کہ اپنی بدبخت ماں کو معاف کر دینا۔ تمہاری بدنصیب ماں!

امبرین۔"

ضبط کی تمام تر ملتجیں ایک ایک کر کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھیں۔ عنوہ اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھے روتی ہوئی اسٹڈی روم سے باہر نکل گئی تھی۔ اگلے دن وہ حنا کو ساتھ لیے بغیر کسی کو بتائے زینو بابا کے ہمراہ ایک انجانی منزل کی طرف چل نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

"فاخرہ بیٹی! تم میں اور شگفتہ میں ایک چیز مشترک ہے اور وہ بھلا کیا ہے؟" قمری خالہ نے پاندان گھسیٹ کر گھٹنے کے نیچے کھسکایا اور گہری سوچوں میں گم سم فاخرہ سے بولیں۔ مقصد صرف فاخرہ کا دھیان بٹانے کا تھا۔ جو ہر وقت بھیگی آنکھوں سے نجانے کیا سوچتی رہتی تھیں۔

"کیا چیز مشترک ہے خالہ جان!" شگفتہ بیگم نے ہنستے ہوئے داخلی دروازے میں قدم رکھا۔

"یہی کہ تم رمیز کی سوتیلی ماں ہو اور فاخرہ زروہ کی۔ مگر تم دونوں میں اللہ کی قسم آج تک مصنوعی پن نہیں دیکھا۔ تمہاری قربانیاں اپنی جگہ۔ مگر فاخرہ کے بلند حوصلے اور ہمت کی مثال نہیں ملتی۔" خالہ قمری اپنے ازلی منہ پھٹ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"مگر میرے نمبر کیسے کم ہوئے خالہ جان!" شگفتہ بیگم نے شگفتگی سے کہا۔

"بیٹے! جو غم فاخرہ نے اپنے بچوں کے متعلق جھیلے ہیں۔ پاس رہ کر، قریب آ کر دوریوں کا صدمہ نہیں برداشت ہوتا۔ سمجھو کنواں پاس تھا پھر بھی فاخرہ کی ممتا پیاسی رہ گئی۔" خالہ قمری آبدیدہ سی کہہ رہی تھیں۔ شگفتہ بیگم بھی خاموش ہو گئیں۔ جبکہ فاخرہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں جو کہ خالہ قمری نے انہیں عنایت کیا تھا۔ اگر دنیا میں برے لوگ بھی تھے تو اچھے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ ایک مثال تو سامنے بیٹھی بہتر سالہ یہ بوڑھی خاتون تھیں۔ جو ہمیشہ ہر گزرے وقت میں فاخرہ کے لیے ڈھال بن جاتی تھیں۔

اس وقت جب بے سروسامانی کا عالم تھا۔ مالک مکان رؤف گجر اپنا مکان خالی کروا چکا تھا۔ وہ بے یار و مددگار اک آس لیے زیان کو اپنے لخت جگر کو دیکھ رہی تھیں۔ شاید وہ آگے بڑھ کر اپنی بکھری ٹوٹی ماں کو سہارا دے۔ مگر وہ تو عبیت فریدی کا بیٹا تھا۔ ویسا ہی کٹھور اور پتھر دل۔۔۔ نجانے کیوں فاخرہ اس سے رحم کی بھیک مانگنے لگی تھیں۔ اس وقت جب سر پر چھت نہیں تھی۔ مالی پوزیشن بہت ڈاؤن تھی۔ زروہ کی شادی میں وہ مقروض تک ہو گئی تھیں۔ شاید اس بات سے رؤف گجر نے فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ زروہ کی شادی کا سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور پھر اس بدفطرت اوباش نے سارہ کا ہاتھ مانگنے اور رشتہ طے کرنے پر اصرار شروع کر دیا۔ فاخرہ نے جب محلے کے بزرگ اور نئے امام مسجد کو بلوا کر تمام معاملہ ان کے گوش گزار کیا اور انہوں نے رؤف

گجر کو سخت سست سنانی شروع کیں تو وہ ہتھے سے اکھڑ کر انہیں مکان خالی کرنے کی دھمکی دیتا بلبلتا جھلستا نکل گیا تھا۔

اس نے صرف دھمکی نہیں دی تھی بلکہ سامان اٹھا کر باہر پھینکوانا شروع کر دیا تھا۔ فاخرہ نے اس ذلت کی گھڑی میں کسی غیبی امداد کی شدت سے دعا کی تھی اور پھر پورے نو سال بعد ایک مرتبہ پھر انہی گلیوں میں زیان کو آتا دیکھ کر وہ حق دق رہ گئیں۔ مگر زیان نے ان کے ممتا بھرے جذبات کو مجروح کر دیا تھا جبھی تو انہوں نے دل کو اتنا سخت کر لیا کہ اب کبھی اس کا نام ان کے لبوں پر نہیں آیا تھا۔

ابھی وہ گلی کے آخری سرے پر پہنچی تھیں جب قمری خالہ لشتم پشتم ان تک آئیں۔ وہ رحمت کا گویا فرشتہ بن کر آئی تھیں۔ انہوں نے نا صرف انہیں اپنے بھتیجے کی گھر میں جگہ دی بلکہ کرایہ لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ قمری خالہ کا بھتیجا کچھ عرصہ پہلے اپنی فیملی سمیت باہر سیٹل ہو گیا تھا۔

دنیا کا نظام اسی لیے تو چل رہا تھا کہ کچھ بدلوگوں کے درمیان ایسے اچھے لوگ بھی موجود تھے۔ ان کی آنکھوں میں کچھ بیتے دنوں کی کرچیاں چبھنے لگی تھیں۔

انہوں نے ایک بہت ہی غریب گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ والد کی پرچون کی معمولی سی دوکان تھی مگر وہ بہت ہی نیک اور دین دار انسان تھے۔ انہوں نے اپنے دونوں بچوں کی تربیت بہت اچھی کی تھی۔

بچوں کو پڑھانے کا بہت شوق تھا انہیں۔ اسی لیے فاخرہ نے اباجی کے شوق اور جنون کی وجہ سے ماسٹرز کر لیا۔ ظہیر بھی اچھا خاصا ذہین تھا مگر لاپرواہی کی وجہ سے صرف انٹر کے بعد پڑھائی کو خیرباد کر کے اباجی کی دوکان پر بیٹھنے لگا تھا۔ انہی دنوں فاخرہ کے لیے شاہ قدوس کی حویلی سے رشتہ آیا۔ اباجی کے جاننے والوں کے توسط سے آئے رشتے کو اماں نے کسی نعمت کی طرح قبول کیا تھا۔ شاہ قدوس جیسی نیک معزز اور رحمدل خاتون جن کی سخاوت کے دور دور تک چرچے تھے۔ جن کے نرم میٹھے لفظوں نے اماں کو اپنا اسیر کر لیا تھا۔ ایسے اچھے رشتے کو ٹھکرانا کہاں کی عقل مندی تھی۔

یوں معمولی سی جانچ پڑتال کے بعد ہاں کر دی گئی اور محض کچھ ہی دنوں بعد وہ ایک شاندار حویلی میں رخصت ہو کر چلی گئیں۔

سلا دھچکا انہیں اس وقت لگا تھا جب عبیت نے گھونگھٹ اٹھانے کے بعد کہا۔

"اگر تم خوب صورت نہ ہوتی تو میں نے تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دینا تھا۔"

عبیت فریدی اپنی ماں اور چھوٹے بھائی سے قطعاً مختلف تھا۔ ایک ایسے شخص کے ساتھ رہنا کس قدر تکلیف دہ تھا جس میں تمام اخلاقی برائیاں پائی جاتی تھیں۔ مگر صبر اور محبت کے سبق ان کی ماں نے جو گرہ میں باندھ کر دیے تھے صرف انہی کی بدولت وہ آٹھ سال عبیت کے ساتھ اس کی ہر طرح کی زیادتی برداشت کرتے ہوئے رہی تھیں۔ زیان کی پیدائش کے بعد بھی عبیت کے شغل ویسے ہی جاری تھے اور ان دونوں وہ اپنی کزن امبرین میں بہت دلچسپی لینے لگا تھا۔

اماں جان (ساس) کا گھریلو ملازم انہیں تمام رپورٹ پہنچاتا رہتا تھا۔ بقول کرم دین کے چھوٹے صاحب آج کل ایک ماڈرن لڑکی کے ساتھ بہت گھوم پھر رہے ہیں۔

یہ بے تکلفی انہیں شادی کے قریب لے آئی تھی۔ ایسا کچھ فاخرہ نے سوچا بھی نہ تھا۔ جوں ہی شہر سے اطلاع پہنچی اماں جان اسے ہمراہ لیے فوراً" روانہ ہو گئی تھیں۔ عبیت تو اماں جان کو دیکھتے ہی فرار ہو گیا تھا البتہ دلہن بنی امبرین کو دیکھ کر فاخرہ کو دلی صدمہ پہنچا۔

"ایک عورت دوسری عورت کی تباہی کا سامان کر رہی تھی۔ یہ بے چاری عبیت کے ہرجائی پن کو جانتی نہیں۔ اسے یوں ہی نئے چہرے متوجہ کرتے ہیں نادان لڑکی۔" فاخرہ نے افسردگی سے سوچا۔ کچھ ہی دیر بعد اماں جان نے ہاشم بھائی کے کان میں نجانے کیا پھونکا کہ تمام منظر یک لخت بدل گیا۔ چہ مگوئیاں کرتے

www.pkdigest.com

لوگوں کی زبانیں رک گئیں اور مبارک سلامت کا شور اٹھنے لگا۔

عبیث اس واقعہ کے بعد کچھ عرصہ نادم رہا اور پھر دوبارہ سے اپنی مصروفیات میں خود کو گم کر لیا۔

اماں جان کی وفات کے بعد عبیث کو من مانیاں کرنے کی مکمل چھوٹ مل گئی تھی۔ غیر عورتوں کو گھر لے آنا۔ فاخرہ اگر کچھ کہتیں تو انہیں زدوکوب کیا جاتا اور پھر ایک دن وہ انہیں طلاق دے کر اور گھر سے نکال کر زیان کو لیے پہلے شہر اور پھر کسی دوسرے ملک چلا گیا۔

اسے آنے والی ننھی جان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اسے اپنا ایک وارث چاہیے تھا جسے لے کر وہ مغرور ہو چکا تھا۔

ان کی زندگی میں پہلے کون سی آسانیاں تھیں جب ایک مرتبہ پھر میکے کی دہلیز پر آ کر بیٹھنا پڑا۔ اس عرصے میں ابا جی اور اماں تو چل بسے تھے۔ اب میکے کا مان صرف ایک بھائی اور بھاوج تھی۔ جسے ان کا بے ضرر وجود اور معصوم سا عبدالباری کھٹکتا تھا۔ آئے دن کے طعنوں اور لڑائیوں سے گھبرا کر ظہیر نے سوچا بچے کو یتیم خانے بھجوا دیا جائے مگر فاخرہ کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا۔ بہت سوچنے کے بعد انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر اپنی جگر کے دوسرے ٹکڑے کو بھی کسی اور کو سونپ دیا۔ اتنا اطمینان تو بہرحال دل کو تھا کہ ہاشم بھائی غیر نہیں بلکہ باری کے سگے چچا ہیں مگر امبرین کے مزاج سے خوف آتا تھا۔

عبدالباری چلا گیا مگر ندرت کو اب نند کا وجود بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ سارا دن کام کاج کرنے کے بعد بھی وہ ندرت کے مزاج کو بہتر نہیں کر پاتی تھیں۔ اسی طرح کچھ سال گزرے کہ ندرت اپنے محلے کے ایک مولوی کا رشتہ لے آئی۔ عبدالرحمن کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھی۔ پانچ بچے تھے۔ جنہیں فاخرہ نے ماں بن کر پالا پوسا اور محبت دی تھی۔

سادگی سے ہفتے کے اندر اندر نکاح ہوا اور وہ مولوی عبدالرحمن کے گھر چلی آئیں ان کے بچے بہت ہی باادب اور نیک تھے۔ جلد ہی گھل مل گئے۔ اسی طرح وقت کے تھال میں کچھ سال اور سکوں کی طرح گزرے۔

ندرت کے ہاں تیسری بچی کی ولادت ہوئی۔ دو گھنٹے بعد وہ بچی سمیت خود بھی چل بسی۔۔۔ ظہیر ننھی پریوں کو ان کے حوالے کر کے خود کراچی چلا گیا اور پھر اس کی کبھی خیر خبر نہیں آئی۔

درمکنون اور رانیہ دونوں میں ان کی جان تھی۔ ان کے اکلوتے بھائی کی نشانیاں۔ مولوی صاحب نے بھی بچیوں سے ہمیشہ شفقت بھرا رویہ رکھا۔۔۔ وہ انہیں ہمیشہ اچھا کھلانے اور پہنانے کی کوشش کرتے تھے مگر پھر بھی نجانے کیوں درمکنون ان کے گھر کے ماحول، رہن سہن ہر شے سے متنفر تھی۔ وہ جادو کی چھڑی سے کسی اونچے محل میں جانا چاہتی تھی اور وہ اپنی لاڈلی کو ہر لمحہ یہی باور کرواتی تھیں کہ اونچے محلوں میں سکھ نصیب سے ملتا ہے میری بیٹی! ہمیشہ اچھے مقدر کی دعا کیا کرو۔ یہ دھن دولت بس دھوکا ہے۔

اور پھر ایک دن بالکل اچانک، جھٹ پٹے کی اس شام درمکنون کو اونچے محلوں میں لے کر جانے والا آ گیا تھا۔ فاخرہ نے اپنے دریچے میں کھڑے قدرت کے اس شاہکار کو دیکھا اور دل تھام کر رہ گئیں۔

وہی آنکھیں، وہی سحر طراز نقوش سے سجا چہرہ۔ کشادہ پیشانی پر چمکتا اس کا بلند بخت۔۔۔ ان کے جگر کا ٹکڑا۔۔۔ ان کا زیان عبیث کھڑا تھا۔ آنکھیں ترس گئی تھیں اس چہرے کو دیکھنے کے لیے۔

ان کی آنکھیں بے تابی سے اس کا طواف کر رہی تھیں جبکہ وہ بڑے اشتیاق، جوش اور کچھ کچھ بے چینی سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا اور جوں ہی اس کی نظریں سبز دریچے میں جھانکتے چہرے پر پڑیں۔ اس کے لبوں سے گویا ایک گنگناتا نغمہ ان کے وجود کو گویا ساکت کر گیا۔

"دریہ۔" زیان نے بڑے جوش کے عالم میں اسے پکارا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی درمکنون دوسرے ہی پل اس کے سامنے تھی۔ سارہ، زرہ اور حمک بہت

حیرت اور کچھ کچھ ناپسندیدگی سے ایک اجنبی کو اپنے گھر میں بغیر دستک کے آتا دیکھ کر اور درمکنون سے یوں بے تکلفانہ گفتگو کرتے سن کر ناگواری سے بڑی تینوں کمرے میں جا گھسیں اور چھوٹی حمک ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ جو باتوں میں سارے جہان کو فراموش کیے یوں گم ہو چکے تھے گویا ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا وجود تھا ہی نہیں۔

☼ ☼ ☼

"عنوہ! تم پاگل ہو گئی ہو؟ اسپیڈ کم کرو۔" حنا نے چلا کر کہا تو زینو بابا بھی پچھلی سیٹ سے سہم کر بولے۔

"جی بٹیا رانی! اب تھوڑی دور گاؤں رہ گیا ہے۔ آپ ذرا آہستہ گاڑی چلائیں۔"

"زینو بابا! اب کس طرف جانا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو زینو بابا راستہ سمجھانے لگے۔

بڑی اور چوڑی سڑک کے دائیں طرف بڑا سا لوہے کا بورڈ لگا تھا۔ جس کے اوپر شاہ قدوس لٹل اسٹارز جگمگا رہا تھا۔ نیچے عبدالباری کا نام بھی لکھا تھا۔ عنوہ کچھ پرجوش ہو کر بڑی شان سے کھڑی پرشکوہ عمارت کو دیکھنے لگی تھی جبکہ حنا اس علاقے کی قدرتی خوب صورتی دیکھ کر چہکنے لگی۔

"واٹ آ بیوٹی فل پلیس اٹ از۔ یہ کتنی خوب صورت جگہ ہے۔"

"بابا! ہم ٹھیک جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ دیکھیے عبدالباری کا نام لکھا ہے۔" وہ گاڑی سے اتر کر پرجوش سی حویلی اور اسکول کی عمارت کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت رانیہ، دریہ سب کچھ ذہن سے فراموش ہو چکا تھا۔ صرف یاد تھا تو اتنا کہ وہ اپنے بابا سے ملے گی۔ آج اسے اپنی پہچان ملنے والی تھی۔ اور وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ممی کا دعوا کتنا سچا ہے۔

"عبدالباری کون؟" حنا نے حیرانی سے پوچھا۔

"زیان کا چھوٹا بھائی۔" لہجے میں ڈھیروں خوشی اور کھنک تھی۔ عبدالباری ایک جھٹکے سے ڈھلوانی سطح چڑھ کر ان دو اجنبی لڑکیوں تک پہنچا تھا۔ وہ پھولوں کی باڑ کے پاس ایک لائم اسٹون پر بیٹھا مسلسل درمکنون کے متعلق سوچ رہا تھا جب دو نسوانی آوازوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"عبدالباری زیان کا چھوٹا بھائی۔" وہ سرعت سے ان کے قریب پہنچا تھا۔ اس کے دل کی رفتار معمول سے ہٹ کر تھی۔ عنوہ جو گاڑی سے ٹیک لگائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور زینو بابا جو کہ حویلی کے اندرونی حصے کی طرف گئے تھے ان کا انتظار بھی ہو رہا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" عبدالباری نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ اس کا چہرہ بہت سرخ ہو رہا تھا۔

"پہلے آپ بتائیے آپ کون ہیں؟" حنا نے گم سم سی کھڑی عنوہ کو دیکھ کر تنک کر کہا تو وہ خود بخود عنوہ کی طرف رخ پھیر کر کہنے لگا۔

"آپ نے ابھی کچھ دیر پہلے کیا کہا ہے۔"

"میں نے۔" عنوہ نے اپنی طرف اشارہ کیا اور پھر اچانک کچھ کلک ہوا تھا۔ اس نے سامنے کھڑے خوش پوش خوبرو نوجوان کو بغور دیکھا اور دل نے گویا تصدیق کی مہر لگا دی تھی۔

"آپ عبدالباری ہیں۔" عنوہ نے خوشی سے بھرپور کپکپاتی آواز میں کہا۔

"جی۔۔۔ اور آپ کون ہیں اور زیان؟" اس کی آنکھوں میں الجھن تھی جبکہ چہرے پر دبا دبا جوش۔

"میں عنوہ زیان ہوں۔ یعنی زیان کی بیوی اور زیان آپ کا بڑا بھائی ہے۔ آپ زیان کو نہیں جانتے ہوں گے کیونکہ آپ کو بابا۔۔۔"

"عنوہ بیٹا جی! اندر آئیے شاہ صاحب بلا رہے ہیں۔" اسی پل زینو بابا نے آ کر مداخلت کی تو وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں جبکہ عبدالباری سوچوں میں گم حیران پریشان سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

"یہ لڑکی کیا سچ کہہ رہی ہے۔ مگر ایسے کس طرح ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ جھوٹ کیوں بولے گی۔"

"چلی گئی ہیں۔ وہ دونوں اندر، اب آ جائیے واپس اپنے حواسوں میں۔" قریب ہی عیشہ کی کھنک دار

www.pkdigest.com

ہنسی سنائی دی تو وہ حیرت زدہ سا پلٹا۔

"تم کب آئیں؟"

"میں تو پہلے سے ہی موجود ہوں۔ مگر آپ کو دکھائی نہیں دیتی۔" کچھ جتاتا، کچھ سمجھاتا عیشہ کا روٹھا روٹھا مبہم سا انداز بہت سی باتیں واضح کر گیا تھا۔

"اوہو! تو بیوں کی میٹنگ کی خبر اس تک بھی پہنچ گئی ہے۔" عبدالباری نے سوچا اور پھر اک شگفتہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولا۔

"نظر تو بہت آتی ہو اور کہنا بھی بہت کچھ چاہتا ہوں مگر مناسب وقت کا انتظار ہے۔" اس نے بابا جان کی خواہش پر سر جھکا دیا تھا۔ ویسے بھی خود سری اس کی شخصیت کا خاصہ نہیں تھی۔ یہی بابا جان کی تربیت کا تقاضا تھا کہ وہ اس رشتے پر راضی ہو جاتا جو اللہ نے اس کی تقدیر میں لکھ دی تھی اور وہ ناشکرے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے بابا جان کے قول کے مطابق درمکنون کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔

"اور وہ مناسب وقت کب آئے گا۔" عیشہ نے مسکرا کر پوچھا اور پھر گھبرا کر پلٹنے لگی جب پیچھے سے عبدالباری کی آواز سنائی دی تھی۔

"ان شاء اللہ بہت جلد۔"

☼ ☼ ☼

"یا اللہ! یہ خواب ہے یا حقیقت تم۔۔۔ میری عنوہ، خود چل کر میرے پاس آگئی۔" انہوں نے آنکھیں موندیں تو دو شفاف قطرے گالوں پر بہنے لگے۔ انہوں نے اپنی دونوں بانہیں پھیلا دی تھیں اور عنوہ کو لگا وہ کڑی دھوپ سے ٹھنڈی چھاؤں میں آگئی ہے۔ صحرا میں گویا ابر رحمت پورے جلال سے برسا تھا۔ جل تھل ہو گئی تھی۔ ہر شے سیراب ہو گئی تھی۔ وہ بابا جان کے سینے میں منہ چھپائے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور حنا کو لگا کہ اس کا دل پگھل کر بہہ جائے گا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عنوہ اسے اتنا بڑا سرپرائز دے گی اور پھر اس نے عنوہ کے بابا جان کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس نے یہ مہربان اور شفیق چہرہ کہاں دیکھا تھا۔ اور پھر ایک دم ہی کچھ فلیش ہوا۔

"مکہ میں۔۔۔ جب میں اور ابو عمرہ کرنے گئے تھے۔ ان کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تھی، پردے والی۔" حنا کو بہت کچھ یاد آگیا تھا۔

"بابا جان! آپ کی بیٹی کہاں ہے؟" حنا زیادہ دیر اپنے تجسس کو برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔ بے چینی سے پوچھ بیٹھی۔

"یہ وقت اس کی عبادت کا ہے بیٹے! تم لوگ صبح ہی اس سے مل سکو گی۔ ابھی آرام کرو، کھانا کھاؤ اور سو جاؤ۔" انہوں نے بہت ہی شفقت اور حلاوت سے کہا تو حنا بخدان بی بی کی ہمراہی میں اٹھ کر چلی گئی جبکہ عنوہ نے ایک مرتبہ پھر ان کے شفیق مہربان سینے میں منہ چھپا لیا۔

"آپ نے میرے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا ہے بابا جان! آپ نے مجھے اپنی محبت سے محروم رکھا۔ مجھے تنہائیوں کے حوالے کر آئے۔ مڑ کر میری خبر بھی نہیں لی۔"

"میں خوفزدہ تھا۔ مجھے خوف تھا کہ تم۔۔۔"

"پلیز بابا جان! کچھ مت کہیں۔ مجھے کوئی بھی ایسی وضاحت نہیں چاہیے۔ جو آپ کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔" اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہونٹوں پر رکھا تو انہوں نے اس کے ہاتھ پر نرم سا بوسہ دیا۔

"میں آپ کی بھی بیٹی تھی۔ آپ نے کیوں سوچا کہ میں ممی کی طرح سطحی سوچ رکھنے والی ہوں۔ بابا جان آپ کو کیا پتا کہ آپ میرے لیے کیا ہیں۔ ماں باپ اللہ کی طرف سے ایسا حسین تحفہ ہیں جن کا نعم البدل کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی۔ آج میں اتنی خوش ہوں کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔ میری گردن بھی تفاخر سے اونچی ہو گئی ہے۔ زیان کے سامنے میرے پلس پوائنٹ میں اضافہ ہوا ہے ورنہ ممی کے حوالے سے وہ مجھے طعنے مار مار کر بے حال کر دیتا تھا۔" عنوہ خوشی سے چمک رہی تھی۔

"زیان کون؟" وہ اپنی بیٹی کا سر چومتے ہوئے دل ہی دل میں پروردگار عالم کا شکر ادا کر رہے تھے۔ جس نے انہیں عنوہ سے ملا دیا تھا۔ ان کی پیاری اکلوتی بیٹی، ان

کے ناکام شکستہ زیست کی کل پونجی۔ ان کی پوری کائنات بس اس ایک چہرے میں سمٹ آئی تھی۔ جو دعا کا حصار انہوں نے عنوہ کے گرد کھینچا تھا وہ اسی حصار میں موجود تھی۔ محفوظ تھی۔ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سرور۔۔۔ ایسی رحمت جس سے ایک خود پرست عورت کی وجہ سے انہیں منہ موڑنا پڑا تھا۔ وہ عورت جو کبھی دل میں بستی تھی۔ عرصہ ہوا آنکھ اور دل سے اتر کر تاریک گڑھوں میں گر چکی تھی۔

جسے حسن ظاہر سے عشق تھا۔ حسن باطن کے مفہوم سے ناآشنا سیاہ قلب والی بدبخت عورت۔

وہ عورت انہیں اس لیے یاد تھی کہ اس کی بے وفائی اور ہرجائی پن نے انہیں عشق حقیقی سے ملا دیا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی کا راز جان لیا تھا۔

"بوجھیں نا۔۔۔ زیان بھلا کون ہو سکتا ہے؟" وہ انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"زیان۔۔۔" بابا جان نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

"زیان میری بیٹی کی خوشی معلوم ہوتا ہے جس سے میرا تعارف کروا کر میری بیٹی کی گردن فخر سے اونچی ہو جائے گی۔"

"بابا جان اس کے علاوہ پتا ہے زیان کون ہے؟" اس نے جان بوجھ کر سسپنس پھیلانا چاہا تھا۔ ان کے لبوں پر دھیمی سی مسکان نے جھلک دکھائی۔

"آپ کے تایا جان عبیث فریدی کا بیٹا میرا بھتیجا اور عنوہ کا۔"

"نصف بہتر۔" حنا نے مسکراتے ہوئے ٹکڑا لگایا اور عنوہ ہنس ہنس کر دہری ہو رہی تھی۔

"نصف بہتر۔" اس نے گویا بہت ہی لطف لیا۔

حنا بہت خوشی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی جسے کبھی مسکرانا آتا ہی نہ تھا اور اب خوشی اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔ حنا بیگ اٹھا کر واپس چلی گئی تھی سونے کے لیے۔

"بابا جان! آپ نے عبدالباری کو بتایا کہ میں کون ہوں؟"

"تم مجھے موقع دو گی تو بتاؤں گا نا۔" انہوں نے شفقت سے اس کی طرف دیکھا۔ جو امبرین کی جوانی کی تصویر تھی۔

"وہ بہت حیران ہو گا کہ آپ اس کے بابا نہیں چچا ہیں۔" عبدالباری کے قدم دروازے کے قریب ہی رک گئے تھے۔

"بابا جان! میں عبدالباری کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ میں نے باری کو اس کی ماں سے ملوانے کا خود سے عہد کر رکھا ہے۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"تم جانتی ہو بیٹے! کہ فاخرہ بھابھی کہاں ہیں؟"

"نہیں، مگر میں انہیں ڈھونڈ لوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"بابا جان! کیا آپ نے باری کو بتایا ہے کہ اس کی امی نے کس مجبوری کے تحت اسے آپ کے حوالے کیا تھا۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے آہستگی سے کہا تو بابا جان نفی میں سر ہلانے لگے۔

"نہیں بیٹے! بعض آپ کی زندگی کے بہت حساس اور نازک پہلو ہوتے ہیں۔ جنہیں آپ اپنے پیاروں کے ساتھ بھی شیئر نہیں کر سکتے۔ میں نہیں چاہتا کہ باری کو پتا چلے کہ میں اسے لے کر کیوں روپوش ہو گیا تھا۔ تمہاری ماں نے جو کچھ کیا۔ میں اسے خود سے بھی شیئر نہیں کر سکتا۔ بہت عرصہ اس موضوع پر لوگوں نے چٹخارے لیے ہوں گے۔ میرے لیے یہ بہت اذیت ناک عمل ہے۔" ان کی آنکھوں میں سرخی سی اترنے لگی تھی۔ اور باہر کھڑا عبدالباری چپکے سے پلٹ گیا۔

"میں آپ کی زندگی کے ان تاریک پہلوؤں کو کبھی نہیں کریدوں گا بابا جان! میری خوشی اور فخر کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ میں بے نشان نہیں ہوں۔ میں کسی کے گناہ کا جیتا جاگتا انجام نہیں ہوں۔ میرا باپ اس دنیا میں نہیں بظاہر وہ ایک معزز انسان تھا اور میری ماں نجانے کن مجبوریوں کی زنجیر میں جکڑی ہو گی۔ میں اپنی ماں سے ملنے ضرور جاؤں گا۔

www.pkdigest.com

اس لیے کہ میں نے ماں کو اپنے ہاتھ سے چھو کر محسوس کرنا ہے اور پھر میرا بھائی..... اور تم بہت اچھی سی لڑکی عنوہ! میری محبتوں کی شراکت دار بن گئی ہو۔ مگر میری ماں کا سندیسہ سنا کر مجھے خوشیوں کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ میری اچھی سی بھابھی! میرے کھوئے رشتے مل گئے ہیں۔ میں ایک مضبوط ستون کے سہارے کھڑا ہوں۔ میری بنیادیں مضبوط ہیں اور میرے دل سے آخری پھانس بھی چپکے سے نکل گئی ہے کہ میں کسی کے گناہ کا ثمر نہیں ہوں۔ میرے اور آپ کے رشتے مضبوط ہیں۔ حوالے مضبوط ہیں بابا جان! یہ تعلق خون کے تعلق ہیں۔ یہ محبت کے تار دلوں سے جڑے ہیں۔ یہ کشش خون کی کشش تھی۔"

☼ ☼ ☼

وہ بہت تیزی کے ساتھ لاؤنج سے گزرتا گول زینہ طے کر کے رانیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

آج دوسری مرتبہ وہ رانیہ کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ رانیہ کی آنکھیں تحیر کے عالم میں پھیل سی گئیں۔

"آپ....." وہ ہکلا کر اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"اندر نہیں آنے دو گی؟" زیان کا لہجہ خوشگوار تھا۔

رانیہ حیرت سے بت بنی کھڑی رہی۔

"آؤ' رانیہ یہاں بیٹھو..... میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آہستہ روی سے چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی تھی مگر سر یوں جھکا ہوا تھا۔ یہ سر کبھی زیان کے سامنے اٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ ایک ایسے ہی حوالے سے رانیہ کی ذات منسلک تھی۔

"تم مجھ سے نفرت کرتی ہو نا؟"

"نن' نہیں تو۔" وہ گھبرا کر بولی تھی۔

"یہی سچ ہے۔" زیان نے خاکی لفافہ ٹیبل کے اوپر رکھتے ہوئے کہا۔

"رانیہ.....؟"

"جج..... جی۔" اس نے سر اٹھایا اور پھر جھکا لیا۔

"میرا دل چاہتا ہے تم پھر سے مجھے وہی زبان سمجھو۔"

"کک..... کیا۔" وہ متوحش سی آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔

"ہاں' رانیہ! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں..... یہ انتقام کا سلسلہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔ بہت اس آگ میں خود بھی جلا ہوں اور..... چھوڑو اس قصے کو' اس لفافے میں طلاق کے کاغذات ہیں۔ جسے خاموشی سے یہ نام نہاد بندھن بندھا تھا اسی خاموشی سے توڑ رہا ہوں۔ چند ایک لوگوں کے سوا کوئی اس حقیقت سے واقف نہیں اور جو جانتے ہیں وہ میرے وفادار ہیں۔ دیکھو رانیہ! یہ آنسو کیسے؟ تمہاری دلی خواہش پوری ہو رہی ہے۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتی تھیں؟" زیان نے ڈپٹ کر پوچھا۔

وہ کچھ نہیں بولی تھی بس خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

"میں آپ سے نفرت نہیں کرتی۔ بس آپی نے جو کچھ کیا تھا۔ اگر اس رات میں بول پڑتی تو حالات کچھ اور ہوتے۔"

"اٹس اوکے' میں کچھ فضول سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ یہ بتاؤ تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"کیا مطلب.....؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اپنوں سے ملنا نہیں چاہو گی؟" زیان نے کہا تو وہ بے چین ہوا تھی۔

"آپ مجھے پھوپھوا کے گھر چھوڑ دیں۔"

"پھوپھوا کو یہیں نہ لے آؤں۔"

"مگر کیسے' کیا وہ آجائیں گی؟ آپ نے کب سے انہیں امی تسلیم کیا ہے؟" رانیہ نے حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ اس کا اعتماد زیان کے رویے کی بدولت رفتہ رفتہ بحال ہو رہا تھا۔

"ایک ایسی کرپٹ عورت کی باتوں پر یقین کر لیا ہے جو اب اس دنیا میں نہیں۔ میں امی کو لینے جا رہا ہوں۔"

زیان نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" رانیہ نے چونک کر پوچھا۔

"عنوہ کی ممی کی۔"

"کیا ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" اسے بے حد افسوس ہوا تھا۔

"ہاں' پھر کیا سوچا ہے تم نے اپنے بارے میں۔" زیان نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ مجھے دارالاقامہ چھوڑ دیں۔ میں نہیں چاہتی کہ پھوپھوا امی مجھے آپی کے یا کسی پرانے حوالے سے ملیں۔"

"سمجھدار ہو گئی ہو رانیہ! یہ لو جب نئی زندگی کی ابتدا کرو گی۔ تو اس کی ضرورت محسوس ہو گی۔" زیان نے ایک اور لفافہ اس کی طرف بڑھایا تو رانیہ حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"اس میں کیا ہے؟"

"ایک سپر لگژری فلیٹ کے کاغذات۔ یہ گھر تمہارا ہوا۔ میری طرف سے تم دونوں کے لیے قبل از وقت تحفہ۔"

"ہم دونوں۔" وہ ایک مرتبہ پھر حیران تھی۔

"تم اور مبین..... اب سمائی موٹی عقل میں بات۔" زیان مسکراتا ہوا نیچے چلا گیا تھا۔

اسٹڈی روم میں آکر پہلے اس نے امبرین کی میل کو ڈیلیٹ کیا اور پھر شاہ قدوس کی حویلی کے بارے میں سوچنے لگا مگر اس سے پہلے اس نے اپنی ماں سے معافی مانگنا تھی۔ انہیں بتانا تھا کہ وہ ان سے کتنا پیار کرتا ہے اور ان کے حوالے سے ہی اسے مبین زروہ اور سارہ سے لگاؤ ہے۔ بہت دیر بعد ہی سہی اس نے حقیقت کو تسلیم کر ہی لیا تھا۔

جن لوگوں سے اس کی ماں نے محبت کی تھی وہ کیسے ان لوگوں سے نفرت کر سکتا تھا۔ وہ آج کل مبین سے ہر روز ملتا تھا۔ اس کا پراپر علاج ہو رہا تھا۔ اور اب وہ زندگی کی بہاروں کی طرف متوجہ ہونے لگا تھا صرف اور صرف رانیہ کی وجہ سے۔

زیان جب پہلی مرتبہ پارک میں بینچ پر گم سم بیٹھے مبین کو دیکھ کر اس کے قریب گیا تو چونکنے سے پہلے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"رانیہ کہاں ہے؟"

اور زیان جیسا زیرک بندہ جو مقابل کے اندر تک اتر جانے کا فن رکھتا ہے۔ بس خاموشی سے اسے دیکھے گیا تھا۔ فیصلہ تو کب کا ہو چکا تھا۔ اب عمل کرنا باقی تھا۔

آج سے سات آٹھ ماہ پہلے عنوہ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے سے پہلے اس نے سوچا تھا کہ رانیہ کو اس کا جائز مقام دے دینا چاہیے۔ کچھ ایسی ہی سوچوں کے زیر اثر وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھا تو اسے جائے نماز پر بیٹھا روتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"اللہ جی' مجھے پھوپھوا سے ملا دے..... زروہ آپی' مبینہ' سارہ اور میرا مبین۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور زیان بے آواز قدموں سے پلٹ آیا تھا۔

پچھلے ایک دو دن سے وہ مسلسل امی کے پرانے مکان کے ہزار چکر لگا چکا تھا مگر ان کا سراغ ملنا مشکل امر لگ رہا تھا۔

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
تتلیاں پھول اور خوشبو
راحت جبیں
قیمت ۔۔۔ -/225 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com

پھر کچھ سوچ کر اس نے پڑوسیوں کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک ادھیڑ عمر عورت نے اس کی تمام بات سن کر خالہ قمر النساء کا ایڈریس دیا تھا یوں اس کی تمام مشکلیں آسان ہوتی چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

عنوہ کے ہاتھ سے شیشے کا گلاس لڑھکتا ہوا فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا تھا۔ مگر وہ گلاس کی طرف متوجہ کہاں تھی۔ وہ پچھلے صحن میں بیٹھی نرم گرم دھوپ کا مزا لے رہی تھیں۔ جب ایک سر سے لے کر پیروں تک چادر میں لپٹی لڑکی بیرونی دیوار سے لگی سیڑھی کی طرف بڑھنے لگی۔ اب وہ ٹونٹی کھول کر وضو کرنے لگی تھی مگر اس سے پہلے اس نے اپنی ٹینٹ نما چادر کو کھونٹی پر لٹکایا اور مگن سے انداز میں وضو کرنے لگی۔ یہ حویلی کا پچھلا حصہ تھا یہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

اس کے لمبے بال چوٹی میں بندھے تھے۔ اس کا چہرہ وہ ٹھیک طرح سے دیکھ نہیں سکی تھی مگر پھر بھی اس لڑکی کے خوب صورت ہونے کا اسے یقین تھا۔ جوں ہی وہ چادر کھونٹی سے اتارنے کے لیے پلٹی۔ نظریں گم سم سی عنوہ سے جا ٹکرائی تھیں۔

"یقیناً" بابا صاحب کی بیٹی عنوہ ہے۔" درمکنون نے مسکان لبوں پر سجا کر سوچا۔ اک اجلی چمکیلی سی دھلی دھلائی مسکان۔۔۔ وہ دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

عنوہ کی نظریں اس کی شفاف گردن میں جھولتی موٹی سی چین پر تھیں۔ جس کا لاکٹ انسانی شکل میں ڈیزائن کیا گیا تھا اور جس میں سفید نگینے جڑے تھے اور واضح لفظوں میں لکھا تھا Zayan

اب وہ بالکل عنوہ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ لبوں کے پاس بھورا تل مسکرایا تھا۔ بہت ہی خوب صورت کتابی چہرہ۔

"دریہ۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ درمکنون ایسے وحشت زدہ سی ہو کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی گویا کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہو۔

"در۔ مائی لو۔" جیسے کسی نے سرگوشی کی تھی چپکے سے کان کے قریب۔ عنوہ کو لگا اس بند کتاب کا صفحہ صفحہ بکھرنے والا ہے۔ کوئی بھید چھپا نہیں رہے گا۔ کوئی راز اب پوشیدہ نہیں رہے گا۔ اس بند کتاب کا لفظ لفظ پڑھنے کو عنوہ بے تاب ہو رہی تھی۔ حنا بھی چونک کر ان کے قریب آگئی۔

"آپ وہ ہی ہیں نا۔۔۔ مکہ میں عمرے کے دوران ہم ملے تھے۔ آپ عنوہ کے بابا جان کے ساتھ آئی تھیں۔ بہت شوق تھا مجھے آپ سے دوبارہ ملنے کا۔ دیکھیں اللہ نے پھر سے ملن کروا دیا ہے۔" حنا پرجوش سی کہہ رہی تھی پھر عنوہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ان سے ملو عنوہ! میں نے کہا تھا نا کہ میری ملاقات ایک بہت اچھی ہستی سے ہوئی تھی۔ تمہاری کچھ بے چینی کا حل ان کے پاس ضرور ہو گا۔ آپ لوگ باتیں کریں میں ابو کو اور ہشام کو ایک فون کر کے آئی۔" حنا مسکراتے ہوئے پلٹ گئی تھی جب اس نے آہستگی سے کہا۔

"میری کچھ نہیں سب بے چینیوں کا حل ان کے پاس موجود ہے۔"

"تم کون ہو عنوہ!" درمکنون نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

"یہی سوال تو میں آپ سے کرنا چاہتی ہوں۔ کوئی بھی مجھے اس کا جواب نہیں دیتا۔ بہر حال میں زیان کی بیوی ہوں۔" عنوہ کے انکشاف نے اسے دم بخود کر دیا تھا۔

"تم کیا جاننا چاہتی ہو؟ اور کیوں؟" درمکنون نے گہرا طویل سانس کھینچا۔ اس نے پل صراط سے گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں زیان اور آپ کے تعلق کی نوعیت کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں اور کیوں جاننا چاہتی ہوں؟ اس لیے کہ شاید آپ کی ذات کی کچھ الجھنیں رانیہ کی زندگی کے قیمتی سالوں کو الجھا رہی ہیں۔ میں رانیہ کو اس کا جائز مقام دلوانا چاہتی ہوں مگر میں یہ بھی دیکھنا

چاہوں گی کہ رانیہ کے لیے زیان کے دل میں کتنی گنجائش ہے۔" اس نے بات کے اختتام پر درمکنون کی طرف دیکھا تھا۔ زلزلے کے بعد کے تمام تر آثار اس چہرے پر پائے جاتے تھے۔ جا بجا خوف کی ملال کی غم اور ندامت کے آنسوؤں کی دراڑیں تھیں۔

"ایک فیصد بھی نہیں۔" اس نے بھیگتی پلکوں کو چادر کے پلو سے صاف کیا اور بولی۔

"آؤ عنوہ! میرے ساتھ اندر آؤ۔ آج میں اپنی "کتاب زندگی" تمہارے حوالے کرتی ہوں۔ اسے نذر آتش نہ کرنا نہ ہی دریا۔۔۔ برد کرنا بلکہ اسے پڑھنے والی تمام میرے جیسی لڑکیوں کے لیے عبرت کا جیتا جاگتا نشان بننے دینا۔ ان نادان لڑکیوں کو بتانا سب درمکنون کی طرح بابا صاحب جیسے راہنما نہیں ملتے اور نہ ہی ہر لڑکی درمکنون کی طرح بلند بخت ہوتی ہے۔ جس کے مقدر کی سیاہی ندامت کے اشکوں سے دھل جائے۔ نہ ہی ہر ایک پر بخشش و کرم کی عنایات کی جاتی ہیں۔ اور نہ ہی ہر ایک کو معرفت کے جام پلائے جاتے ہیں۔ یہ خاص اس باری تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہ خاص اس کی رحمت ہے۔ جس نے درمکنون کی تاریک ذات کو اپنے لطف و کرم کی جلا بخشی۔ ورنہ آج مجھ میں اور کوڑھ کے مریض میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔

آؤ' اور صفحہ صفحہ پڑھو درمکنون کی زیست کا۔۔۔

جب اس کی آنکھ میں پہلا پہلا خواب اترا تھا۔ جب درمکنون کو پہلی مرتبہ کسی نے "دریہ" کہہ کر پکارا تھا۔ جھٹ پٹے کی اس گلابی شام میں وہ ہمارے گھر یعنی میری پھوپھو امی کے گھر آگیا تھا۔ مجھے کھوتے ہوئے' ڈھونڈتے ہوئے۔ اس اجنبی کو مجھ سے محبت ہو گئی تھی۔"

☼ ☼ ☼

"یونیورسٹی آف پنجاب سے ماسٹرز کی ڈگری لینا میرا جنون تھا۔ حالانکہ میں جانتی بھی تھی کہ پھوپھو امی کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ ان کی معمولی سی گورنمنٹ کی جاب اور لاتعداد مسائل سے نبرد آزما ان کی اکیلی ذات۔

مولوی صاحب کی وفات کے بعد گھریلو حالات بد سے بدترین ہوتے چلے گئے تھے۔ مگر میں نے کبھی ان باریکیوں کے متعلق سوچا نہیں تھا۔ مجھے صرف اپنی خواہشات اور خوابوں سے غرض تھی۔ میں اس بات سے بے نیاز رہتی تھی کہ زروہ اور پھوپھو امی نجانے کیسے رات رات بھر سلائی مشین چلا کر گھر کی گاڑی کو گھسیٹ رہی ہیں۔

مجھے نت نئے کپڑوں کے لیے پیسے چاہیے ہوتے تھے اور پھوپھو امی نے کبھی ماتھے پر بل نہیں ڈالے تھے۔ میری ہر فرمائش بن کہے پوری کر دیتی تھیں۔ کبھی کبھی رانیہ بھی مجھ سے الجھ پڑتی اور زروہ کے تو تیور ہمہ وقت بگڑے رہتے تھے۔ اکثر پھوپھو امی سے دبی دبی آواز میں جھگڑتی۔

"امی! آپ اس نواب زادی کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔ یونیورسٹی کا خرچہ ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔ میری طرح پرائیویٹ ایم اے کا امتحان دے لے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے پیٹ کو ننگا کر کے دکھائیں۔ سو طرح کے مسائل ہوتے ہیں۔ بجلی کا بل' گیس کا بل' مکان کا کرایہ۔۔۔ میں اور باقی تینوں کی فیسیں۔ آخر رانیہ بھی تو ہے۔ اس نے کبھی بے جا فرمائش نہیں کی' کبھی آپ کو تنگ نہیں کیا۔ مگر یہ نہ جانے خود کو سمجھتی کیا ہے۔"

زروہ کے انداز مجھے آگ لگا دیتے تھے۔ اس کا جتانے والا رویہ کہ میں اس کے باپ کے گھر میں موجود انہی کے ٹکڑوں پر پلنے والی ان کی سوتیلی ماں کی یتیم بھتیجی ہوں۔ میرے اندر نفرتوں کا لاوا پکنے لگا تھا۔ جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔ زروہ اور میرے درمیان جو لاتعلقی اور اجنبیت کی دیوار تھی وہ دن بدن مضبوط اور بلند ہوتی جا رہی تھی۔

ہم دونوں کو ایک دوسرے کے وجود سے چڑ تھی۔ یہ چڑ روز بروز بے زاری اور پھر نفرت میں ڈھل گئی۔

زروہ کی مجھ سے بے زاری سمجھ میں آتی تھی۔ وہ میری خود سری اور پھوپھو امی کو وقتاً فوقتاً پیسوں کے

www.pkdigest.com

لیے تنگ کرنے سے چڑتی تھی جبکہ مجھے تو نا صرف زروہ بلکہ اس گھر کے ہر فرد سے ہی الجھن ہوتی تھی۔

یہ ان لوگوں میں سے تھے جو میرے نزدیک تمام عمر کنویں کا مینڈک بن کر زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ جنہیں ترقی' اور اچھی زندگی گزارنے کی طلب نہیں تھی۔

دراصل ان دنوں میں قانع' صابر کے مفہوم سے واقف نہیں تھی۔ ان لوگوں کو اپنی قناعت پسندی اور صابر و شاکر ہونے پر فخر تھا جو کہ میری نزدیک دقیانوسی باتیں تھیں۔

رانیہ میری چھوٹی بہن مجھ سے بہت مختلف تھی شاید اسی لیے وہ شروع سے ہی اس ماحول میں رچ بس گئی تھی۔ اس کی سب سے بہت دوستی تھی۔ وہ پھوپھو امی کی بھی بہت لاڈلی تھی اور انہوں نے رانیہ اور مبین کے حوالے سے کچھ اچھے خواب بھی دیکھ رکھے تھے جن کی چمک ان دونوں کی آنکھوں میں محبت بن کر بہت سے راز افشا کر رہی تھی۔

مجھے کچھ بھنک پڑی تو میں نے رانیہ کو خوب جھاڑا۔ وہ مجھ سے بہت ڈرتی تھی۔ بہت خوفزدہ رہتی تھی۔

"ابھی آگ تو لو۔ پھر عشق بھی کر لینا' اپنی عمر دیکھو۔ اتنی سی ہو ابھی' نجانے پھوپھو امی کے دماغ میں کیا خناس سمایا ہے۔ قبل از وقت ایسی باتیں کرنا نامناسب ہیں۔ اور پھر میں نے تمہارے لیے بڑے بلند خواب دیکھ رکھے ہیں۔ یہ مبین ان پرفٹ نظر نہیں آتا۔ میں تمہیں کسی اونچے گھر میں بیاہوں گی۔ یہ مبین تمہیں کیا دے سکتا ہے۔ دال روٹی کے چکر میں الجھا' چار بہنوں کی ذمہ داری ہے اس پر۔ انہیں بیاہتے ہی بوڑھا ہو جائے گا۔" میری سوچیں آلودہ ہو چکی تھیں اور رانیہ زرد چہرہ لیے خاموشی سے میرے سامنے سے ہٹ گئی۔

میں نے بتایا ہے نا کہ وہ مجھ سے بہت خوفزدہ رہتی تھی۔ اس میں اعتماد کی کمی تھی۔ میرا اس پر بڑی بہنوں والا رعب اور دبدبہ تھا۔

پھوپھو امی اکثر مجھے سمجھاتی تھیں کہ میں رانیہ کے ساتھ نرم لہجے میں بات کیا کروں اور مجھے تو ان کی ہر نصیحت سے گویا چڑ ہو چکی تھی۔ بلکہ مجھے ان کا وجود ہی کھٹکنے لگا تھا۔ پتا ہے کیوں؟ شاید اس لیے کہ جب وہ مجھ سے ملنے میرے گھر آیا تو پھوپھو امی نے ایک نیا ڈرامہ شروع کر دیا۔ وہ بے تحاشا روتے ہوئے اس کا منہ چوم رہی تھیں۔

"تم میرے بیٹے ہو۔ میرے زیان! میری آنکھیں ترس گئی تھیں تمہیں دیکھنے کے لیے۔" ان کے رونے دھونے سے زیان قطعاً متاثر نہیں ہوا تھا بلکہ ایک دم گویا اسے کرنٹ لگا۔

"میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔" اس نے نفرت سے کہا۔

"تم میرے بیٹے ہو' میرے زیان۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرا دل گواہی دے رہا ہے۔" پھوپھو امی تڑپ کر بولی تھیں۔

"اگر میں آپ کا بیٹا ہوں۔ تو یہ لوگ کون ہیں؟" وہ زہر خند سا مہک' صنیہ اور سارہ کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"کیوں چھوڑا تھا آپ نے مجھے۔۔۔ آپ میری ماں نہیں ہو سکتیں۔" زیان آگ بگولا تن فن کرتا چلا گیا تھا اور پھر میں پھوپھو امی سے جھگڑنے لگی تھی۔ میری بدکلامی کو خاموشی سے برداشت کرتی وہ معمول کے کام سرانجام دینے لگی تھیں مگر زروہ سے یہ سب برداشت نہیں ہوا تھا۔ میری اور زروہ کی یہ پہلی انتہائی سخت قسم کی لڑائی ہوئی تھی پھر گویا ایک سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔

پھوپھو امی کو میرا زیان سے ملنا پسند نہیں تھا۔ مگر جب وہ گھر آتا تھا تو انہوں نے کبھی اسے منع نہیں کیا تھا بلکہ ان کی آنکھیں اسے دیکھ کر چمکنے لگتی تھیں۔

مجھے آج بھی زیان سے یونیورسٹی میں ملاقات کا پہلا دن روز اول کی طرح یاد ہے۔ کوریڈور میں اپنے دوستوں کے گروپ میں کھڑا وہ مجھے دور سے ہی دیکھ چکا تھا اور پھر بقول زیان کے اس کے دل نے پہلی بیٹ مس کی تھی' وہ جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرایا تھا۔

زیان کہتا تھا اسے مجھ سے بہت محبت ہے۔ یونی ورسٹی کا چپہ چپہ ہماری محبت کا گواہ تھا۔

میں اس کے سنگ چلی تھی ایک بوجھ گھر کی چاہ لے کر۔۔۔ اور اس نے میرا ہاتھ تھاما تھا اپنے اندر کی محرومیوں کو ختم کرنے کے لیے۔

وہ کہتا تھا میری زندگی بہت رومینٹک سی ہے۔ وہ اس میں خوشگواری لانا چاہتا تھا۔ اسے اپنی ماں سے نفرت تھی اور یہی نفرت میں نے رفتہ رفتہ اس کے اندر مضبوط کر دی کہ وہ کبھی پلٹ کر ان راہوں کی طرف نہ دیکھے۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ماما مجھے چھوڑ دیں گی۔ کیا کوئی عورت اپنا بچہ چھوڑ سکتی ہے؟" وہ اکثر بہت ٹوٹ پھوٹ کا شکار پھوپھو امی کا ذکر چھیڑ دیتا تھا۔ یعنی اس کے دل میں ان کے لیے کچھ نرمی ضرور تھی۔

"شاید وہ مجبور ہوں۔" زیان کی دلگرفتگی اکثر مجھے غصے سے بے حال کر دیتی۔

"اونہہ مجبوری۔" میں سلگتے ہوئے اس کا دھیان بٹا دیتی تھی۔

یونیورسٹی سے فراغت کے بعد زیان نے ہائیر اسٹڈیز کے لیے ابراڈ چلے جانا تھا اور میں اپنے اور اس کے تعلق کو کوئی نام دینا چاہتی تھی جبکہ وہ تو دل و جان سے تیار تھا۔

"اچھا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلنا۔" اس کے ڈیڈی نے سنا تو ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

"ابھی تم ان میچور ہو۔ شادی کے لیے عمر پڑی ہے۔ اپنی تعلیم مکمل کرو اور اس گرتے کاروبار کو سنبھالو۔" ان کا انداز دو ٹوک تھا۔

"مجھے ابھی دریہ سے شادی کرنا ہے۔" زیان بھی انہی کا بیٹا تھا کیسے ہار مان لیتا۔

زیان کو مجھے درمکنون کہنے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے اپنی آسانی اور خواہش پر مجھے دریہ کا نام دیا تھا۔

زیان نے مجھے اپنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور اس کے فیصلے سے ٹکرانا عبث فریدی خود بھی نہیں چاہتے تھے۔ تھوڑی سی مشکلات کے بعد زندگی میں آسانیاں آنے والی تھیں۔ یہی خوشی مجھے ہواؤں میں اڑائے رکھتی۔

زیان نے صاف لفظوں میں کہا ڈیڈی پرپوزل لے کر نہیں جائیں گے۔ انہوں نے مجھے پرمیشن دے دی ہے۔ ہم کورٹ میرج کر لیں گے۔ میں زیان کے فیصلے سے متفق تھی۔ میری آنکھیں اپنے دیرینہ خوابوں کی تعبیر پر چمک رہی تھیں۔

میرا دل ریزہ ریزہ ہو رہا ہے اور میں اس وقت کی کیفیات بتانے سے قاصر ہوں۔ میری پھوپھو کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان کے لبوں پر التجا تھی۔ وہ مجھے منع کر رہی تھیں۔ روک رہی تھیں۔ زمانے کی اونچ نیچ۔۔۔ اپنی عزت کے واسطے مگر میں آنکھیں اور کان بند کر چکی تھی۔ ایسی بے رحمی میری سرشت میں تو نہیں تھی۔

میں نے اس وقت پھوپھو امی سے مزید کوئی بات نہیں کی تھی مگر اس رات میں نے چپکے سے گھر چھوڑ دیا۔

اسی رات ہم نے کورٹ میرج کر لی اور اگلے تین ہفتوں کے اندر اندر میں نے رانیہ کے بھی پیپرز تیار کروا لیے تھے۔ میں اپنی بہن کو ان بند گلیوں سے نکال لانا چاہتی تھی۔ ایک طویل جھڑپ کے بعد میں زبردستی رانیہ کو لے آئی تھی۔ مجھے پھوپھو امی کے آنسوؤں نے بھی موم نہیں کیا تھا بلکہ جاتے سمے میں نے انہیں جتا کر کہا۔

"آپ چاہتی ہی نہیں کہ ہم اچھی زندگی گزاریں۔ اس مولوی کی اولاد سے بڑی محبت ہے۔ سگی بھتیجیاں زہر لگتی ہیں۔ اگر آپ کو مجھ سے محبت ہوتی تو میرا نکاح خود زیان سے کرتیں مگر آپ کی خود غرضانہ سوچ سے میں واقف ہوں۔ یقیناً" زروہ کی زیان سے شادی کا سوچ رکھا ہو گا۔ ان سوتیلے رشتوں نے جب آپ کو دھتکارا تو پھر کہاں جائیں گی۔ ابھی بھی وقت ہے اور سوچ لیں۔ میں آپ کو بھی لے جانے کے لیے تیار ہوں مگر شرط یہ ہے ان لوگوں سے آپ رابطہ نہیں رکھیں گی۔"

"جاؤ درمکنون تمہیں اللہ کی امان میں دیا۔ میرا دل

www.kdigest.com

اور مت دکھا کہ یہ دکھے دل بد دعاؤں کی راہ خود ہموار کر لیتے ہیں۔" انہوں نے رنجیدگی سے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"تیری تربیت میں ہی چوک ہو گئی تھی مجھ سے ورنہ یہ بھی تو تیرے ساتھ کے بچے ہیں۔ جو بدنامی کی کالک تو نے میرے منہ پر مل دی ہے۔ ساری زندگی کے لیے یہی کسک کافی ہو گی۔ لوگ طعنے دیں گے کہ فاخرہ کی بھتیجی گھر سے بھاگ گئی تھی۔ دعا کرنا تیرے پیچھے جو یہ چار امانتیں مولوی صاحب نے مجھے سونپی تھیں۔ عزت کے ساتھ اس گھر سے رخصت ہوں۔" وہ چارپائی پر ڈھے گئیں اور میں رانیہ کو گھسیٹتے اس گھر ان گلیوں سے بہت دور روشنیوں کی ایک الگ سی دنیا میں پہنچ گئی تھی۔

مجھ جیسی خوابوں میں رہنے والی لڑکی کے لیے "انڈیانا" جادو کی نگری ثابت ہوا۔ یہاں ہم لوگ زیان کے ایک دوست املاک کے گھر ٹھہرے تھے۔ بڑا ہی پرہیزگار ملا ٹائپ نوجوان تھا۔

انڈیانا سے بائی ایئر ہم لوگ کیلیفورنیا پہنچے تھے۔ ہماری آمد سے پہلے ہی ایک فلیٹ ڈیڈی نے رینٹ پر لے دیا تھا۔

زیان نے مجھے بھی ایڈمیشن لینے کا مشورہ دیا جسے میں نے بری طرح ریجیکٹ کر دیا۔ میں اب پڑھنا نہیں صرف انجوائے کرنا چاہتی تھی۔

سچ تو یہ ہے زیان بہت لبرل تھا۔ اس نے مجھے ہر طرح کی آزادی دی۔ وہ خود بھی آزاد خیال کھلنڈرا سا نوجوان تھا۔ وہ انسٹیٹیوٹ سے واپس آتا تو ہم دونوں کا زیادہ وقت گھومنے پھرنے میں گزرتا تھا۔ رانیہ اس دوران گھر میں کمرہ بند کیے پھوپھو امی کی یاد میں تمام دن آنسو بہاتی رہتی تھی۔

زیان نے مجھے اتنی محبت دی تھی کہ اب میرا اس محبت میں دم گھٹنے لگا تھا۔ محبت کا تھوڑا سا بخار اترا تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ زیان میں بہت زیادہ حاکمیت پسندی پائی جاتی ہے۔ اسے اپنی زندگی میں لفظ نہیں سے نفرت تھی۔ وہ مجھ پر بھی حکم چلاتا تھا۔ وہ سب پر حکم چلاتا تھا۔ اس کے دوست، جاننے والے، نوکر اس کے سامنے کچھ ایسا نہیں بولتے تھے جو اسے ناپسند ہو۔

میں اس وقت کی گہرائی اور اپنا شرمناک ماضی تمہارے سامنے اس لیے کھول رہی ہوں عنوہ! کہ تم زیان کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہو۔ کبھی اس گمان میں اپنے درمیان نفرتوں کو مت جنم دینا۔ میں اس کا بھیانک ماضی ہوں۔ جسے وہ یقیناً بھلا کر تمہاری طرف بڑھا ہے۔ اگر وہ کچھ بھولتا نہ تو کبھی بھی کسی اور کو میرے علاوہ زندگی میں جگہ نہ دیتا۔" درمکنون شاید تھک گئی تھی۔ اس لیے خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔ پورا جسم اس برفیلی ٹھنڈ میں بھی پسینے سے شرابور تھا۔ وہ اپنا دایاں بازو دبا رہی تھی۔ اسے شاید گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ وہ اپنا سینہ بھی مسل رہی تھی۔ عنوہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ دوڑ کر عبدالباری کو بلا لائی تھی۔ کچھ دیر بعد شہر سے ڈاکٹر بھی آ گیا۔

"آپ ان کے ٹیسٹ کروا لیجیے۔ شاید ہارٹ پرابلم ہے۔" مگر ان کی ہزار کوششوں کے بعد بھی درمکنون چیک اپ کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اسے اب کسی "دوا" کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں ایک اور منظر دیکھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"عنوہ! جان، میرا جہان۔۔۔ کہاں ہو تم؟" شاہ قدوس کی حویلی اس زندگی سے بھرپور آواز سے گونج اٹھی تھی جہاں عنوہ کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹی وہیں درمکنون نے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"یا اللہ! آزمائش کا یہ سفر کب تمام ہو گا؟ میں کیسے، کس منہ سے زیان عبیث کا سامنا کروں گی۔ نہیں میرے مالک مجھے اپنی طرف اٹھتی ان آنکھوں میں اب اور نفرت، حقارت سہنے کا حوصلہ نہیں۔ ان آنکھوں نے مجھے صرف محبت سے ہی دیکھا تھا۔ ان سیاہ جگر جگر کرتی ہیروں کی طرح دمکتی آنکھوں میں نفرت خود میں نے اپنے ہاتھوں سے رقم کی ہے۔ مگر اور

ذلت اٹھانے کا مجھ میں حوصلہ نہیں۔ یا اللہ! سانسوں کے اس بوجھ سے رہائی دے۔ یا اللہ! ذلت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لے۔" وہ دل پر ہاتھ رکھے ستون کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی تھی۔ بارگاہ ایزدی میں اس کی دعا نے قبولیت کا درجہ پا لیا تھا۔ وہ دنیا کی فریب کاری، دکھوں اور ملال کے تمام بوجھ فانی دنیا میں چھوڑ کر دائمی سفر پر روانہ تھی۔ بخدن بی بی نے درمکنون کو گرتے دیکھا اور چلا اٹھی۔

"بی بی صاحب کو دیکھو کیا ہوا ہے؟"

پل ہی پل میں ایک کہرام مچ گیا تھا۔ دو مردوں کی دھتکاری درمکنون کی موت کی خبر نے پوری بستی کو ایک غم کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہر آنکھ نم تھی۔ ہر دل غمزدہ تھا۔ حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی تھی اور وہ جو سوچا کرتی تھی کہ کون روئے گا درمکنون کو جب وہ اس دنیا سے خالی ہاتھ اپنے اصل کی طرف لوٹے گی۔

اور عنوہ، زیان عبیث اس کے کان میں کہہ رہی تھی۔

"درمکنون! تم دلوں میں ہمیشہ اچھی یاد بن کر زندہ رہو گی۔ تم نے دریہ سے درمکنون کا سفر بڑے حوصلے، صبر اور استقلال سے طے کر لیا۔ تمہیں کامیابی کی نوید سنا دی گئی ہے یقیناً" جبھی تو اتنی پرسکون اور مطمئن ہو۔ تم نے بہت تھوڑا کھو کر بہت زیادہ پا لیا ہے۔ تم کامیاب ہوئیں۔ اتنے لوگ تمہارے جانے کے غم سے نڈھال ہیں اور میری ماں دنیا سے ناکام گئی کہ اس کی میت پر ایک آنسو بھی بہانے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک بھیانی عورت کے ہاتھوں میں دم توڑ کر دنیا سے نامراد چلی گئی۔

مگر درمکنون! تم بہت خوش قسمت ہو ـــ ایک دفعہ آنکھ کھول کر تو دیکھو۔ عبدالباری رو رہا ہے۔ بابا جان رنجیدہ ہیں۔ حنا کی آنکھیں نم ہیں۔ میں درد سے پھٹتا دل لیے تمہارے پاس بیٹھی ہوں۔ تم سے باتیں کر رہی ہوں اور۔۔۔ اس شاہ قدوس کی حویلی کے بیرونی دروازے کے ساتھ شان سے کھڑے بوڑھے درخت کی چھایا میں تنہا افسردہ زیان عبیث غم سے بوجھل دل لیے تمہیں ایک نظر دیکھنے کی غرض سے کھڑا ہے۔ درمکنون! کیا تم ایک دفعہ آنکھیں کھول کر زیان عبیث کو نہیں دیکھو گی؟ اگر دیکھ لو تو اپنی خوش قسمتی پر مرنے کے بعد بھی غرور آ جائے۔" عنوہ نے اس کی صبیح پیشانی پر بوسہ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☼ ☼ ☼

"پیاری عنوہ! یہ مختصر سا خط جب تمہیں ملے گا تب تک میں اس دنیا سے پردہ پوش ہو چکی ہوں گی۔ اس دن بہت سے حقائق میں نے تم سے چھپا لیے تھے۔ شاید میں تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے نفرت نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ان آنکھوں میں میرے لیے اتنی عقیدت اتنا احترام تھا کہ میں چاہ کر بھی اس آدھے سچ کو چھپا گئی۔

میری طبیعت اس وقت بھی بوجھل ہے۔ کیونکہ موت کی آہٹیں میں سن چکی ہوں۔ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ وجود لرز رہا ہے اور لکھنے کے لیے الفاظ گم ہو چکے ہیں۔

تمہیں دیکھ کر زیان کی قسمت پر رشک آیا تھا۔ جانتی ہو، زیان یونیورسٹی میں پہلی مرتبہ مجھ میں کس چیز کی وجہ سے انٹرسٹ لینے پر مجبور ہوا تھا۔ سادگی اور معصومیت۔

اس نے دھوکا کھا لیا۔ وہ مجھے ڈائمنڈ سمجھ کر چھو بیٹھا اور میں تو صرف انگارہ تھی۔ اسے بھی جلایا اور خود بھی جلتی رہی۔

ہاں میری محبت نے سوائے اسے نارسائیوں کے کچھ بھی نہیں دیا۔ زیان مجھ سے نفرت کرتا ہے اس کے عزیز از جان دوست بھی مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور وہ جو املاک ہے اس نے مجھے دیکھ کر کہا تھا۔

"گندی عورت۔" ان دو لفظوں نے دریہ کو زمین بوس کر دیا۔ میں پورے قد سے ڈھے گئی اور میرے اوپر عمارت کا تمام ملبہ آن گرا۔

میں لفظ پکڑنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر مجھ سے

www.pkdigest.com

کچھ لکھا نہیں جا رہا۔ ایک دفعہ پھر زخموں کو کھرچ کر اول روز کی طرح کی اذیت کا لطف لینا چاہتی ہوں اسی لیے بقیہ آدھا سچ بھی سن لو۔۔۔ جان لو۔

زیان عبیث اپر کلاس کا وہ نوجوان جو پہلی نظر میں میری محبت کا اس وقت شکار ہوا جب اسے محبت کے مفہوم کا علم بھی نہیں تھا۔

میری سادگی کو پاکیزگی کا لبادہ سمجھ کر فریب نظر کا شکار ہو گیا۔ دراصل اپنے اردگرد مصنوعی چہروں والی بے باک عورتوں کو دیکھ کر اس کا جی اوب گیا تھا اسی لیے وہ میری طرف متوجہ ہوا۔

وہ محبت نہیں تھی وقتی پسندیدگی تھی جو میرے رنگ ڈھنگ دیکھنے کے بعد سسک سسک کر دم توڑ گئی۔ زیان نے میرے ساتھ جو کھٹ منٹ کی تھی اسے خلوص دل سے نبھایا بھی۔

زیان کون تھا؟ کیا تھا؟ اور اس کی خواہشات کیا تھیں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔

میں اپنی مینگ کو سامنے رکھے ہوئے تھی۔ میری غرض صرف سیر گلوری لائف تھی۔ مجھے ایک سیڑھی کی ضرورت تھی جو مجھے زیان نے بخوشی مہیا کر دی۔

زیان نے بہت کم عمری میں ڈرنک کرنا شروع کر دی تھی۔ وہ اسموکنگ بھی کرتا تھا۔ اس کی گرل فرینڈز بھی تھیں۔ یہ اس کا لائف اسٹائل تھا جسے میں نے بدلنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود بھی اس کے رنگ میں رنگتی چلی گئی۔

اسے پہلی مرتبہ تب احساس ہوا جب میں نے بے تحاشا ڈرنک کی اور میرے حواس معطل ہو گئے تھے۔ میں اگر ہائی سوسائٹی کا حصہ بنی تھی تو ویسی خصوصیات بھی مجھ میں ہونی چاہیے تھیں۔

زیان کو ڈیڑھ سال میں پہلی مرتبہ میں نے غصے کے عالم میں دیکھا۔ اس نے چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا تھا اور رانیہ خوفزدہ ہو کر کمرے میں گھس گئی تھی۔

"نفرت ہے مجھے ڈرنک کرنے والی عورتوں سے۔" وہ دھاڑ رہا تھا۔

"خود سے کیوں نہیں نفرت ہوتی۔ تم بھی تو ڈرنک کرتے ہو۔ مجھے یہ اچھی لگتی ہے میں ضرور پیوں گی۔ مجھے اس کی کھنکتی آواز پسند ہے۔ لو تم بھی دیکھو۔" میں نے نازک سے بلوریں گلاس میں وہسکی کو ڈالنا شروع کیا۔

"کتنی پیاری آواز ہے رس بھری رسیلی گویا کسی پہاڑ کے دامن سے جھرنا بہہ رہا ہے۔" میں نے اسے چڑانا شروع کر دیا تھا اور پھر یہ میرا معمول بن گیا۔ پارٹیز، ہنگامے، ڈانس کی محفلیں۔

ایک دن ایسی ہی پارٹی میں میری ملاقات افلاک سے ہوئی۔ افلاک کا بڑا بھائی تھائی لینڈ کے بڑے صنعت کاروں میں شمار ہوتا تھا اس کا ہیرے کی کان کا مالک اس کا بزنس بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا تھا۔

میری اس کے ساتھ بے تکلفی بڑھتی چلی گئی۔ مجھے زیان کا چھوٹا سا کرائے کا فلیٹ اس کے ڈریم ورلڈ کے سامنے چوزوں کے دڑبے جتنا لگتا تھا۔ میری نئی مصروفیت بہت جلد زیان کی نظروں کی زد میں آ گئی۔ انہی دنوں مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ اور جب چیک اپ کروایا تو ٹائم کافی گزر چکا تھا۔

میرے اندر آگ بھڑک اٹھی ۔۔۔ فی الحال میں بچہ ہرگز نہیں چاہتی تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ مجھے اپنی زندگی بھی عزیز تھی۔

زیان میری بے بسی پر مجھے اور تاؤ دلاتا تھا۔ اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب ایک چھوٹے سے بچے نے معمولی سے کلینک میں آنکھ کھولی۔ مجھے ان دنوں اپنے اردگرد ہر شے معمولی لگنے لگی تھی۔ زیان نے بچے کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی تھی۔ جب وہ کلینک میں آیا تو میں فون پر افلاک سے بات کر رہی تھی۔ وہ کاٹ پر جھک گیا۔ بچے کو دیوانہ وار چومتا رہا۔ اس کے پیار کا کوئی بھی انداز مجھے اب بھانے والا نہیں تھا۔ زیان نے ایک چین میرے گلے میں پہنائی اور دوسری بچے کو۔

پورے تین ہفتوں بعد میرا ننھا سا بیٹا ۔۔۔ بخار کی لپیٹ میں آ کر آنکھیں موند گیا۔

زیان تو گویا پاگل ہو چکا تھا۔ اس نے بچے کی موت کا شدید صدمہ لیا۔ وہ مجھے مجرم ٹھہراتا رہا۔ میری

کوتاہیوں کے بارے میں چلا چلا کر غصے کا اظہار کرتا رہا مگر مجھے اب کسی بھی چیز کی پروا نہیں تھی۔

"تم کوئی کورس رکھ لیتے۔ بالکل ہی کنگال ہو۔ سکول پکڑ کر گلیوں میں نکل جاؤ۔ بھیک تو مل ہی جائے گی۔"

رانیہ کانپ کانپ جا رہی تھی اور زیان غصے سے پھنکارتا باہر نکل گیا۔

مجھے اب اس زندان سے نکلنا تھا مگر کیسے۔ اس کے لیے میں نے پوری پلاننگ کی۔ رانیہ کو پاکستان بھیجنے کا لالچ دے کر آمادہ کیا۔ وہ جس قسم کی دیہی لڑکی تھی میری ایک جھڑکی پر ہی سارے کس بل نکل گئے۔

میں نے اسے ذہنی ٹارچر کرنا شروع کر دیا تھا مگر وہ میرے منصوبے کو سن کر بدک گئی۔ اس نے چلا چلا کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا۔ جواباً میں نے اسے اتنا مارا کہ وہ نیم بے ہوش ہو گئی اور پھر پلان کے مطابق پیٹر کو گھر بلوا لیا۔

"مانو گی یا یہ آدمی تمہیں اپنے طریقے سے منائے۔" میری دھمکی کو سن کر وہ پہلے قدم پر ڈھے گئی تھی۔ پیٹر جیسے درندے کو دیکھ کر اس کے حواس ساتھ چھوڑ گئے۔ میرا مقصد صرف اسے ڈرانا ہی تھا۔ پیٹر کو بھیج کر میں نے ڈیڈی کو فون کیا جو آج کل ادھر ہی آئے ہوئے تھے۔

زیان کے گھر آنے میں صرف دس منٹ رہ گئے تھے جب میں فلیٹ سے نکل گئی۔ اگلا کام رانیہ کا تھا جو ایک کال گرل کی زندگی گزارنے سے خوفزدہ ہو کر میری ہر جائز ناجائز مان رہی تھی۔ تاہم ایک مرتبہ اس نے بھرائی آواز میں مجھ سے ضرور کہا تھا۔

"اللہ کرے تم مر جاؤ آپی! کیا اسی دن کے لیے مجھے میری محبتوں سے چھین کر لے آئی تھیں۔"

میرا پلان مکمل طور پر کامیاب رہا تھا۔ ڈیڈی بھی اچانک گھر میں داخل ہوئے تھے۔ رانیہ اپنے پھٹے کپڑوں اور خستہ حالت میں زیان کے کمرے سے نکلی اور صرف ایک منٹ پہلے واش روم میں گھسا زیان میری پلاننگ کو مکمل طور پر کامیاب کر گیا۔

میں نے اتنا واویلا کیا کہ اردگرد کے لوگ چونک اٹھے۔ رانیہ آنسو بہائے جا رہی تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"مجھے ابھی اور اسی وقت طلاق دو۔۔۔ میری بہن کے ساتھ۔۔۔ اف ڈیڈی مجھے موت کیوں نہیں آ گئی۔" میں نے بے ہوش ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی۔ زیان میری طرف بڑھا۔ اس کے ساکت لبوں میں حرکت ہوئی اور اس رات زیان عبیث نے پہلی مرتبہ زندگی میں اپنے باپ کے سامنے شرمندگی محسوس کی اردگرد کی مسلم کمیونٹی کے لوگ بھی اکٹھے ہو گئے تھے۔

زیان چیخ رہا تھا۔ رانیہ سے التجائیں کر رہا تھا جو ہوش و خرد سے بیگانہ بے ہوش پڑی تھی۔ اس کی بے ہوشی نے میرے پلان پر کامیابی کی مہر لگا دی۔

زیان وحشت زدہ سا سب کو دیکھ رہا تھا۔ ڈیڈی نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"کم از کم رشتوں کے تقدس کا تو خیال کر لیا ہوتا۔" ڈیڈی آگے بڑھے اور زیان کے منہ پر تھپڑ رسید کر کے صوفے پر ڈھے گئے۔ زیان شاید زندگی میں پہلی مرتبہ رویا تھا۔ کیونکہ اسے اپنے بہتے آنسوؤں پر حیرت ہو رہی تھی۔

زیان نے مجھے طلاق دے دی۔ میں فتح کا احساس لیے اس کے گھر سے نکل آئی۔ "انڈیانا" پہنچ کر میں نے افلاک کو فون کیا اور پھر اس کے "ڈریم ورلڈ" میں داخل ہو گئی۔

مگر اس کے بعد میرے خواب چکنا چور ہو گئے۔ میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ افلاک نے سنا تو مجھ پر لعنت بھیجنے خود چلا آیا۔ وہ زیان کا دوست تھا۔ کلاس فیلو تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ زیان اپنے فرینڈز کے معاملے میں بہت کلی تھا۔ اس کے دوست اس سے شدید محبت کرتے تھے۔

زیان کی دریہ اپنی نادانی، کم عقلی اور اندھی خواہشوں کی تکمیل کی خاطر انڈیانا کی سڑکوں پر رل گئی

www.pkdigest.com

جس کی خاطر میں نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا وہ میرے حسن کا سوداگر نکلا۔۔۔ اس نے میری خوب صورتی کو کیش کرانا چاہا اور جب میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ کسی مردہ کتے کی طرح مجھے دھتکار گیا۔

"تم جیسی عورتیں۔۔۔ گھر بسانے کے لیے نہیں صرف بیڈ روم سجانے کے لیے وقتی ضرورت کے تحت استعمال کی جاتی ہیں اور پھر ٹشو پیپر کی طرح ڈسٹ بن میں پھینک کر یوں اجنبی بن جاتے ہیں۔ گویا کبھی ملے ہی نہیں تھے۔"

میں پتھرا کر واپس پلٹی تو راستوں کو گھبرایا۔ شکاگو سے نیویارک اور پھر واپسی پاکستان کے سفر نے روم روم میں تھکن اتار دی تھی۔

میں ان بدقسمت عورتوں میں سے تھی جو اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھودتی ہیں اور پھر خود ہی اس میں گر جاتی ہیں۔ میں نے گھاٹے کا سودا کیا تھا۔ نقصان بھی سارے میرے حصے میں آئے۔

پھر مجھے بابا صاحب ملے۔ انہوں نے میرے وجود میں چبھے ایک ایک کانٹے کو نکال دیا تھا اور کل کی شام آخری کانٹا بھی نکل گیا۔

زیان کو زندگی کی طرف پلٹتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے محبت اور چاہ کی چمک پا کر میں پرسکون اور مطمئن ہو گئی ہوں۔ زیان کی تمام تر اذیتوں کے بعد اللہ کی طرف سے ملنے والا خاص تحفہ ہو تم عنوہ! تمہیں دیکھ کر فخر کرنے کو دل کرتا ہے اور زیان کا تفاخر بے جا نہیں ہے۔

عنوہ! میں تم سے کچھ بھی نہیں مانگوں گی سوائے اک آخری خواہش کے کہ جب تم اپنے ہرے بھرے گلشن کو ہمیشہ آباد شاد رہنے کی دعا مانگو گی تو شاہ قدوس کی حویلی کے بائیں جانب موجود شہر خموشاں کے ایک کونے میں گہری نیند سوئی درمکنون کے لیے دعائے مغفرت ضرور کرنا۔"

☼ ☼ ☼

"میں زیان عبیت ہوں۔ عبیت فریدی کا بیٹا۔ جسے وہ میری ماں سے چھین کر ابراڈ لے گئے تھے۔

میں نے آزاد فضاؤں میں زندگی کے ابتدائی کئی سال گزارے تھے۔ حسن' اور عرانی کو دیکھ کر میرا دل عورت سے ہی اچاٹ ہو گیا تھا۔

اور پھر ڈیڈی کی فرینڈز کو گھر میں آتا جاتا دیکھ کر میرے ذہن میں عورت کا امیج بگڑ کر رہ گیا۔

ہماری سوسائٹی میں دوستیاں' محفلیں اور شراب شباب کے جشن اک عام نارمل روٹین کی بات معلوم ہوتی تھی۔

میں ڈرنک بھی کرتا تھا۔ اور جب لاس ویگاس میں ڈیڈی کے ہمراہ جتنا بھی عرصہ رہا تو خصوصاً" ٹونی کے کلب میں جوا کھیلنے کا شغل بھی کرتا رہا تھا پھر ہم دونوں پاکستان سیٹل ہو گئے۔

امی کے بارے میں ڈیڈی نے ہمیشہ مجھے متنفر کرنے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے مجھے ماں کا ذکر بھی پسند نہیں رہا تھا۔ پھر ہم پاکستان سیٹل ہو گئے۔

یوں ہی بے مقصد زندگی گزارتے' ہلا گلا' پارٹیز اور ہنگاموں میں خود کو مصروف رکھتے اور کبھی کبھی یونیورسٹی کا چکر لگا کر ڈیڈی کو مطمئن کرنے کے چکر میں زیان عبیت خود بھی چکرا گیا۔ بے ارادہ سی نگاہ اٹھی تھی جو دل کے پار اتر گئی۔ درمکنون' میری پہلی محبت' پہلی کٹ مٹ' پہلی عورت جو مجھے بہت اچھی لگی اور دل نے اس کے ساتھ کی تمنا کر لی۔ مجھے جو چیز پسند آئے میں اسے حاصل کر لیتا ہوں۔ وہ مجھے اچھی لگی میں نے اسے اپنا لیا۔ ٹوٹل غلط طریقے سے وہ گھر سے بھاگ آئی۔ اس گھر سے جہاں میری ماں رہتی تھی۔ ہم نے کورٹ میرج کر لی۔ ڈیڈی نے درید کو کھلے دل سے قبول کر لیا اور چند دن بعد ہم لوگ امریکہ چلے آئے۔

وہ درمکنون تھی جس کا نام مجھے مشکل لگتا تھا سو میں نے اپنی آسانی کے لیے اسے دریہ کا نام دیا۔

وہ میری پہلی کٹ مٹ تھی جسے میں نے آخری دم تک نباہنے کا عہد کر رکھا تھا۔ میرے لاشعور میں خاندان ٹوٹنے کا خدشہ اول روز سے ہی موجود تھا۔ اسی

لیے میں دریہ کو گھر تک محدود رکھ کر اسے خود سے بے زار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

مگر وہ اتنی جلدی رسان کے رنگ ڈھنگ اپنا لے گی یہ میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔ اسموکنگ' ڈرنک رات گئے تک گھر سے غائب رہنا۔ اس کا مختصر سا لباس میرے لیے یہ سب ناقابل برداشت تھا اور وہ مجھے محدود ذہن کا دقیانوسی مرد کہہ رہی تھی۔ میں اس کی ڈھٹائی پر چلانے لگا۔

اس نے اپنی روش نہیں بدلی تھی جب ایک دن افلاک کا فون آیا۔

"یار! بھابھی کو سمجھاؤ۔ یہ کس سمت چل پڑی ہیں۔۔۔ فرسٹ ٹائم میں نے انہیں دیکھا تو تمہاری خوش قسمتی پر رشک سا آیا تھا اور اب۔" وہ افسوس سے کہہ رہا تھا جبکہ میرا رواں رواں سلگنے لگا۔

اس طرح ایک دو مزید افلاک کے فون آئے۔

"تم تو جانتے ہو نا۔۔۔ افلاک بھائی کی عادت کو بڑے گھاگ شکاری ہیں۔ تم بھابھی کو سمجھاتے کیوں نہیں۔" اور میں اسے کیا بتاتا کہ وہ سمجھنے اور کچھ سوچنے کی پوزیشن سے بہت آگے نکل گئی ہے۔

بچے کی پیدائش' ڈھنڈ اور پھر دریہ کی ناقابل برداشت حرکتوں نے بنیادی طور پر مجھے توڑ ڈالا تھا اور اس صورت حال نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا۔

میں اپنے گھر کو بچانا چاہتا تھا اور دریہ وہ میری پشت میں تیر گھونپنے کی مکمل پلاننگ کر چکی تھی اور اس کے لیے دریہ نے اپنی سگی بہن کا انتخاب کیا تھا۔

روتی دھوتی رانیہ' واویلا کرتی دریہ اور پھر ڈیڈی کے ساتھ اردگرد والے فلیٹس کے لوگ جنہیں دریہ خود بلا کر لائی تھی۔

بہت عرصہ بعد تک بھی میں اس کے ڈرامے کو سمجھ نہیں پایا تھا جب تک خود رانیہ اعتراف نہ کر لیتی۔ اور پھر رانیہ کے اعتراف نے میرے اندر انتقام کی آگ دہکا دی۔

رانیہ ظہیر' دریہ کی چھوٹی بہن جس کا نکاح ڈیڈی نے اس وقت میرے ساتھ کیا تھا جب میرے ہوش و حواس سلامت نہیں تھے۔ دریہ کو طلاق دینے کے بعد اتنی ذلت اتنی توہین سمیٹتے ہوئے اور اس کا تمام تر ڈرامہ سمجھنے کے بعد میرا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے بچا تھا۔ میرے دوستوں نے میرے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔ خصوصاً" حشام اور افلاک تو رہتے ہی میرے پاس تھے۔

اور جس دن مجھے پتا چلا تھا کہ افلاک نے دریہ کو دھتکار دیا ہے۔ اسی شام کیلیفورنیا کی سڑکوں پر دریہ کی محبت نے میرے دل سے آخری پتی لے کر دم توڑ دیا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں اتنی ذلت اٹھاؤں گا۔ میرے دل کے شہر پر بڑی بھیانک شام اتری تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا اب کوئی سحر طلوع نہیں ہو گی۔ محبت کے شہر کو کالی شام نے آن گھیرا تھا۔ اس نے مجھے ٹھکرایا اور میرے اندر ایک اور زیان عبیت نے جنم لیا۔ مجھ پر دولت اکٹھی کرنے کا جنون سوار ہو گیا تھا۔ پھر میں نے اتنا پیسہ کمایا مجھے خود اپنے اثاثوں کی مالیت کا اندازہ نہیں رہا تھا۔

دریہ نے محبت کا سودا دولت کے ساتھ کیا تھا۔ آخری وقت میں ڈیڈی نے کچھ اعتراف کیے تھے۔ مجھے عنوہ کے بارے میں بتایا اور رانیہ کو آزاد کرنے کی بھی التجا کی۔۔۔ وہ میرا رانیہ کے ساتھ رویہ دیکھ کر رنجیدہ رہتے تھے اور اپنے اس وقت کے فیصلے پر پچھتاتے تھے۔ یہ رشتہ صرف انتقام کا تھا۔ میرے دل میں ان تین عورتوں میں سے سب سے زیادہ جگہ بنانے والی عنوہ ہاشم ہے۔ جس سے میں نے زندگی گزارنے کا شعور پایا۔ سلیقہ سیکھا۔

درمکنون نے مجھے نفرت کرنا سکھایا تھا۔ رانیہ نے انتقام کے رنگوں سے آشنا کروایا تھا اور محبت کرنا میں نے عنوہ سے سیکھا ہے۔

جس نے مجھے یہ باور کروایا تھا کہ زندگی کا اصل مقصد پیسہ کمانا نہیں۔۔۔ اور جو مجھے بڑی محبت اور دلجمعی سے نماز کا طریقہ بتاتی تھی۔ جس کے ہاتھوں سے اپنے ذاتی کام کروا کر میرے دل میں سکون کی لہریں دوڑنے لگتی تھیں۔

www.pkdigest.com

حالانکہ اب دو بچوں کی مصروفیت کی وجہ سے اس کی توجہ مجھ پر ذرا کم کم ہی ہوتی ہے مگر مجھے بھی اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے ہزار طریقے آتے ہیں۔ وہ اکثر چڑ کر کہتی۔

"آپ بھی بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتے ہیں۔"

ہر نئی طلوع ہونے والی سحر مجھے عنوہ کے مزید قریب کر دیتی ہے۔ اس کی چاہتوں کے بھی ہزار رنگ ہیں اور ہر رنگ پہلے سے بھی زیادہ دلکش اور حسین ہوتا ہے۔ میں اپنے ہرجائی کی اس محبت کی شام کو امریکہ کے شہر کیلیفورنیا کے سپرد کر آیا تھا۔ کیونکہ مجھے اپنے دیس کی چمکتی سنہری طلوع ہونے والی سحر اپنی طرف بلا رہی تھی۔ ڈیڈی کی آخری وصیت مجھے اپنی زندگی کے حاصل کے قریب لے آئے گی۔ یہ میں نے سوچا نہیں تھا۔

میں نے عنوہ کو ایک پارٹی میں دیکھا اور اس کا اسیر ہو گیا۔ ایک دفعہ پھر سادگی و معصومیت نے مجھے اپنی جانب مائل کیا تھا مگر اب کے نگاہ نے گوہر تاب کو اندر تک سے پرکھ لیا تھا۔

"زیان کے بچے!" عنوہ نے بیڈ روم کے دروازے میں جھانک کر کڑی نگاہ سے مجھے گھورا تو میری سوچوں کو بھی بریک لگ گئے تھے۔

"ہاں بچوں کی اماں۔" میں نے بڑی محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ میری نظر کی گرمی سے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیمو لینے آئے تھے آپ۔ نیچے رخصتی کے لیے رمیز اور زروہ بے تاب ہو رہے ہیں اور آپ کھڑکی کھولے چاند ستاروں سے باتیں کرنے میں مصروف ہیں۔"

میں تقریباً" دو دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آیا تو عبدالباری کو بھی گھورتے دیکھ کر سنبھلا۔

"خیر تو ہے آج سب نظروں کے تیروں سے گھائل کرنے پر تلے ہو۔"

"آپ کے بھلکڑپن کو سلوٹ کرنے کو دل چاہ رہا ہے زیان بھائی! جلدی آئیے امی خفا ہو رہی ہیں۔"

"اوہو سوری یار! آ رہا ہوں تم چلو۔" میں نے بچن میں ہدایات دیتی عنوہ کو بازو سے گھسیٹا اور باہر لان میں چلا آیا۔

آج سنیہ اور وصی کی شادی کی تقریب تھی۔ پورا لان برقی قمقموں سے سجا عجب بہار دکھا رہا تھا۔

"مجھے سو فیصد یقین تھا کہ تم اندر رومانس بگھارنے لگے ہو گے۔" ہم دونوں کو ایک ساتھ آتا دیکھ کر میجر رمیز نے شرارت سے کہا تو میں اپنے ازلی پر اعتماد انداز میں بولا۔

"تم پر کسی نے کرفیو تو نہیں لگایا۔۔۔ برابر ہی تو بیٹھی ہیں، ہو جاؤ شروع۔" رمیز کا قہقہہ بے ساختہ تھا جبکہ زروہ جھینپ کر اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔

عیشہ علی کو گود میں اٹھائے ساڑھی سنبھالنے کے چکر میں ہلکان ہو رہی تھی۔ جوں ہی میری نظر عیشہ پر پڑی میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دو ماہ کے باری کے علی کے گود میں اٹھاتے ہوئے بولا۔

"تمہیں کس احمق نے ساڑھی پہننے کا مشورہ دیا تھا۔"

"آپ کے بھائی نے۔" عیشہ برجستہ بولی تو سب ہی ہنس پڑے۔ فاخرہ نے اک سرشاری کے عالم میں اپنے ہرے بھرے گلشن کو دیکھا تھا۔ آنکھ سے دو تشکر کے آنسو ٹپکے تھے۔

"عبیث فریدی اسی گھر سے تم نے مجھے نکال دیا تھا۔ جب میرے پیروں کے نیچے زمین رہی تھی نہ سر پر آسمان۔۔۔ آج دیکھو پلٹ کر میرے دائیں بائیں دو مضبوط ستون کھڑے ہیں۔" انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کی پیشانی چوم کر سوچا زیان جب قمری خالہ کے گھر ان سے معافی مانگنے اور لینے کے لیے آیا تو ان کا دل خود بخود شفاف آئینے کی مانند ہو گیا تھا۔

رانیہ اور مبین دوبئی سیٹل ہو چکے تھے۔ زروہ اپنے گھر میں خوش باش تھی۔ سنیہ کے لیے زرین نے بڑی چاہ سے دست سوال دراز کیا تھا۔

مہک تو ابھی چھوٹی تھی البتہ سارہ کی انہیں بہت فکر تھی اور آج اس تقریب کے اختتام سے پہلے ہی ان

کی یہ پریشانی بھی دور ہو گئی۔

املاک نے چپکے سے زیان کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ اس نے عنوہ تک بات پہنچائی اور یوں املاک نے ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا معاملہ کر کے عنوہ سے ادھار رنگ لی اور فاخرہ کے ساتھ بیٹھی قمر النساء خالہ کے ہاتھ میں تھما دی۔ خالہ جان اس ادا پر نہال ہو کر املاک کے سر پر دو تین بوسے لینے کے بعد شرمائی لجائی سارہ تک پہنچ چکی تھیں۔

ادھر عیشہ فاخرہ سے کہہ رہی تھی۔

"امی جان! آپ نے اور امبرین آنٹی نے روایتی دیورانی جیٹھانی والا مزا تو لیا نہیں۔۔۔ جو نوک جھوک ہر وقت زیان بھائی اور عبدالباری کے درمیان ہوتی ہے اس سے بھی لطف اندوز نہیں ہوتی ہوں گی آپ دونوں جیسے میں اور بھابھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔"

"بس بیٹا! ساتھ رہنے کا موقعہ نہیں مل سکا۔" وہ عیشہ کی اونگیوں بونگیوں کے جواب میں ہنستے ہوئے کچھ نہ کچھ کہہ دیتی تھیں۔

عنوہ حنا اور حشام کا فون سن کر آئی جو آج کل لندن میں ہوتے تھے کیونکہ لندن والی فیکٹری حشام بھائی کے انڈر تھی اور اس خوشی کے موقع پر وہ دونوں مصروفیت کی وجہ سے نہیں آ سکے تھے۔

عنوہ نے لان پر اک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ ہر کوئی مسرور شاد اور ہنس رہا تھا۔ بابا جان اب ان کے درمیان نہیں رہے تھے بلکہ حج کے دوران ہارٹ اٹیک ہونے کی وجہ سے اسی پاک سرزمین میں ہی دفنا دیے گئے۔ یہی ان کی وصیت تھی۔ ان کی دیرینہ آرزو پوری ہو چکی تھی۔

آج چاند کی چودہ تاریخ تھی۔ ہر شے ٹھنڈی میٹھی چاندنی میں نہائی لگ رہی تھی۔

آج سے چند دن پہلے وہ زیان کا اچھا موڈ دیکھ کر بہت عرصے بعد درمکنون کا ذکر چھیڑ بیٹھی تھی۔

"آپ نے اسے معاف کر دیا ہے نا۔۔۔؟"

"کسے؟" زیان نے حیرت سے پوچھا۔ حالانکہ جان چکا تھا کہ وہ کس کے بارے میں بات کر رہی ہے۔

"درمکنون کو۔" عنوہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں۔۔۔" اس نے پوری سچائی سے کہا تھا۔

"جب اللہ اسے معاف کر چکا ہے تو پھر ہم تو معمولی سے حقیر بندے ہیں اس کے اور پھر تم ہی تو کہتی ہو معاف کرنے والے اعلا ظرف ہوتے ہیں۔" اور عنوہ ہلکی پھلکی ہو گئی۔

"ارے ماریہ کو جو جھوٹے لارے لگائے تھے، ماریہ کا کیا بنے گا۔"

"مجھے بیوی چاہیے۔ ڈیکوریشن پیس نہیں۔" املاک نے سنجیدگی سے کہا۔

"شکر ہے تمہیں بھی عقل سلیم آ گئی ہے۔ ورنہ خوامخواہ اس پر لٹو ہو رہے تھے۔" زیان نے چڑ کر کہا۔

"بس یار! نظر کا دھوکا تھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے سارہ کی طرف دیکھا۔ عنوہ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے قدرے الگ تھلگ بیٹھی فاخرہ کے قریب آ گئی۔

درمکنون آج ان کے درمیان نہیں تھی۔ فاخرہ یقیناً" اس کے متعلق سوچ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں نم نم سی تھیں۔ انہوں نے اور عنوہ نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر دودھیا چاندنی لٹاتے چاند کی طرف دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے درمکنون کا چہرہ نور میں نہایا ستاروں کے جھرمٹ میں سے جھانک رہا ہے۔ اس نے فاخرہ کے کندھے پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں اور بولی۔

"امی جان! وہ سب سے اچھی، پرسکون جگہ پر پہنچ گئی ہے۔ جہاں باغ ہوں گے۔ نہریں ہوں گی۔ خوشبوئیں ہوں گی، روشنیاں ہوں گی۔ جہاں رنج نہیں ہو گا۔ دکھ نہیں ہوں گے۔ پچھتاوے نہیں ہوں گے۔ اور نہ ہی ملال کے سائے ہوں گے۔"

"ہوں۔۔۔" انہوں نے گہری اطمینان بھری سانس کھینچ کر تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہوا گویا چاند بھی مسکرا کر تائید کر رہا ہے۔

☆ ☆

www.pkdigest.com

نیلم شہزادی

سیپ

"شکر ہے تمہاری چائے تو بنی۔" دانیہ کو چائے لاتے دیکھ کر اریبہ نے مذاق سے کہا تو حسب توقع وہ چڑ گئی۔

"ہاں بنادی ہے نا' اس لیے باتیں بنا رہی ہیں۔ ایک لوگوں کی آپیاں ہوتی ہیں۔ اپنی چھوٹی بہنوں کا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔" زور زور سے بولتے ہوئے اس نے چائے ٹیبل پر پٹخی اور اپنا کپ لے کر نروٹھے پن سے منہ موڑ کر بیٹھ گئی۔

خواب ہوتے ہیں دیکھنے کے لیے
ان میں جا کر مگر رہا نہ کرو

اپنا کپ اٹھا کر مسکراتے ہوئے شعر عرض کیا گیا تو دانیہ اس پر خفگی بھری نگاہ ڈال کر خاموش ہو رہی۔ اس وقت کچھ بولنا اپنی شامت بلوانے کے مترادف تھا۔ اریبہ پر ایسا موڈ کبھی کبھار ہی طاری ہوتا تھا اور جب بھی ہوتا وہ شعروں سے اگلے بندے کی مت مار دیتی تھی اور دانیہ کا مزید موڈ خراب کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ ابھی کیمسٹری کا ٹیسٹ بھی تیار کرنا تھا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" اسی وقت دانیال نے انٹری دی۔

رخ روشن دکھا دیا تو نے
لیمپ گویا جلا دیا تو نے

دانیال صبح کا نکلا ہوا ابھی لوٹا تھا' اسی لیے اریبہ نے ایک نظر اسے اور دوسری نظر گھڑی پر ڈال کر بے ساختہ حاجی لق لق کو یاد کیا۔

"مر گئے۔" دانیال نے بے ساختہ سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"نصیب دشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی۔" اس نے صوفے پر گرتے ہوئے پوچھا۔

حال دل آپ نے بھی پوچھ لیا
آیئے' بیٹھیے بتاتے ہیں

مسکراتا ہوا جواب آیا۔

"آپی! مجھے معاف رکھیں اس ستم سے۔ ہاں ایک کپ چائے مل جائے تو۔"

تین کے بجائے چائے بنائی ہے دو کپ
افسوس آج تو بھی فراموش ہو گیا

اس نے ہنسی دباتے ہوئے شعر میں اپنی مرضی کی تبدیلی کی اور مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا ہوا کٹ کھنی بلی بڑی خاموشی سے بیٹھی ہو۔" اسے لاعلاج سمجھ کر اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے دانیال نے دانیہ کی طرف رخ کیا۔

دانیال انہیں نہ چھیڑو کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں وہ تہیہ طوفاں کیے ہوئے

جواب ایک دفعہ پھر اریبہ کی طرف سے موصول ہوا۔ دانیال اور دانیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں مشورہ کیا اور خاموشی سے اٹھ کر باہر چل دیے۔

سوچا تھا انہیں حال سنائیں گے دل کا
مگر وہ محفل ہی چھوڑ کے بھاگ گئے

"واہ۔ یہ تو فی البدیہہ شعر ہو گیا۔ سنو تو' رکو۔" وہ بھی اپنا کپ اٹھائے اٹھائے ان کے پیچھے لپکی۔

☆ ☆ ☆

صبح اپنی تمام تر ہنگامہ خیزی کے ساتھ سجانی ہاؤس میں اتر چکی تھی۔ دانیہ اور دانیال کی نوک جھوک' حماد کی بڑھکوں اور اریبہ کے اشعار نے ماحول میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ سجانی صاحب ان سب کی باتوں سے حظ اٹھاتے گاہے گاہے اخبار پر بھی نظریں دوڑا رہے تھے۔ اریبہ نے جلدی جلدی چولی میں بل ڈالے اور امی کا ہاتھ بٹانے لگی۔ وہ سب ناشتا' لنچ اور ڈنر اکٹھے ہی کرتے تھے اور اس بھاگتی دوڑتی مصروف زندگی میں سے چند لمحے چرا کر اکٹھے بیٹھنا بھی غنیمت لگتا۔

"حماد بھائی یونیورسٹی تو پہنچ گئے ہیں لیکن توبہ ہی ہے' ان کی تیاری تو خواتین کو مات کرتی ہے۔" دانیہ نے حماد بھائی کی بار بار پڑتی پکاروں پر جھنجھلا کیا۔

آج تم کو بتادوں راز کی بات
بچہ شادی پہ زور دیتا ہے

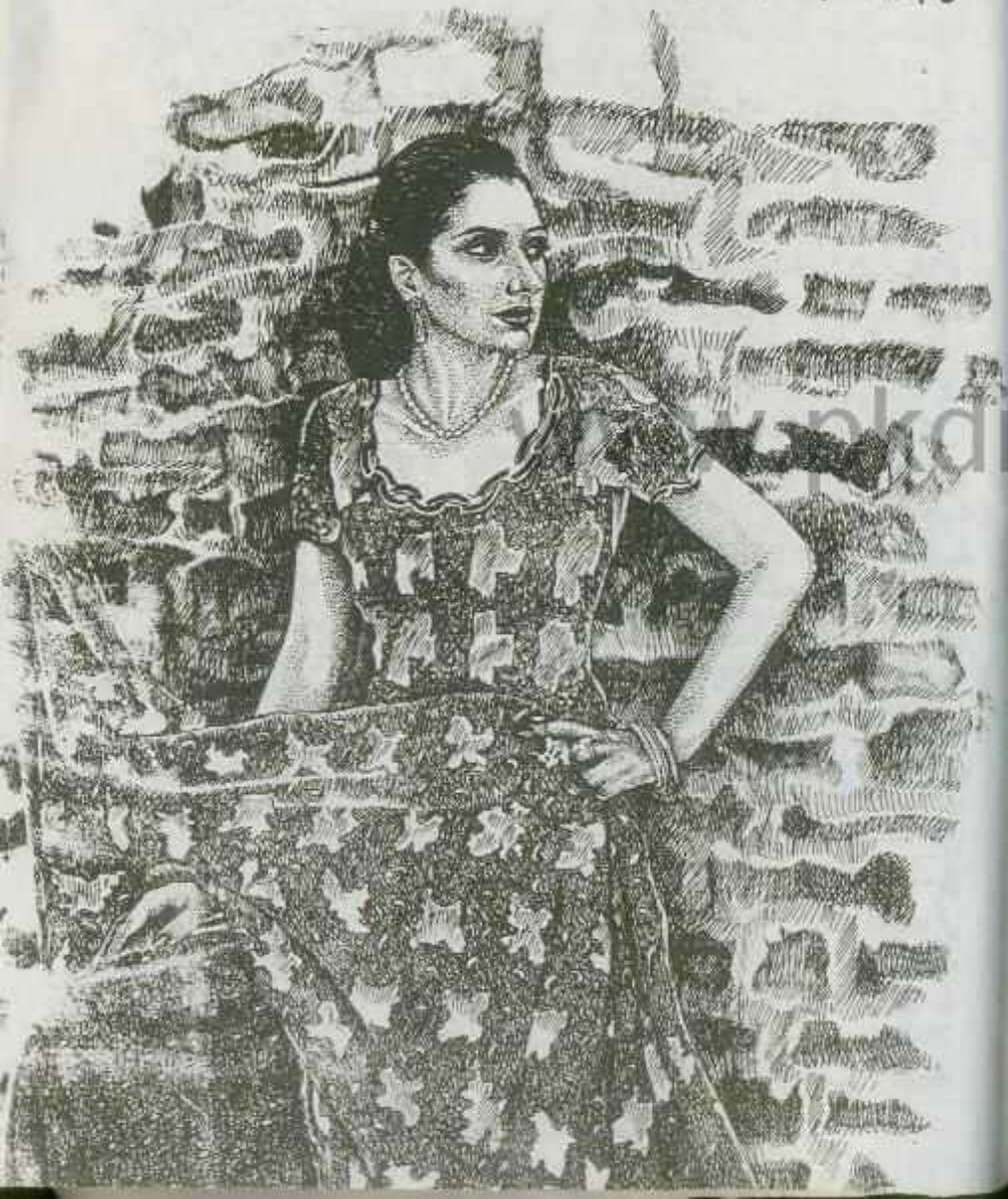

www.pkdigest.com

اریبہ نے بھی ہنستے ہوئے گرہ لگائی۔ اب دانیال کہاں پیچھے رہنے والا تھا' فوراً "دور کی کوڑی لایا۔

"آج کل بڑے گنگناتے رہتے ہیں۔ کل بھی میں ان کے کمرے میں گیا' جناب بیڈ پر نیم دراز آنکھیں بند مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ چٹکی بجاتے ہوئے "تھوڑا تھوڑا پیار" گنگنا رہے تھے۔ ہو نہ ہو کوئی چکر ضرور ہے۔"

"ہائے میرے ربا! میری ایک دوست کے بھائی نے اپنی کلاس فیلو سے شادی کی تھی' اب اس کی بھابھی باقی لوگوں کو گھر سے بے دخل کرنے کے چکروں میں ہے۔" دانیہ نے دل پہ ہاتھ رکھا اور آنکھیں پھیلا کر صورت حال کی سنگینی کے بارے میں بتایا اور خوفزدہ انداز میں بولی۔

"اگر حماد بھائی نے بھی ایسا ہی کیا تو ہم کیا کریں گے۔" چہرے پر مظلومیت اور بے چارگی کے دریا رواں تھے۔

"اپنے آنسو صاف کرلے میری بہن' تیرا بھائی ابھی زندہ ہے۔ ہم ایسی کسی بھابھی کو تسلیم نہیں کریں گے۔" دانیال نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر خالصتاً فلمی انداز میں تسلی دی۔

"اس گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے' آپ کیا سمجھتے ہیں میں اس سے واقف نہیں ہوں۔" بے حد سنجیدگی سے کہتے ہوئے حماد اندر داخل ہوا۔

"میں ایک ایک بات کے بارے میں جانتا ہوں۔" اب کے اس کے انداز میں غصہ تھا۔

"اور آپ لوگ۔" اس نے امی اور ابو کی جانب اشارہ کیا۔ "آپ لوگ خاموشی سے میری معصوم بھولی بھالی بیوی کے بارے میں الزامات سنتے رہتے ہیں اور انہیں منع نہیں کرتے لیکن میں یہ سب برداشت نہیں کروں گا۔" بے حد جذباتی انداز میں مطلع کیا گیا۔

"اس گھر میں ہر وقت اس کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی ہیں' حالانکہ یہ گھر میرا بھی ہے۔" ٹیبل پر مکا پڑا۔

"میری بیوی کا بھی ہے۔"

"میرے۔"

"دھیج بیٹا دھیج' اگر بیوی کے حقوق پر اتنی لمبی تقریر کرنا ہے تو آج واپسی پر ایک ٹیبل لے آنا۔ یہ بے چاری تمہارے جذبات سہار نہیں پائے گی۔" ابو نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اس کے جذبات پر بند باندھا تو ان تینوں کے مشترکہ قہقہوں سے کچن گونج اٹھا۔

"دیکھ لے گی میری بیوی تم سب کو۔" منہ پر ہاتھ پھیر کر حماد نے تڑی لگائی تو سب ایک دفعہ پھر ہنس پڑے۔

"آج تم لوگ لیٹ نہیں ہو رہے۔ کیا پروگرام ہے۔" سبحانی صاحب نے پوچھا تو گھڑی پر نظر ڈالتے ہی دانیہ کی چیخ نکل گئی۔

"ہائے اللہ دانیال کے بچے' جلدی کرو' آج تو فرسٹ پریڈ سے میرا ٹیسٹ شروع ہے۔ میڈم سلمیٰ تو مجھے کچا چبا جائیں گی لیٹ ہونے پر۔" وہ دانیال کے ساتھ بائیک پر جاتی تھی اور ہمیشہ اس کی تیز رفتاری سے خائف رہتی تھی۔ آج تو دانیال کو بدلہ لینے کا موقع مل رہا تھا' وہ کہاں چوکنے والا تھا۔ فوراً پھیل کر بیٹھ گیا۔

"بہت سخت بھوک لگی ہے' آرام سے ناشتا کرو پھر چلتے ہیں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔" اس نے آرام سے ناشتا شروع کرتے ہوئے کہا۔

"ابو! دیکھ رہے ہیں ایسے۔" دانیہ فوراً ابو کو بیچ میں گھسیٹ لائی۔ جانتی تھی اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور واقعی ان کے کہنے پر وہ اگلے پانچ منٹ میں فارغ ہو کر گھر سے نکل آئے۔

سبحانی صاحب کے خاندان میں اولاد قدرتی طور پر بہت کم تھی۔ ان کے والد دو ہی بھائی تھے۔ سبحانی صاحب اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے' ان کے چچا کے بھی دو ہی بچے تھے' جہاں ان کی شادی ہوئی' وہ بھی دو ہی بہنیں تھیں۔ سو بہن بھائیوں کی روایتی نوک جھوک اور لاڈ پیار کی حسرت ہی رہی' اسی لیے جب اللہ نے انہیں یکے بعد دیگرے پانچ بچوں سے نوازا تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ بچوں کی ہر ہر بات کو

انجوائے کرتے۔ بڑی بیٹی میرب کی شادی ہو چکی تھی' اس کا ڈیڑھ برس کا بیٹا تھا۔ اس سے چھوٹا حماد ایم بی اے کے فائنل ایئر میں تھا' اریبہ گریجویشن میں' دانیال آئی سی ایس اور دانیہ میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

"چلو یار! کینٹین کا چکر ہی لگا آئیں۔" ربیعہ نے اچانک کتاب سے سر اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ سب جو نوٹس اور کتابوں میں سر گھسیڑے بیٹھی تھیں' چونک گئیں۔

"ایسا کرو ادھر ہی لے آؤ۔" سدا کی کام چور وریشہ نے مفت کے مشورے سے نوازا۔

"ہاں' میں معصوم سی بچی تم چار خواتین کے لیے کیسے لے کے آؤں۔" ربیعہ نے دھڑا دیا۔

"کون خواتین' کس کو کہا؟" ماہ نور نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہائے ظالمے' ہمارے کلیجوں پہ ہاتھ ڈالتے تجھے ذرا خیال نہ آیا۔ تمہارا دل نہ کانپا ہم معصوموں کو یوں کہتے۔" زنیو نے بھی دہائی دی۔

"یار! یہ میں نے نہیں گورنمنٹ نے کہا ہے۔ کالج بورڈ کے باہر دیکھو' یہ بڑا بڑا لکھا ہے "گورنمنٹ ڈگری کالج فار ویمن۔" ربیعہ نے صفائی دی۔

"کیا فضول بحث شروع کردی تم لوگوں نے۔ چلو ہم لوگ لے آتے ہیں یہیں پر۔" اریبہ نے ان کی بحث پر بند باندھا ورنہ گھنٹہ یہیں اسی بحث میں گزر جاتا۔

"ارے ایک اتنی زبردست چیز تمہیں سنائی تھی' یاد ہی نہیں رہا۔" سموسے سے انصاف کرتی زنیو کو کچھ یاد آیا تو اچانک بولی اور بیگ کھولنے لگی۔

"لو اب چیز بھی سنائی جائے گی۔ سادا سم چیز دکھائی جاتی ہے۔" وریشہ نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔

"نہیں بھئی' یہ سنانے کی چیز ہے سنو۔ موبائل کھولنے کی دعا۔" زنیو نے موبائل منہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

اس کے میسج ختم کرتے ہی چاروں کا مشترکہ قہقہہ گونجا۔

"زبردست یار! یہ ذرا میرے موبائل پہ سینڈ کرنا۔" ماہ نور نے فرمائش جھاڑی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے۔" ربیعہ نے اریبہ کا گھٹنا ہلایا تو وہ تینوں بھی چونک کر اسے دیکھنے لگیں جو ہونٹ بھینچے زمین پہ نظریں گاڑھے خاموش بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا اریبہ!" ماہ نور نے بھی تشویش سے پوچھا۔

"کچھ نہیں' زنیو یہ میسج فارورڈ نہ کرنا۔" انہیں تسلی دیتے ہوئے اس نے زنیو سے کہا۔

"لیکن کیوں؟" وہ الجھ گئی۔

"کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مذہب کا تمسخر اڑائے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ اللہ نے ہمیں کسی بھی مذہب کا مذاق اڑانے سے منع کیا' کجا کہ ہم خود اسلام کا ہی مذاق اڑائیں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لیکن ہم کب مذاق اڑا رہے ہیں' خدانخواستہ ہمارا یہ مقصد تو نہیں۔"

"ٹھیک ہے' تمہارا مقصد یہ نہیں لیکن اس سے مطلب بہرحال یہی نکلتا ہے۔ دعا یا آیت کی پیروڈی بنانا اور پھیلانا۔ اس میں مقصد اگر مذاق اڑانا نہ بھی ہو گناہ تو ہے ہی۔ ہر چیز مذاق اڑانے اور پیروڈی کرنے والی نہیں ہوتی۔" ربیعہ کی بات کے جواب میں اس نے کہا تو وہ سب اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"سوری یار! اس طرح تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ شکر ہے ابھی میں نے فارورڈ نہیں کیا ورنہ سب کا گناہ میرے سر آتا۔" زنیو نے شکر گزاری سے کہا۔ ان سب میں یہ قدر مشترک تھی کہ غلطی کا احساس ہوتے ہی معذرت میں دیر نہ لگاتی تھیں۔

"میڈم ہاشمی کلاس میں جا رہی ہیں۔" ابھی ان کی بات جاری تھی کہ وریشہ نے سب ہی کو چونکا دیا۔ بات ادھوری چھوڑ کر وہ بھاگم بھاگ کلاس لینے چل پڑیں۔

اریبہ' ماہ نور اور وریشہ اسکول سے ہی اکٹھی پڑھتی آئی تھیں۔ ماہ نور اور وریشہ کزنز تھیں اور جوائنٹ فیملی کی وجہ سے اکٹھی رہتی تھیں۔ ان کا اور اریبہ کا گھر

www.pkdigest.com

ایک ہی گلی میں تھا۔ ربیعہ اور زنیو سے ان کی دوستی انٹر میں ہوئی تھی۔ ان کا گھر کالج سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ ماہ نور اور وریشہ تو خیر شروع ہی سے اریبہ کو اپنا گرو مانتی آئی تھیں' ربیعہ اور زنیو بھی اس کی خوبیوں کی معترف تھیں۔ ان کا گروپ پورے کالج میں "فائیو اسٹارز" کے نام سے جانا جاتا تھا۔

شروع میں تو کسی لڑکی نے مذاق سے کہا تھا اور اب یہی نام ان کی پہچان بن چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے اخبار تہہ کر کے سائیڈ پر رکھا اور دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر صوفے پر ہی دراز ہو گئی۔ آتی سردیوں کے دن تھے' ہوا میں موجود ہلکی ہلکی خنکی دل کو بھاتی تھی۔ امی اور دانیہ بازار گئی تھیں۔ حماد بھائی ابھی یونیورسٹی سے نہیں آئے تھے اور دانیال کہیں آوارہ گردی کرنے نکلا تھا اور وہ اکیلی بیٹھی افسوس کر رہی تھی کہ کاش وہ بھی امی لوگوں کے ساتھ چلی جاتی۔

"چلو میرو آپی کو فون کرتی ہوں' مزا آئے گا۔" اس نے کمرے میں جا کر موبائل اٹھایا۔

"اوہ میرے اللہ۔" موبائل کی اسکرین پر "ٹوئنٹی نائن میسجز ریسیوڈ" دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ایک تو یہ فارغ قوم صرف میسجز کی ہو کر رہ گئی ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکلی۔ اس نے میسجز اوپن کر کے دیکھنے شروع کیے۔ فروا کا نام دیکھ کر اس نے سب سے پہلے اس کا میسج اوپن کیا۔ فروا اس کی رشتے میں چچازاد تھی اور ہمیشہ پنجابی شاعری بھیجتی تھی جو اسے مزا دیتی' اب بھی وہ ریلیکس ہو کر اس کا میسج پڑھنے لگی۔

بنھ کے بستر پو ریا
اسیں تے چلے کوریا
بکلی اتھے رہندی نئیں
پوری کس دی پیندی نئیں
ہر کوئی اتھے رو ریا
بنھ کے بستر پو ریا
اسیں تے چلے کوریا
ہر کوئی اتھے ڈرداوے
نالے بھکا مرداوے
پینڈو ہووے یا لہوریا
بنھ کے بستر پو ریا
اسیں تے چلے کوریا

"اللہ رحم فرمائے ہمارے ملک کے حالات پر۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں تک آئی۔ اگلا میسج دانیال کا تھا۔

دانیال کا میسج پڑھتے ہی اس نے سختی سے ہونٹ بھینچے اور اگلا میسج اوپن کیا۔

وہ ایک کے بعد ایک میسج کھولتی اور پڑھتی گئی۔ انتیس میں سے سولہ میسجز چٹکلوں کی خود ساختہ حماقتوں پر مشتمل تھے۔ اس نے بے زاری سے موبائل پٹخا' سارے موڈ کا ستیاناس ہو کر رہ گیا۔

"زندگی کو مذاق سمجھ لیا ہے ہم نے۔ یہ لاپروائی' ہر چیز کو مذاق میں اڑانا اور ہر بات کا مذاق اڑانا ہمارے قومی مزاج کا حصہ کیوں بنتا جا رہا ہے۔ اپنی عقل تک گروی رکھ چھوڑی ہے ہم نے۔" مسلسل کڑھتے ہوئے اس نے اٹھ کر اپنے لیے چائے بنائی اور پھر سے لاؤنج میں آ بیٹھی۔ اس کی عادت تھی جب بھی ٹینشن ہوتی' چائے پینا شروع کر دیتی۔ اس وقت بھی وہ چائے پیتے ہوئے دانیال کو سمجھانے کا سوچتی رہی۔ بعد میں رات کے لیے کھانا بناتے اور دانیہ کے ساتھ شاپنگ پر تبصرے کرتے ہوئے بھی اس کا دماغ اسی پوائنٹ پر چکرا رہا تھا۔

"دانیال! کسی وقت تو اس میں سے سر باہر نکالا کرو' جب دیکھو اسی کے ساتھ چپکے رہتے ہو۔" رات کو کھانے سے فارغ ہو کر وہ کافی دیر سے دانیال سے بات کرنے کا موقع دیکھ رہی تھی لیکن وہ مسلسل موبائل کے ساتھ مصروف تھا۔ تنگ آ کر اسے ٹوکنا ہی پڑا۔

"آپی! بس تھوڑی دیر ٹھہریں' میسجز کا پیکج کروایا ہے۔ آج بارہ بجے پیکج کا ٹائم ختم ہو جائے گا۔" اس نے پرجوش انداز میں اپنا کارنامہ بتایا تو وہ جی جان سے کلس گئی۔

"ہاں' ایک اسی نشے کی کمی رہ گئی تھی' سو وہ بھی پوری ہوئی۔ اب دنیا جیے یا مرے' ہم تو بس ایس ایم ایس کریں گے۔"

"آپی! ایک تو آپ بھی نا' خود نہیں کرتیں تو چاہتی ہیں ساری دنیا سادھو بن جائے۔ یہ لیں نہیں کرتا' اب فرمائیں کیوں انگارے چبا رہی ہیں۔" بات کرتے کرتے اس نے موبائل رکھنا ہی چاہا تھا کہ میسج کی بیل پر اسکرین کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے میسج اوپن کر دیا۔

"بس آپی! ابھی آپ کا موڈ بحال ہوتا ہے' بیٹے گا۔" اس نے بے ساختہ ہنستے ہوئے اسے پکارا تو وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ایک پاکستانی نے شاہ رخ خان سے پوچھا۔ ہندوستان کے کیا حالات ہیں؟"

"وہ کبھی خوشی کبھی غم۔"

"اور پاکستان کے کیا حالات ہیں؟" شاہ رخ نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

"بس جی کبھی گولی کبھی بم۔" پاکستانی نے ٹھنڈی سانس بھر کر جواب دیا۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں دانیال سبحانی! لوگ بے قصور مارے جا رہے ہیں اور تم لوگوں کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"آپی! اب آخر کتنے دن تک ہم سوگ مناتے رہیں' اس طرح کرنے لگیں تو گزر چکی زندگی۔ اب تو بم دھماکے کی خبر کھانے کے بعد میٹھے کے طور پر لی جاتی ہے۔" اس کے لفظ ہی نہیں' لہجہ بھی بے حد تلخ تھا۔

حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا
لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر

یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ اس کے منہ سے پھسلا تو دانیال نگاہیں چرا گیا۔

"کیا بات ہے بھئی' دونوں میں کیا بحث چل رہی ہے۔" اس سے پہلے کہ دانیال کوئی بات کرتا' سبحانی صاحب نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ ان کے انداز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ ان کی باتیں سن چکے ہیں۔ اریبہ نے ان کی طرف مڑتے ہوئے انہیں ساری بات بتائی۔

"اب آپ بتائیں ابو! کہ یہ جو بیسیوں لوگ روزانہ مر رہے ہیں' کیا ان کی جانیں اتنی ہی سستی ہیں کہ ہم سن کر ان سنی کر دیں۔ کیا ان کا خون اتنا ہی ارزاں ہے کہ ہم اس کے بہنے کی خبر کھانے کے بعد سویٹ ڈش کے طور پر لیں۔" شدید دکھ نے اس کی آواز کو بوجھل کر دیا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"ہاں بھئی جان پدر' آپ فرمائیں' آپ کیا کہتے ہیں۔" انہوں نے بیٹے کو مخاطب کیا' ان کی عادت تھی کہ ہمیشہ ان بہن بھائیوں کو کھل کر بولنے کا موقع دیتے اور اپنی رائے محفوظ رکھتے تھے۔

"ابو! میں نے تو ایک کامن سی بات کی ہے کہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ میں ایسے کہہ رہا ہوں' دوسری بات میرے میسجز کرنے سے تو اس بات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپی خوامخواہ میں ایموشنل ہو رہی ہیں اور کچھ نہیں۔"

"تم دوسروں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر نہ ہی چلاؤ تو بہتر ہے۔ تم دوسروں کی کہی بات کو اسی وقت استعمال کرتے ہو جب خود اس سے متفق ہو' اور رہی میسجز کی بات تو ٹھیک ہے' تم ان کے دکھ میں شامل نہیں ہو سکتے تو کم از کم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ان کا مذاق بھی نہ اڑاؤ لیکن تم لوگ نوے فیصد میسجز انہیں فضول باتوں کے لیے کرتے ہو۔" وہ بھی اتنی دیر میں خود کو سنبھال چکی تھی' سو بنا توقف کے ایک کے بعد ایک پوائنٹ اٹھاتے ہوئے وہ سبحانی صاحب کی طرف مڑی اور انہیں صبح کے میسجز کے بارے میں بتایا۔

اب تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

www.pkdigest.com

آخری سوال ایک دفعہ پھر دانیال پر داغا گیا تھا۔ دانیال کے ہونٹوں پر محظوظ کن مسکراہٹ پھیلی۔

"ویسے آپی جان یہ بات تو ماننے کی ہے کہ یہ پٹھان لوگ ہوتے تھوڑے کریک ہی ہیں۔ عقل کی طرف سے ہاتھ ان کا تنگ ہی رہتا ہے۔" اس نے ٹانگیں پھیلا کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا آج تک کتنے پٹھانوں سے واسطہ پڑا ہے تمہارا۔" اس کے انداز میں خفگی تھی۔

"واسطہ نہ پڑے تو بھی مشاہدہ بھی تو کوئی چیز ہے۔" اس نے بڑے انداز سے کالر جھاڑا۔

"ہاں اور تمہارا مشاہدہ ان گھٹیا میسجز سے آگے نہیں بڑھا ہوگا۔ ہے نا۔" زہر خند انداز میں تبصرہ آیا تو دانیال تڑپ اٹھا۔

"آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے آپ بہت قریب سے جانتی ہیں انہیں۔ آخر کوئی بات ہوتی ہے تو اس طرح نکلتی ہے نا۔"

"میں انہیں نہیں جانتی، مجھے تسلیم ہے لیکن میں انہیں مسلمان اور پاکستانی ہونے کی حیثیت سے عزیز ضرور رکھتی ہوں اور صبح سے میں سوچ رہی ہوں کہ شاید مجھے کوئی ایسا خان یاد آجائے جس نے اس طرح کی حماقت کی ہو اور جانتے ہو، مجھے ایک نہیں دو نہیں، بہت سے خان یاد آئے ہیں۔" اس نے ڈرامائی انداز میں کہا تو سبحانی صاحب کے ساتھ ساتھ دانیال بھی چونک اٹھا۔

"کون؟" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ اس نے استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے ڈاکٹر عبدالقدیر خان یاد آئے جن کے پاگل پن کی وجہ سے آج ہم ایٹمی قوت ہیں۔" اس نے چبا چبا کر کہنا شروع کیا۔

"مجھے جہانگیر خان اور جان شیر خان یاد آئے جنہوں نے عرصہ دراز تک پاکستان کو اسکواش ورلڈ چیمپئن کا ٹائٹل دلوائے رکھا۔ مجھے عمران خان بھی یاد آیا جس کی حماقت کی وجہ سے ہم ورلڈ کپ جیتے۔ مجھے کیپٹن کرنل شیر خان بھی یاد آیا جو کم عقل شہید ہوا اور نشان حیدر لے گیا۔ مجھے کرن خان یاد آئی جو موٹے دماغ کی وجہ سے فرسٹ وومن پائلٹ آف پاکستان بنی اور مجھے پوری قوم کے "بوم بوم آفریدی" کے وہ نعرے بھی یاد آئے جو شاہد خان آفریدی کے میدان میں اترتے ہی لگتے تھے۔" اس نے چند لمحے رک کر اپنی سانس کو بحال کیا اور ایک نظر دانیال کے شرمندگی سے سرخ پڑتے چہرے پر ڈالی۔

"تم کہتے ہو کہ آج کل یہ میسجز ان ہیں۔ ٹھیک ہے، میں مان لیتی ہوں لیکن کیا کبھی تم نے ایک لمحے کے لیے بھی رک کر سوچا کہ آخر ایسے میسجز کہاں سے آتے ہیں، تمہیں نہیں لگتا دانیال کہ یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔"

"کون سی سازش کی بات ہو رہی ہے بھئی، کچھ ہمیں بھی تو سمجھاؤ۔" حماد نے جو دانیہ اور امی کے ساتھ ہی لاؤنج میں داخل ہوا تھا، بات کا سرا پکڑنے کے لیے مداخلت کی۔

"ہم لوگ میسجز کی بات کر رہے ہیں حماد بھائی! پہلے ہماری نسل کو فرسٹریٹ کیا جاتا ہے۔ بے روزگاری، بگڑتے ہوئے ملکی حالات، روزمرہ ضروریات کے حصول میں مشکلات، یہ سب ہمارے حواس پہ بری طرح اثر انداز ہو جاتے ہیں تو ہمیں اس دنیا سے نکال کر تصوراتی دنیا میں لا پھینکا جاتا ہے۔ اتنے سستے پیکجز دیے جاتے ہیں جو کوئی بھی شخص باآسانی افورڈ کر سکے۔ ساتھ ہی ساتھ ڈیلی بیسز پہ میسجز کی نئی کھیپ بھی لانچ کی جاتی ہے۔ جب یہ میسجز ایک تواتر کے ساتھ پورا دن ہماری نظروں سے گزرتے ہیں تو آہستہ آہستہ ہمارا مائنڈ اسی طرح سیٹ ہو جاتا ہے۔ جیسے ابھی دانیال نے مزے سے کہہ دیا کہ پٹھان اسی طرح کے ہوتے ہیں۔"

"اریبہ صحیح کہہ رہی ہے، یہ سلو پوائزننگ ہے جو آہستہ آہستہ ہماری اخلاقیات کا جنازہ نکال رہی ہے اور یہ صرف میسجنگ تک ہی محدود نہیں۔ تم یہ بھی دیکھو کہ نہایت کم کال ریٹ کے پیکجز ہمیشہ آدھی

رات کے بعد ہی شروع ہوتے ہیں، سارے نہ سہی پھر بھی زیادہ تر یہی چلتا ہے مزے کی بات یہ کہ دوسرے ممالک میں ایسے پیکجز کا کوئی تصور نہیں۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ صرف ہم ہی ان کا ٹارگٹ کیوں۔" حماد نے بھی اریبہ کی حمایت کرتے ہوئے ایک مزید سوال اس کی طرف اچھال دیا اور وہ شرمندہ شرمندہ ہنسی کے ساتھ صرف "سوری آپی" ہی کہہ سکی۔

"شاباش۔ یہی اسپرٹ ہونی چاہیے۔ غلطی تسلیم کرنے میں آپ ہی کی بڑائی ہوتی ہے۔" حماد نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"لیکن حماد بھائی لیٹ نائٹ پیکجز سے ہم بھی تو فائدہ اٹھاتے ہیں نا، نیو آپی کو فون کر کے۔" دانیہ نے نکتہ اٹھایا۔

"ہاں تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ ہر جگہ غلط استعمال ہوتا ہے لیکن بات ریشو کی ہے نا۔ اب جو کبھی کبھی رات کو کال ملانے میں اتنی مشکل پیش آتی ہے تو بیٹا سب لوگ میرو آپی سے بات نہیں کر رہے ہوتے نا۔" ہاہاہا۔ حماد کی بات پہ دانیہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اس بات سے تو میں بھی اتفاق کروں گا۔ اصل میں چیز بری نہیں ہوتی، ہم لوگ اس کا استعمال صحیح نہیں کرتے۔ اب یہی موبائل اور نیٹ دوسرے ممالک میں ایک کارآمد چیز ہے لیکن ہمارے ہاں ان کا استعمال اتنے غلط طریقے سے ہوتا ہے کہ والدین بے چارے اسی فکر میں آدھے رہ جاتے ہیں کہ آخر اس سب کا اینڈ کیا ہوگا۔ اکثر لوگ اسی ڈر سے بچوں کو نہ موبائل لے کے دیتے ہیں، اور نہ نیٹ استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن مجھے خوشی ہے تم لوگوں میں اتنا سینس ضرور ہے کہ اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکو۔ کیوں زرینہ بیگم۔" سبحانی صاحب نے بات سمیٹتے ہوئے بیگم سے بھی تصدیق چاہی۔

"یہ تو ہے۔ ویسے میں سمجھتی تھی کہ اریبہ صرف کتابوں سے رٹ رٹ کے اشعار ہی سنا سکتی ہے لیکن ماشاء اللہ میری بیٹی بہت سیانی ہے۔" ہمیشہ کی کم گو زرینہ بیگم نے بھی ان کی تائید کی۔ اریبہ نے خوشگوار حیرت سے انہیں دیکھا تو وہ کھل کر مسکرا دیں۔

"ویسے اریبہ! یہ بات تمہیں ریکارڈ کر لینی چاہیے تھی تاکہ سند رہتی اور بوقت ضرورت کام آتی۔ حق تلفی۔ ایک عمر گزری ہمیں جی حضوری کرتے، کبھی آج تک یہ نہ سنا کہ میاں آپ میں یہ بات اچھی ہے۔" اریبہ کو مشورہ دیتے ہوئے انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر حسرت زدہ انداز میں کہا تو زرینہ بیگم بچوں کے سامنے ایسی باتوں پر انہیں گھور کر رہ گئیں جبکہ وہ سب ان کے چہرے کی اگلی صورت حال بھانپ کر ہنسی سے سرخ پڑتے چہرے چھپائے اپنے اپنے کمروں میں بھاگ گئے۔

"سوری آپی! واقعی میری غلطی تھی۔ مجھے خود بھی سوچنا چاہیے تھا لیکن آپی! پرامس آئندہ میں خود بھی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے
خوبصورت سرورق
مضبوط جلد
آفسٹ چھپائی
قیمت: -/750 روپے
ڈاک خرچ: -/50 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.pkdigest.com

adcom-0902-10
AKS PROCESS

نہیں کروں گا اور اپنے دوستوں کو بھی ضرور سمجھاؤں گا۔" اس کے کمرے کے آگے کھڑے دانیال نے ایک دفعہ پھر معذرت کی۔ اگرچہ وہ انٹر کا اسٹوڈنٹ تھا لیکن اس میں وہ چالاکی مفقود تھی جو اتنی عمر کے لڑکوں میں عموماً" ہوتی ہے' اسی لیے اس نے اپنی غلطی کا صرف اعتراف کرلیا بلکہ فوراً" معذرت بھی کرلی۔

"مجھے خوشی اس بات کی ہے دانیال! کہ تم نے اپنی غلطی مان لی اور جو مان لی جائے' وہ غلطی نہیں رہتی۔ نیت نیک اور ارادہ مضبوط ہو تو کوئی بھی کام مشکل نہیں رہتا۔ تم اپنے دوستوں کو بھی اس پوائنٹ پر غور کرنے کا کہنا' اس یقین کے ساتھ کہ دل سے نکلی بات ضائع نہیں جاتی۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"تھینک یو سو مچ آپی!" وہ اس کا شکریہ ادا کرتا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

کمرے میں آکر اس نے فجر کی نماز کے لیے الارم لگانے کے لیے موبائل اٹھایا تو فروا کا میسج تھا۔ مگر اس نے میسج پڑھے بغیر ڈیلیٹ کردیا۔

اس وقت وہ بالکل بھی ایسی کوئی چیز پڑھنا نہیں چاہتی تھی جو اس کا موڈ پھر سے خراب کردے' اسی لیے اس نے موبائل واپس رکھا لیکن پھر کچھ یاد آنے پر اٹھ کر اپنی ڈائری لی' اس کی نظریں ڈائری کے کھلے صفحے پر پھسل رہی تھیں اور انگلیاں تیزی سے موبائل کے کی پیڈ پر چل رہی تھیں۔

تم زندگی سناؤں' میرا ملک جل رہا ہے
میں خوشی کہاں سے لاؤں' میرا ملک جل رہا ہے
تمہیں یہ گلہ ہے جاناں' کہ مزاج کیوں ہے برہم
کہو کیسے مسکراؤں' میرا ملک جل رہا ہے
تمہیں عید کی خوشی ہے' مجھے یاد ہے وہ لیکن
میں یہ کیسے بھول جاؤں' میرا ملک جل رہا ہے

اس نے لسٹ میں موجود سب کے نام میسج سینڈ کرکے موبائل سائلنٹ پر کیا' الارم لگایا اور اس اطمینان کے ساتھ آنکھیں موندلیں کہ اسی طرح دیے سے دیا جلتا رہا تو عنقریب نئی سوچ' نئے وژن رکھنے والی نئی نسل اس ملک کی تقدیر سنوارتی دکھائی دے گی۔

بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے کہ کوئی بھی چیز بری نہیں ہوتی' اس کا استعمال اس کو اچھا یا برا بناتا ہے۔ میسج ضرور کریں لیکن اتنا دھیان ضرور رکھیں کہ اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑاتی ہر وہ چیز جو ہمارے ملک' مذہب اور قومی یکجہتی پر اثر انداز ہو' اس کا بائیکاٹ ہمارا فرض عین ہے۔ آخر وہ کون ہیں جو پٹھانوں میں احساس کمتری پیدا کررہے ہیں کہ باقی لوگ ان کا حق غصب کررہے ہیں اور دوسری طرف وہ نئی نسل کے ذہن میں یہ تصور پختہ کرنا چاہتے ہیں کہ پٹھان بے وقوف' احمق اور عقل سے پیدل قوم ہیں۔ آخر کس کے مفاد میں جاتا ہے کہ ہم تمام مسائل سے آنکھیں چرا کر خود کو پھبتیاں کسنے اور ایک دوسرے کا مذاق اڑانے تک محدود کرلیں۔ اگر ہمیں اس کارخانہ قدرت میں عضو معطل بن کر نہیں رہنا تو ہمیں سوچنا ہے' ان تمام مسائل کا حل جو ہمارے ملک کو درپیش ہیں۔ آٹا مہنگا' چینی غائب' بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ' دھماکے' احتجاج' خون' دھواں اور بارود کی بو۔ کیا اسی پاکستان کا خواب آنکھوں میں سجائے ہمارے بزرگوں نے قربانیاں دی تھیں اور ایک قوم کی حیثیت سے کیا ہمیں یہ زیب دیتا ہے کہ ہم جو بال بال قرض اور مسائل میں جکڑی قوم ہیں' وہ اربوں روپیہ ہوا میں میسجنگ کرکے اڑا دیں اور کسی بھی ملک کی امیدوں کا مرکز نوجوان نسل ہی ہوا کرتی ہے۔ خدارا جاگ جائیں اس سے پہلے کہ بہت دیر ہوجائے۔ ☼

سرورق کی شخصیت

ماڈل ——— سارہ
میک اپ ——— روز بیوٹی پارلر
ٹرانسپرنسی ——— موسیٰ رضا

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

مسلمان کے دل میں خوشی داخل کرنے کا ثواب

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"مومن کے دل میں خوشی داخل کرنا سب سے افضل عمل ہے خواہ تو اس کی ستر پوشی کرنے کے لیے کپڑے پہنائے یا اس کی بھوک دور کرنے کے لیے اسے شکم سیر کردے یا اس کی کوئی حاجت پوری کردے۔"

(الترغیب والترھیب، رقم ۱۹، جلد ۳، صفحہ ۲۶۵)

انیقہ انانا۔۔۔ چکوال

رزق دینے والا

حضرت حاتم ایک مرتبہ سفر پر جانے لگے تو اپنی بیوی سے فرمایا۔

"میں چار مہینے تک باہر رہوں گا تمہارے واسطے کس قدر خرچ مہیا کر جاؤں؟" انہوں نے جواب دیا۔

"جس قدر آپ کو میری زندگی منظور ہے۔"

حضرت حاتم نے جواب دیا۔

"تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں نہیں۔" بیوی نے جواب دیا۔

"تو میری روزی بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں۔"

حضرت حاتم چلے گئے تو ایک۔۔۔ بڑھیا نے حضرت کی بیوی سے پوچھا۔

"حضرت حاتم آپ کے واسطے کتنی روزی چھوڑ گئے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا۔

"حضرت خود ہی تو روزی کھانے والے تھے۔ جو کھانے والا تھا۔ وہ چلا گیا جو دینے والا ہے وہ یہیں ہے۔"

رابعہ اسلم۔۔۔ رحیم یار خان

لفظ جو یاد رہیں

☆ دعا میں آنسو کا ایک قطرہ بہہ جانا، قبولیت دعا کی علامت ہے۔

☆ وہی مومن قابل رشک ہے جو اپنا ایمان سلامت لے جانے میں کامیاب ہوا۔

☆ اچھے گمان میں کوئی شر نہیں، بدگمانی میں کوئی خیر نہیں۔

☆ بدگمانی خبیث دل سے پیدا ہوتی ہے۔

☆ برے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا بہتر ہے۔

☆ موت ایسا جام ہے جسے ہر جاندار نے پینا ہے۔

☆ موت ایسا دروازہ ہے جس میں ہر جاندار نے داخل ہونا ہے۔

☆ عام آدمی اپنی فضیلت سن کر ہی خوش ہوتا ہے۔ اپنی مذمت کوئی پسند نہیں کرتا۔

☆ صبر نصف ایمان اور یقین پورا ایمان ہے۔

☆ یہ اللہ کا حکم ہے کہ بندہ گناہ کرتا ہے تو بروقت اس کی گرفت نہیں فرماتا۔

آمنہ اقبال۔۔۔ کراچی

راز

"زندگی کا اصل راز یہ ہے کہ دنیا کو قلب سے نکالو گو ہاتھ میں بقدر ضرورت موجود رہے۔ دنیا کا ہاتھ میں ہونا مضر نہیں دل میں سمانا مضر ہے۔ قلب تو بس حق تعالیٰ کے رہنے کی جگہ ہے۔ قلب کو صاف رکھنا

چاہیے۔ نہ معلوم کس وقت نور حق اور رحمت الٰہی جلوہ گر ہو جائے اس کا خاص اہتمام رکھو کہ قلب فضولیات سے خالی رہے۔ جس طرح فقیر اپنے برتن کو خالی رکھتا ہے کہ نہ معلوم کس وقت کسی سخی کی نظر عنایت ہو جائے۔ اپنے قلب کو خالی رکھو نا معلوم کس وقت رحمت کی نظر ہو جائے۔

(قدرت اللہ شہاب کی "شہاب نامہ" سے اقتباس)

صدف عبداللہ۔۔۔ یو اے ای

عجیب واقعہ

حضرت سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

"آپ نے اخلاق کس سے سیکھا؟" ارشاد فرمایا۔

"حضرت سیدنا قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے۔" مزید سوال کیا۔

"ان کے اخلاق کس حد تک پہنچ چکے تھے؟" ارشاد فرمایا۔

"ایک بار وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی کنیز بھنا لے کر آئی۔ جس پر بھنے ہوئے گوشت کا بڑا سا ٹکڑا تھا سیخ اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو لگی، جس سے بچہ مر گیا۔ لونڈی دہشت زدہ ہو گئی آپ نے فرمایا "تجھے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے، جا تو اللہ عزوجل کی ذات کے لیے آزاد ہے۔"

(اقتباس از رسالہ قشیریہ)

شافعہ اعوان۔۔۔ کراچی

عشق کی دھول

جانے کون نگر کی چڑیا
شام منڈیر پہ آ بیٹھی ہے
چونچ میں اک نازک سی ڈالی
جیسے عشق سفر کی دھول

(نوشی گیلانی)

فوزیہ شمیٹ۔۔۔ گجرات

انمول موتی

☆ میں اپنے حریفوں پر اکثر اس لیے غالب آتا ہوں کہ وہ دو چار منٹ کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے لیکن میں اس تھوڑے وقت کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ (نپولین)

☆ اللہ تعالیٰ ہمارے مقدر میں پتھریلے راستے لکھتا ہے تو ہمیں مضبوط جوتے بھی بخشتا ہے۔ (کیری بون)

☆ غصہ ہمیشہ حماقتوں سے شروع ہوتا ہے اور ندامتوں پر ختم۔ (ارسطو)

☆ خاموش رہنا اور بے وقوف شمار ہونا بول کر تمام شبہات کو دور کرنے سے بہتر ہے۔ (برنارڈ شاہ)

☆ تمام چیزوں کا حل نمکین پانی میں مضمر ہے، آنسو، پسینہ، سمندر (آئزک ڈی سن)

☆ اپنی خوشی کے لیے دوسروں کی مسرت کو خاک میں نہ ملاؤ۔ (برٹرینڈ رسل)

☆ مجھے بتاؤ کہ تمہارے دوست کون ہیں، میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کون ہو؟ (سروانٹس)

☆ جو اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتے وہ دراصل محبت ہی نہیں کرتے۔ (شکسپیئر)

☆ جو شخص کسی مقصد کو سامنے رکھ کر محنت کرتا ہے اس کو اس کا پھل ضرور ملتا ہے۔ (گوئٹے)

☆ خاموشی عالم کے لیے زیور اور جاہل کی جہالت کے لیے پردہ ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

امبر آصف۔۔۔ کراچی

ترا تصور

تری یاد ہے یا ترا تصور
کبھی داغ کو ہم نے تنہا نہیں دیکھا

(شاعر، داغ دہلوی)

مہوش فاروق، کراچی

ملن

برف گرتی رہے آگ جلتی رہے

www.pkdigest.com

آگ جلتی رہے۔ رات ڈھلتی رہے
رات بھر ہم یوں ہی رقص کرتے رہے
نیند تنہا کھڑی ہاتھ ملتی رہی
برف کے ہاتھ پیانو بجاتے رہے
جام چلتے رہے مے اچھلتی رہے

(ناصر کاظمی)
مشعال جنید۔۔۔ کراچی

مہلت

میں اپنی زندگی کی آخری سیڑھی پہ بیٹھا ہوں
مجھے مہلت ذرا سی ہے۔ کبھی ملنے چلے آؤ

فوزیہ شمریٹ۔۔۔ گجرات

میر تقی میر کراچی میں

پہلی نظر میں انہوں نے کراچی کو اور کراچی نے ان کو مسترد کر دیا۔ اٹھتے بیٹھتے کراچی میں کیڑے نکالتے شکایت کا انداز کچھ ایسا ہوتا تھا۔

"حضت' یہ مچھر ہیں یا مگر مچھ' کراچی کا مچھر ڈی' ڈی' ٹی سے بھی نہیں مرتا۔ صرف قوالوں کی تالیوں سے مرتا ہے یا غلطی سے کسی شاعر کو کاٹ لے تو باؤلا ہو کر بے اولاد مرتا ہے نمرود مردود کی موت ناک میں مچھر گھسنے سے واقع ہوئی تھی۔ کراچی کے مچھروں کا شجرہ نسب کئی نمرودوں کے واسطے سے اسی مچھر سے جا ملتا ہے اور ذرا زبان تو ملاحظہ فرمایئے۔

میں نے پہلی مرتبہ ایک صاحب کو پٹے والے کو پکارتے سنا تو میں سمجھا اپنے کتے کو بلا رہے ہیں معلوم ہوا یہاں چپراسی کو پٹے والا کہتے ہیں ہر وقت کچھ نہ کچھ پھڈا اور لفڑا ہوتا رہتا ہے ٹوکو تو کہتے ہیں اردو میں اس صورت حال کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔ بھائی میرے اردو میں یہ صورت حال بھی تو نہیں ہے بمبئی والے لفظ اور صورت حال دونوں اپنے ساتھ لائے ہیں میر تقی میر اونٹ گاڑی میں منہ باندھے بیٹھے رہے اپنے ہم سفر سے اس لیے بات نہ کی کہ 'زبان غیر سے اپنی زبان بگڑتی ہے۔

میر صاحب کراچی میں ہوتے تو بخدا ساری عمر منہ پر ڈھاٹا باندھے پھرتے یہاں تک کہ ڈاکوؤں کا سا بھیس بنائے پھرنے پر کسی ڈکیتی میں دھر لیے جاتے اماں ٹونک والوں کو امرود کو صغری کہتے تو ہم نے بھی سنا تھا یہاں امرود کو جام کہتے ہیں۔

(اقتباس از آب گم مشتاق احمد یوسفی)
حمیرہ مہتاب۔۔۔ کراچی

غیبت

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے۔ یہ سن کر آپ نے ایک طباق تازہ کھجوروں کی اس کے لیے روانہ کی اور کہلوایا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنی نیکیاں مجھے عنایت فرما دی ہیں' اس کے بدلے تمہیں یہ معمولی ہدیہ پیش خدمت ہے۔ پورا بدلہ تو نہیں دے سکتا معاف فرمائیں۔"

آمنہ۔۔۔ کراچی

بڑھاپا

بڑھاپے میں کوئی آپ کو صبح اٹھنے کے لیے نہیں کہے گا بلکہ گھر والے شکر کریں گے کہ آپ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں۔ بڑھاپے میں گھڑی کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیلنڈر سے بہ خوبی کام چلایا جا سکتا ہے۔ یوں بھی بڑھاپے کا گھنٹہ ستر منٹ کا ہوتا ہے۔ ف کہتا ہے نہیں ساٹھ منٹ کا ہوتا ہے' ہوگا۔ لیکن میں تو اتنا جانتا ہوں یہ گزرتا ستر منٹ ہے۔ بڑھاپے میں آرام ہی آرام ہے اور آرام میں بڑھاپا ہی بڑھاپا ہے۔ بوڑھے کے پاس ہر مسئلے کا حل تو ہوتا ہے مگر یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں ہی تو آدمی کو زندہ ہونے کا پتا چلتا ہے۔

راز آگہی

اگر کوئی احمق تم سے یہ کہے کہ روح بھی جسم کے

ساتھ فنا ہو جاتی ہے تو اس کی جہالت پر ترس کھا اور اسے بتا کہ پھول پتی پتی ہو کے ختم ہو جاتا ہے لیکن بیج ہمیشہ باقی رہتا ہے اور ہماری نظروں کے سامنے جاوداں زندگی کے اسرار منکشف کرتا ہے۔

(خلیل جبران)
شعونہ شیخ۔۔۔ نواب شاہ

مصیبت

ایک ڈاکٹر نے مریض کو نسخہ دیتے ہوئے کہا۔
"یہ دوائیں استعمال کیجیے اور اپنی بڑی سے بڑی مصیبت کو بھول جانے کی کوشش کیجیے۔" مریض گھبرا کر بولا۔
"آہستہ بولیے ڈاکٹر صاحب! وہ باہر بیٹھی ہے۔"

صبا خان۔۔۔ کراچی

موتیوں جیسے لفظ

○ دو طرح کے آدمی ہوتے ہیں' ایک وہ ہوتے ہیں کہ اگر انہیں اللہ مل جائے تو سوال کریں گے کہ یہ چیز دے اور وہ چیز دے۔ دوسرے وہ ہوتے ہیں جن کو اگر اللہ مل جائے تو عرض کرتے ہیں کہ حکم فرمائیں کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ بس آپ حکم ماننے والوں میں سے بن جائیں۔

(واصف علی واصف)

○ میں جنت کے شوق میں عبادت نہیں کرتا کہ یہ عبادت نہیں تجارت ہے۔ میں دوزخ کے خوف سے عبادت نہیں کرتا کہ یہ عبادت نہیں غلامی ہے۔ میں عبادت صرف اس لیے کرتا ہوں کہ میرا اللہ عبادت کے لائق ہے۔

(حضرت علیؓ)

○ انسان اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے دوسروں پر تنقید زیادہ کرتا ہے اور خود میں تبدیلی نہیں کرتا۔

(اشفاق احمد)
سدرہ وزیر۔۔۔ خوشاب (پیل)

چھوٹی چھوٹی باتیں

○ درخت جب دوسروں کو سایہ دیتا ہے تو سب اس کے سائے سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن جب خود درخت سائے (اندھیرے) میں آتا ہے تو کوئی اس کے سائے میں نہیں آتا۔

○ بچہ ایک مکمل انسان ہوتا ہے' بچہ پانی کی طرح ہوتا ہے' اس کو جس برتن میں ڈالا جائے' ویسا ہی ہو جائے گا۔

○ جب بھی کوئی کام حسب منشاء نہ ہو تو مخلوق ہونے کا احساس بے دار ہو جاتا ہے اور خالق کی عظمت کا اعتراف دل کی گہرائیوں سے ہوتا ہے۔

○ ہر پہلی غلطی قابل معافی نہیں ہوتی' غلطی کے معاف ہونے کا تعلق غلطی کی شدت اور نقصان اٹھانے والے کے ظرف پر ہوتا ہے۔

کنول شاہین قیصر۔ تلہ گنگ

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

○ دنیا میں وہی لوگ سربلند رہتے ہیں جو تکبر کے تاج کو دور پھینک دیتے ہیں۔ (حضرت علیؓ)

○ اگر انسان رنج یا مسرت کی فکر سے بلند ہو جائے تو آسمان کی بلندی بھی اس کے قدموں کے نیچے آ جائے گی۔ (شیخ سعدیؒ)

○ کنول کا پھول تالاب میں کھلا ہو تو سب کو خوشنما لگتا ہے' کنارے پر کھڑے لوگ اسے سراہتے بھی ہیں لیکن گندگی میں جا کر اسے توڑنے کا حوصلہ ہر کسی میں نہیں ہوتا۔ (ڈاکٹر بوداس)

○ دل کو شیطان کا کھلونا مت بناؤ۔ (بابا فرید شکر گنجؒ)

○ خود غرض لوگ انڈوں کی طرح ہوتے ہیں' ان میں اپنے علاوہ کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ (بلنگل)

○ سیدھی اور صاف بات کرنے سے نقصان بہت تھوڑا مگر فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ (لارڈ میکالے)

www.pkdigest.com

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

فرزانہ ، کی ڈائری میں تحریر

علامہ اقبال کی نظم

بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی، نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفت سیل رواں چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سر دارا
فاضل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر
کہتے ہیں کہ شیشہ کو بنا سکتے ہیں خارا
افراد کے ہاتھوں میں اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا
محروم رہا دولت دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں جو صحبت ساحل سے کنارا
دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا
دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیر امم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا
اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے
"شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا"

فائزہ جبیں ، کی ڈائری میں تحریر

مخمور دہلوی کی غزل

کسی سے میری منزل کا پتہ پایا نہیں جاتا
جہاں میں ہوں فرشتوں سے وہاں جایا نہیں جاتا

مرے ٹوٹے ہوئے پائے طلب کا احسان مجھ پر ہے
تمہارے در سے اٹھ کر اب کہیں جایا نہیں جاتا

جن تم سے عبارت ہے بہاریں تم سے زندہ ہیں
تمہارے سامنے پھولوں سے مرجھایا نہیں جاتا

ہر اک داغ تمنا کو کلیجے سے لگاتا ہوں
کہ گھر آئی ہوئی دولت کو ٹھکرایا نہیں جاتا

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

نشاء نورین ، کی ڈائری میں تحریر

جاوید اختر کی نظم

کبھی یوں بھی تو ہو
دریا کا ساحل ہو پورے چاند کی رات ہو
اور تم آؤ
پریوں کی محفل ہو کوئی تمہاری بات ہو
اور تم آؤ
کبھی یوں بھی تو ہو
یہ نرم ملائم ٹھنڈی ہوائیں جب گھر سے تمہارے

گزریں تمہاری خوشبو چرائیں میرے گھر لے آئیں
کبھی یوں بھی تو ہو
سونی ہر منزل ہو کوئی نہ میرے ساتھ ہو
اور تم آؤ
کبھی یوں بھی تو ہو
تنہائی ہو دل ہو
بوندیں ہوں برسات ہو
اور تم ہو

انیقہ انا ، کی ڈائری میں تحریر

مجروح سلطان پوری کی غزل

ہم ہیں متاع کوچہ و بازار کی طرح
اٹھتی ہے ہر نگاہ خریدار کی طرح

اس کوئے تشنگی میں بہت ہے اک جام
ہاتھ آ گیا دولت بیدار کی طرح

وہ تو ہیں کہیں اور مگر دل کے آس پاس
پھرتی ہے کوئی شے ہی نگاہ یار کی طرح

اک جا کے کچھ کھلا ہنر ناخن جنوں
زخم جگر ہوئے لب و رخسار کی طرح

مجروح لکھ رہے ہیں وہ اہل وفا کے نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہگار کی طرح

رابعہ اسلم ، کی ڈائری میں تحریر

عبدالحمید عدم کی غزل

آگہی میں اک خلا موجود ہے
اس کا مطلب ہے، خدا موجود ہے

ہے یقیناً کچھ، مگر واضح نہیں
آپ کی آنکھوں میں کیا موجود ہے

بانکپن میں اور کوئی شے نہیں ہے
سادگی کی انتہا موجود ہے

ہے مکمل بادشاہی کی دلیل
گھر میں گر اک بوریا موجود ہے

شوقیہ کوئی نہیں ہوتا غلط
اس میں کچھ تیری رضا موجود ہے

اس لیے تنہا ہوں میں گرم سفر
قافلے میں رہنما موجود ہے!

ہر محبت کی بنا ہے چاشنی
ہر لگن میں مدعا موجود ہے

ہر جگہ، ہر شہر، ہر اقلیم میں
دھوم ہے اس کی جو نا موجود ہے

جس میں چھپنا چاہتا ہوں میں عدم
وہ ستم گر جا بجا موجود ہے

قرین کیوٹی ، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی نظم

یہ کیسا خلا ہے
جو خوابوں کے رستے مری روح میں آ گیا ہے
میں جس پھول بن میں
ہری گھاس پر تتلیاں چن رہی تھی
وہ فرش گیہ میرے قدموں سے کیسے جدا ہو گیا
میں جس آسماں کے
ستاروں میں اپنا ستارہ الگ کر رہی تھی
وہ تاروں بھری چھت مرے سر سے کیوں ہٹ گئی
زمیں پر ہوں اور نہ میں زیر فلک
نہ دھڑکا ہے دل کو نہ کوئی کسک
ترے ساتھ ہوں اور نہ تیرے بغیر
جیے جا رہی ہوں میں اپنے بغیر...

www.pkdigest.com

ارم، کی ڈائری میں تحریر

اصغر مہدی نظمی کی غزل

کیا خبر جسم ہوں کہ جاں ہوں میں
ہوں مگر کچھ نہ کچھ جہاں ہوں میں

رات کی رات ہی یہاں ہوں میں
اور پھر حرفِ داستاں ہوں میں

اس قدر تم قریب مت آنا
بجھتے شعلوں کا اک دھواں ہوں میں

اب مرا راستہ نہ دیکھنا تم!
اب فقط گردِ کارواں ہوں میں

یاد آؤں تو یاد کر لینا
گزرے لمحوں کی داستاں ہوں میں

راستوں کی اداسیاں تسلیم
سلسلہ ہائے کارواں ہوں میں

یوں ہے وہ خواب سا اب آنکھوں میں
جیسے بے چہرہ سا یہاں ہوں میں

ذرۂ خاک ہوں زمیں کے لیے
آسمانوں میں آسماں ہوں میں

گل ہوئے جا رہے ہیں سارے چراغ
کن اندھیروں کے درمیاں ہوں میں

ذرہ ذرہ ہے گوش بر آواز
اے مرے ہم سفر کہاں ہوں میں

ثنا شہزاد، کی ڈائری میں تحریر

حسن اکبر کمال کی غزل

نہ تھا پہلے سے وہ بدلا ہوا کیا
کہا کیا میں نے اور اس نے سنا کیا

تھی اپنی خوش گمانی، ورنہ اس سے
تعلق ہی نہیں تھا ٹوٹنا کیا

تبسم اب کھنچا ہے لبوں کا
گیا، تو لے گیا وہ مجھ سے کیا کیا

یہ آنکھیں اس قدر ویران کب تھیں
کوئی آسیب ان میں بس گیا کیا

بہت اسباب ہیں دل ٹوٹنے کے
بتائے کوئی اب کس کو کیا کیا

یہ خالی گھر نمائش کے لیے ہیں
کسی بھی در پہ اب دیجیے صدا کیا

نہ پا کر بھی اسے ہم ہیں اسی کے
اسی کو لوگ کہتے ہیں وفا کیا

تمنا کی ہے سب افسوں طرازی
غمِ نا آشنا و آشنا کیا

یہ آنکھیں چھید دیں پہلی کرن نے
بنے تھے دست مژگاں میں خواب کیا کیا

رہا غم ساتھ پرچھائیں کی صورت
کمال اپنا یہی تھا آشنا کیا

شگفتہ سلیمان

یہ شعر پسند ہے

انیقہ انا ——— پچوال

اس بحث میں اب لاکھ زمانہ تجھے چاہے
ہم نے تو تجھے چاہا، تو جب کچھ بھی نہیں تھا
تو نے مری جاں جھانک کے دیکھا نہ تھا دل میں
چہرے پہ جو تھا وہ تو غضب کچھ بھی نہیں تھا

نواب زادی سوشلی ——— مورو سندھ

شام ڈھلے جب سارے پرندے لوٹتے ہیں رو پڑتے ہیں
اس کی نہیں اس کے وعدے سوچتے ہیں رو پڑتے ہیں
اجڑا اکیلا بکھری چیزیں بوجھل دل اور بھیگی پلکیں
اپنی حالت دیکھ کے ہنستے ہیں رو پڑتے ہیں

عدیلہ شیرازی ——— منڈی دھاریاں سکھر

وہ ختم قید کی معیاد بھی نہیں کرتا
مگر میں زحمت فریاد بھی نہیں کرتا
کبھی کبھی وہ مجھے اتنا یاد آتا ہے
میں ضد میں آ کے اسے یاد بھی نہیں کرتا

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات

اک تیرے نام سے بدنام ہوئی ہے دنیا
زندگی کیا تیرا اب نام نہ بدلا جائے

ثمرہ اقرا ——— کراچی

تم ناحق ناراض ہوئے ورنہ رہ جانے کا پتہ
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

کرن بینش ——— کراچی

مت پوچھ کہ میرے صبر کی وسعت کہاں تک ہے
تو آزما کے دیکھ لے تیری طاقت کہاں تک ہے
وہ اور ہوں گے جنہیں تم سے امید وفا ہوگی
ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

صائمہ جیمی ——— کراچی

بہار دے گی وہی، اس یقین پہ زندہ ہوں
وہ اک نگاہ کہ جس نے تجھے خزاں دی ہے
یہ اور بات ہے کہ تو اب بھی یاد ہے ورنہ
غم حیات نے فرصت تجھے کہاں دی ہے

زینب احسن ——— فیصل آباد

کل شام مجھے اڑتے پرندوں نے نصیحت کی ہے
بہت شام ہو جائے تو اپنے بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑ پکا

ڈھونڈ کر دو گے اک روز میرے خلوص کو اے دوست
سو جاؤں گے کسی روز ہم زمیں اوڑھ کر!

گڑیا شاہ ——— کہروڑ پکا

نہ کوئی خواب، نہ آنسو، نہ خیال
کیا عجب قحط پڑا ہے مجھ میں
عکس در عکس بکھرنا ہے مجھے
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں

گیلانی سسٹرز ——— کہروڑ پکا

آنکھوں آنکھوں چل جاتی ہے بینائی اس موسم میں
بڑھ جاتے ہیں اپنا آپ اور تنہائی اس موسم میں
اس کے بچھڑنے کا ایک یہی دکھ تھا دنیا میں
جیسے تیسے ہم نے بارش برسائی اس موسم میں

دیویا سونی ——— ٹنڈو الہ یار

تجھے محبت کرنا نہیں آتا
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا
زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں محسن
ایک تجھے نہیں آتا، ایک مجھے نہیں آتا

حنا خان ——— کراچی

کبھی اڑتے پھرتے سحاب میں اسے دیکھتے
کبھی کھلکھلاتے گلاب میں اسے دیکھتے
کسی دن جو اس کو نکال دیتے خیال سے
تو تمام شب کسی خواب میں اسے دیکھتے

سونیا ربانی ——— قاضیاں

کوئی دل کش نظارہ ہو کوئی دلچسپ منظر ہو
طبیعت خود بہل جاتی ہے بہلائی نہیں جاتی
محبت کی حقیقت کم نہیں اسرار ہستی سے
سمجھ لیتا ہوں لیکن مجھ سے سمجھائی نہیں جاتی

نشا نورین ——— بوتالہ جھنڈا سنگھ

میرے لئے کا تماشا تھا کچھ اتنا دل گداز
صورت تصویر گم سم، سب تماشائی ملے
کیا کہیں کس کس نے لوٹا پردۂ اخلاص میں
جتنے قاتل تھے بہ انداز مسیحائی ملے

سونیا ربانی ——— قاضیاں محلہ بالا

ہونٹوں کی یہ شگفتگی جھوٹی ہے تم ہر ایک کی
آنکھوں میں تیرتے ہوئے خوں کے حباب دیکھنا
ساری حقیقتیں کمال اس کی نظر پہ وار کے
اپنے نصیب میں تو ہے خواب ہی خواب دیکھنا

مدیحہ نداء ——— کراچی

دیکھیے ہم سے بچھڑ کر ہو گیا
کتنا گم سم شخص بھی سیماب سا
آپ کی تصویر، تنہائی، خزاں
ذہن میں سوچوں کا اک گرداب سا

صائمہ جیمی ——— کراچی

کہیں خفا تو نہیں، جاتے وقت چپ چاپ تھا
جو کچھ نہیں تو یہی سوچتا رہوں شب بھر
کمال تو نے فراموش کر دیا جس کو
ملے کہیں جو اچانک خدا تصور کر

رابعہ ——— رحیم یار خان

سنو اب بند مٹھی میں اندھیروں کی حکومت ہے
مجھے جگنو ہتھیلی میں چھپا لینے کی عادت تھی
میں ان کو ڈال کر دانہ بہت مسرور ہوتی تھی
مجھے آنگن کی چڑیوں سے دغا لینے کی عادت تھی

صدف عمران ——— کراچی

میری انا کے خار کو تو نوچ ڈالتا
حاضر ترے حضور میں دل تھا، دماغ تھا
حیران ہوں کہ کیوں نہ وہ مجھ تک پہنچ سکا
ویران ساحلوں پہ — میں تنہا چراغ تھا

فوزیہ کاشف ——— فیصل آباد

تنہا سمجھ رہا ہے مرے دل کو چارہ گر
دنیا بسی ہے اس میں کسی کے خیال کی

شمیم رحمانی ——— صفدر آباد

جن میں ہوئے وفا نہیں ناصر
ایسے لوگوں سے ہم نہیں ملتے

گڑیا شاہ ——— کہروڑ پکا

میں چپ رہوں، کبھی بے وجہ ہنس پڑوں محسن
اسے گنوا کے عجب حوصلے تلاش کروں

نسبت سعید ——— کہروڑ پکا

میں دیکھ سکوں چہرے کے پیچھے بھی ہے کیا کچھ
اتنی سی عطا وہ مجھے بینائی تو کر جائے
ہے فرض قتیل اس پہ مرا جان چھڑکنا
پر وہ میری کچھ حوصلہ افزائی تو کر جائے

سدرہ وزیر ——— خوشاب پل

کبھی موم بن کے پگھل گیا کبھی گرتے گرتے سنبھل گیا
وہ بن کے لمحہ گریز کا میرے پاس سے گزر گیا
اسے روکتا تو کس طرح کہ وہ شخص اتنا عجیب تھا
کبھی ترپ اٹھا میری آہ سے کبھی اشک سے پگھل گیا

ثناء شہزاد ——— کراچی

میں اپنی ذات کے اندر بھی جھانک لیتا ہوں
کہ حیرتوں سے جو اک جہان ہے یہ بھی
کچھ اس طرح تیرا غم اٹھائے پھرتا ہوں
کہ جیسے دھوپ نہیں سائبان ہے یہ بھی

صائمہ مہتاب ——— کراچی

مجھ میں خوشبو بسی اسی کی ہے
جیسے یہ زندگی اسی کی ہے
وہ کہیں آس پاس ہے موجود
ہونہ ہو یہ ہنسی اسی کی ہے

تسنیم چوہدری ——— میرپور آزاد کشمیر

یعنی کوئی کمی نہیں مجھ میں
یعنی مجھ میں کمی اسی کی ہے
کیا مرے خواب بھی نہیں میرے
کیا مری نیند بھی اسی کی ہے

صابرہ یار محمد ——— اسلام آباد

کرتے ہیں ایسے عزیزوں کی خامیوں کا یہ تذکرہ
اپنے عمل میں لوگ فرشتے ہوں جس طرح

تحریم ——— کراچی

ہم اپنے مزاج میں کسی بھی در کے نہ ہو سکے
کسی سے ہم ملے نہیں، کسی سے دل ملا نہیں

رابعہ اسلم ——— رحیم یار خان

ساگر خوشی کی بھیک میں کس کس سے مانگتا
اچھا ہوا کہ غم سے طبیعت بہل گئی

www.pkdigest.com

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

فرائیڈ لیو

اجزا :

کلیجی (مرغی کی)	آدھا کلو
نمک	حسبِ ذائقہ
سفید مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن (چوپ کیا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز (چوپ کرلیں)	ایک عدد
دودھ	دو کھانے کے چمچے
نمک، سفید مرچ پاؤڈر	حسبِ ذائقہ
کریم	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

مکھن گرم کرکے اس میں پیاز فرائی کرلیں پھر اس میں لہسن اور کلیجی ڈال کر فرائی کریں۔ نمک، سفید مرچ پاؤڈر ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں اور ہلکی آنچ پر بھون کر سرونگ ڈش میں نکال لیں۔

وائیٹ آملیٹ

اجزا :

انڈے	دو عدد
نمک	حسبِ ذائقہ
سیاہ مرچ	ایک چٹکی
پانی	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

انڈے میں نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور پانی ملا کر پھینٹ لیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کرکے اس میں انڈے کا آمیزہ ڈال کر فرائی کرلیں۔

میش پوٹیٹو

اجزا :

آلو (ابال لیں)	دو عدد
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
نمک، سفید مرچ پاؤڈر	حسبِ ذائقہ
کریم	ایک کھانے کا چمچہ

آلو کو مسل کر اس میں مکھن، دودھ، نمک، سفید مرچ پاؤڈر اور کریم ڈال کر مکس کردیں، نان اسٹک سوس پین کو گرم کریں اس میں تھوڑا تیل گرم کرکے اس آمیزے کو کباب کی شیپ میں رکھ کر دونوں طرف سے براؤن ہونے تک فرائی کریں۔

چائنیز آملیٹ ود ٹوسٹ

اجزا :

انڈے	تین عدد
پیاز (چوپ کی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
ہری پیاز	آدھا کپ (چوپ کی ہوئی)
نمک	حسبِ ذائقہ
ٹماٹر (چوپ کیے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچہ
شملہ مرچ (چوپ کی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	چوتھا چائے کا چمچہ
بریڈ سلائس (سینک کر تکون ٹکڑے کاٹ لیں)	چار سے چھ عدد
پنیر (کش کیا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسبِ ضرورت

ایک پیالی میں انڈے پھینٹ کر اس میں پیاز، ہری پیاز، نمک، ٹماٹر، شملہ مرچ، سیاہ مرچ، پنیر ڈال کر مکس کریں فرائنگ پین میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کرکے اس میں انڈے کا آمیزہ ڈال کر پھیلائیں اور سیٹ ہونے تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اس کے بعد پلٹ کر دوسری سائیڈ سے بھی فرائی کرلیں۔ مزے دار چائنیز آملیٹ تیار ہے سرونگ ڈش میں نکال کر سینکے ہوئے بریڈ سلائس اور بٹر کے ساتھ سرو کریں۔

بریک فاسٹ کومپٹ

اجزا :

مکس فروٹس	چار کپ (سیب، خربوزہ، کیلے، انار)
کاجو	چوتھائی کپ
کریم	حسبِ ضرورت
پانی	ایک کپ

ترکیب :

سیب، کیلے اور خربوزے کو چھیل کر اس کے بڑے کیوبز کاٹ لیں۔ کاجو کو فرائی کرلیں۔ انگور اور انار کو ایک پلیٹ میں رکھیں۔ سیب، کیلے اور خربوزے کو ایک پیالے میں ڈال کر اس میں کریم مکس کریں۔ انگور اور انار ڈال کر سرونگ باؤل میں نکالیں۔ کاجو سے گارنش کرکے سرو کریں۔

بریک فاسٹ سیلڈ

اجزا :

فرینچ کریم	دو پیکٹ
نوڈلز (چکن فلیور)	دو پیکٹ
میکرونی	آدھا کپ
بند گوبھی	آدھا کپ
گاجر	دو عدد (درمیانے سائز کے کش کیے ہوئے)
مٹر (ابلے ہوئے)	آدھا کپ
چنے سفید (ابلے ہوئے)	تھوڑے سے
ہری مرچ	ایک عدد
سیب	دو عدد (کیوب کاٹ لیں)
نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر	حسبِ ضرورت
تیل	حسبِ ضرورت

ترکیب :

سب سے پہلے میکرونی کو آدھے کپ پانی میں ڈال کر ابالیں ساتھ میں تھوڑا سا نمک اور ایک چمچہ تیل ڈال دیں تاکہ میکرونی چپکے نہیں جب میکرونی گل جائے تو پانی نتھار لیں۔

اسی طرح نوڈلز کو بھی دو کپ پانی میں ابالیں۔ سیب، بند گوبھی، گاجر، ہری مرچ کو باریک کاٹ لیں۔

ایک سرونگ باؤل میں مٹر، چنے، سیب، بند گوبھی، گاجر، ہری مرچ، میکرونی، نوڈلز اور فرینچ کریم ڈال کر چمچے سے مکس کریں حسبِ ذائقہ نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کریں۔ مزے دار بریک فاسٹ سیلڈ تیار ہے۔

اٹالین سیلڈ

اجزا :

میکرونی (ابلی ہوئی)	دو کپ
شملہ مرچیں	دو عدد (بیج نکال کر کیوبز کاٹ لیں)
ہری پیاز (چوپ کرلیں)	دو عدد
گاجریں (چوپ کرلیں)	دو عدد
انڈے (ابلے ہوئے)	دو سے تین عدد
کریم	دو کھانے کے چمچے
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچہ
مایونیز	پانچ کھانے کے چمچے
زیتون کا تیل	ایک چائے کا چمچہ
بند گوبھی (کش کی ہوئی)	آدھا کپ
پارسلی (سرونگ کے لیے)	حسبِ پسند
نمک، سفید مرچ پاؤڈر	حسبِ ذائقہ

ترکیب :

ایک پیالے میں میکرونی، شملہ مرچیں، ہری پیاز، گاجریں اور بند گوبھی ڈال کر مکس کرلیں۔ ڈریسنگ تیار کرنے کے بعد ایک دوسرے پیالے میں کریم، لیموں کا رس، مایونیز، زیتون کا تیل، نمک، سفید مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں۔ اب تیار کی ہوئی ڈریسنگ کو سبزیوں اور میکرونی والے پیالے میں ڈال کر مکس کریں۔ مزے دار اٹالین سیلڈ تیار ہے۔ سیلڈ باؤل میں نکال کر ابلے ہوئے انڈے سے گارنش کرکے پارسلی کے ساتھ سرو کریں۔

☼ ☼

www.pkdigest.com

ریحانہ علی محمد

مسکراتی کرنیں

مجبوری

ایک بچے کو دکانوں سے چھوٹی موٹی چیزیں چرانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس کے والد اسے سمجھا کر ہار گئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسے خوفزدہ کرنے کے لیے چند گھنٹوں تک حوالات میں بھجوا دیا جائے۔ انہوں نے تھانیدار سے بات کی تھانیدار نے تجویز مان لی اور بچے کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ اس وقت حوالات میں ایک اور پختہ عمر کا مجرم بھی بند تھا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا۔

"تمہیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے؟"

"میں دکانوں سے چھوٹی موٹی چیزیں چراتا ہوں۔"

"بے وقوف، تم کوئی بینک کیوں نہیں لوٹتے۔" مجرم نے کہا۔

"کیا کروں جناب۔ مجھے اسکول سے تین بجے چھٹی ہوتی ہے۔ تب تک بینک بند ہو چکے ہوتے ہیں۔"

انیقہ اناتا... چکوال

غلط فہمی

باس! نے اپنی ٹائپسٹ سے پوچھا۔

"مریم کیا یہ درست ہے کہ جیسے ہی گھڑی چار بجاتی ہے تم اپنا کام چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہو۔ خواہ اس وقت تم نے پورا جملہ ٹائپ نہ کیا ہو؟"

"یہ بات بالکل غلط ہے سر!" ٹائپسٹ لڑکی نے وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے آج تک کوئی جملہ ادھورا نہیں چھوڑا میں ہمیشہ ساڑھے تین بجے سے ہی چار بجنے کا انتظار شروع کر دیتی ہوں اور اس عرصہ میں کچھ بھی ٹائپ نہیں کرتی بھلا جملہ ادھورا چھوڑنے کا اعتراض کہاں باقی رہتا ہے۔"

رابعہ... لاہور

سائز

رضا صاحب جو کلب کے بہانے آدھی آدھی رات تک گھر سے باہر رہتے تھے ایک رات دو بجے واپس آئے بیوی نے پوچھا۔

"آج اتنی دیر کیسے ہو گئی؟" بیوی نے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"آج کلب میں ایک مقابلہ تھا۔" رضا صاحب نے برجستہ کہا۔

"آج کلب کے صدر نے اعلان کیا کہ کلب کے جس ممبر نے ـــــ اپنی بیوی سے بے وفائی نہ کی ہو اسے نیا ہیٹ انعام کے طور پر دیا جائے گا اور بیگم تم یہ سن کر حیران ہو جاؤ گی کہ ایک بجے تک کسی ممبر نے یہ دعوا نہیں کیا۔"

"رضا مگر تم تو ہمیشہ مجھے کہتے رہے ہو کہ تم نے کبھی میرے ساتھ بے وفائی نہیں کی؟ تو پھر تم نے حقیقت بتا کر وہ ہیٹ کیوں نہیں جیتا؟"

"بس میں اعلان کرنے ہی والا تھا کہ اچانک میری نظر ہیٹ پر جا پڑی اور پھر میں نے اعلان نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"لیکن کیوں رضا؟"

"کیونکہ ہیٹ میرے سائز کا نہ تھا۔"

گڑیا شاہ... کہروڑ پکا

پروفیسر صاحب

فلسفے کے پروفیسر ثقلین کالج سے باہر نکل رہے تھے کہ طالب علم نے انہیں روک کر کہا۔

"پروفیسر ثقلین صاحب آپ نے الٹا ہیٹ پہن لیا ہے پیچھے کا حصہ آگے ہے۔" پروفیسر ثقلین غصے سے بولے۔

"تم تو پاگل ہو، تمہیں کیا معلوم میں کس جانب جانے والا ہوں، آگے یا پیچھے۔"

نسبت سنیعہ... کہروڑ پکا

بے عزتی

ایک نئے سیلز مین سے پرانے سیلز مین نے پوچھا۔

"کیوں بھئی کیسا لگ رہا ہے یہ کام؟"

نئے سیلز مین نے کہا۔

"پیسے تو مل جاتے ہیں بھائی، مگر اس کام میں کوئی عزت نہیں ہے۔ لوگ بے عزتی کر دیتے ہیں۔"

پرانے سیلز مین نے حیرت سے کہا۔

"تعجب ہے، مجھے تو یہ کام کرتے ہوئے دس سال ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے مجھے گالیاں ضرور دی ہیں، دھکے دے کر نکالا بھی ہے، مگر بے عزتی تو آج تک کسی نے بھی نہیں کی۔"

کوثر خان... لاہور

تنبیہہ

آپریشن کے لیے لیٹنے سے پہلے ایک مریض بڑا پریشان تھا۔ حالانکہ اس کا بیٹا بہت بڑا سرجن تھا اور وہ خود اس کا آپریشن کر رہا تھا باپ کو کچھ اور نہ سوجھا کہ اسے کیسے احتیاط برتنے کی ہدایت دے۔ لہٰذا دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

"سوچ سمجھ کر آپریشن کرنا بیٹے۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میرے بعد تمہاری ماں کا تم ہی سہارا ہو اور وہ تمہارے گھر رہنے کے لیے آجائے گی۔"

فوزیہ تمرٹ... گجرات

عقلمندی

اسکول میں پہلی جماعت میں داخلے کے لیے بچوں کا انٹرویو ہو رہا تھا۔ جب ایک چھوٹے بچے کی باری آئی تو میڈم نے اسے اپنے سامنے والی کرسی پر بٹھایا۔ بچے کی ماں میڈم کی کرسی کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور اشارے سے بچے کو جوابات بتانے لگی میڈم نے بچے سے پوچھا۔

"منے میاں! دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟" ماں نے فوراً" انگلیوں کی مدد سے بچے کو چار کا اشارہ کیا اور بچے نے جواب دیا۔

"چار۔" میڈم نے بچے سے پوچھا۔

"اچھا تین میں سے اگر دو نکال دو تو کتنے بچیں گے؟"

ماں نے انگلی کا اشارہ کیا اور بچے نے آرام سے بتا دیا۔

"ایک۔"

"دو میں سے دو نکال دو تو کتنے بچے؟"

ماں نے فوراً" انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے ایک گول دائرہ بنا کر صفر کا اشارہ دکھایا تو بچے نے فوراً" جواب دیا۔

"سوراخ۔"

گڑیا شاہ... کہروڑ پکا

بدلہ

رشید نے امجد سے پوچھا۔

"یہ تم نے اندر کی جیب میں کیا ڈالا ہوا ہے۔ جو اس قدر ابھرا ہوا ہے۔" رشید نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"ڈائنامائٹ ہے، میں اس موٹے اکبر کا انتظار کر رہا ہوں وہ جب بھی مجھ سے ملتا ہے سیدھا میرے سینے میں گھونسا مارتا ہے۔ اس بار اس نے یہ حرکت کی تو اس کے ہاتھ کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔"

نسبت سنیعہ... کہروڑ پکا

وفاشعاری

چار روز کی مسلسل بے ہوشی کے بعد مریض کی آنکھ کھلی تو اپنی چہیتی بیوی کو سرہانے بیٹھے دیکھ کر مریض شوہر نے کہا۔

www.pkdigest.com

"خدا کے لیے گھر جا کر آرام کرو بیگم! میرے ساتھ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔" بیوی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مجھے پتا تھا آپ یہی کہیں گے اس لیے میں چار روز کے لیے اپنے میکے چلی گئی تھی۔"

راحیلہ ..... کراچی

شوق

ایک آدمی محکمہ ریلوے میں نوکری کے لیے گیا۔ انٹرویو میں ان سے پوچھا گیا۔

"اگر ایک ہی پٹڑی پر آمنے سامنے سے دو ریل گاڑیاں آ رہی ہوں تو آپ کیا کریں گے؟" امیدوار نے جواب دیا۔

"میں اسٹیشن ماسٹر کو اطلاع کروں گا۔"

"اگر اسٹیشن ماسٹر ڈیوٹی پر نہ ہوا تو۔"

"تو پھر کانٹے والے سے کہوں گا۔" امیدوار نے جواب دیا۔

پھر سوال کیا گیا۔

"اگر کانٹے والا بھی موجود نہ ہوا تو؟" امیدوار جھٹ سے بولا۔

"پھر میں اپنی بیوی کو بلا لاؤں گا' اسے ریل گاڑی کی ٹکر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔"

سیدہ نسبت زہرا ..... کہوڑ پکا

قابل دید

"اے ..... مسٹر" پروفیسر صاحب نے کلاس میں سب سے پیچھے کھڑے ہوئے ایک نوجوان کو مخاطب کیا۔ "یہ بتاؤ نیوٹن نے "لاء آف گریویٹی" کب پیش کیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم سر!" نوجوان نے جواب دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ زمین سورج سے کتنے نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے؟" پروفیسر صاحب نے ناگواری سے دوسرا سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا سر!" نوجوان نے ایک بار پھر بے نیازی سے جواب دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ نظریہ اضافت کسے کہتے ہیں؟" پروفیسر صاحب نے گویا بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم سر!" نوجوان نے ایک پھر وہی جواب دیا۔

"خدا کی پناہ ..... !" اب پروفیسر صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "تمہیں تو فزکس کی بنیادی باتیں بھی معلوم نہیں ..... اسکول کا بچہ بھی ان سوالوں کے جواب دے سکتا ہے' آخر تم نے سوچ کیا رکھا ہے؟ تم فزکس کے امتحان میں پاس کیسے ہو گے؟"

"میرا فزکس کے امتحان سے کیا تعلق ہے جناب؟ میں تو اس کمرے کا پنکھا ٹھیک کرنے آیا ہوں ..... الیکٹریشن ہوں ....." نوجوان نے بے زاری سے جواب دیا۔

فاطمہ علی' کراچی

جواب

ایک شائستہ قسم کے لنگڑے فقیر نے ایک صاحب سے درخواست کی۔ "کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ میں اپنی ایک ٹانگ کھو چکا ہوں۔"

وہ صاحب پہلے ہی کسی بات پر جھلائے ہوئے تھے۔ اپنا لہجہ پر سکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولے۔

"یقین کرو تمہاری ٹانگ مجھے نہیں ملی۔ ویسے تم اس کے لیے اخبار میں "تلاش گمشدہ" کا اشتہار کیوں نہیں دیتے۔"

ثوبیہ جہانگیر' موہرہ آزاد کشمیر

گناہ

جوزف ہر اتوار چرچ کے بجائے شراب خانے یا جوا خانے چلا جاتا پادری اسے کئی بار سمجھا چکا تھا۔ ایک دن وہ جوا خانے سے نکلا ہی تھا کہ اس کی پادری سے ملاقات ہو گئی۔

پادری نے جوزف کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم سوری جوزف! میرا خیال ہے کہ جنت میں ہماری ملاقات نہ ہو سکے گی۔" جوزف نے معصومیت بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

"ویئر فادر! آپ نے آخر ایسا کون سا گناہ کیا ہے؟"

مہرین طارق' کراچی

پہچان

نر اور مادہ مکھی کی پہچان کے لیے ایک شخص نے عجیب طریقہ نکالا ایک روز اس نے اعلان کیا کہ آج میں نے چھ مکھیاں ماریں' تین نر تھیں اور تین مادہ!

اس کی بیوی نے پوچھا "لیکن آپ کو نر اور مادہ کا پتا اتنا جلدی کیسے چل گیا؟"

اس نے جواب دیا۔ "بڑی آسانی سے' تین مکھیاں مٹھائی پر بیٹھی تھیں اور تین آئینے پر!"

تسنیم چوہدری' آکسفورڈ یو کے

سوٹ کیس

ایئر لائن کاؤنٹر کے سامنے مسافر قطار لگائے کھڑے تھے۔ کم فاصلے کی پرواز تھی لہٰذا زیادہ تر مسافر ہلکا پھلکا سوٹ کیس لیے ہوئے تھے خوب صورت لیڈی کلرک مسکرا کر ہر مسافر سے شیریں لہجے میں رسمی سوال پوچھ رہی تھی "کیا یہ سامان آپ کا ہے؟"

قطار آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی' بالآخر ایک تیس سالہ نوجوان نے خوب صورت لیڈی کلرک کو اپنا ٹکٹ تھمایا تو دلکش خاتون نے مسکرا کر پوچھا "کیا یہ سوٹ کیس آپ کا ہے؟"

خوش پوش نوجوان ایک لمحے کو ہچکچایا پھر خفت سے مسکرا کر بولا۔

"جی نہیں! یہ سوٹ کیس میرے بڑے بھائی کا ہے مگر انہوں نے کہا ہے کہ میں اسے جب چاہوں استعمال کر سکتا ہوں۔"

سیدہ نسبت زہرا' کہوڑ پکا

آپ جیسا

ایک پولیس آفیسر نے اپنے بیٹے سے پیار سے کہا "بیٹا! میں چاہتا ہوں کہ بڑے ہو کر تم ایک شریف انسان بنو۔"

"میں شریف انسان نہیں بننا چاہتا ڈیڈ" بچے نے معصومیت سے جواب دیا "میں تو آپ جیسا انسان بننا چاہتا ہوں۔"

سیدہ نسبت زہرا' کہوڑ پکا

قانون

صحافیوں کی ایک ٹیم جیل کا دورہ کر رہی تھی۔ ایک کوٹھڑی میں ایک ایسے صاحب بھی بند تھے' جو شکل سے خاصے شریف اور مسکین سے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک صحافی نے ان کے بارے میں جیلر سے پوچھ لیا۔ "ان صاحب نے کیا جرم کیا ہے؟"

"انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ....." جیلر نے بتایا۔ "انہوں نے مشہور ڈاکو حنیف ٹنڈے کو ایک قتل کرتے دیکھا تھا۔ یہ اس قتل کے اکلوتے چشم دید گواہ ہیں۔ انہیں حفاظت کے خیال سے جیل میں رکھا گیا ہے۔"

"اور حنیف ٹنڈا کہاں ہے؟" دوسرے صحافی نے پوچھا۔

"وہ ضمانت پر رہا ہو چکا ہے۔" جیلر نے اطمینان سے بتایا۔

خالدہ ..... نخشہ

فرمائش

گھریلو خاتون نے بٹے کٹے بھکاری سے کہا۔ "اگر تم گھر کے کچھ کام کاج کر دو تو میں تمہیں کھانا کھلا سکتی ہوں۔"

بھکاری نے ایک لمحے گویا اس پیشکش پر غور کیا پھر بولا "پہلے میوہ دکھائیے۔"

حنا ..... کراچی

☆ ☆

www.pkdigest.com

حسن و صحت

ادارہ

بال ہماری شخصیت کی خوب صورتی بڑھانے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ شخصیت کے مجموعی تاثر کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے خواتین بالوں کی صحت کے حوالے سے حساس ہوتی ہیں۔ موسموں کی شدت، تیز دھوپ، خشک ہوائیں اور سخت موسم سے سر کی جلد کھردری ہو جاتی ہے اور خشکی و سکری جیسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ماحول میں نمی کی کمی سے بال دوشاخہ اور کمزور ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بال جلد ٹوٹنے لگتے ہیں۔ ماہرین آرائش گیسو کے مطابق سر کی جلد کو گرم موسم میں نم رکھنا بہت ضروری ہے اور اس مقصد کے لیے تیل کا مساج سب سے زیادہ مفید ہے۔ خالص تیل کے استعمال سے بال گھنے، سیاہ، چمکدار اور خشکی و سکری سے محفوظ رہتے ہیں۔ موسم اور بالوں کی ساخت کی مناسبت سے کیا گیا مساج سر میں ٹھنڈک اور ذہن میں طمانیت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ خوشنما صحت مند بال نا صرف اچھی صحت کا ثبوت ہوتے ہیں بلکہ شخصیت کو بھی دلکش و خوشنما بناتے ہیں۔

تیل کی افادیت

موجودہ دور میں تیل لگانے کا رجحان کمزور پڑتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اب تیل کی کمی کنڈیشنر، جیل اور کیمیائی اجزا سے تیار شدہ شیمپو سے پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن یہ تمام اشیاء قدرتی تیل کا نعم البدل ثابت نہیں ہوتی ہیں۔ اسی لیے اب زمانہ قدیم کی طرح لمبے، گھنے اور خوب صورت بالوں کے مالک بہت کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں اور دوسری طرف بالوں کے مسائل میں بھی کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ تیل کی اہمیت و افادیت آج بھی زمانہ قدیم کی طرح اپنی جگہ موجود ہے۔

ماہرین آرائش گیسو کے مطابق تیل ہمارے بالوں کے لیے غذا کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح ہمارا جسم غذا کی کمی سے کمزور ہو کر مختلف بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے، اسی طرح تیل سے مستقل محروم رہنے والے بال جڑ سے ٹوٹنے لگتے ہیں۔ کبھی آپ نے یہ سوچا کہ آپ کے بالوں کو تواتر کے ساتھ غذا مل رہی ہے یا نہیں؟ بالوں میں چمک دمک پیدا کرنے کے لیے مہنگے ترین ٹوٹکے آزمائے جاتے ہیں لیکن تیل کے استعمال کی جانب کم ہی توجہ دی جاتی ہے۔ اگر آپ کی خواہش ہے کہ تیز گرم موسم میں یا سخت سرد موسم میں بھی آپ کے بال خشکی و سکری سے اور بدرونق ہونے سے بچے رہیں اور صحت مند رہیں تو بالوں کی ضرورت کے مطابق تیل کا استعمال ضرور شروع کریں۔

ہلکے مساج کے انداز میں بالوں میں تیل لگانے سے دوران خون کو تحریک دینے اور بالوں کو ٹیکسچرز کو نرم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ تیل

لگاتے ہوئے اس بات کا خیال رکھیں کہ بالوں کو سختی سے رگڑیں یا ملیں نہیں بلکہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے آہستہ آہستہ گول گول دائروں کی صورت میں ملائمت سے مساج کریں۔ تیلوں میں ان کے اپنے فوائد اور خواص موجود ہوتے ہیں، جو بالوں کی ساخت کے مطابق اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی بال چکنے ہوں، روکھے یا خشک ہوں، نارمل، دوشاخہ ہوں یا کمزور ہوں ہر صورت میں تیل بالوں کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔ تیل کا استعمال ہر موسم میں مفید ہے۔

تیل محض بالوں کی مضبوطی قائم رکھنے کے لیے ہی اہم نہیں۔ بلکہ یہ سر درد سے نجات حاصل کرنے کا فوری اور قدرتی ذریعہ بھی ہے۔ تیل کا مساج سر کی باریک رگوں میں بھی خون کے بہاؤ میں تیزی لاتا ہے اور اس سے اعصاب کو سکون اور طمانیت پہنچتی ہے۔ بالوں کی نوعیت اور مسائل کے مطابق مختلف تیل موجود ہیں کیونکہ تمام تیل اپنی تاثیر، افادیت اور اجزا کی مناسبت سے قطعی مختلف ہیں۔ اگر ان کی افادیت کے لحاظ سے تیل کا انتخاب کیا جائے تو بھرپور نتائج حاصل ہو سکیں گے۔

ہم آپ کو مختلف تیلوں کے خواص سے روشناس کراتے ہیں تاکہ آپ ان کا استعمال اپنی روزمرہ کی زندگی میں با آسانی کر سکیں اور ان کے فوائد حاصل کر سکیں۔

زیتون کا تیل

زیتون کا تیل کھردری جلد میں ملائمت پیدا کرتا ہے۔ یہ بالوں میں نرمی، تازگی اور مضبوطی پیدا کرتا ہے۔ زیتون کے تیل میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ یہ تیم مردہ خلیات میں زندگی کے آثار پیدا کرتا ہے۔ زیتون کا تیل، سر کی جلد میں نارمل ایسڈ الکلائن بیلنس بحال کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ چکنے اور خشکی کے شکار بالوں کے لیے مفید ہے۔ روغن زیتون اعصاب کو مضبوط کرتا ہے۔

زیتون کے تیل کی مالش فالج، لقوہ، گٹھیا، خارش، جوڑوں کے نئے اور پرانے درد کے لیے اکسیر ہے۔ سر میں پیدا ہونے والی خشکی اور گنج پن کے خاتمے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ سر کی جلد اور بالوں کی خوب صورتی کے لیے یہ تیل سال بھر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ زیتون کا تیل کھانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ تیل مختلف امراض میں شفا بخش خصوصیات کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔ ہر مرض کے لیے خالص زیتون کے تیل کا ایک چمچہ پینا مفید ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ "زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ یہ ایک مبارک درخت ہے اور اس میں ستر (70) بیماریوں سے شفا ہے۔"

(ترمذی و ابن ماجہ)

جسمانی توانائی اور سر کے لیے زیتون کے تیل کی مالش فائدہ مند ہے۔

سرسوں کا تیل

سرسوں کا تیل بالوں کو گھنا، مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔ خشکی و سکری کے لیے بھی سرسوں کا تیل نہایت موزوں ہے۔ اصلی سرسوں کے تیل کی بالوں میں باقاعدہ مالش جڑوں کو مضبوط کرتی ہے اور دماغ کو فرحت بخشتی ہے جبکہ کچے سرسوں کے تیل کی مالش جسم کو مضبوط بنا دیتی ہے۔

سرسوں کا تیل نا صرف بالوں کو گھنا اور صحت مند بناتا ہے بلکہ سیاہ بھی رکھتا ہے۔ اگر سر میں خشکی زیادہ ہو تو نیم گرم سرسوں کے تیل کی مالش بے حد مفید ہے اس کے علاوہ ایک بڑا چمچہ مہندی، ایک چمچہ سرسوں کا تیل، ایک انڈا اور آدھے لیموں کا رس ملا کر چند گھنٹوں کے لیے سر میں لگائیں اس کے بعد سر دھو لینے سے بالوں سے خشکی دور ہو جائے گی۔

سرسوں کا تیل کھانے کی تیاری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے یہ جسم میں کولیسٹرول کو بڑھنے سے

www.pkdigest.com

روکتا ہے۔ اس لیے گھی کے برعکس سرسوں کا تیل استعمال کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ کھانے کے لیے سرسوں کا تیل بے حد مفید ہے۔ چھوٹے بچوں کی سرسوں کے تیل سے مالش کرنا ان کی ہڈیوں کو مضبوط بناتا ہے اور جسم توانا ہوتا ہے۔

ناریل کا تیل

خالص ناریل کا تیل بالوں کے لیے بہت مفید ہے۔ یہ بالوں کی ساخت کو بہتر بناتا ہے اور بالوں کی نشوونما میں اضافے کا حامل بھی سمجھا جاتا ہے۔ ناریل کے تیل کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ یہ تیل جھڑنے والے بالوں کو مضبوط کرتا ہے اور بال کم ہی عرصے میں لمبے اور خوب صورت نظر آنے لگتے ہیں۔ بال ملائم اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔ ناریل کے تیل کی خوشگوار خوشبو زندگی کا احساس پیدا کرتی ہے۔ مزید بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے ناریل کے تیل میں چند قطرے زیتون کے تیل اور لیموں کے رس کے چند قطرے بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ بالوں میں چمک پیدا کرتا ہے۔

ناریل کا تیل اکثر ممالک میں کھانا پکانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں ناریل کا تیل عموماً" سر کی مالش کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔ یہ گرتے بالوں کو روکتا ہے' سر درد کا خاتمہ کرتا ہے اور بے خوابی کے مرض میں افاقہ کرتا ہے۔

بادام کا تیل

روغن بادام کی دو اقسام ہیں۔

روغن بادام شیریں اور روغن بادام تلخ۔ روغن بادام میں گوشت اور مچھلی سے زیادہ پروٹین اور دودھ' دہی سے زیادہ مقدار میں کیلشیم و حیاتین پائے جاتے ہیں۔ اس لیے روغن بادام کو دماغی صحت اور یادداشت بڑھانے کے لیے کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔

بادام کا تیل بالوں کے مساج کے لیے بہت مفید ہے لیکن چونکہ یہ تاثیر میں قدرے گرم ہوتا ہے اس لیے سرد موسم میں ہی استعمال کیا جانا چاہیے۔ گرم موسم میں اس کا استعمال نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ بادام کا تیل بہت ہی زیادہ خشک بالوں کے لیے بہت مفید ہے یہ بالوں کو خشکی سے پاک کرتا ہے۔ یہ دماغ کو تقویت دیتا ہے۔

روغن بادام تلخ چہرے کے داغ دھبے ختم کرنے کی تاثیر رکھتا ہے۔ روغن بادام کا چہرے کا رنگ نکھارنے' داد' جھائیاں' داغ دھبے دور کرنے کے لیے چہرے پر مساج کرتے ہیں۔

سیکاکائی کا تیل

آملہ' ریٹھا اور سیکاکائی کا تیل خاص طور پر قبل از وقت سفید ہونے والے بالوں کے لیے بہت مفید ہے۔ سیکاکائی کا تیل بالوں کی جڑیں مضبوط کرتا ہے اور بال گرنا بند ہو جاتے ہیں' خاص طور پر کمزور بالوں کے لیے یہ بہت کارآمد سمجھا جاتا ہے۔ اس تیل کے مسلسل استعمال سے بال ادھیڑ عمری میں بھی بالکل سیاہ' گھنے اور چمکدار نظر آتے ہیں ان خصوصیات کے باعث یہ تیل خواتین و حضرات میں ہمیشہ سے بہت مقبول رہا ہے۔

سیکاکائی کا تیل بالوں اور سر کے امراض میں موزوں و مفید ہے۔ اس سے بال نرم و ملائم ہوتے ہیں۔

ارنڈی کا تیل

ارنڈی کا تیل یا کیسٹر آئل بھی خاصا مقبول ہے۔ یہ بالوں کو سیاہ کرنے کی خصوصیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تیل سفید بالوں کو سیاہ نہیں کرتا لیکن یہ اس صورت میں آپ کے بالوں کی سیاہی کو بحال کرتا ہے' جب آپ کے بال بہت زیادہ سورج کی تیز روشنی کا سامنا کرنے کے باعث براؤن ہو جاتے ہیں۔ یہ تیل بالوں کو پہنچنے والے کسی نقصان کے ازالے کے لیے بھی مفید ہے۔

متواتر استعمال سے سر کی دائمی خشکی دور ہوتی ہے' پلکوں اور بھنوؤں پر لگانے سے پلکیں گھنی اور خوب صورت ہوتی ہیں۔ دودھ میں ملا کر پینے سے دائمی قبض

دور ہوتا ہے۔ رات سونے سے پہلے ارنڈی کا تیل چہرے' ہاتھوں اور پیروں پر لگانے سے جلد نرم و ملائم ہوتی ہے۔

آملہ کا تیل

آملہ کا تیل خصوصاً" بالوں کی رنگت قائم رکھنے کے لیے سب سے زیادہ مفید ہے۔ یہ سفید بالوں کو بھی سیاہ کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ یہ ایک قدرتی دوا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے آملے کے تیل کا مسلسل استعمال مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس تیل کا مساج بالوں کی جڑوں کو مضبوط بناتا ہے۔ ہر عمر کی خواتین آملہ کے مسلسل استعمال کے ذریعے بالوں کی سیاہی قدرتی طور پر قائم رکھ سکتی ہیں۔

بالوں کی سیاہی قائم رکھنے کا ایک عام نسخہ یہ ہے کہ آملہ' ریٹھا اور سیکاکائی ہم وزن لے کر رات بھر کے لیے پانی میں بھگو دیں اور صبح اسی پانی سے بال دھوئیں تو بالوں میں اتنی چمک و سیاہی آجاتی ہے جو کسی قیمتی شیمپو سے بھی ممکن نہیں۔

گرتے ہوئے بالوں کی افزائش بڑھانے کے لیے آملہ کا تیل صدیوں سے مختلف انداز میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ قدرتی طریقے سے کشید کیے جانے کے باعث آملہ کا تیل بالوں کی جڑوں تک پہنچ کر بالوں کو طاقت و توانائی بخشتا ہے۔ خشکی و سکری اور گنج پن دور کرتا ہے۔ اسی لیے یہ تیل صدیوں سے بالوں کو گھنا' سیاہ اور چمکدار کرنے کے لیے خواتین میں بے حد مقبول ہے۔

دوشاخہ بالوں کے لیے

مختلف تیلوں کو دیگر کئی اجزا کے ساتھ مکس کر کے بھی بالوں میں لگایا جاسکتا ہے۔ دوشاخہ اور خشک بالوں کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے۔ اس لیے سب سے پہلے تو یہ کریں کہ آپ بالوں کی نوکیں کاٹ دیں بلکہ جہاں تک بال دوشاخہ ہیں وہاں تک انہیں کاٹ دیں۔ ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ خالص ناریل یا بادام کا تیل گرم کر کے اپنے بالوں اور سر کی جلد پر لگائیں۔ پھر ایک تولیے کو گرم پانی میں بھگو کر اسے نچوڑ لیں اور اس گرم تولیے کو اپنے سر کے چاروں طرف ایک پگڑی کی طرح لپیٹ لیں۔ اسے پانچ منٹ تک لپیٹے رکھیں' گرم تولیے کو لپیٹنے کے عمل کو تین سے چار مرتبہ دہرائیں۔

بال دراصل مسام دار ہوتے ہیں اور اس سے بالوں اور سر کی جلد میں تیل اچھی طرح جذب ہونے میں مدد ملتی ہے۔ تیل کو ساری رات لگا رہنے دیں اور اگلے دن صبح اپنے بال دھولیں۔ دوشاخہ' خشک اور کمزور روکھے بالوں کے لیے یہ نسخہ استعمال کریں' دو کھانے کے چمچے شہد لیں' ایک کھانے کا چمچہ مل کا تیل اور ایک انڈے کی زردی لے کر انہیں اچھی طرح مکس کریں اور اپنے بالوں اور سر کی جلد میں لگائیں۔ اس کے بعد پلاسٹک کا شاور کیپ پہننا مناسب ہوگا۔ اپنے بالوں کو ڈیڑھ گھنٹے کے بعد دھولیں۔

چکنے بالوں اور خشکی کے لیے خالص ناریل کا تیل اور خالص زیتون کا تیل گرم کر کے رات کے وقت روئی کی مدد سے اپنے سر کی جلد پر لگائیں پھر نرمی سے مساج کریں اس سے خشکی دور ہوتی ہے۔ تیل کو ساری رات لگا رہنے دیں اگلی صبح اپنے سر کی جلد پر لیموں کا رس لگائیں اور ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اپنے بال دھولیں۔

آملہ اور میتھی کے بیجوں کو ہم وزن لے کر موٹا موٹا پیس لیں۔ انہیں سولی لیٹر خالص ناریل کے تیل میں شامل کردیں پھر ان تمام اجزا کو ایک شیشے کے جار میں ڈال کر مضبوطی سے ڈھکن لگادیں۔ اس جار کو پندرہ دن تک روزانہ دھوپ میں رکھیں۔ اس دوران اسے اچھی طرح ہلاتے رہیں تاکہ اجزا اچھی طرح مکس ہو جائیں۔ پندرہ دن کے بعد تیل کو ایک صاف ململ کے کپڑے کی مدد سے چھان لیں اور تیل کو شیشے کے جار میں رکھ لیں۔ یہ تیل خشکی سے نجات حاصل کرنے کے لیے تیر بہدف نسخہ ثابت ہوسکتا ہے۔

☼ ☼

www.pkdigest.com

محمود بارفیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ ۱۹۷۵ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

جہاں پناہ

حنا جمیل احمد ــــ کراچی

س : "اوئے ذوالقرنین! جلدی سے اپنا صحیح نام، صحیح گھر اور صحیح تعلیم بتاؤ ورنہ؟"

ج : "ورنہ آپ میرا موڈ مزید خراب کردیں گی۔"

عذرا مغل ــــ پتوکی

س : "ذوالقرنین بھیا! آپ نے جتنا عرصہ کرن سے علیحدہ ہو کر گزارا بتائیے کیسا گزرا؟ اپنی بہنیں یاد نہیں آتی تھیں کیا؟"

ج : "جانے والوں کو بی بی بس کچھ عرصہ کے لیے یاد کیا جاتا ہے، جتنا آپ نے یاد کیا اتنا شاید میں نے نہیں۔"

فوزیہ جمیل ــــ کراچی

س : "جناب ذوالقرنین صاحب! غیر حاضری کی وجہ بتائیں گے؟"

ج : "دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟"

پاکیزہ رزاق ــــ ٹنڈالہ یار

س : "بھائی جان! دیکھیے آپ کو بہنوں کی محبت کھینچ لائی۔ اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کو کچھ افسوس ہوا تھا اتنی بہت سی بہنوں کو چھوڑنے کا؟"

ج : "کسی قدر۔"

افشاں پروین ــــ جامعہ کراچی

س : "بھیا جی! کرن سے دور ہو کر عید کیسی گزری نیز دوبارہ بہنوں کے درمیان آکر کیا محسوس کر رہے ہو؟"

ج : "عید ٹھیک گزری اور ابھی کچھ اجنبی سا پا رہا ہوں خود کو۔"

سیما جمیل احمد ــــ کراچی

س : "وہ آئے ہمارے رسالے میں خدا کی قدرت کبھی ہم ان کو کبھی اپنے رسالے کو دیکھتے ہیں؟"

ج : "آپ ایسا کریں صرف رسالہ دیکھیں۔"

نزہت سحر ــــ کراچی

س : "میں خدا لکھتی رہی وہ جدا پڑھتے رہے
ایک نقطے نے مجھے محرم سے مجرم کر دیا"

ج : "بی بی! یہ بتلائیں اس میں ذوالقرنین کا کتنا قصور ہے؟"

لبنیٰ عنایت ــــ پشاور

س : "آپ تو اس شعر کی تعبیر بن گئے۔
شاید مجھے نکال کر پچھتا رہے ہوں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آگیا ہوں میں
ہیں نا؟"

ج : "جو آپ کی مرضی میں آئے سمجھتی رہیے۔"

ہاجرہ ــــ اسلام آباد

س : "نین بھیا جی! جب ہم نے یہ پڑھا کہ آپ کرن میں دوبارہ آرہے ہیں تو یقین کریں خوشی کے مارے پلنگ سے نیچے گر پڑے۔ پہلے تو خوشی کا دھماکا ہوا تھا لیکن اب آپ بتائیے کہ پھر کیا ہوا؟"

ج : "پھر آپ ہفتہ بھر تک اسی پلنگ پر پڑی رہیں۔"

نسرین کنول ــــ کراچی

س : "سچ سچ بتانا ذوالقرنین! اس محفل سے جاتے ہوئے کہیں یہ مصرعہ تو یاد نہیں آگیا تھا؟"

بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

ج : "فضول باتوں پر دھیان دینا ہماری عادت نہیں۔"

نشی ــــ کراچی

س : "سچ بتائیے گا کہ آپ کا خون کتنا بڑھا۔ ہماری محفل میں واپس آنے پر۔ تھوڑا سا بلڈ بینک میں عطیہ کر دیں؟"

ج : "پھر میں کس سے خون کا عطیہ مانگنے جاؤں گا۔"

مسرت روحی ــــ کراچی

س : "پیارے بھیا ذوالقرنین! آپ کہاں چلے گئے تھے سچی آپ کے بغیر تو رسالہ کا مزا ہی نہیں آتا تھا؟ اب تو کہیں نہیں جائیں گے ناں؟"

ج : "نانا اچھے بچے نہیں روتے۔"

جمیلہ طفیل ــــ کراچی

س : "کرن میں دوبارہ آمد ناول کے ذریعے ہوئی ہے کیا؟"

ج : "لوگوں کا خیال یہی ہے۔"

شاہانہ انصاری ــــ کراچی

س : "نین جی! سچ سچ بتانا دوبارہ کرن میں آنے کے لیے ایڈیٹر صاحب کو کتنی رشوت دی تھی؟"

ج : "رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔"

فائزہ یعقوب ــــ لاہور

س : "اجی ذوالقرنین بھیا! یہ آپ کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی تھی جو چپکے سے ہی اپنی محفل کو اللہ حافظ کہہ دیا؟"

ج : "سوجھی نہیں تھی بلکہ کچھ بیلوں کے خطوط پر نکال دیے گئے تھے۔"

روبینہ شاہین ــــ گجرات

س : "ہمیشہ خواب حقیقت سے ٹکرا کر چکنا چور ہو

جاتے ہیں پھر لوگ خواب کیوں دیکھتے ہیں؟"

ج : "اس لیے کہ خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔"

یاسمین مرزا ــــ سکھر

س : "ذوالقرنین بھیا! آپ ہم سب بہنوں کی دعاؤں سے دوبارہ آگئے۔ اگر نہ آتے تو کہاں مارے مارے پھرتے؟"

ج : "جہاں دو ماہ سے آرام سے بیٹھا تھا۔"

بینا غزل ــــ اسلام آباد

س : "بھائی ذوالقرنین صاحب! یہ تو بتاتے جائیں کہ جب اس بزم میں آپ نے ہم بہنوں سے چند ماہ ملاقات نہ کی تو کیسا محسوس ہوا؟"

ج : "سکون، جیسے کاندھے پر سے کوئی بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔"

غیور فاطمہ ــــ کراچی

س : "اے مسٹر پہلے تو محفل میں دوبارہ آنے کی مبارکباد قبول کرو اور پھر شکریہ کی ہماری دعاؤں کی بدولت تم محفل میں نظر آرہے ہو؟"

ج : "جی آپ کا بھی شکریہ۔"

www.pkdigest.com

شاہدہ رحمٰن مغل ـــ بہاول پور

س : "لڑکیوں کو تو بی بی کہا جاتا ہے مگر لڑکوں کو بیبا کیوں نہیں کہتے؟"

ج : "پنجابی میں لڑکے کو بیبا کہا جائے تو بہت سوہنا لگتا ہے۔"

صالحہ رحمان مغل ـــ بہاولپور

س : "آج کل کے نوجوان 'نوجوان بہنوں پر آوازیں کیوں کستے ہیں؟"

ج : "ناتو آپ کے خیال میں معمر بہنوں پر آوازیں کسیں۔"

مہرنگار خان ـــ کراچی

س : "فریدہ خان نے تو صرف شیروانی پر ٹرخا دیا۔ مزید خدمت کے لیے ہم تیار ہیں۔ جی چاہے رنگین بنوائیے' جی چاہے سفید' کیوں اب ٹھیک ہے نا؟"

ج : "تم مجھے کچھ سلگتی لگتی ہو۔"

یاسمین طاہر انصاری ـــ گوجرانوالہ

س : "اگر آپ کو اپنی شادی میں بلاؤں تو کون سا تحفہ لے کر آئیں گے؟"

ج : "بے شرم کہیں کی' مشرقی لڑکی ہو کر اپنی شادی کی بات کرتی ہو۔"

نوشین ناز ـــ شکارپور

س : "آپ کو عید پر کس کی یاد آئی؟"

ج : "صرف اپنے بھائی جان ابن انشاء کی۔"

روبینہ شاہین ـــ میرپور خاص

س : "جب یاد تمہاری آتی ہے سنسان اکیلی راتوں میں' دل خون کے آنسو روتا ہے ساون بھری برساتوں میں؟"

ج : "ناتو صرف میری یاد کیوں آتی ہے۔ سنسان اکیلی راتوں میں۔"

س : "نین جی! مرد چاہے کالا ہی کیوں نہ ہو' ماں ان کی چاند سی بہو ہی ڈھونڈیں گی۔ آخر وجہ؟"

ج : "چاند میں داغ جو ہوتا ہے۔"

س : "لوگ تنہا پیدا ہوتے ہیں اور تنہا مر کر چلے جاتے ہیں۔ لیکن ہم سفر کی ضرورت کیوں محسوس کرتے ہیں؟"

ج : "پیدا ہونے سے مرنے تک کسی ساتھی کی ضرورت تو ہوتی ہی ہے نا۔"

عاصمہ نازلی ـــ راولپنڈی

س : "ابے او نیتو! اپنی تلوار مار کر مونچھوں کو ذرا چھوٹا کرا لو ورنہ لیفٹیے بدمعاش کا پتا ہے نا؟"

ج : "اس کی کون سی اپنی اصلی ہیں۔"

س : "نفی! آج کل تم کچھ کچھ وہ ہوتے جا رہے ہو؟"

ج : "اچھا ـــ؟"

فریدہ خان ـــ کراچی

س : "آپ اپنی شادی میں مجھے ضرور بلائیے گا۔ مجھے شیروانی بہت اچھی لگتی آتی ہے۔ آپ کی شادی میں بھی آپ کی شیروانی سی دوں گی بلا معاوضہ؟"

ج : "صرف شیروانی پر ہی ٹرخا دو گی۔"

س : "آپ کا کوئی آئیڈیل ہے۔ اگر ہے تو کیا آپ کو مل گیا؟"

ج : "ذرا سوچنا پڑے گا۔"

صفیہ خانم ـــ ملکوال

س : "حساس دلوں کے نازک آئینے پر زبان کی تلوار سے چوٹ کرنے والے پر کون سا قانون لاگو ہوتا ہے؟"

ج : "تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ سیدھا سادا سوال نہیں کر سکتیں۔"

☼ ☼

www.pkdigest.com

مدیرہ

خالی ہے میرے نام

نازیہ جمال ـــ وہوا

دھیمے رنگوں سے سجا ہلکا پھلکا ٹائٹل' آنکھوں کو بہت بھلا لگا حسب عادت حمد و نعت سے قلب و ذہن کو منور کرنے کے بعد انٹرویوز میں جھانکا۔ "صدف اور عمیر لغاری" کا کپل زبردست لگا۔

اوہ نو ربا! خطوط کی محفل میں تلاش بسیار کے باوجود بھی اپنا انتہائی چاہت اور توجہ سے لکھا خط نہ پا کر دل کی جو حالت ہوئی' بیان سے باہر ہے۔ مارے غصے کے تین دن تک کرن کو ہاتھ نہ لگانے کا خود سے عہد کیا ـــ مگر برا ہو اس غصے کا' مجال ہے جو کبھی آدھے گھنٹے سے زیادہ ٹکا ہو۔ کرن سے زیادہ دور رہنا اپنے بس کی بات نہیں ہے نا!

"دست کوزہ گر" کی یہ قسط کافی "ماٹھی" رہی۔ خاص مزا نہیں آیا پڑھتے ہوئے۔ انتہائی بیوقوف معاملے میں زوبیہ کے والدین کا کھوردیہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ انتہائی آف موڈ کے ساتھ شگفتہ بھٹی کے "گوشہ عافیت" میں پناہ لی۔ عصمہ کی کم عقلی پر بہت افسوس ہوا۔ والدین کے ارمانوں کا خون کر کے ان کی خواہشوں کی قبر پر اپنی خوشیوں کا محل تعمیر کرنے والی لڑکیاں یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ چاند تارے توڑ کر لانے کے وعدے اربعد میں سنگ باری کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ وجیہہ وہ حشر کرے عصمہ کا کہ آئندہ کوئی بھی لڑکی اپنا گوشہ عافیت چھوڑنے سے پہلے ہزار بار ضرور سوچے۔

"طلوع سحر ہے شام محبت" کی قسط کافی مختصر رہی عنود اتنی جلدی زبان کی محبت میں گرفتار ہو جائے گی۔ یقین نہیں آیا۔ مجھے لگتا ہے عبدالباری کو زبان کا روپ دینے میں درمکنون کا ہی ہاتھ ہے۔ خیر جب تک بلی تھیلے سے باہر نہیں آجاتی کچھ کہہ نہیں سکتے۔

"تیری واپسی" نے کوئی خاص متاثر نہیں کیا۔ ماہ نور کی تعریفوں سے لے کر کہانی ماہ نور کی تعریفوں پہ ہی ختم ہوئی۔ "چار سو روپے" میں سعدیہ غزل نے گھروں میں کام کرنے والی ہر عورت کے جذبات و احساسات کی بہت اچھے طریقے سے تصویر کشی کی "محبت معتبر میری" میں ثمرہ اور صائم کا ملن اچھا لگا۔ بہت ہلکی پھلکی تحریر تھی لمبی جدوں کو فرصت سے پڑھوں گی۔

سروے میں جتنے شوخ' چلبلے اور مزے دار جوابات کی توقع کر رہے تھے ویسے تھے نہیں۔ صرف انیقہ انا اور رابعہ اسلم کے جوابات اچھے لگے۔ باقی سب نے تو "محبت" کے ٹاپک پر مضمون لکھ دیے ہیں۔

میں نے پچھلے خط میں بھی پوچھا تھا (جو نجانے کیوں نہیں چھپا) کہ میں دو عدد افسانے بھیج چکی ہوں۔ کیا وہ کرن کے معیار کے مطابق ہیں یا نہیں پلیز بتائیے گا اور یہ بھی کہ کرن میں چھپنے والی کہانیوں کا اعزازیہ ملتا ہے یا نہیں؟ جواب ضرور دیجیے گا۔ کرن کے لیے بہت سی دعائیں۔

ظل ہما ـــ فیصل آباد

ایک بار پھر کرن کی کرنیں بکھیرتی محفل میں حاضر ہیں۔ کرن خلاف توقع نو تاریخ کو دستیاب ہوا تو خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ سب سے پہلے ٹاپ جیلانی کے پاس پہنچے مگر آخری قسط نہ پا کر زبردست قسم کا غصہ آیا پلیز جلدی سے اس کا اختتام کر دیں اور زیان کا راز ضرور کھولیے گا۔ اس کے بعد "خواب خواہش اور زندگی" پڑھا۔ پڑھ کر مزا آیا مگر یہ حقیقت دردناک تھی کہ راحت بیگم ہی اپنے شوہر کے مرنے کا باعث بنیں۔ عظیم شاہ کو اس کے کیے کی سزا ضرور ملے اور سعدیہ کو منیر کمال کے شکنجے سے نکال دیں۔ خدیجہ یقیناً "کشف الہ اور خولہ کا کزن ہے۔ خولہ کا بیچ خدیجہ کے ساتھ ہی کیچر گا۔

"دست کوزہ گر" بڑھ رہا ابھی محفوظ ہے۔ بشریٰ احمد کا افسانہ بہت زبردست رہا۔ انیلا کرن کا ناول بھی اچھا تھا۔ سعدیہ غزل کا افسانہ بھی بہت بہت اچھا تھا ایک چھوٹا سا نکتہ مگر حساس دلوں کے لیے سانحہ ہوتا ہے قطعی شبیر کا

ناول بھی ہلکا پھلکا انداز لیے اچھا لگا۔ "لاحاصل" ایک سبق آموز افسانہ تھا واقعی لڑکیاں خود ہی اپنی تباہی یا آبادی کا باعث بنتی ہیں۔ وہ ماں باپ کی عزت فخر اور مان ہوتی ہیں اگر وہ درست راستے پر رہیں تو "لبنیٰ جدون" کا ناول بھی زبردست تھا۔

"گوشۂ عافیت" پر تبصرہ اس کے مکمل ہونے کے بعد کریں گے۔ پلیز "دو کا پہاڑہ" میں کرکٹرز کے انٹرویز بھی کریں اور اکمل برادران کا انٹرویو دیں پلیز۔ تمام سلسلے بھی حسب معمول نہایت خوب صورت رہے۔

میں ایک افسانہ "محبت ہار جائے تو" بھجوا رہی ہوں پلیز ضرور بتا دیجیے کہ قابل اشاعت ہے یا نہیں؟

میرا خیال ہے کہ اب تک کے لیے اتنا کافی ہے۔ ارے چھ جون کو ام کلثوم اور اٹھائیس جون کو رقیہ کی سالگرہ ہے بہت بہت مبارک ہو۔ پلیز یہ میسج ضرور شائع کر دیجیے گا۔ اب اجازت دیجیے۔ اللہ حافظ

رابعہ اسلم ـــ رحیم یار خان

ٹائٹل بہت پسند آیا ماڈل کا میک اپ زبردست تھا۔ ماڈل بھی پیاری تھی محمود ریاض صاحب کے لیے دعا کی' قارئین سے سروے میں تقریباً" سب کا انداز ایک جیسا تھا۔ "سیدہ نسبت گیلانی" کا جواب لاجواب تھا۔ انیقہ انا بھی خوب لکھتی ہیں۔ ویل اب تنقید و تعریف کی طرف چلتے ہیں۔

فوزیہ یاسمین کا ناول اچھا لگ رہا ہے۔ مگر ابھی چونکہ اسٹارٹ ہے سو کہانی کچھ واضح نہیں ہو رہی۔ بشریٰ احمد کی تحریر بہت اچھی لگی۔ بڑی دلچسپ اور اختتام پڑھ کر تو مزا ہی آگیا۔ ویسے ساس اپنے دور میں اپنے شوہر کے ساتھ گھوم پھر کر کھانے کے اپنا ٹائم گزار کر بہوؤں کی باری آنے تک کفایت شعار بن جاتی ہیں اور بعد میں بہو اور بیٹا فضول خرچ محسوس ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ہے کہ ساس سے بدتمیزی نہیں کرنی چاہیے۔

انیلا کرن کا مکمل ناول واقعی ہر طرح سے مکمل اور پرفیکٹ تھا ہر اندھیری رات کے بعد صبح کا اجالا ضرور آتا ہے سو ماہ نور کا کردار ہی دراصل اجالا تھا۔ سعدیہ غزل کی کاوش "چار سو روپے" بھی لاجواب رہی عظمیٰ شبیر کا ناولٹ بھی اچھا لگا۔ لبنیٰ جدون کی تحریر بھی کافی منفرد اور اچھی لگی شگفتہ بھٹی کا ناولٹ اچھا جا رہا ہے۔ وجیہہ یقیناً" عصمہ کو جھکا دے گا۔ حیرت کی بات ہے عصمہ ماں باپ کو چھوڑ کر چلی گئی اور خوش تھی۔

تمام تحریریں اچھی لگیں مگر رائٹرز سے گزارش ہے کہ اتنے عجیب و غریب نام رکھ کر کہانی کو حقیقت سے دور مت کر دیا کریں۔ بہرحال جی مجموعی طور پر سارا رسالہ اچھا لگا۔ اجازت دیں۔

سونیا ربانی ـــ قاضیاں محلہ بالا

مئی کا ٹائٹل بہت اچھا لگا۔ انٹرویو ابھی پڑھے نہیں کل ہی کرن ملا ہے۔ سروے کے جواب پڑھ کر بہت مزا آیا۔ مجھے اور رضی کو رابعہ جی کا انداز بہت اچھا لگتا ہے۔ ناول میں "دستِ کوزہ گر" اعلا جا رہا ہے مجھے اس میں تمل کا نام اور کردار دونوں بہت پسند ہیں۔ یہ حقیقت ہے جو کچھ زوبیہ کے ساتھ ہو رہا ہے ایسا ہوتا ہے۔ افسانوں میں بشریٰ احمد کا افسانہ اچھا لگا۔ بلکہ یوں لگا کہ جیسے کہ ہمارے خاندان کی کہانی لکھی ہے۔ سعدیہ غزل نے تو کمال ہی کر ڈالا۔ اللہ نے دل تو سب کا ایک سا بنایا ہے نا۔ خواہش تو خاموشی سے دل میں جگہ بنا لیتی ہے۔ ناولٹ میں "محبت معتبر میری" عظمیٰ آپی نے پیارا لکھا اینڈ اچھا تھا شکر ہے ثمرہ کے ابو کو سچ پتا چل گیا۔ یوں صائم کو اس کی محبت مل گئی مکمل ناول میں انیلا جی کا ناول ابھی پڑھنا شروع کیا ہے۔

"کرن کرن خوشبو" میں سب کا انتخاب اچھا تھا خاص کر ثانیہ کا "یادوں کے دریچے سے" میں نوشین گیلانی ہمیشہ کی طرح چھا گئیں اور اشعار سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ مجھے نواب زادی سونگی سے ایک سوال پوچھنا ہے۔

پیاری نواب زادی سونگی آپ کا نام اتنا لمبا ہے آپ کی شاعری کی کتاب کب آ رہی ہے اور اس کا عنوان کیا ہے۔ پلیز ضرور بتائیے مجھے شدت سے انتظار رہے گا۔ اب اجازت دیں۔

فوزیہ ثمرہٹ ـــ گجرات

کرن سترہ کو ملا' ذرا بھی ٹائٹل پسند نہیں آیا نہ کوئی جیولری نہ ڈریس نہ بیک گراؤنڈ۔ ایسی ہی ماڈل کو سوتے میں جگا کر بٹھا دیا ہے۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا۔ "محمود

ریاض صاحب" کو اللہ پاک اپنے ہاں بلند درجات میں رکھے۔ حمد باری تعالیٰ' نعت رسول مقبولؐ ہمیشہ کی طرح لاثانی تھے جنہیں پڑھ کر دلی سکون ملتا ہے "یہ کیسی رت ہے" سعدیہ عزیز بہت اچھے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سچ ہے خوب سیرت لوگ کبھی نہیں مرتے۔ وہ ہمیشہ کسی اچھی یاد کی صورت دلوں میں کہیں رقم ہو جاتے ہیں۔

انٹرویوز ہمیشہ کی طرح بس سوسوی رہے وہ ہی جملے' وہی چہرے سامنے آ رہے ہیں۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے۔ یہاں پر آ کر کرن یکسانیت کا شکار ہو رہا ہے۔

"ایک سوال" رابعہ سلیم' انیقہ انا کے جوابات ملتے جلتے تھے۔ ویسے بہت مزا آیا ان سب کے خیالات پڑھ کر اگر یہ عظیم ہستیاں خود بھی پڑھ لیں۔ تو توبہ توبہ کرلیں۔ کہ شکر ہے ہمارا ملن نہیں ہوا ورنہ اکیسویں صدی میں ہمارا کیا حشر ہوتا۔

افسانوں میں مجھے سب سے اچھا بشریٰ احمد کا "ایسا بھی ہوتا ہے" سوچنے کی بات ہے۔ ہم اپنی نئی نسل کو ورثہ میں کیا دے رہے ہیں۔ آپ کے ہر چھوٹے بڑے عمل چاہے وہ اچھا ہے یا برا اس کے نتائج کی آپ پر بھی ذمہ داری آتی ہیں۔ پلیز اپنے ذاتی مفاد کے لیے ان چھوٹے چھوٹے ذہنوں کو زنگ آلود مت کریں۔

مکمل ناول "تیری واپسی ہو اگر" انیلا کرن بہت اچھا لکھتی ہیں مگر معذرت کے ساتھ ان کا یہ ناول کچھ خاص متاثر نہ کر سکا۔

عظمیٰ شبیر شاید نئی ہیں۔ ان کے ناولٹ "محبت معتبر میری" میں' جب ثمرہ نے فواد نے بدتمیزی کی تو اس نے گھر والوں کو کیوں نہیں بتایا۔ یہ لڑکیوں کی بے وقوفی ہوتی ہے۔ اسے اپنی ماں کو اعتماد میں لے کر سب کچھ کہہ دینا چاہیے تھا۔ بس یہ کہانی بھی کوئی خاص متاثر نہ کر سکی۔ بس یہ دل اور اچھا اور اچھا مانگتا ہے۔ "لاحاصل" بھی کچھ خاص نہ تھا۔ اب بندہ پوچھے کہانی کے ہیرو سے تم پڑھے لکھے تھے سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے انتقام لینے چلے تھے۔ اب ضروری تو نہیں ہر لڑکی زارا ہو۔ لبنیٰ جدون کا ناول "یہ راستے ہیں دشوار" اچھا تھا۔ ماں باپ اولاد کی بڑی سے بڑی خطا کو معاف کر دیتے ہیں' تو کیا کبھی اولاد نہیں ایسا کر سکتی۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ والدین معاف کر دیتے ہیں۔ تو کیا ماں باپ سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا ہے تو کیا وہ معافی کے حق دار نہیں ہیں۔

نایاب جیلانی کا ناول "طلوع سحر ہے شام محبت" بہت اچھا جا رہا ہے۔ زیان ورمکنون ـــ زرویہ سب ایک ہی مالا کے موتی لگ رہے ہیں۔ پلیز آئندہ ایک دو قسط میں ان سب کے کردار کھل کر سامنے لائیں۔ تو کہانی کا سر پیر معلوم ہو۔ زیان اتنا غصیلا ہونے کے باوجود اتنا رومینٹک کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگ بہت اسٹرونگ ہوتے ہیں۔ شگفتہ بھٹی کا "گوشۂ عافیت" عصمہ نے یہ کیا کر دیا۔ اتنی فرمانبردار لڑکی سے ایسی توقع نہیں تھی۔ کیا پیرزادہ خاندان سے عصمہ کے والدین کا کوئی تعلق ہے۔ کیا عصمہ نے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا ہے۔

مستقل سلسلے کچھ خاص متاثر نہ کر سکے۔ ڈائری میں نوشین اقبال کی غزل پسند آئی۔ شاعری میں امبر اسلم اور یاسمین کی شاعری پسند آئی اور خود اپنا شعر تو بہت پسند ہے مجھے "نامے میرے نام" میں تمام تبصرے اچھے تھے۔ اچھا خوش رہیں گرمی انجوائے کریں اور دعاؤں میں یاد رکھیں۔

عطیہ شیرازی ـــ منڈی ڈھابال سنگھ

مئی کا شمارہ اس دفعہ کافی لیٹ موصول ہوا۔ شاید ڈھابال سنگھ' کراچی سے کافی دور ہے مگر کوئی بات نہیں انسان کو دل سے دور نہیں ہونا چاہیے۔

وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ماہ تفصیل کے ساتھ حاضری دوں گی کیونکہ پچھلے ماہ کچھ مصروفیات کی بنا پر ادھوری حاضری لگوائی تھی۔ ٹائٹل بہت پسند آیا کیونکہ اتنی گرمی میں ماڈل کی سادگی اور ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ ٹھنڈک کا احساس دلا رہی تھی جو کہ ماڈل کے چہرے سے نمایاں ہو رہی تھی۔

سب سے پہلے تو ـــ کرن کے نگران اعلیٰ جناب محترم محمود ریاض صاحب کی اسی ماہ بڑی تھی ان کے لیے خصوصی دعا ـــ کی اور ان کی بہت یاد بھی آئی کیونکہ وہ شخصیت ہمارے سب پڑھنے والوں کی دلوں کے دھڑکن کی طرح تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے کہ دل ان کی موت کو کبھی تسلیم نہیں کرتا۔ وہ اب بھی ہمارے درمیان کرن کی صورت میں موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ دعا گو ہوں اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے۔ ان کی یاد میں ایک شعر

وہ سمجھتا ہے میں ہر چہرے کا طلبگار ہوں' محسن

www.pkdigest.com

میں دیکھتا سبھی کو ہوں اس کی تلاش میں
سلسلہ "ایک سوال" پڑھ کر دل کو بہت اچھا لگا سبھی نے جوابات اچھے لکھے ہیں۔

"دستِ کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا اچھا جا رہا ہے۔

رابعہ رزاق کا "خواب، خواہش اور زندگی" بھی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے کافی طویل ہوتا جا رہا ہے۔

نایاب جیلانی کا "طلوعِ سحر ہے شامِ محبت" بہت ہی اچھا جا رہا ہے زردہ کے الفاظ جو وہ اپنی بہنا کے لیے کہتی ہے کافی نصیحت آموز تھے۔ نایاب جیلانی سے گزارش ہے کہ عنوہ کے معنی کیا ہیں وہ ضرور بتائیں۔

فائزہ ناز کا افسانہ "لاحاصل" کافی سبق آموز تحریر تھی اور نئی نسل کے لیے ایک اچھا پیغام بھی۔ ڈرائے بروقت فیصلہ کر کے اپنے اور گھر کی عزت کا تحفظ کیا اور وصی کی جھوٹی محبت کو شکست دی۔ کیونکہ محبت پاکیزہ ہوتی ہے شاید وصی کو اپنے کیے کی سزا ملی؟

سعدیہ غزل کا افسانہ "چار سو روپے" خوب صورتی واقعی انسان کے اندر ہوتی ہے بس دیکھنے والے کی نظر ہونی چاہیے۔ بانو کے الفاظ رمضان کے لیے کہ حسرت کو اپنی محبت کے لیے قربان ہو جانا چاہیے بہت جاندار تحریر تھی پڑھ کر کافی متاثر ہوئی۔

لبنیٰ جبدون کا مکمل ناول "یہ راستے ہیں دشوار" کافی اچھا لکھا تھا ایک بہنا اپنی بھائی کی خوشی کے لیے کتنی جدوجہد کرتی ہے۔ مگر طارق کے کردار نے تھوڑا سا مایوس بھی کیا شاید اس کے ماضی نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ مگر میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتی کہ ماں اگر بدکردار ہو تو آنے والی نسلیں سزا بھگتتی ہیں سراسر غلط ہے کیونکہ قانون قدرت ہے اچھوں سے بروں بھی جنم لیتے ہیں اور بروں سے اچھے بھی جنم لیتے ہیں پیار تو پھر جانور کی طبیعت میں بھی نرمی پیدا کرتا ہے۔ خیرازی کا کردار کافی پاور فل تھا کسی کی زندگی میں خوشیاں لانا بھی ایک عبادت ہے باقی سبھی تحریریں اچھی تھیں۔ "یادوں کے دریچے سے" داغ دہلوی کی غزل ہو کہ شمائلہ کرن کی ڈائری سے تھی اچھی تھی۔

"کرن کرن خوشبو" میں سلطان کا انصاف پسند آیا۔ باقی ادارہ کی طرف سے "حسن و صحت" کی ٹپس ہمیشہ کی طرح اچھی ہوتی ہیں اور "مسکراتی کرنیں" دماغ کو فریش کر دیتی ہیں اور باتیں ذوالقرنین بھائی کی دل و دماغ کو معطر کر دیتی ہیں اور موڈ بھی فریش کر دیتی ہیں "کرن کا دسترخوان" مزے دار بنانے میں میرا کافی ساتھ دیتا ہے یوں کہہ لیں کہ کام کرن کا اور تعریف میری۔

اب اجازت دیں آئندہ دوبارہ حاضر ہوں گے نئے تبصرے کے ساتھ۔

مدثرہ رفیق ــــ ضلع جہلم

کرن سے وابستگی بہت پرانی نہیں لیکن شعاع اور خواتین کو ہوش سنبھالتے ہی گھر میں موجود پایا۔ میں نے فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی سے گرداری سائنس (Behaviour Sciences) میں ایم ایس سی کیا ہے۔

میرے آج کے خط کا مقصد کرن کے مئی کے شمارے میں شائع ہونے والا لبنیٰ جبدون کا مکمل ناول "یہ راستے ہیں دشوار" میں کچھ تکنیکی خامیوں کی نشاندہی ہے۔ میں نے اسے پڑھا اور مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ مصنفہ نے "شیزو فرینیا" پر تحقیق کیے بغیر یا کسی غیر مستند ذریعہ معلومات کی بنیاد پر اس موضوع پر قلم طرازی کی۔

شیزو فرینیا جسے اردو میں "انشقاقِ ذہنی" کہتے ہیں جس سے مراد ذہن کی توڑ پھوڑ ہے۔ اس مرض میں مبتلا افراد کا حقیقی دنیا سے تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے میرا سب سے بڑا اعتراض کہانی کے ڈاکٹر صاحب سے ہے جنہوں نے اس کو مکمل قابلِ علاج قرار دیا اور مریض کی شادی علاج کے طور پر تجویز کی۔

اس بیماری کے مریض کبھی بھی نارمل زندگی نہیں گزار سکتے۔ علاج سے بیماری کی علامات وقتی طور پر دب جاتی ہیں یا کم ہو جاتی ہیں لیکن زندگی میں کبھی بھی وہ شدید دباؤ کا شکار ہوں تو علامات واپس آ جاتی ہیں۔ ان مریضوں کی شادی اس لیے نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوتے۔ علامات میں جارحانہ کردار بھی ہے جس میں مریض دوسروں کو شدید نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ میرا دوسرا بڑا اعتراض یہ ہے کہ مصنفہ نے اسے ڈپریشن کی قسم قرار دیا ہے جبکہ شیزو فرینیا ڈپریشن کی قسم نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ شدید ڈپریشن میں سائیکوسس کی علامات آ جائیں یا شدید ڈپریشن کے بعد بیماری شیزو فرینیا میں تبدیل ہو جائے لیکن ڈپریشن Neurosis کی ایک قسم ہے اور شیزو فرینیا Psychosis ہے۔

شیزو فرینیا کا مرض عشق اور مشک کی طرح سے نہیں چھپ سکتا۔ علامات ایسی ہیں کہ اردگرد کے افراد فوراً متوجہ ہو جاتے ہیں۔ مریض مکمل طور پر معاشرے سے کٹ جاتا ہے وہ افراد سے رابطہ کرنے میں شدید ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ جبکہ کہانی میں مریض بہن اور اس کے بچوں کے ساتھ خوشگوار تعلق قائم رکھے ہوئے تھا۔ ایسے مریض مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ حقیقت سے رابطہ ختم ہو چکا ہوتا ہے اور خاص طور پر ان کے شکوک کے بارے میں آپ ان سے بات ہی نہیں کر سکتے قائل کرنا تو بہت ناممکن سی بات ہے۔

مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ذہنی امراض کے بارے میں آگاہی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہسپتالوں میں مریض اس وقت لائے جاتے ہیں جب وہ بیماری کے عروج پر ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کو بہت بری نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ذہنی مریض ہونا ایک شرم اور تذلیل کی علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ یہ امراض ایسے ہی ہیں جیسے جسمانی امراض ہوتے ہیں۔ ہمارے اردگرد کئی ذہنی مریض موجود ہیں جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیماری سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے ہم انہیں نارمل سمجھتے ہیں۔

آخر میں ایک تجویز ہے شیزو فرینیا پر بننے والی فلم The Beautiful mind ضرور دیکھیے۔ اس مرض کے متعلق فہم حاصل ہو گا۔ اپنے تحقیقاتی مقالے کی تحقیقات کے دوران مجھے پتا چلا کہ یہ لوگ بہت معصوم ہوتے ہیں۔ انہیں ہمارے پیار اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس خط کے توسط سے میری قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کریں کہ اللہ نے ہمیں مکمل ہوش مند انسان بنایا "اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

انیقہ رانا ــــ چکوال

اس بار کرن مئی کی تیرہ کو ملا تھا اور دو دن میں ماہ دولت نے سارا پڑھ لیا۔ سرورق اچھا لگا۔ کرن کتاب دیکھ کر دل چاہا کہ ایک دلخراش چیخ ماروں۔ پر آسان قسم کے مشروبات پڑھ کر چیخ ضبط کر لی کیونکہ آج کل مجھے پھر سے کھانے بنانے اور لکھنے کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ اگرچہ کھانا پکانا اور لکھنا ــــ دونوں کا میل بنا سمیں پر اپنے تو یہی شوق ہیں۔

فوزیہ کا ناول ہنوز دلچسپ ہے۔ زوبیہ پر شدید قسم کا ترس آیا اور ہمدردی محسوس ہوئی اور خرم اور عمل کا یہ ہر بار خطرناک قسم کا ٹکراؤ آئندہ چل کر شاندار محبت و دوستی میں بدلنے والا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں تین اقساط کے حوالے سے اتنا تبصرہ کافی ہے۔

رابعہ رزاق کبھی مسحور کرتی ہیں تو کبھی بے زار اور کبھی بالکل ہی الجھا دیتی ہیں۔ میں تو آج تک یہی سمجھتی آئی تھی کہ طارق محمود صاحب نے مریم سے شادی کی ہو گی۔ یہ عقدہ تو آج کھلا ہے اور راحت نے ندیم شاہ کو گولی کیوں ماری؟ ــــ خیر یہ بھی بھر کر ترس آتا ہے۔

انیلا کرن ایک طویل عرصے کے بعد ایک طویل ناول لے کر جلوہ گر ہوئیں۔ خضر کا کردار پسند آیا۔ آغاز میں امی جان کے انکار اور شدید قسم کے ردعمل پر ہم نے سوچا شاید امی کا ماہ نور کے خاندان سے کوئی پرانا خاندانی جھگڑا ہو گا مگر یہاں تو وجہ نہایت بودی نکلی اماجی کا کردار بھی ٹھیک رہا اور ماہ نور نے جیسے خضر کی محبت میں خود کو ڈھال لیا وہ قابلِ تعریف ہے۔

مناوے اپنی ہستی کو گر کچھ مرتبہ چاہیے 'ماہ نور نے واقعی یہی کیا ــــ بہت خوب مجموعی طور پر ناول اچھا رہا۔

لبنیٰ جبدون کو بھی خوش آمدید ــــ لبنیٰ مجھے تو آپ کا وہ ناول "اب میرا انتظار کر" نہیں بھولتا۔ کیا زبردست ناول تھا۔ کبھی ویسا ہی ناول دوبارہ لکھیے۔ اس ناول کی کہانی بھی خوب تھی۔ ماں 'اولاد کے سارے قصور معاف کر سکتی ہے۔ بد اولاد 'ماں سا ظرف کہاں سے لائے؟ طارق کے کردار کے بگاڑ کو بہت خوب صورتی سے بیان کیا اور ارما کا ردعمل بھی نہایت پسند آیا بالکل حقیقت کے قریب تر ــــ

نایاب جیلانی کا ناول اس بار بہت بور رہا معذرت کے ساتھ ــــ ایک تو مکمل ناول کے نام پر گنتی کے چند صفحات اور اس پر اس بار بھی وہی واقعات دہرائے گئے جو پچھلی بار ہم پڑھ چکے تھے۔ میرا دل کہتا ہے۔ پچھلے ماہ میں زیان نے ہوٹل میں جس لڑکی کو دیکھا تھا وہ سارہ ہی تھی ــــ اس کی بہن اور باقی کی کہانی نایاب خود مکمل کریں گی امید ہے کہ اگلے ماہ آخری قسط ہی ہو گی۔

عظمیٰ شبیر کا ناولٹ بھی خوب رہا مقدر اسے کہتے ہیں۔ واہ! یقین کامل ہو تو منزل خود چل کر سامنے آتی ہے۔ صائم

www.pkdigest.com

اور سمرو کے ملنے پر بہت خوشی ہوئی۔

شگفتہ بھٹی کے ناولٹ کی یہ قسط میں نے پڑھ ہی لی۔ وجیہہ کا کردار آگے چل کر عصمہ کے لیے خاصا مشکل ثابت ہوگا' یہ میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ ایسی کوئی بات نہیں جس پر میں فی الحال کچھ کہوں۔

بشریٰ احمد کے افسانے پر میں جی کھول کر ہنسی..... بچپن میں کے لیے چپس کی نئی اصطلاح بہت اچھی لگی' مگر جو بھرم ٹوٹا وہ۔ جہاں توقعات زیادہ ہوں وہاں ایسا ہی ہوتا ہے اور۔

سعدیہ غزل کا افسانہ بھی خوب رہا اور "لاحاصل" کا اختتام پڑھ کر دل نے بے اختیار کہا۔

"اسے کہتے ہیں شہ مات یا جو اوروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے خود اس میں گرتا ہے۔"

قارئین سے کیا گیا "ایک سوال" میں رابعہ کے جوابات نے خوب ہنسایا' مجھے اب بھی ہنسی آرہی ہے۔ ہاہاہا..... ملیحہ رفیق نے تو چند لفظوں میں بات ہی ختم کردی۔ وہ بھی اتنے سنگدل الفاظ میں..... نسبت زہرا نے لکھا تو خوب مگر ان کے الفاظ کا بہترین چناؤ بھی سوال کے مطابق نہیں تھا۔

دیگر بہنوں نے بھی خوب لکھا..... مستقل سلسلوں میں اس بار مسکراتی کرنیں' بھی بورنگ تھیں' بور اور پرانی یادوں کے دریچے سے" میں اس بار شمائلہ کرن کی ارسال کردہ داغ دہلوی کی غزل بہت زیادہ پسند آئی۔

اب "بول کہ لب آزاد ہیں" آپ نے تو شکووں کی پٹاری کھول دی۔ میرے ذہن میں لاتعداد شکوے مچل اٹھے۔ اب پتا نہیں زیر قلم کب تک آتے ہیں۔ خیر انتظار فرمایئے اور اب مجھے اجازت' اپنا خیال رکھیے گا۔

نواب زادی سولنگی..... تحصیل مورو سندھ

اب کرن بہت ہی لیٹ ملنے لگا ہے جس کی وجہ ہمیں معلوم نہیں۔ ٹائٹل اچھا تھا اداریہ سے ہو کر حمد پاک اور نعت سے دل کو منور کیا۔ "بیادِ محمود ریاض" پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ ایک دلربا انسان تھے اور اپنی ذات میں ایک بھرپور انجمن تھے خاص طور پر سعدیہ عزیز نے ان کے لیے جو محبت بھرے الفاظ لکھے وہ دل میں اتر گئے! انٹرویو میں مجھے صرف "صدف عمیر لغاری" کی گفتگو پسند آئی خاص طور پر جس طرح سے ان کی ملاقات ہوئی۔

پھر "ایک سوال" کے سروے کو پڑھا تو مجھے سیدہ نسبت گیلانی کے لکھے ہوئے الفاظ بہت پسند آئے کیونکہ ان کے الفاظ میں بہت گہرائی اور محبت تھی مجھے بھی آپ نے سروے میں شامل کیا جس کے لیے آپ کا بہت شکریہ!

نایاب جیلانی کو سب سے پہلے پڑھا اب اس اسٹوری کا اینڈ ہونا چاہیے کیونکہ اب ہر کردار مکمل طور پر واضح ہو گیا ہے۔ شگفتہ بھٹی کے ناولٹ کی تیسری قسط پڑھی جو کہ بھرپور تھی پتا نہیں اس اسٹوری میں محبت کا بھرم رہ پائے گا یا پھر اعتبار کی کرچیاں دل میں پیوست ہو کر رہ جائیں گی!

رابعہ رزاق کا ناول اپنے اینڈ کے طرف..... ہے عاشر اور کشمالہ کی جوڑی بہت اچھی ہے بس اب ساری کہانی اختتام پذیر ہونے والی ہے۔

فوزیہ یاسمین کا نیا ناول آہستہ سے آگے بڑھ رہا ہے "نمل اور خرم" کی جوڑی خوب جچے گی پہلے دشمنی اور پھر۔ اچھا جی ہم کچھ نہیں کہتے!

انیلا کرن کا نام دیکھ کر اچھا لگا مگر اسٹوری میں وہ بات نہیں تھی جو کہ ان کا انداز ہوتا ہے' بس سوسو تھی سو ہم نے بھی سو کر ہی پڑھی! افسانے اس بار سارے ہی بہت اچھے تھے خاص طور پر "چار سو روپے" بہت ہی پاور فل افسانہ تھا۔

لبنیٰ جبدین کا ناول اچھا تھا مگر اتنا زبردست نہیں تھا جتنی کی خواہش تھی۔

مستقل سلسلے سب اچھے تھے بس اپنے نام کی کمی پر جگہ محسوس ہوئی پتا نہیں میرا مواد آپ دوسرے سلسلوں میں شامل کیوں نہیں کرتے؟

"حسن و صحت" میں اس بار شہد کی قدر و قیمت کا پتا چل گیا۔

"کرن کرن خوشبو" میں سارے الفاظ دل کو چھو گئے اللہ کرن اس کے اسٹاف اور سب قارئین کو ہمیشہ خوش رکھے اور ہمارے ملک کو جو کہ اس وقت بہت نازک مراحل اور مسائل سے دوچار ہے اسے اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

☼ ☼

www.pkdigest.com